ہندو پاک کی اردو نعتیہ شاعری

(تقسیم سے اب تک)

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتحپوری ایڈوکیٹ

ہندو پاک کی اردو نعتیہ شاعری

(تقسیم سے اب تک)

مولّفہ

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتحپوری ایڈوکیٹ

سابق صدر شعبہ اردو و

مہاتما گاندھی پوسٹ گریجویٹ کالج فتح پور، یوپی-212601 (بھارت)

B

براؤن بُک پبلی کیشنز نئی دھلی

سلسلۂ مطبوعات۔ 41

HIND-O-PAK KI URDU NATIA SHAERI
TAQSEEM SE AB TAK
By

Dr. Mohd. Ismail Azad Fatehpuri Advocate
Ex-Senior Reader, Research Supervizor
&
Ex-Head Deptt. of Urdu
M.G.P.G. College, Fatehpur. (U.P.)

Year of Edition 2019
ISBN: 978-93-88928-39-7

نام کتاب	:	ہندوپاک کی اردونعتیہ شاعری، تقسیم سے اب تک
نام مؤلف وناشر	:	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتحپوری ایڈوکیٹ
پتہ	:	(ا) لال حویلی امام گنج بالمقابل جی۔ آئی۔ سی۔ جی۔ ٹی روڈ، فتح پور (یوپی) بھارت 212601
موبائل	:	09670799795 - 9415157070
قیمت	:	۷۷۷روپئے Rs. 777/-
اشاعت	:	۲۰۱۹ء
کمپوزنگ	:	یونک کمپیوٹر سینٹر شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ
مطبع	:	Touchstoneڈ جیٹل، نئی دہلی۔ 110002

کتاب ملنے کے پتے

۱۔ لال حویلی امام گنج بالمقابل جی۔ آئی۔ سی۔ جی۔ ٹی روڈ، فتح پور (یوپی) بھارت۔ 212601

۲۔ راجہ بک اسٹال پریڈ کانپور

۳۔ ۱۳۰مہاجری، فتحپور (یوپی) بھارت۔ 212601

انتساب

راقم، اپنی اس کتاب کو اپنے محترم ومکرم والد

عالی جناب حافظ محمد جمیل رحمۃ اللہ علیہ کو منتسب کرتا ہے،

جنھوں نے راقم کو وہ بنا دیا جو وہ اس وقت ہے۔

راقم اپنے مشفق و معظم والد صاحب کو

سب سے زیادہ چاہتا ہے،

جو اسے وہ ساری دعائیں دیتے ہوئے

عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف چلے گئے،

جو انھیں یاد تھیں۔

راقم

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد

فتح پوری ایڈوکیٹ

فہرست مشمولات

چوتھا باب

پانچواں باب

کتاب سے پہلے

راقم نے آج سے انتالیس سال پیشتر تک کی اردو نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ نعتیہ شاعری پر اب تک راقم کی چھ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں سے چار کتابیں نعت پر تحقیق و تنقید سے وابستہ ہیں، جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ نعتیہ شاعری کا ارتقاء (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) جس میں ۴۲۰ صفحات اور تین ابواب ہیں۔ پہلے باب کا عنوان نعت: تحقیق و تنقید ہے، جو دس ضمنی عنوانات میں منقسم ہے۔ اس باب میں ۱۰۹ صفحات ہیں، جن میں خالص نعت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ راقم نے اسی کتاب میں سب سے پہلے کھل کر نعت پر اپنے تحقیقی و تنقیدی نظریات پیش کیے ہیں۔ دوسرے باب کا عنوان عربی کے مشہور نعت گو شعرا ہے۔ جسے دو ضمنی عنوانات: عہد نبوی کے شعرا اور ۲۔ عہد نبوی کے بعد کے اہم شعرا میں تقسیم کر کے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث ایک سو نو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تیسرے باب کا عنوان ''فارسی میں نعت گوئی کا ارتقاء اور فارسی نعت کے مشہور شعرا'' ہے۔ اس باب میں صفحہ ۲۲۲ سے صفحہ ۴۲۰ تک فارسی کی نعتیہ شاعری پر خاطر خواہ بحث کی گئی ہے۔ راقم نے اردو کی نعتیہ شاعری اور اس کے اہم شعرا سے متعلق اپنی دو کتابوں: اردو شاعری میں نعت جلد اول اور اردو شاعری میں نعت جلد دوم میں بحث کی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں مجموعی صفحات ۴۲۷+۳۴۴=۷۷۱ ہیں۔ راقم کو لکھنؤ یونیورسٹی نے اس تحقیقی مقالہ پر ۲۶/ مارچ ۱۹۸۴ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی تھی۔ نعت پر راقم کی ایک کتاب ''اردو نعت اور غیر مسلم شعرا'' ہے۔ جس میں ۲۵۶ صفحات ہیں۔ راقم نے دو اور کتابیں انتخاب مجموعہ ہائے حمد و نعت پر بھی حوالۂ قرطاس کی ہیں، جن میں سے حمد و نعت کے مجموعہ کا نام ''صدائے حرم'' ہے اور اس کی ضخامت ۳۰۹ صفحات ہے، اس میں حمد و نعت کی بابت ۸۴ صفحات کا تحقیقی و تنقیدی مقدمہ ہے، غیر مسلم نعت گو شعرا کے نعتیہ مجموعہ کا نام ''سوغات صنم خانہ'' ہے، جس میں ۳۴ صفحات کا

مقدمہ ہے۔راقم کی یہ کتاب ۲۳۶صفحات کومحیط ہے۔اس طرح راقم نے نعتیہ شاعری پرتقریباً ڈھائی ہزار سے زائد صفحات حوالۂ قرطاس کیے ہیں۔علاوہ بریں راقم کی زیرنگرانی ایک ریسرچ اسکالر نے حمد پر تحقیقی کام کرکے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جوحمد پر دوسری پی ایچ۔ڈی ہے۔حمد پر پہلا پی ایچ ڈی کا مقالہ،بقول محترمی ومکرمی عالی جناب رشیداختر (دھنباد) حیدرآباد کے ڈاکٹرحسن طلعت کا ہے،جس کے نگراں ڈاکٹر میر محبوب حسین ہیں۔دنیائے ادب میں ہند سے حمد پر یہی دو مقالے ہنوز رقم کیے گئے ہیں۔پاکستان میں اب تک حمد پر صرف ایک پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔اس طرح اس شعبہ میں بھی ہندوپاک پر برتری حاصل ہے، چار خواتین تحقیق کنندگان نے ایم۔جی۔پی۔جی کالج فتح پور سے خالص نعت کے متعدد موضوعات پر تحقیقی کام کرکے پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اوران سبھوں نے یہ تحقیقی کام راقم کی زیرنگرانی کیا ہے۔

راقم کی شریک حیات ڈاکٹر شاہدہ پروین نے کانپور یونیورسٹی سے ایم اے اردو فرسٹ ڈیویژن میں پوری یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کرکے ’’اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ‘‘ پر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری مرحوم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی زیرسرپرستی حاصل کی ہے۔’’اردوشاعری میں نعت‘‘ کے موضوع پر راقم کی مذکورۃ السبق تینوں کتابیں نایاب ہوچکی ہیں۔لائق،نعت خواں، فاضل محقق و ناقد حمد ونعت اورنعت کے قابل قدر اور مفید مجلّہ ’’نعت رنگ‘‘ کے مدیراعلیٰ، عالی مرتبت سید صبیح الدین رحمانی نے متذکرہ بالا تینوں کتابوں کی نایابی کومحسوس کرتے ہوئے، ان کی دوبارہ طباعت واشاعت کا ارادہ کیا،جن میں سے اردونعت جلداول زیورطبع سے آراستہ ہوکر منظرعام پرآچکی ہےاور بقیہ دو کتابیں ہنوز تشنۂ طبع ہیں، جوانشاء اللہ جلد ہی منظرعام پرآجائیں گی۔نعت سے متعلق راقم کی یہ ساری کتابیں آج سے انتالیس (۳۹) سال ماقبل تک کی نعتیہ شاعری پرمبنی ہیں،ضرورت تھی اوراب بھی ہے کہ بقیہ انتالیس سال کی اردونعتیہ شاعری کا مکمل جائزہ لیا جائے اور اسے تحقیق وتنقید کی کسوٹی پراچھی طرح جانچ کرکے منظرعام پرلایا جائے۔اس عظیم و**فخیم** کام کی شدید اورجلد ضرورت کا احساس نعتیہ شاعری کے اہم و وقیع اوراستوارستون عالی منزلت سید صبیح الدین رحمانی دام علاہ کوہوا،جس کا اظہار موصوف نے راقم کی کتاب اردو

شاعری میں نعت جلد اول کے تعارفی اختتامیہ حصہ میں بایں طور کیا: ''گزشتہ تین چار دہائیوں کے عرصے میں نعت کے تخلیقی، تنقیدی اور تدوینی شعبوں میں گراں قدر کام ہوا ہے۔ نعتیہ ادب کا یہ زرخیز دور اپنی منفرد اور اہم خصوصیات رکھتا ہے، دعا ہے، کوئی صاحبِ توفیق ان کتابوں سے تحریک پا کر نعتیہ ادب کے پچھلے تیس برسوں کی تخلیقی رفتار، اسالیب کے تازہ پیرایوں اور رجحانات کا فکری وتنقیدی جائزہ لمحہ موجود (کذا) تک ترتیب دے کر اس کے مطالعاتی دائرے کو وسیع تر کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔'' راقم ہر چند ضعیف البنیان اور ناتواں انسان ہے، جسے اپنی ناتوانی کا احساس بھی ہے، لیکن چونکہ وقت کی ضرورت اور اس کا تقاضا شدید اور اہم ہے، اس لیے اس نے اس گراں بہا موضوع سے متعلق ان باتوں کو، جو اس کے صحیفۂ ذہن وصحیفۂ قرطاس میں محفوظ ہیں، تحقیق وتنقید کے خراد پر چڑھا کر کتابی شکل میں پیش کرنے کا اپنے سے عہد کیا اور کلّی طور پر خدا کے بھروسے پر اس گراں قدر کام کا آغاز کیا۔ راقم نے اس نووارد کتاب کا نام ''ہندو پاک کی اردو نعتیہ شاعری، تقسیم سے اب تک'' رکھا ہے۔

یہ مقالہ پانچ ابواب اور کتابیات پر مشتمل ہے، پہلے باب کا عنوان ''تقسیم ہند کے بعد کے ہندوستان میں زیب غوری سے لے کر لمحات حاضرہ تک کی اردو نعتیہ شاعری'' ہے، جس کا مطالعہ دو ضمنی عنوانات کے تحت کیا گیا ہے۔ پہلے ضمنی عنوان کے تحت تقسیم ہند کے باعث ہندوستان میں اردو کی انحطاطی کیفیت کا جائزہ اس طرح لیا گیا ہے کہ اتر پردیش اور ہندوستان کے دیگر شمالی صوبوں میں اس وقت کی کانگریسی سرکار کی اردو مخالف لہر کھل کر سامنے آ جائے اور اس مخالف اردو لہر کے وہ عواقب ونتائج بھی قاری کے سامنے آ جائیں، جو اس اردو مخالف لہر کے ثمرات ہیں۔ اردو مخالف یہ لہر اب ختم ہو چکی ہے اور آج کی سرکار میں اردو کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے، اردو کے سیکڑوں بیش بہا الفاظ عوام کی بولی میں سرایت کر گئے ہیں۔ مبدءِ نور محمدی ﷺ، مہبط انسان اوّل، وطن دل پذیر، عوض بہشت بے نظیر، جنت نشان، ملک ہندوستان کے ہر دل عزیز وزیر اعظم، عالی قدر، بلند مرتبت نریندر دامودر داس مودی دام علاہ، ہندوستان کے لائق احترام پارلیمنٹ میں اردو کے فصیح وبلیغ اور بہترین اشعار برمحل وبرموقع سناتے ہیں۔ اب موجودہ عہد میں اردو کو اردو والوں سے شکایت ہے، جو اپنے بچے بچیوں کو اردو سے نابلد رکھتے ہیں حتی کہ اردو کے سہارے حلوہ مانڈا اڑانے والے

پروفیسروں کی اولادیں بھی اردو سے ناآشنا ہیں۔ دورحاضر میں اردو میں دلچسپی رکھنے والے حضرات ترقی کررہے ہیں جس طرح ہندی کو وظائف مل رہے ہیں، اسی طرح اردو کو بھی وظیفے مل رہے ہیں۔ ابھی حال میں راقم کی کتاب ''ملا داؤد اور چنداین'' مصنفہ ۷۸۱ھ = ۸۰۔۱۳۷۹ء منظر عام پر آئی، جسے راقم کے محترم دوست ڈاکٹر سراج احمد قادری نے انٹرنیٹ میں لوڈ کیا اور موصوف نے جس رات اسے لوڈ کیا تھا اس کی صبح ہی شیراز کی ایک خاتون اور تہران کی دوسری خاتون نے، جنھوں نے اردو لغت پر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری لی ہے، اسے موبائل کے ذریعہ مبارک باد دی، اور اس پر اپنی جامع و مانع رائے بھی حوالۂ راقم کی، راقم ان دونوں کا بہت بہت سپاس گزار ہے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آج عالمی سطح پر اردو حمد و نعت پر سب سے زیادہ معیاری اور افادہ بخش کام ہندوستان ہی میں ہو رہا ہے۔ پہلے باب کے دوسرے ضمنی عنوان کے تحت زیبؔ غوری سے لمحات حاضرہ تک کے نمائندہ شعراء کا تذکرہ ان کے نعتیہ سرمائے کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

اس نو وارد کتاب کے دوسرے باب میں ایک سو ایک نمائندہ ہندوستانی شعرائے نعت کو منتخب کر کے ان کی نمائندہ نعت گوئی کے ممتاز خصائص اس طرح قلم بند کیے گئے ہیں کہ متعلقہ عہد کی نعت گوئی کے مابہ الامتیاز نعتیہ خصائص بخوبی واضح ہو جائیں۔

تیسرے باب میں تقسیم کے بعد کے پاکستانی اردو نعت گو شعرا کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ تحریک پاکستان، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے ضمنی عنوانات کے تحت اس طرح لیا گیا ہے کہ حقیقت حال واضح ہو جائے، بلوچستان، سندھ، حیدرآباد، کراچی اور پنجاب کے سیاق و سباق میں پاکستان میں اردو نعت کے ارتقاء پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے، اسی باب میں پاکستان میں اردو نعت گوئی کا مفصل جائزہ وہاں کے ایک سو ایک شعرا کی نعتیہ شاعری کے امتیازی خصائص کو مدنظر رکھ کر لیا گیا ہے۔

اسی تیسرے باب میں پاکستان کے سربراہ، جنرل ضیاء الحق اور فروغِ نعت کا ایک ضمنی عنوان قائم کر کے وہاں کے جنرل، ضیاء الحق کی ان مساعی جلیلہ کا ذکر خیر کیا گیا ہے، جو انھوں نے فروغِ نعت کے سلسلے میں کی تھیں۔

اس کتاب کے چوتھے باب میں تقسیم کے بعد پاکستان کی اردو نعت میں نمو پذیر

رجحانات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس باب میں ہندوستانی اور پاکستانی نعتوں کا جائزہ بھی وہاں کی شعری ہیئتوں اور صنفوں کو مدنظر رکھ کر لیا گیا ہے۔

راقم نے اپنی اس ساتویں کتاب کے پانچویں باب میں جس کے پاکستانی شعرائے نعت سے متعلق راقم کے سارے کے سارے معروضات ماخوذ و مستعار ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ اس طرح پیش کیا ہے کہ دونوں ملکوں کی نعتیہ شاعری کا باہمی فرق واضح ہو جائے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ دونوں ملکوں کی نعت گوئی میں جو ہیئتی، صنفی اور موضوعاتی فرق ہے، اس میں کمیتی و کیفیتی اعتبار سے ہندوستان کو پاکستان پر تفوق و برتری حاصل ہے، ہندوستانی اردو نعت گوئی وسعت میں دریا اور گہرائی میں کنواں ہے، یہ بات پراز واقعیت و حقیقت ہے کہ نعت کے میدان میں پاکستان کو اس کرۂ ارض میں دوسرا مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب کا جزو ''الف'' ماخوذات اور مستعارات پر مبنی ہے اور اس میں اپنے لفظوں میں بہت کم کہا گیا ہے کیونکہ یہ راقم کے سن شعور سے ماقبل کی باتیں ہیں۔

اسی باب میں ہر دو ممالک میں اردو نعت کے مستقبل کی توقعات پر بھی خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ ہر دو ممالک میں اردو نعت کا مستقبل روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

اس طرح اردو کی نعتیہ شاعری اس ساتویں کتاب کے منظر عام پر آ جانے کے بعد خود مکتفی بن جائے گی۔ راقم کی نعتیہ شاعری سے متعلق ان سات کتابوں کے ذریعہ اردو کی آفرینش یعنی ملا داؤد کی چنداین مصنفہ ۷۸۱ھ ۸۰۔۱۳۷۹ء سے لے کر دورِ حاضر ۲۰۱۸ء تک کی نعتیہ شاعری قارئین کے سامنے آ جائے گی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ راقم نے تقسیم کے بعد پاکستان کے جن ۱۰۱ شعرائے نعت کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے ان میں سے ۱۸ اصلاً پاکستانی ہیں بقیہ ۸۳ شعرائے نعت کا وطن اصلی ہندوستان ہے اور وہ سبھی یہیں سے ہجرت کر کے پاکستان گئے تھے۔

جہاں تک اردو نعت پر تحقیقی و تنقیدی کام کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اس شعبہ میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر بہتری و برتری حاصل ہے۔ ہندوستان میں اب تک ایک سو سے زائد مقالات برائے پی ایچ۔ ڈی لکھے جا چکے ہیں۔

ہندوستان سے نکلنے والے نعتیہ مجلّہ ''دبستان نعت'' کے ۲۰۱۸ء کے شمارے میں شامل ایک مقالہ میں راقم کی زیرنگرانی نعت پر پی ایچ ۔ڈی کی ڈگری سے نوازے گئے بہت سے حضرات وخواتین کا تعارف کرایا گیا ہے، جوایک قابلِ تقلید مستحسن قدم ہے۔اسی طرح عربی و فارسی زبانوں کے نعت گوشعرا پر ہندوستان میں محررہ کتابیں ان ہر دوزبانوں میں پاکستان میں لکھی گئی کتابوں سے کمیت وکیفیت دونوں اعتبار سے اعلیٰ وبرتر ہیں۔

بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے اردو نعت کا پہلا شاعر سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز المتولد ۷۲۰ھ والمتوفی ۸۲۵ھ کو بتلایا ہے، جوغلط ہے، ڈاکٹر رام کمار ورمانے اپنے تحقیقی مقالہ ''ہندی ساہتیہ کا آلو چناتمک اتیہاس'' میں ملا داؤد کوعلاء الدین خلجی، نظام الدین اولیاء وامیرخسرو کا ہم عصر بتلایا ہے۔واضح ہوکہ علاء الدین خلجی کا سن وفات ۷۱۵ھ اور نظام الدین اولیاء وامیرخسرو کے سنین وفات ایک یعنی ۷۲۵ ہیں، سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی جسمانی زندگی ۷۲۰ھ تا ۸۲۵ھ اوران کی ادبی زندگی ۸۱۵ھ تا ۸۲۵ھ کے عرصہ کومحیط ہے۔اس طرح علاء الدین خلجی، معاصر ملا داؤد، کے انتقال کے ۵ سالوں کے بعد سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز متولد ہوئے تھے یعنی ڈلمئو کے ملا داؤد سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودراز سے کافی بڑے تھے۔ملا داؤد کی مصنفہ مثنوی کا سن تخلیق ۷۸۱ھ، ۸۰۔۱۳۷۹ھ ہے، ملا داؤد نے متذکرہ بالا مثنوی کے سترہویں بند میں خود ہی کہا ہے:

برس سات سے ہوئے اکّیاسی تھما یہ کوی سرس ابھّیاسی
شاہ فیروز دلّی سلطانو جونا شاہ وزیر بکھانو
ڈلمئو نگر بسے نو رنگا اوپر کوٹ تلے بہے گنگا

اس طرح ملا داؤد، ساکن ڈلمئو اردو کے پہلے تخلیق کار، اردو کے پہلے مثنوی نگار اور اردونعت کے پہلے ناعت ہیں، اردو کا آغاز شمالی ہند کے رائے بریلی میں واقع قصبہ ڈلمئو میں ہوا، جوکانپور سے ۶۱ میل، رائے بریلی سے ۴۴ میل اورشہر فتح پور سے ۲۰ میل کی دوری پر واقع ہے۔فتح پورشہر کی باقر گنج پولیس چوکی سے چندفٹ قبل ایک پکی سڑک جی ٹی روڈ سے شمال کی طرف جاتی ہے، جس کا نام ڈلمئو روڈ ہے، پرانی دستاویزات کی چوحدیوں میں جانب شرق جانب غرب ڈلمئو روڈ کا اندراج ہے۔واضح ہوکہ ڈلمئو ملا داؤد کے زمانہ میں نگر

یعنی شہر تھا، جس کے جج ملا داؤد کے والد ملک مبارک تھے۔ بلکہ اسے اس وقت ہندوستان گیر شہرت حاصل تھی۔

محولہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اردو زبان کا مولد ومنشا شمالی ہند میں واقع رائے بریلی کا قصبہ ڈلمئو ہے، گنگا کے کنارے راجہ ڈال دیو کے قلعہ، قلعہ ڈلمئو میں بیٹھ کر ملا داؤد نے متذکرہ بالا مثنوی ''چنداین'' ۷۸۱ھ میں لکھی تھی، اس طرح اردو کا آغاز شمالی ہند میں ہوا، نہ کہ دکن میں۔

برائے پی ایچ۔ ڈی اردو نعت پر پہلا تخلیقی مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ہندوستان کے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ کا تخلیق کردہ ہے، موصوف کو ہندوستان کی ناگپور یونیورسٹی سے ۱۹۵۵ء میں اردو نعت پر پہلی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی تھی، اس مقالہ کا سن اشاعت ۱۹۷۶ء ہے یہ مقالہ باب دارالاسلام پرنٹنگ پریس کراچی کا مطبوعہ ہے۔

اس مقالہ کے صفحات مطبوعہ کی تعداد ۶۸۴ ہے۔ مرحوم ڈاکٹر رفیع الدین اشفاقؔ کو باری تعالیٰ نے ایک سو سال کی عمر عطا فرمائی تھی۔ اس طرح ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اردو نعتیہ شاعری پر تفویض کی گئی پہلی پی ایچ۔ ڈی ڈگری کا تخلیق کار ہندوستان کا ہے، نہ کہ پاکستان کا۔

تاریخ اردو نعت پر سب سے مختصر پہلی کتاب ہندوستان میں لکھی گئی ہے، اس کتاب کا نام ''اردو کی نعتیہ شاعری'' ہے۔ جس کے تخلیق کار بہار صوبہ کے ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ ہیں۔ اس کتاب کا سن تخلیق ۱۹۷۴ھ ہے اس کتاب کے بعد ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو کی نعتیہ شاعری پر ایک دوسری کتاب اسی نام (اردو کی نعتیہ شاعری) سے لکھی۔ اس کا بھی سن تخلیق ۱۹۷۴ء ہے، مقدم الذکر کتاب میں ۱۰۰ اور موخر الذکر میں ۲۰۸ صفحات ہیں۔ واضح ہو کہ (ڈاکٹر) پروفیسر فرمان فتح پوری اور ان کے آباء واجداد فتح پوری ہیں اور ہندوستان ان کا وطن اصلی ہے، پروفیسر موصوف کو اپنے اصلی وطن فتح پور سے اس قدر محبت والفت تھی کہ آپ نے تاحیات ''فتح پوری'' کو اپنے نام کا لاحقہ بنائے رکھا۔

ہندوستان میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا کا ایک ایسا طبقہ چلا آ رہا ہے جس نے قدیم زمانہ سے معیاری اور قابل تعریف نعتیں لکھی ہیں۔ یہ طبقہ عددی اعتبار سے اتنا عظیم و **فخیم** ہے کہ ڈاکٹر نگار سلطانہ نے بیسویں صدی کے اواخر میں بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعرا

پر ایک وقیع اور مقتدر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ پی ایچ ڈی کا یہ مقالہ اس قدر معیاری ہے کہ پاکستان کے ایک اہم محقق مرحوم نور احمد میرٹھی نے اپنے مقتدر مقالہ ''بہر زمان، بہر زبان' میں آنسہ ڈاکٹر نگار سلطانہ کے معرض بحث مقالہ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پی ایچ ڈی کا یہ مقالہ غیر مسلم نعت گو شعرا پر اغلباً پی ایچ ڈی کا پہلا مقالہ ہے اور یہ کہ یہ راقم کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے، جب کہ پاکستان میں غیر مسلم شعرائے نعت پر پی ایچ۔ڈی سطح پر تحقیقی وتنقیدی کام کرنے کی بات ابھی تک سوچی بھی نہیں گئی۔

راقم نے اردو نعت پر سات کتابیں لکھی ہیں، جو ڈھائی ہزار سے زائد صفحات کو محیط ہیں جب کہ اغلباً پاکستان کے کسی بھی صاحب قلم نے اردو نعت پر اتنے صفحات حوالۂ قرطاس نہیں کیے، اس سے بھی پاکستان پر ہندوستان کی برتری ثابت ہوتی ہے۔راقم کی نگرانی میں چار ریسرچ اسکالرز نے خالص نعت پر تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیں۔ یہ بھی ہند کی عالم میں برتری کی دلیل ہے۔

پاکستان کو وطن ثانی بنانے والے ایک ہندی الاصل تخلیق کار عالی منزلت نور احمد میرٹھی نے ہندو پاک کے غیر مسلم نعت نگاروں پر ایک وقیع کام کر کے اپنی اس عظیم تخلیق کا نام ''بہر زمان، بہر زبان'' صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے۔ مرحوم کا یہ کام کافی معیاری ہے، راقم کی ایک کتاب ''سوغاتِ صنم خانہ'' ہندوستان کے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری سے متعلق ہے جو راقم کے موروثی مکان ۱۳۰، محلّہ مہاجری شہر فتح پور (یو پی) بھارت میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی، واضح ہو کہ فتح پور کا یہ موروثی مکان راقم کا مسقط الراس بھی ہے، ''سوغات صنم خانہ'' کی تاریخ تکمیل ۹/جولائی ۱۹۹۲ء ہے لیکن وہ زیور طبع سے ۲۰۱۳ء میں آراستہ ہوئی۔ اس غیر مطبوعہ تخلیق کی فوٹو کاپی مرحوم نور احمد میرٹھی نے راقم سے حاصل کی تھی اور اس کے حوالے، انھوں نے اپنی تخلیق ''بہر زمان، بہر زبان'' میں بکثرت دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں صفحات ۱۹۹، ۲۵۳، ۲۹۰، ۳۶۵، ۳۷۸، ۶۰۳۔ بہر زمان، بہر زبان صلی اللہ علیہ وسلم از مرحوم نور احمد میرٹھی، ناشر فکر نو، ۳۵ بی ۱۱/ ۸ ۷ کورنگی کراچی ۷۴۹۰۰، سال اشاعت ۱۹۹۶ء) مرحوم نور احمد میرٹھی نے کتابیات میں غیر مطبوعہ کے ضمن میں راقم کی کتاب ''سوغات صنم خانہ'' کا نام درج کیا ہے۔ (بہر زمان، بہر زبان، ص۔۶۴۴) ''بہر زمان،

بہر زبان'' میں مشمول اکثر شعرا ہندوستان کے ہیں، اس طرح ''سوغات صنم خانہ'' از راقم کو تخلیقی اعتبار سے ''بہر زمان، بہر زبان'' پر تقدم بالتخلیق حاصل ہے، جب کہ تقدم بالاشاعت کا شرف مرحوم نور احمد میرٹھی کی تخلیق ''بہر زمان بہر زبان'' کو حاصل ہے اور یوں سوغات صنم خانہ، کتاب بہر زمان بہر زبان سے عمر میں چار سال بڑی ہے۔

ہندوستان میں غیر مسلم نعت گویوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے، جس نے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کمیتی وکیفیتی اعتبار سے اتنی اچھی نعتیں کہی ہیں کہ اگر ان کے اسمائے گرامی نہ لکھے جائیں، تو ان کی نعتیہ کاوشات سے قطعاً پتہ نہ چلے گا کہ وہ ہندو ہیں یا مسلم۔ ہندوستانی غیر مسلم شعرا و شاعرات نعت نے قرآنی، احادیثی و تاریخی تلمیحات بھی بکثرت استعمال کی ہیں اور وہ اس شعبہ میں بھی کسی طرح مسلم نعت گو شعرا سے کم تر درجہ کے نہیں ہیں۔

آخر میں کتابیات کے تحت وہ ساری کتابیں ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں، جن کی استعانت سے یہ کتاب ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے۔

واللّٰہ ہو المستعان

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد ایڈوکیٹ فتح پوری
لال حویلی، امام گنج، بالمقابل جی۔آئی۔سی
جی۔ٹی روڈ، فتح پور، یوپی، بھارت
۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ
۲؍جون ۲۰۱۹ء، بروز یکشنبہ

پہلا باب (الف)

تقسیم ہند کے باعث ہندوستان میں اردو زبان وادب کی انحطاطی کیفیت

قبل اس کے کہ موجودہ عہد میں اردو کے انحطاط پر روشنی ڈالی جائے یہ ضروری ہے کہ انحطاط کے اسباب کا جائزہ لیا جائے اور انحطاط کب سے شروع ہوا اس کا ذکر کر دیا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اردو زبان کی پیدائش اور اس کی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ اردو کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تمام ہندوستانی زبانوں سے استفادہ کیا اس کی تشکیل میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی، سب نے حصہ لیا، اس لیے وہ خالص ہندوستانی زبان تسلیم کی گئی اور اس کے بولنے اور سمجھنے والے پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور وہ تمام سرکاری، نیم سرکاری، پرائیوٹ اداروں، کچہریوں، اسکولوں، کالجوں میں باقاعدہ استعمال کی جاتی تھی۔ اور اس کا چلن عام تھا۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے وہ پرائمری درجات سے لے کر اعلیٰ درجات تک پڑھائی جاتی تھی۔ اساتذہ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ دونوں زبانیں جانیں، ہندی والے اردو اور اردو والے ہندی پڑھیں تو اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو ہی ایک ایسی زبان تھی کہ متحدہ قومیت ملک کی سالمیت اور مشترکہ تہذیب اسی کی بدولت ہندوستان میں تھی۔

یوں تو اردو کی مخالفت کا سلسلہ انفرادی طور پر آزادی سے پہلے بھی تھا، لیکن اردو کے چلن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور سرکاری، نیم سرکاری اداروں، کچہریوں اور دفتروں میں زیادہ تر کام اردو ہی میں ہوتا تھا۔ لیکن حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ ملک کو آزادی ملتے ہی اردو کی مخالفت میں شدت آ گئی، خاص طور پر سیکولرازم کی دعویدار اور حکمراں جماعت کے بعض رہنماؤں نے اردو کو ختم کرنے کی منظّم اور موثر طریقے سے کوشش کی۔

اس میں محکمۂ تعلیم نے خاص طور پر اردو کو ختم کرنے کی کوشش کی اس نے سب سے پہلے ایک سرکلر نکالا جس میں یہ ہدایت کی گئی کہ چونکہ اکثریت کی مادری زبان ہندی ہے اس لیے سب کی مادری زبان ہندی سمجھی جائے گی۔ یہ سرکلر ہر اسکول میں بھیجا گیا اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ہدایت کی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیمی اداروں میں اردو پڑھانا ممنوع قرار دے دیا گیا، خاص طور پر پرائمری درجات میں۔

نصاب تعلیم اس انداز سے مرتب کیا گیا کہ کوئی طالب علم اردو نہ پڑھ سکے۔ جونیر ہائی اسکول، ہائی اسکول اور انٹر، بی اے میں اردو یا انگریزی کو رکھا گیا۔ اب اگر کوئی لڑکا اردو لیتا ہے تو انگریزی نہیں لے سکتا، اس کے خلاف جدوجہد شروع کی گئی۔ سب سے پہلے تو سرکولر پر اعتراض کیا گیا کہ محکمہ تعلیم کا یہ حکم انتہائی بے وقوفی اور ظلم پر مبنی ہے۔ اس سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اکثریت کا مذہب ہندو ہے اس لیے سب کا مذہب ہندو سمجھا جائے گا اور بیسک ریڈروں اور دوسری کتابوں کے ذریعے سے شدھی کا پرچار کیا گیا اور اردو کے خلاف منظّم کوشش کی گئی۔ یوپی میں سب سے زیادہ اردو دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ راج رشی ٹنڈن جی اور راج شری سمپورنا نند تو اردو کو زبان ہی تسلیم نہیں کرتے تھے اور وہ اردو کو فرقہ پرستی پھیلانے والی زبان کہتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اردو وہی زبان ہے جس نے تحریک آزادی میں سب زبانوں سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ''انقلاب زندہ باد'' ''آزادی یا موت'' کے نعرے ہر جلسہ جلوس میں لگائے جاتے رہے۔ سرفروشی کی تمنا اسی زبان نے پیدا کی۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اردو ہی وہ زبان ہے جس نے قصر بکھنگم کو ہلا دیا۔ اس کے باوجود انگریزی حکومت نے کبھی اردو پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی۔ جوشؔ ملیح آبادی نے ۱۹۳۹ء میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب'' کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔ جس میں انگریزوں کا ہندوستان میں تجارت کرنا تجارت کے بھیس میں حکومت کے خواب دیکھنا ہندوستانیوں پر ظلم وستم کرنا وغیرہ نظم کیا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہو چکی تھی انگریزوں کی حکومت جس کے لیے مشہور تھا کہ ان کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا، ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس نظم میں

جوشؔ نے تاریخی واقعات بیان کیے ہیں۔

کس زبان سے کہہ رہے ہو آج تم سودا گرو دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو
جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر بھیڑیا ہے بھیڑیا بھیڑئے کو مار دو گولی پئے امن و بقا

اس طریقے سے ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا جب تم یہاں آئے تھے۔

ہندیوں کے جسم میں کیا روحِ آزادی نہ تھی
سچ بتاؤ کیا وہ انسانوں کی آبادی نہ تھی

غرض اس نظم میں انگریزوں کے ظلم سے متعلق انھوں نے حقائق بیان کیے۔ مثلاً دست کاروں کے انگوٹھے کاٹ دینا، جھانسی کی رانی، اودھ کی بیگمات، ظفر کی ہجرت، ٹیپو سلطان کی شہادت کی خونی داستانیں لکھیں، اسی طرح بہادر شاہ ظفر کے سامنے خوان میں ان کے پوتوں کا سر کھانے کے لیے لانا، واجد علی شاہ کو لکھنؤ سے مٹیا برج میں قید کر دینا۔ جلیان والا باغ میں ہندوستانیوں کو گولیوں سے بھون دینا، بھگت سنگھ، اشفاق اللہ، رام پرساد بسمل وغیرہ کو پھانسی پر چڑھا دینا۔ یہ تمام مظالم انھوں نے اردو زبان میں لکھے اور ہندوستان کی کسی دوسری زبان نے اس طرح کی نظم یا نثر میں انگریزوں کو اس طرح چیلنج نہیں کیا آخر میں جوشؔ نے صاف صاف کہہ دیا۔

اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمھارے خون کی
وقت کا فرمان اپنا رخ بدل سکتا نہیں موت ٹل سکتی ہے اب فرمان ٹل سکتا نہیں

یہی ہے وہ زبان جس کے لیے راج رشی ٹنڈن اور سمپورنا نند اور دوسرے کانگریسی نیتا یہ فرماتے ہیں کہ اردو کوئی زبان نہیں ہے، اردو والے غدار ہیں، پھانسی کے حقدار ہیں، اردو نے ہندوستان کو تقسیم کرایا۔ اردو نے فرقہ پرستی پھیلائی۔ غرض وہ ہر طریقے سے اردو کو ہندوستان سے ختم کر دینا سب سے بڑی دیش بھکتی سمجھتے تھے۔ اب حد یہ ہے کہ ۱۵/اگست ۴۷ء کو جب آزادی کا پہلے پہل جھنڈا لہرایا گیا تو امین الدولہ پارک لکھنؤ کے جھنڈے کے نیچے اردو کی عبارت کو کھرچ کر مٹا دیا گیا اس سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اردو کی مخالفت سب سے زیادہ اتر پردیش میں اور اس کے بعد بہار اور دوسرے ہندی بولنے والی ریاستوں میں ہوگی۔

اس سلسلے میں محکمۂ تعلیم نے اہم رول ادا کیا۔ اس نے ۱۹۴۸ء کا تعلیمی سیشن شروع ہونے سے پہلے اسکولوں میں ایک سرکلر بھیجا کہ یو پی میں اکثریت کی مادری زبان ہندی ہے

اس لیے سب کی مادری زبان ہندی سمجھی جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس صوبہ سے اردو ختم ہوگئی۔ اس کے علاوہ اردو، دفتروں، کچہریوں اور تمام محکموں میں استعمال ہوتی تھی، وہ بھی ختم ہوگئی۔

یوں قتل سے بچوں کے، وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس کے خلاف مسلسل جدوجہد ہوتی رہی، جمعیۃ العلماء کے صدر شاہد فاخری اسمبلی کے ممبر تھے۔ مولانا نے ایک صاحب کا حوالہ لکھتے ہوئے کہا کہ انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ اردو کا مطالبہ کیوں کیا جارہا ہے۔ مولانا نے جواب دیا ''ہم اردو کا مطالبہ ضرور کریں گے اور سختی سے کریں گے اور اپنی زندگی کی قیمت پر کریں گے، کوئی حکومت یا طاقت ہم کو اس مطالبہ سے روک نہیں سکتی۔ ہندی ہماری قومی اور ملکی زبان ہے اردو بھی ہماری زبان ہے، جب تک ہم باقی ہیں اردو بھی باقی رہے گی، ہم زندہ ہیں تو اردو بھی زندہ رہے گی۔ آپ یہ نہ سمجھئے ہم گونگے ہیں، ہمارے منہ میں زبان ہے اور ہم اپنے مطالبات برابر جاری رکھیں گے۔

مولانا حفظ الرحمٰن پارلیمنٹ کے ممبر تھے انھوں نے پارلیمنٹ میں مسٹر ٹنڈن اور سیٹھ گووند داس کی مخالف تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اردو کو دیس سے نکالنے کی کوشش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے میں اس کے خلاف پرزور احتجاج کرنے اور یہ بتانے کے لیے کھڑا ہوا ہوں کہ حق کی آواز کو ٹنڈن جی کا یہ طریقہ ہرگز دبا نہیں سکتا، ہم ایک منٹ کے لیے بھی مرعوب نہیں ہوسکتے۔ ہم سب یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ملک کی سرکاری زبان ہندی ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو جو اس ملک کی پیداوار ہے اور ہندو اور مسلمانوں کے باہمی پریم ساگر کا ایک بہترین نشان ہے اس کو بھی تعلیمی اداروں اور سرکاری اداروں میں سرکاری حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ ٹنڈن جی نے اردو کو پاکستان کے ساتھ جوڑا ہے اور سیٹھ گووند داس جی اردو کو انگریزی کی طرح دیس نکالا دینا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اس ملک میں نہیں ہونے دی جائیں گی اور ان کا مقابلہ ڈٹ کر کیا جائے گا۔''

سیٹھ گووند داس اردو کے خلاف جوزہر اگلتے ہیں اور پاکستان کا نام لیتے ہیں جیسے یوپی میں اردو تحریک کے بارے میں انھوں نے کہا بھارتی کلچر کے خلاف فرقہ پرستی کی تحریک ہے، یا مسلم لیگی نظریہ کو زندہ کرنا ہے، میرے ہی نزدیک نہیں بلکہ پورے ہاؤس میں اردو تحریک ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی اور یوپی کے بسنے والے چلا رہے ہیں، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہتا ہوں اس تحریک کی مخالفت کرنے والا خود فرقہ پرست ہے اور ملک کے آئین کا بہت بڑا مخالف اور دشمن ہے۔''

جواہر لال نہرو نے صوبائی کانگریس کمیٹی کو ہدایت دی ''اردو ہمارا قیمتی ورثہ ہے اور ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اسے کسی طرح سے دبانا یا نشونما کے مواقع نہ دینا ایک المیہ ہوگا۔ جو آخر میں خود ہندی کے لیے مضرت رساں ہوگا، مجھے اس بلاضرورت جھگڑے پر افسوس ہو رہا ہے جو ہندی اور اردو کے بیچ چلایا جا رہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں بیک وقت دو علاقائی زبانیں پڑھائی جاسکتی ہیں، اردو زبان کی ترقی اور اشاعت ضروری ہے۔''

وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے مسٹر ٹنڈن اور سیٹھ گووند داس کے الزمات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہندی کی سب سے بڑی دشمن وہ ذہنیت ہے جس کے ماتحت یہ الزام لگایا گیا۔ انھوں نے کہا دوسری زبانوں کی دشمنی ہندی دوستی نہیں ذہنی خرابی ہے۔ اس ذہنیت کے جو لوگ دوسری زبانوں کو ختم کر کے ہندی کی ترقی چاہتے ہیں، خود ہندی کو بڑھانے کی کوشش نہیں کرنا چاہتے جو انتہائی غلط ذہنیت ہے۔''

اردو ادب میں جہاں مسلمان ادیبوں اور شاعروں کے شہ پارے ہیں وہاں ہندو اہل قلم کے فن پارے بھی ہیں۔ پریم چند، چکبست، دیا شنکر نسیم وغیرہ نے اردو کے پودے کی آبیاری اسی طرح کی ہے جیسے مسلم ادیبوں اور شعرا نے۔ موجودہ دور میں بھی بے شمار ہندو اہل قلم کے نام لیے جاسکتے ہیں، جنھوں نے اردو کو ہی اپنایا ہے، کرشن چندر، رگھو پت سہائے فراقؔ، مالک رام، راجندر سنگھ بیدی، کشن چند وغیرہ اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ اردو ہندو اور مسلمان دونوں میں یکساں مقبول ہے۔

کسی ماہر لسانیات نے کہا ہے کہ زندہ زبانوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ اپنانے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ اردو میں یہ خصوصیت موجود ہے، اردو کے دامن میں اتنی وسعت ہے کہ ترکی، فارسی، ہندی، سنسکرت، عربی اور انگریزی کے الفاظ سب اس کے اندر بآسانی سما جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اردو کی مقبولیت بھی بڑھ رہی ہے۔

ہندوستان کی تمام زبانوں میں اردو سب سے زیادہ شیریں زبان ہے۔ اردو کے ساتھ اس تعصب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگ اردو کو غیر کی زبان سمجھتے ہیں، جن کو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے لیکن ایسا سمجھنا تاریخ اور حقائق سے چشم پوشی کرنا ہے۔ مسلمان فاتح جب ہندوستان آئے تو ان کی زبان ترکی یا فارسی تھی، اور ہندوستان کے مقامی باشندوں کی زبان ہندی یا سنسکرت تھی، مسلمانوں اور ہندوؤں کے میل جول نے ایک دوسرے سے رابطے اور گفتگو کے لیے ایک تیسری زبان کو جنم دیا جو لشکری زبان یا اردو کہلائی، اس لیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے حقیقت یہ ہے کہ اردو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ کوششوں سے وجود میں آئی، پلی بڑھی اور پروان چڑھی۔

ہندوستان کی ایک بڑی اکثریت اردو بولتی اور سمجھتی ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جن فلموں میں اردو مکالمے اور گانے ہوتے ہیں وہ عوام میں ان فلموں کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہوتی ہیں، جو شدھ ہندی میں بنتی ہیں، مشاعروں کی مقبولیت بھی اس کی مقبولیت کا ثبوت ہیں۔

اردو پڑھنے والوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے اور اردو کی کتابیں اور رسالے جتنے آج چھپ رہے ہیں اتنے پہلے کبھی نہیں چھپے تھے، یہ اردو کی مقبولیت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

آزادیٔ ہند کے بعد، اردو کے مطلع پر تعصب، فرقہ واریت، زبردستی، ہٹ دھرمی اور جمہوریت نما آمریت کی تیرہ و تاریک گھٹائیں چھا گئیں، ہندوستان کی عام فہم زبان، یہیں پیدا ہونے اور بڑھنے والی زبان، یہیں کے رہنے اور بسنے والوں کی مشترکہ زبان اردو، فرقہ پرستوں کو کون کہے، بڑے بڑے کانگریسی نیتاؤں، کانگریسی حکومت کے وزیروں اور افسروں کی نظر

میں مردود و معتوب مقہور، بدیسی اور صرف مسلمانوں (ملیچھوں) کی زبان قرار پائی، راج رشی ٹنڈن جی اور شری سمپورنانند جیسے روشن خیال، سنجیدہ اور سمجھدار حضرات نے بھی اردو کو گردن زدنی قرار دیا اور اس کے خلاف باقاعدہ محاذ بنا کر، ہر ممکن طریقے سے اس کو ختم کرنے کی اسکیمیں بنائیں اور اس پر عمل کرنے کی، نہ صرف اپنے متعلقین کو ہدایت کی بلکہ پبلک جلسوں میں، کانگریس کے پلیٹ فارم سے، ہندی سمّیلنوں سے ایسی تقاریر کیں جن سے اردو کے خلاف اتنا جوش پیدا ہوا کہ اردو، نیز اردو والوں کے لیے، ہندوستان کی سرزمین تنگ وتاریک ہوگئی، جمہوریت کے راج میں اردو والوں کو سانس لینے تک کا حق نہ رہا، ان کی زبان کو اسکولوں سے دفتروں سے، کچہریوں سے، غرض ہر جگہ سے ختم کر دیا گیا، اس میں صرف گورنمنٹ کے ایک محکمۂ تعلیم نے اردو کو ختم کرنے کی باقاعدہ اور مؤثر جدوجہد کی اور اس نے جولائی ۱۹۴۸ء کی ایک مخصوص رات کو لاکھوں بچوں کی مادری زبان اردو کے بجائے ہندی کر دی۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۹۴۷ء سے پہلے تمام اسکولوں میں ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کی تعلیم ہوتی تھی، ذریعہ تعلیم اردو ہی تھا، دیہات، قصبہ، شہر، ہر جگہ، شاید ہی کوئی اسکول، مدرسہ، کالج ایسا رہا ہو جس میں اردو کے پڑھنے اور پڑھانے والے نہ ہوں، ہر مدرس ہندی کے ساتھ اردو زبان بھی جانتا تھا، پرائمری اور مڈل اسکولوں میں، دونوں زبانوں کا طریقۂ تعلیم سکھایا جاتا تھا، یہی حال ہائی اسکول اور کالجوں کا تھا وہاں بھی طلباء اور اساتذہ کی کافی تعداد موجود تھی، گویا ۱۹۴۷ء تک ہر طالب علم کو اپنی مادری زبان اردو میں پڑھنے پڑھانے کی آسانی حاصل تھی۔

آزادی کے بعد تمام زبانوں کو یہ امیدیں تھیں اور بجا تھیں کہ اب ہمیں ترقی کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے گا، آزاد فضا میں وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر سکیں گی، لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔

۱۹۴۷ء سے نصاب تعلیم سے اردو کو مسلسل خارج کرنے کے جو ذلت آمیز اور حیرت انگیز طریقے اور ذرائع اختیار کیے گئے۔ خود یوپی گورنمنٹ گزٹ حصہ ۵ اس کا شاہد ہے، مادری زبان کا فارمولہ اکثریت کی زبان کے بموجب بنایا گیا ہے۔

''چونکہ اکثریت کی مادری زبان ہندی ہے اس لیے عوام کی مادری زبان ہندی تسلیم

کی جائے گی۔'' اور جب نظریہ یہ ہو گیا کہ اقلیت کی مادری زبان بھی وہی سمجھی جائے جو اکثریت کی مادری زبان ہے تو پھر اگر ۱۹۴۸ء میں جولائی کی ایک مخصوص تاریخ کو جب بیسک پرائمری اسکول یا ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ کے اسکول کھلے اور وہاں رجسٹر داخل خارج میں طلباء کی مادری زبان اردو کے بجائے ہندی کر دی گئی تو اس میں شکایت کی کون سی بات ہے۔ یہ تو عین جمہوری اصولوں کے تحت اور سرکار کے سرکلر کے بموجب کیا گیا۔

۱۹/مئی ۱۹۴۸ء کو جو نصابِ تعلیم گورنمنٹ گزٹ حصہ ۴ میں شائع کیا گیا، اس میں اردو کو پانچویں درجے تک بالکل غائب کر دیا گیا، چھٹے درجہ سے اردو کو انگریزی اور دوسرے اختیاری مضامین کے ساتھ رکھا گیا اور شرط یہ رکھی گئی کہ طالب علم ان میں سے صرف ایک مضمون لے سکتا ہے، ظاہر ہے ضروریات زمانہ کے پیش نظر، ہر طالب علم اردو کے بجائے انگریزی پڑھنے پر مجبور ہے اس لیے اردو بالکل غائب ہو گئی۔

جولائی ۱۹۴۸ء میں جب اسکول کھلے تو اردو کا جنازہ نکل چکا تھا، تمام اسکول سے اردو غائب ہو چکی تھی، مثال کے طور پر لکھنؤ میونسپل بورڈ کے تحت جتنے پرائمری اور مڈل اسکول تھے سب میں اردو کا خاتمہ کر دیا گیا اور ایک ہی رات میں اردو کے اس مرکزی اور تاریخی شہر کے بچوں کی مادری زبان میونسپل اسکولوں میں ''ہندی'' ہو گئی۔

محکمۂ تعلیم کے اس جمہوریت پسند عمل پر طلبا اور سرپرستوں کو مبارک، سلامت کے پیغام دیے گئے، ایک ہی رات میں ہندی کو سو فیصدی زبان کر دینے پر کامیابی و شادمانی کے نقارے بجائے گئے، لکھنؤ میونسپل بورڈ کے شعبۂ تعلیم کی اردو کشی کی جدوجہد پر ہزار آفریں کہ اس نے صوبہ بھر میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے اور آج بھی اس کے اسکولوں میں اردو تعلیم برائے نام ہے۔ جب اردو اور حکومت دونوں کے مرکزی شہر لکھنؤ کی یہ حالت ہے تو دیگر ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل بورڈوں کے اسکولوں کی جو حالت ہوگی، ظاہر ہے۔

۱۹۴۹ء میں بھی بنیادی تعلیم کا جہاں تک تعلق ہے اردو پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی، اگرچہ محبانِ اردو اس بات پر برابر زور دیتے رہے کہ بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جانا ضروری ہے، بچوں کو ان کی اپنی زبان میں تعلیم نہ دینے کا مطلب ہے جان بوجھ کر ان کی ذہنی و دماغی صلاحیتوں کو ختم کرنا، آزادی سے پہلے ہمارے ماہرین تعلیم ہی نہیں بلکہ دیس کے سچے

نیتاؤں نے اس بات پر بہت زور دیا تھا کہ مادری زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ذریعہ تعلیم بھی مادری زبان میں ہونا چاہیے ورنہ دیس ترقی نہیں کر سکے گا۔ خدا خدا کر کے ان کو کامیابی ہوئی، پرائمری اور مڈل اسکولوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اسکولوں میں بھی جملہ مضامین مادری زبان میں پڑھائے جانے لگے، لیکن آزادی کے بعد جب یہ دیس کے سیوک اور نیتا صاحب اختیار بنے تو پھر ان میں سے بہتوں نے اردو کشی کو اپنا نصب العین بنایا اور اس کو مٹانا سب سے اہم فریضہ سمجھا یوپی میں کانگریس سرکار اور کانگریس جماعت دونوں نے جس طرح اردو کی گردن پر چھری چلائی اس کو اردو کے دوست دشمن دونوں جانتے ہیں۔ یوپی کانگریس نے تو عین ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء ہی کو آزادی کی تحریک کی ابتدا کرنے والی اور اس میں جان ڈالنے والی زبان اردو کو قتل کر دیا، آزادی مل جانے کے بعد آزادی دلانے والی زبان سے اس قدر نفرت ہوگئی کہ اس کے رسم الخط کو بھی باقی رکھنا گوارا نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں جو کچھ اردو میں لکھا ہوا تھا اس کو کانگریس نے اپنی رواداری، اصول پرستی، جمہوریت پسندی اور وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے یک قلم مٹا دیا۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا!
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

اور یہ سب کچھ مہاتما گاندھی کی زندگی میں ہوا، اس وقت تک کانگریس ہندوستانی زبان کو دونوں رسم الخط میں تسلیم کرتی تھی اگر وہ زندہ رہتے تو شاید اردو بھی آزادی کی فضا میں پروان چڑھتی، اور ترقی کرتی لیکن جس طرح ہندوستان کو نجات دلانے والے کو دیش کے فرقہ پرست عناصر نے پستول کی گولیوں کا نشانہ بنا کر ہندوستان کا سر ہمیشہ کے لیے نیچا کر دیا، اس طرح مشترکہ اور متحدہ قومیت کی علمبردار ہندوستان کی تمام زبانوں میں آزادی کی سب سے بڑی اور پرجوش حامی، انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگانے والی اردو زبان کو پورے چھ ماہ کے اندر قتل کر دیا گیا اور آخر کار وہ دن آ گیا جب ۱۹۵۱ء میں آنریبل وزیر تعلیم یوپی شری سمپورنا نند جی نے یوپی اسمبلی میں اردو اور ہندی کے اعداد شمار پیش کرتے ہوئے نہایت فخر کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ اردو نام کی کوئی زبان ان کے صوبہ میں نہیں ہے۔

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

اس سے پہلے ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ نے عین یوم آزادی کے موقع پر اردو کا پروگرام نہ رکھ کر جمہوریت کے تاج میں چار چاند لگا دیے تھے۔

۱۹۴۹ء سے اردو کے شیدائی اپنی پست ہمتی اور مشکلات کے باوجود مسلسل کوشش کرتے رہے اور حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراتے رہے کہ ان کے بچوں کے لیے اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے، لیکن محکمۂ تعلیم یو پی کی ٹکسٹ بک کمیٹی پر آنریری اسپشل افسر مسٹر رامیشور سہائے سنہا کا آمرانہ قبضہ تھا جو اردو کے جانی دشمن تھے۔ انھوں نے اردو کشی کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں کیے اور جن جن طریقوں سے اردو پڑھنے والوں کو ختم کیا، لسانی سامراج پسند طبقہ اور ہندی کے حامی، نیز فرقہ پرست عناصر اردو کشی کی تاریخ میں ان کا نام سنہرے حروف میں لکھیں گے، سرکاری نصاب تعلیم کی شہ پا کر تمام اسکولوں سے یک لخت اردو کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ اردو پڑھنے والوں کو ہندی تعلیم پر مجبور کیا گیا ان کی مادری زبان کاٹ دی گئی اور ہندی لکھ دی گئی، بیسک پرائمری اسکولوں، جونیر ہائی اسکولوں اور کالجوں حتیٰ کہ اسلامیہ مکاتب اور مدرسوں میں بھی اردو قریب قریب ختم ہوگئی، اس صریحی ظلم کے خلاف آوازیں اٹھتی رہیں، حکومت کے ناعاقبت اندیش حضرات کے نزدیک یہ آوازیں صدا بصحرا تھیں اس لیے وہ ان پر کیوں توجہ کرتے۔ آخر کار محکمہ تعلیم کو پورے دو برس بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا کہ اختیاری مضامین میں اضافہ کیا جائے۔ تا کہ ہندی کے علاوہ جن بچوں کی مادری زبان اردو بنگالی وغیرہ ہے ان کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ لیکن زہر اتنا زیادہ پھیل چکا تھا کہ اس سرکلر کا کوئی اثر نہ ہوا، اور تو اور خود محکمہ کے اسپشل افسر صاحب نے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور ۲۵؍اگست ۱۹۵۱ء کو انھوں نے جو نصاب گورنمنٹ گزٹ میں شائع کیا اس میں جونیر ہائی اسکول کا کورس بجنسہٖ وہی تھا جو ۱۹۴۸ء میں تھا، گویا اس طرح جتنی بھی ترمیم واصلاح ہوئی تھی وہ ان اسپشل افسر صاحب نے منسوخ کردی اور کورس وہی رہا جو ۱۹۴۸ء میں تھا۔

یہ سرکلر بھی غالباً اس خیال سے دوبارہ جاری کردیا گیا کہ انجمن ترقی اردو ہند (لکھنؤ) کا ایک وفد لکھنؤ سے سوا دس ہزار دستخطوں پر مشتمل طلبا کے سرپرستوں کی درخواستیں لے کر آنریبل وزیر تعلیم شری سمپورنا نند جی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ ان کے بچوں کی مادری زبان اردو ہے اس لیے انھیں مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت

میں یہ وفد مئی ۱۹۵۱ء میں ملا تھا، وزیر تعلیم نے فوراً یہ وعدہ کرلیا کہ یہ بے انصافی یہ زیادتی فوراً ختم کردی جائے گی ۔ وفد اپنی کامیابی پر فاتحانہ انداز سے مسکراتا ہوا نکل آیا لیکن میدان سیاست کا یہ شہسواران کی سادہ لوحی پر دل ہی دل میں ہنسا کیوں کہ اس کا وعدہ صرف تسکین خاطر کے لیے تھا؛ اردو تعلیم جاری کرنے کے لیے نہیں ۔

اردو والوں کے ایثار اور خودداری کا سخت امتحان تھا، ماحول اور فضا ناسازگار تھی، غداری، فرقہ پرستی، وطن دشمنی کے الزامات، فرقہ پرست جماعتیں ہی نہیں بلکہ کانگریس کے کرتا دھرتا اور ذمہ دار لگا رہے تھے، سندر لال اور کشن پرشاد کول، مولانا بن چکے تھے، تاہم یہ انھیں کا دل گردہ تھا کہ وہ ہمت نہیں ہارے، غدار، ملچھ، اور لا مذہب بننا تسلیم کیا لیکن کوشش کرتے رہے انھوں نے علاقائی زبان کی تحریک شروع کی اور ۲۰ لاکھ دستخط حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ صدر جمہوریہ کے سامنے اپنی فریاد لے جاسکیں، یہ تحریک پورے صوبے میں جاری ہوئی اور فرزندان اردو نے اس میں اس خلوص، انہماک جوش اور تندہی سے کام کیا، کہ بیس لاکھ سے زیادہ دستخط حاصل کر لیے مہم کی اس کامیابی پر ہندی والوں کا چراغ پا ہونا یقینی امر تھا، راج رشی ٹنڈن اور دوسرے زبان کے سامراج پسند، مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے، سیاست سے کنارہ کشی کے بعد وہ اسی لیے سیاست میں دوبارہ شامل ہوئے کہ انھیں ہندی کی موافقت سے زیادہ اردو کی مخالفت کی دھن تھی، اردو والے بڑے ضبط وتحمل سے مل جل کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، آخر جولائی ۱۹۵۳ء میں اردو علاقائی زبان کمیٹی کے کارکنوں اور ہمدردوں کا ایک کنونشن ہونا طے پایا اس کنونشن کی مخالفت علی الاعلان کی گئی ہندی والوں کے جذبات برانگیختہ کرنے میں ہمارے ہندی کے پریمی ایک ہوگئے، پرگریسیو رائٹرس کے ذمہ دار تک اس میں ہوا دیتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ کانفرنس کے دوسرے جلسے کے وقت فضا ''اردو والے غدار ہیں۔ پھانسی کے حقدار ہیں'' کے نعروں سے گونج اٹھی اور شام ہوتے ہوتے یہ نعرے اتنا زیادہ مشتعل ہو چکے تھے کہ ہندی والوں کی ایک جماعت نے بھرے بازار، اور پولیس کی موجودگی میں گنگا پرشاد میموریل ہال پر حملہ کردیا اور مدافعت کرنے والوں کو زدوکوب کیا گیا، چاقو سے زخمی کیا گیا۔ حیات اللہ انصاری اور دیگر ذمہ داران کو چوٹیں آئیں، کئی دنوں تک یہ زخم خوردہ حضرات اس قابل نہ رہے کہ کام کرسکیں، لیکن ہوا کیا؟ ہندی والوں کی اس شرافت کا اثر خود حکومت یا کانگریس جماعت نے کیا لیا؟ وہ مخفی نہیں ہے؟

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

کانفرنس کے بعد حیات اللہ انصاری صاحب جنرل سکریٹری کی شری ہرگوبند سنگھ وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی انھوں نے تمام تفصیلات اردو تعلیم کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش کی اور یقین دلایا کہ اردو تعلیم کا انتظام ہو جائے گا، اس کے بعد اس شرط سے اردو تعلیم جاری کرنے کی اجازت دی گئی کہ جس درجہ میں ۱۰ یا اسکول میں ۴۰ طلبا اردو پڑھنے والے ہوں، وہاں اردو تعلیم جاری کردی جائے، مگر جب نیت خراب ہو اور مخالفت کی زہریلی ہوا پھیلی ہو اور ماتحت سے لے کر افسر تک حکومت کی دلی منشا سے واقف ہوں تو پھر اردو تعلیم کا جاری ہونا ظاہری ہے۔

مگر خیر ایک مدت کے بعد اردو کے ارتقا کی کوششیں سرکاری پیمانے پر بھی ہو رہی ہیں، اکادمیاں قائم کی گئیں اور کتابوں کی طباعت و اشاعت کے انتظامات کیے گئے اردو ٹیچرس اور اردو ٹرانسلیٹرز کی تقرری عمل میں آئی، اب اردو کے انحطاط کی زیادہ تر ذمہ داری خود اردو والوں پر ہے، اردو کے قتل میں زیادہ ہاتھ خود اردو والوں کا ہے، سرکاری سرپرستوں سے کچھ ہونے کا نہیں ہے جب تک کہ اردو والے خود ذہن کے صاف اور خلوص کے سچے نہ ہوں اور تو اور وہ حضرات بھی جن کی روزی روٹی اور جن کا حلوہ مانڈا اردو سے چل رہا ہے ان کے لڑکے لڑکیاں بھی اردو کی تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔

تحقیق کے نام پر اردو کی خدمت کے بجائے اپنی خدمت کی جارہی ہے۔ ایک موضوع پر مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو رہا ہے، حد تو یہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر چند سالوں کا وقفہ دے کر پھر کام کرایا جارہا ہے۔ راقم نے طے کیا ہے کہ وہ کسی محنتی طالب علم کو ''اردو کے ارتقاء میں اتر پردیش کے تحقیقی مقالوں کا حصہ'' موضوع دے کر کام کروائے گا، اس سے بہت ساری خامیاں منظر عام پر آئیں گی اور اصلاح کی صورت پیدا ہوگی۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اردو کی ترقی تبھی ہوگی جب اردو والے مخلص ہو جائیں گے، زبانیں سرکاری سرپرستی سے نہیں، اہل زبان کے اخلاص سے ترقی کرتی ہیں۔

(۲) اتر پردیش اور دوسرے شمالی صوبوں میں اردو مخالف لہر اور اردو ادب پر اس کے اثرات:

ہندی کے جو خاص خاص علاقے ہیں وہاں اردو کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، ان ریاستوں میں سے اتر پردیش میں اردو کشی سب سے زیادہ نمایاں ہے کیونکہ اردو کی ترقی اسی ریاست

میں سب سے زیادہ تھی اور اسی ریاست میں لکھنؤ ہے جس کی زبان ٹکسالی تسلیم کی گئی، یہیں سب سے زیادہ اردو کے اسکول، کالج، پریس، اخبارات ورسائل وغیرہ تھے، اسی ریاست کے کانگریس کے دو بڑے نیتاؤں یعنی راج رشی ٹنڈن اور شری سمپورنانند جی نے اردو کی سخت مخالفت کی انھوں نے اردو کو کوئی زبان ہی تسلیم نہیں کی اور اردو کو فرقہ پرستی اور تقسیم ہند کی زبان بتائی، اردو بولنے والوں کو غدار اور پھانسی کا حقدار بتایا کانگریس کے سیاسی نیتاؤں کے علاوہ دوسرے غیر مسلم حضرات اردو کے لیے کوشش کرتے رہے، پنڈت کشن پرشاد کول، پنڈت سندر لال نے، جن کو ہندی والوں نے مولانا کا خطاب دیا، کوشش کرتے رہے، ۲۰ لاکھ دستخط کرانے والوں میں ہندو سکھ عیسائی سبھی شامل تھے، اردو کی مخالفت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہی عوام میں مقبول تھی، آزادی کی تحریک میں اسی نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور ہندی والے یہی سمجھتے تھے کہ اگر اردو کو ختم نہیں کیا گیا تو ہندی پنپ نہیں سکتی، اسکولوں میں تعلیم ختم کر دینے سے اردو زبان وادب پر اثر پڑا، معیار تعلیم بہت گر گیا، جہاں کہیں اردو پڑھائی بھی جاتی تھی اس کا معیار آزادی کے پہلے کے معیار سے بہت گرا ہوا تھا، پہلے اردو پڑھانے کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، (نارمل اسکول میں)۔ لیکن آزادی کے بعد یہ سب ختم کر دیا گیا۔ جب تک ایسے اساتذہ موجود رہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی پڑھاتے تھے اس وقت تک معیار غنیمت رہا مگر بعد میں بہت ہی کم ہو گیا، معیار کے گرنے سے نثر اور نظم دونوں پر اثر ہوا اور نثر میں معیاری موضوعات جیسے سائنس، تحقیق، تنقید پر کم لکھا جانے لگا، کسی قدر افسانوں پر اثر کم ہوا، نظم میں بھی یہی کیفیت رہی، لیکن جہاں تک ان اصناف کا تعلق ہے، جیسے نعت، منقبت، مدح وغیرہ ان پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا البتہ آسان سے آسان زبان میں خیالات کا اظہار کیا جانے لگا، نعت کہنا یوں بھی بہت مشکل ہے، پیغمبر اسلامؐ کی ذات گرامی، ان کی سیرت اور شخصیت، ان کی تعلیمات اور اس کے نتائج اور اسباب کو بہت کم نعت گویوں نے بیان کیا ہے، نعت کا زیادہ تر ذخیرہ میلاد کی کتابوں میں ملے گا، ادب میں نعت کو کوئی صنف نہیں قرار دیا گیا، جب کہ مرثیہ اور دوسرے موضوعات کو نظم کی صنف تسلیم کیا گیا، یہ کہنا کسی حد تک ٹھیک نہیں ہے کہ نعت گو شعرا پر عقیدت کے اعتبار سے کوئی خاص اثر نہیں ہوا، نعتیہ نظمیں اور قصائد برابر لکھے جاتے رہے، محفلوں اور مجلسوں میں نعت پڑھی جاتی ہے اور نعت گو شعرا کی تعداد بھی کافی ہے۔ (یہ فصل استاذی ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی رہین منت ہے، کیونکہ یہ سب راقم کی شعوری زندگی سے قبل کی باتیں ہیں۔)

پہلا باب (ب)

تقسیم کے بعد ہندوستان میں اردو نعتیہ شاعری

(زیب غوری سے لمحات حاضرہ تک)

عصر حاضر جمہوریت کا عہد ہے اس میں عوام کو بالا دستی حاصل ہے اور افراد پر سماج کا تفوق مسلم ہے، عصر حاضر رنگ و نسل و قوم کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا اس دور میں ادب کا مقصد تفنن طبع یا ادب برائے نہیں ہے، ادب انسان کی ذہنی کشمکش اس کی اقتصادی و سماجی مشکلات اور اس کے گرد و پیش کی ضرورتوں کا نچوڑ ہے، وہ تخیلیت، رمزیت الفاظ کے تراش خراش، ذہنی انبساط اور عالمی لطف و مسرت ہی کی چیز نہیں، عصر حاضر کا نعتیہ ادب اپنی تعمیر کے لیے وہی باتیں مواد کے طور پر اخذ کرتا ہے جو عصری مقتضیات کو پورا کرتی ہیں۔ بانیٔ اسلام کی تعلیمات میں ایثار و خلوص کو خاص اہمیت حاصل ہے ایثار میں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہے اور دوسروں کی خاطر اپنے کو زحمت اور پریشانی میں ڈالا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے آج سے چودہ سو سال پیشتر حریت، اخوت اور مساوات کی تعلیم دی تھی اور ایک ہی صف میں عثمانؓ و بلالؓ کو کھڑا کر دیا تھا۔ آپ نے حجۃ الوادع کے خطبہ میں صاف صاف فرمایا تھا:

> ''زمانہ جاہلیت کی ہر ایک بری اور نا معقول رسم کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر ختم کرتا ہوں اور جاہلیت کے تمام متضاد خون میں آج معاف کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے تمام سود در سود کی لعنت ختم کرتا ہوں۔ اپنی بیوی کے معاملے میں خدا سے ڈرو..... اپنے غلاموں کا خاص خیال رکھو، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ،...... تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں.... عرب کے کسی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو عرب پر کسی سرخ رنگ والے کو حبشی پر، کسی حبشی کو سرخ رنگ والے پر، کسی قسم کی فوقیت

اور برتری حاصل نہیں ہے۔خدا کے نزدیک سب برابر ہیں۔''

حجۃ الوداع کے خطبے کے یہ الفاظ و مفاہیم جو اوپر لکھے گئے ہیں۔عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

عصر حاضر کی نعتیں روایتی اور رسمی انداز کی نعتوں سے بالکل جدا ہیں۔اس رجحان سے مواضیع و مفاہیم کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور نعت کو قوم و ملک کی معاشرتی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، عصر حاضر کی نعت نے مختلف ہیئتوں اور مختلف شکلوں میں اپنے کو جلوہ گر کیا۔مسدس، مثنوی، غزل اور قصیدہ کے علاوہ موجودہ دور کی تمام مروجہ اصناف سخن میں نعتیں کہی جانے لگیں، عصر حاضر کی نعتیہ شاعری ترانہ، گیت، سلام، نظم معریٰ اور آزاد نظموں میں سے ہر ایک ہیئت میں ملتی ہے، معقولیت، معروضیت اور اصلاح معاشرت کو عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں کافی دخل ہے، علامہ اقبال کی شاعری، عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے، اقبالؔ نے اپنی شاعری کے ذریعہ دین فطرت کے اساسی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔

اقبال کی شاعری میں فلسفۂ خودی کو بہت اہمیت حاصل ہے ان کے اس فلسفۂ خودی کے اجزائے ترکیبی میں عشق رسولؐ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، خودی جب ارتقائی مراحل سے گذر کر رسولِ کریم ﷺ کی محبت سے سرشار ہو جاتی ہے تو کائنات کی تمام قوتیں اس کے قبضہ قدرت کے زیر نگیں آجاتی ہیں، شاعر نے اسوۂ محمدیؐ اور خلق عظیم کو آئین فطرت بتلایا ہے۔

رسول اکرمؐ نے انسان تو انسان حیونات، جمادات و نباتات کے بھی حقوق متعین کیے تھے۔آج یو۔این۔او (U.N.O.) ہر ذی حیات کے فلاح و بہبود کے لیے منصوبے بنا رہا ہے۔آپؐ نے آج سے چودہ سو سال پیشتر جو باتیں انسانی و حیوانی فلاح کے لیے متعین فرمائی تھیں، آج دنیا ان کی حقانیت کی قائل ہوتی نظر آرہی ہے۔یہ ہے دین اسلام کی فطری حیثیت۔آج کا نعتیہ ادب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ان ہی باتوں کو اٹھا رہا ہے جس میں دور حاضر کے اسقام و امراض کا مداوا ہے۔

۱۔　ابرار بدایونی

ابرار بدایونی مشہور صوفی شاعر مذاقؔ میاں کے پرپوتے ہیں۔اس طرح مذہبی

رجحان، درویشی، شیفتگیٔ رسولؐ ان کو ورثہ میں ملی ہے، ان کی نعتیہ نظمیں، ان کی عقیدت اور نبی امیؐ سے ان کی مثالی محبت کی غماز ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں آمد ہی آمد ہے۔ آپ کا مجموعہ کلام ''صد رنگ'' کے نام سے شرف اشاعت حاصل کر چکا ہے، جس میں حمد، نعت، منقبت، تضمین، مسلسل نظمیں، تاریخی قطعات اور غزلیات شامل ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

وہ جنس عمل جو بہت قیمتی ہے گنہگار کے پاس حبِّ نبیؐ ہے
وہ پیارا نبیؐ آ گیا جب جہاں میں زمانہ پہ رحمت کی بارش ہوئی ہے
بہار آ گئی آپؐ کے دم قدم سے چھٹیں ظلمتیں ہر طرف روشنی ہے
بشیر و نظیر و مبشر ہے احمدؐ بشر بھی ہے اللہ کا نور بھی ہے
ہے اپنے مقدر پہ ابرار نازاں ملا ہے وہ دل جو فدائے نبی ہے

۲۔ اقبال سہیل

موصوف نے عربی و فارسی میں کافی اچھی نعتیں کہی ہیں، نعتیہ شاعری سے ان کا شغف بچپن کی دین ہے۔ اقبال سہیل کے والد کسی بات سے متفکر اور کبیدہ خاطر تھے، ان کی زبان سے یہ مصرع نکلا ''ترحم لی حالیاً یا الٰہی'' اقبال سہیل نے جو پاس بیٹھے تھے برجستہ دوسرا مصرع لگاتے ہوئے کہا۔

''طفیل جناب رسالت پناہی''

موصوف کا دوسرا نعتیہ شعر جو انھوں نے بچپن ہی میں کہا تھا وہ

عندلیب گلشن فردوس ہستم حامداً
مدح خوانیٔ نبیؐ کا راست وطوبیٰ جائے من

ہے۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں آمد ہی آمد ہے۔ آورد کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے موصوف نے بہت سے جاندار نعتیہ قصائد لکھے ہیں، وہ اپنے قصیدوں میں مناظر فطرت کی عکاسی اس لطافت سے کرتے ہیں کہ اس کی نظیر اردو قصائد میں نہیں ملتی، تشبیبیں بہاریہ اور عاشقانہ ہوتی ہیں۔ لیکن موصوف کا کمال یہ ہے کہ وہ ان نعتوں میں شائستگی اور تہذیبی سنجیدگی کا بہت لحاظ رکھتے ہیں، ان کے نعتیہ قصیدے خیال آفرینی، شیریں بیانی اور شگفتگی و رعنائی میں فارسی قصائد کی یاد دلاتے ہیں۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

عجب چیز ہے سوز غم محبت بھی آبلے میں ہے تاثیر مرہم کافور

شرابِ حسن کا نشہ ہے بے قراریِ عشق ‎ ‎ نہالِ عشق کا ثمرہ ہے زخم کا انگور
وہ زخم جس سے شگفتہ بہار، کون و مکاں ‎ ‎ وہ نور جس سے چراغان سوادِ عالم نور

۳۔ اندر جیت شرما

آپ ماچھرہ ضلع میرٹھ میں ۳؍دسمبر ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے رسولؐ کی شان اقدس میں جو نعتیہ اشعار لکھے ہیں، ان میں نبیؐ سے اس بات کی التجا کی گئی ہے کہ شاعر کو آپ کا عشق نصیب ہو جائے۔ کیوں کہ عشق نبیؐ زخموں کا مداوا ہے ان کی ایک نعتیہ نظم سے صرف دو بند ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں۔ یہ نظم ''ترکیب بند مسدس'' میں ہے اس کی بحر چھوٹی ہے اور نظم کا عنوان ''تو'' ہے ملاحظہ ہو:

فریب زندگی دے ‎ ‎ نہ حیات دائمی دے
نہ مزاج برہمی دے ‎ ‎ نہ خیال خامشی دے
مرے زخم دل کو بھر دے
مجھے بے نیاز کر دے

کسی چال میں نہ آؤں ‎ ‎ نہ فریب دہر کھاؤں
میں جدھر نظر اٹھاؤں ‎ ‎ تجھے بے نقاب پاؤں
مجھے رازداں بنا دے
مجھے راہ حق بتا دے

۴۔ آنند زتشی گلزار دہلوی

آپ کیفی دہلوی اور سائل دہلوی کے شاگرد رشید ہیں آپ کی پیدائش گلی کشمیریان، بازار سیتارام، دلی میں بتاریخ ۷؍جولائی ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔ آپ کی نعتوں میں نبی اکرم ﷺ کا وصفی بیان زیادہ ہے۔ آپ کی ایک نعتیہ رباعی ذیل میں درج ہے۔

پرتو حسن ذات آئے تھے ‎ ‎ پیکر التفات آئے تھے
کذب اور کفر مٹانے کو ‎ ‎ سرور کائناتؐ آئے تھے

۵۔ برجموہن دتاتریہ کیفی

آپ کی نعتیں صاف، سادہ، رواں اور سلیس ہیں۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں فرسودہ مضامین

نظم کیے ہیں۔ ان کی نعتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اسلامی تاریخ سے اچھی خاصی واقفیت حاصل تھی۔ ان کی نعتوں میں رسمی عناصر کی کثرت ہے۔ لیکن کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نعتیہ اشعار کاوش و محنت کے نتائج نہیں بلکہ دل کی آواز ہیں، ذیل میں ان کی ایک مختصر نعت نمونہ کے طور پر درج کی جارہی ہے۔ اس نعت کا عنوان **"لو لاك لما"** ہے۔

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولؐ دوسرا کا — مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

پہنچایا ہے کس اوج سعادت پہ جہاں کو — پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غار حرا کا

دے علم و یقیں کو مرے رفعت شہ عالم — نام اونچا ہے جس طرح مروا وصفا کا

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جیسے — بطحا سے ہوا جلوہ فگن نور خدا کا

ہے حامی و مداحِ مرا شافع محشر — کیفیؔ مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

۶۔ برہم دت قاصر ساہوال

تذکرہ معاصرین کی جلد دوم میں آپ کے سوانح حیات سے متعلق اجمالی باتیں ملتی ہیں۔ اس کے مطابق آپ ویرم دتا ضلع گورداس پور، پنجاب میں ۱۴ر ستمبر ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال کوروکیشتر ہریانہ میں ۲۵ر نومبر ۱۹۷۵ء کو بہ عارضہ قلب ہوا۔ آپ کا پیدائشی نام برہم داس تھا اور آپ فیروز الدین فیروز طغرانی امرتسری کے شاگرد تھے۔

آپ نے اپنی نعتوں میں قرآنی اور احادیثی تلمیحات سے فائدہ اٹھایا ہے جو تلمیحات آپ کی نعتوں میں مستعمل ہوئی ہیں، ان میں ''ماینطق''، ''قاب قوسین'' اور ''لعمرک'' کا استعمال کافی دلکش ہے، متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ نکتہ ہویدا ہے ''ماینطق'' سے — زبان خدا ہے زبان محمدؐ

کھلی قاب قوسین سے یہ حقیقت — مکان خدا ہے مکان محمدؐ

موصوف کی نعتوں میں ایسے اشعار کی تعداد بھی کافی ہے جن میں قرآنی مفہوم کو بغیر کسی اشارے کے نظم کیا گیا ہے مثلاً آپ کے ذکر کا قیامت تک قائم رہنا اور آپ کے دشمنوں کا ابتر اور بے نشان ہونا، جب کہ وہ آپ کو (نعوذ باللہ) ابتر کہتے تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

نہ ہوگی قیامت تلک ختم ہرگز — حلاوت اثر داستاں محمدؐ

محمدؐ سے تو خدا کا راز پوچھو — بیان خدا ہے بیان محمدؐ

رواں تھا رواں ہے رواں ہی رہے گا قیامت تلک کاروان محمدؐ
ہوئے ابتر و بے نشاں اس کے اعداء مگر جاوداں ہے نشان محمدؐ

۷۔ بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی

بشیشور پرشاد، نام اور تخلص منور تھا۔ آپ نے افق، تمنا اور نوبت رائے نظر کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ آپ کی ولادت لکھنؤ کے محلّہ نوبستہ میں ۸؍ جولائی ۱۸۹۷ء کو اور وفات دلی میں بوقت صبح ۲۴؍ مئی ۱۹۷۰ء کو ہوئی۔

منورؔ لکھنوی کی نعتوں میں وصفی انداز بیان کا غلبہ ہے انھوں نے اپنی نعتوں میں نبیؐ کے امتیازی اوصاف سے بحث کی ہے۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے قرآن وحدیث سے استنباط کیا ہے۔ بطور نمونہ ان کی ایک نعت سے جس کا عنوان بانی اسلام ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

زبان حال شاہد ، زبان قال گواہ کلام پاک خدا، بات بات آپ کی ہے
عروج آپ سے تھا گو تمام راتوں کا حقیقتاً شب معراج آپ کی ہے
نفس نفس سے فروزاں ہوئے حرم کے چراغ تمام نور الٰہی حیات آپ کی ہے
کنار ایزد مطلق میں جلوہ فرما ہیں نہیں کسی کی جو شان نجات آپ کی ہے
یہ شرح صدر کی لذت ہے آپ سے منسوب یہ روشنی سر شاخ نبات آپ کی ہے

۸۔ خیر النساء بہترؔ

خیر النساء نام اور بہترؔ تخلص تھا۔ رائے بریلی کے مشہور خانوادہ سادات کے بزرگ حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کی صاحبزادی تھیں۔ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی کی فاضل اور قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ مولانا سید عبدالحی صاحب ''گل رعنا'' کے عقد نکاح میں آئیں۔ امۃ العزیز ''متخلّصہ ''حضرت اسماء'' اور امۃ اللہ عائشہ تسنیم ان کی دو صاحبزادیاں اور ڈاکٹر سید عبدالعلی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ دو صاحبزادے ہوئے اس طرح وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی، عظیم شوہر کی بیوی اور نامور اولاد کی ماں تھیں۔ قرآن وسنت کے علم وعمل کا خاص ذوق اور تصنیف وتالیف سے دلچسپی تھی، ''حسن معاشرت''، ''الدعا القدر''، ''ذائقہ''، ''باب رحمت'' ان کی یادگار کتابیں ہیں، ''باب رحمت'' ان کی نظموں اور مناجاتوں کا مجموعہ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں حج وزیارت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ ۹۲ سال کی عمر پاکر اگست ۱۹۶۸ء میں انتقال فرمایا۔ اخلاق وتقویٰ کا نمونہ تھیں۔ ان کی اولاد ان

کے حسن تعلیم وتربیت کی مثال ہیں۔ان کے عظیم المرتبت صاحبزادے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''ذکر خیر'' کے نام سے ان کے حالات لکھ کر طبع کرادیے ہیں۔نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

دکھا دے یارب وہ شکل دنیا مجھے یہ فرحت ملے الٰہی
کروں میں دیدار مصطفیٰ کا مجھے یہ نعمت ملے الٰہی
حبیب تیرا وہ تیرا پیارا کہ جس پہ قرآن اتارا
ہے جو کہ مرسل نبی ہمارا وہ پیاری صورت ملے الٰہی
یہی تمنا ہے اب تو یارب کہ مجھ کو پہنچا دے پاک طیبہ
نکالوں دل کی حسرتیں سب مجھے یہ نعمت ملے الٰہی
ہو اب تو یارب وہیں یہ رمضاں، سناؤں خوش خوش وہاں یہ قرآن
ہو مجھ پہ رحمت یہ تیری رحمٰن مجھے یہ عظمت ملے الٰہی
مجھے عنایت ہو جس قدر زر کروں میں خیرات واں پہ جا کر
ہزاروں دے ڈالوں میں چھپا کر مجھے وہ نعمت ملے الٰہی
اگر ہو جانا مدینہ بہترؔ کبھی نہ آؤں وہاں سے پھر کر
جیوں وہیں پر مروں وہیں پر مجھے وہ قسمت ملے الٰہی
یا الٰہی اب مجھے دیدار احمدؐ ہو نصیب
کر دعا مقبول میری نام ہے تیرا حبیب
خواب میں مجھ کو نظر آئے تو میں اس دم کہوں
ہے یہی پیارا محمدؐ جو خدا کا ہے حبیب
ہوں اسی دم یا الٰہی میں فدائے مصطفیٰ
روح میری جنت الفردوس کے پہنچے قریب
آئیں حوریں میرے لینے کے لیے فردوس سے
شور ہو عالم میں ہر سو کہ کیا جاگے نصیب
تو ہی گر چاہے کرے ذرہ کو بھی رشک قمر
فضل سے تیرے ہو بہترؔ کو بھی یہ دولت نصیب

۹۔ پربھو دیال رقم

منشی پربھو دیال رقم کے والد منشی رگھبیر دیال سکسینہ ۱۸۳۶ء میں بسلسلہ ملازمت بوندی پہنچے اور وہیں ۱۲ر جنوری ۱۸۹۱ء کو رقم پیدا ہوئے اور اپنے نانا، ایشوری پرشاد عاصی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم حاصل کی۔ بعد تعلیم ریاست بوندی میں ہی ملازمت شروع کردی اور ترقی کر کے دیوان ریاست کے عہدے سے پنشن یاب ہوئے۔ آج کل جے پور میں مقیم ہیں اور ایک ہندی اخبار کی ادارت کر رہے ہیں۔ نہایت ضعیف و نحیف ہو گئے ہیں مگر تحریر کے معاملے میں جواں ہمت ہیں۔ مفتون کوٹوی نے اپنے مضمون میں ان کی نسبت تحریر کیا ہے کہ:

"شغل قرطاس میں ڈوبے رہتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں "کلا پریشد" بھیم گنج منڈی کوٹہ نے آپ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۰ر مارچ ۱۹۹۸ء کو آپ کو ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کسی اسکول میں مدرس بھی رہے ہیں۔

آپ کی تصنیف کی تفصیل ذیل ہیں۔

۱۔ "جاں نثار تیجا" مطبوعہ ہندوستان اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۵ء

۲۔ "سنتان سدھار" تربیت اطفال کے متعلق یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں اردو رسم خط میں لکھی گئی۔ جو ۱۹۳۴ء میں دیوناگری رسم خط میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

۳۔ "تحفۂ میلاد النبی" یہ رسالہ اردو میں لکھا گیا اور ۱۹۵۸ء میں شیام لیتھو پریس، جے پور سے چھپ کر شائع ہوا اس میں موصوف نے نظم و نثر کے ذریعہ گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و ثنا کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ طرز نگارش شستہ اور مدلل ہے، نمونۂ عبارت یہ ہے۔

"مذہب، اصلی معنوں میں تحقیق، عمل و شغل اور تحصیل و تکسیب کا ذریعہ ہے اگر مذہب تمھاری آنکھیں کھولتا ہے اور تم کو مکمل طور پر حقیقت کا علم بخش کر زندگی و سرور بخشتا ہے تو وہ مذہب ہے ورنہ ہوا ہے۔"

۴۔ "آشوب وطن" ۵۔ "خزانۂ راحت" ۶۔ "فلسفۂ گیتا" ۷۔ "کلام رقم"

مندرجہ بالا تصنیف کے علاوہ رقم کی حسب ذیل تخلیقات اور ہیں جو اردو رسم الخط میں

بشکل مسودہ ہیں:

(۱) اردو ترجمہ رامائن (۲) فن تقریر (۳) صحت جسمانی

(۴) روحانی طاقت (۵) بدنصیب زماں (۶) تجرد وفضیلت

(۷) نیک خیال کی فتح (۸) اندرشکتی کا ظہور

منشی پربھودیال رقم کی نعتیں راقم کو نہیں مل سکیں۔ ''راجستھان میں'' اردو زبان وادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات'' از ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے بھی نمونے میں کوئی نعت یا نعت کا کوئی شعر درج نہیں کیا ہے۔

۱۰۔ پرکاش ناتھ پرویز

آپ کا نام پرکاش ناتھ اور تخلص پرویز ہے۔ آپ کی سندی لیاقت ایم اے ہے۔ آپ کا پیشہ سرکاری ملازمت تھا اور آپ کی پیدائش ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں ''شفیق زار'' اور ''یادضیاء'' مشہور ہیں۔ آپ کی نعتوں میں خاص بات یہ ہے کہ آپ نے محمد ﷺ کے پیغام اوران کی ابدی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔

سنا جس دل نے پیغام محمدؐ ہوا عرفان ہست و بود ان کو

ملا جس رند کو جامِ محمدؐ رہے گا تا ابد سرشار و بےخود

۱۱۔ تربھون زتشی زار

آپ اندر پرستھ گرلس کالج میں پرنسپل تھے۔ آپ حضرت داغ کے شاگرد تھے۔ پہلے شمیم بعد میں زار تخلص اختیار کیا۔ آپ کی ولادت ۱۸۷۳ء میں اور وفات ۶/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو بوقت ۵ بجے شام دلی کے کوچہ پانی رام بازار، سیتارام میں ہوئی۔ ۷/اکتوبر کو جنازہ اٹھا اور اسی دن لاش سپرد آتش کی گئی۔ آپ کی نعتوں سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کا مذہبیات کا مطالعہ کافی گہرا ہے۔ آپ نے نبیؐ کی نعت رقم کرنے میں اپنی نعتوں میں نبیؐ کے ان اوصاف کو واضح کیا ہے جس میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کی ایک نعت ''حقیقت لباس مجاز'' سے چند اشعار ماسبق کی معروضات کی تائید میں لکھے جاتے ہیں۔

وہی مصطفیٰ وہی مجتبیٰ ، وہی مبتدیٰ ، وہی منتہیٰ

وہی سوز میں، وہی ساز میں، وہی ترک میں ، وہی تاز میں

وہی آن میں حق، وہی شان میں حق، وہی کان حق، وہی جان حق
ہوئے مومن اس کے ہی کلمہ گو کیے سجدے اس کو نماز میں
وہی چشم نور در اصل تھی کہ بصیرتی شب وصل تھی
نہ ہوئے جو آئینہ حیرتی یہ لحاظ آئینہ ناز میں

شاعر نے ''میم احمد'' کا مضمون بھی نظم کیا ہے جو کافی دلکش ہے۔

۱۱۔ تلوک چند محرومؔ

آپ کا نام تلوک چند اور تخلص محرومؔ تھا۔ آپ نے ۸۰ سال کی عمر پائی۔ آپ نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ موصوف ۱۹۰۸ء سے ۱۹۵۸ء تک درس و تدریس کو بطور پیشہ اختیار کیے رہے۔ آپ کی حسب ذیل تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

(۱) گنج معانی (۲) رباعیات محروم (۳) نیرنگ معانی (۴) شعلہ نوا
(۵) کاروان وطن اور (۶) بہار طفلی۔

پہلے مجموعۂ کلام کو ۱۹۱۲ء میں پنجاب گورنمنٹ نے انعام سے نوازا اور دوسری بار مارچ ۱۹۶۲ء میں مشرقی پنجاب گورنمنٹ نے اسی مجموعہ کو انعام و خلعت اور ایڈریس سے نواز کر عزت بخشی۔

آپ بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعرا میں بہ ایں معنی ممتاز ہیں کہ آپ نے اپنی نعتوں میں تاریخی واقعات نظم کیے ہیں۔ عام طور پر تاریخی واقعات نظم کرنے والے شعرا کی نظموں میں شعریت نہیں رہتی۔ لیکن جو ماہر فنکار ہوتے ہیں وہ تاریخی صداقت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کلام میں شعریت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حفیظؔ جالندھری، میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، محسنؔ کاکوروی کے ساتھ ساتھ پروفیسر تلوک چند محرومؔ کا نام بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے کلام میں تاریخی صداقت نظم کرنے میں کہیں بھی شعریت کا خون نہیں کیا ہے، مثال میں ان کی وہ نعت پیش کی جا سکتی ہے جس کا عنوان ''سیرت نبویؐ کی ایک مثال'' ہے شاعر نے اس نعت میں اس واقعہ کو نظم کیا ہے کہ ایک دن نبی ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور مسلمان مرد کی خوبیاں بیان فرما رہے تھے، صحابہ کا ایک جم غفیر سامعین کے زمرے میں تھا اسی درمیان ایک یہودی کا جنازہ ادھر سے گزرا۔ نبی ﷺ اعلیٰ اخلاق کا مجسمہ تھے، جنازہ قریب آنے پر آپ کھڑے ہو گئے اور جب صحابہ نے پوچھا کہ میت تو غیر مسلم کی

تھی۔ آپ کا کھڑا ہونا اور تعظیم دینا سمجھ میں نہیں آیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جان بھی تو خدا کی پیدا کی ہوئی تھی۔ اور اس نے بھی اسی کے رحم و کرم کے سائے میں پرورش پائی تھی۔ ہمارا اس کا خالق ایک ہے اس لیے یہ لازم تھا کہ اس کے ساتھ غم خواری کا اظہار کیا جائے۔ تاریخ کے اس واقعہ کو شاعر نے شعریت کے ساتھ نظم کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

صریحاً مرنے والا ایک کافر اور مشرک تھا
کہ جس کی روح تھی پروردۂ ظلمات یا حضرت
اسے تعظیم دی ہے آپ نے کیوں اس طرح اٹھ کر
ہوئے ہیں آپ کے چہرے سے کیوں غم کے نشاں ظاہر
وہ تھا مردود کوسوں دور راہ حق پرستی سے
میسر ہوسکی اس کو نہ توفیق خدا وندی
مگر اس بات سے انکار ہرگز ہو نہیں سکتا
اسی جان آفرین پاک کی مخلوق تھا وہ بھی

اس کے بعد شاعر خالص نعت کے دو شعر کہتا ہے۔

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیشرو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے
انھیں اوصاف کی خوشبو ابھی اطراف عالم میں
شمیم جانفزا لاتی ہے مکے اور مدینے سے

۱۳۔ تہنیتؔ النساء بیگم (پیدائش ۲۱ مئی ۱۹۱۰ء وروفات ۸ر نومبر ۱۹۹۶ء)

آپ نواب رفعت یار جنگ ثانی کی دختر اور مشہور ادیب و محقق ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ (پ، ۶ر دسمبر ۱۹۰۱ء ف۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۲ء) کی شریک حیات ہیں۔ شعر و ادب سے کافی دلچسپی تھی۔ آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت نبوی کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ کافی عرصے تک مدینہ منورہ میں اپنے نانا کے مکان میں مقیم رہیں۔

موصوفہ کا زیادہ تر سرمایۂ شعری نعت نبویؐ پر مشتمل ہے۔ آپ کے کلام کے تین مجموعے ''ذکر و فکر''، ''صبر و شکر'' اور ''تسلیم و رضا'' شرف اشاعت حاصل کر چکے ہیں۔ تینوں

کو ملا کر مجموعہ نعت ''گلدستۂ نعت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ان کے نعتیہ کلام میں داخلیت زیادہ ہے، بحیثیت شاعر وہ پوری ہوشمندی اور باخبری کے ساتھ نعتیں کہتی ہیں۔ موصوفہ کو بارگاہ نبویؐ کی عظمت وجلالت کا مکمل احساس ہے اور نعت کی راہ دشوار گزار ہونے کا بھی علم ہے۔ موصوفہ کا شعر ہے:

ترا اضطراب اے دل مجھے بے ادب نہ کردے
ہے یہ بارگاہ اقدس ذرا یاں سنبھل سنبھل کے

تہنیتؔ کے کلام میں بہت خضوع وخشوع اور اخلاص ہے ان کی نعتیہ شاعری میں حقیقت اور روحانیت کا دلکش سنگم ہے۔ استشہاداً چند اشعار ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں۔

دل زار کیا کرے گا مرے سینے میں مچل کے
ترا کام بس یہی ہے بہے آنسوؤں میں ڈھل کے
نہیں ایسا میرا ساقی نہ پلائے جو نظر سے
وہ شراب ہی نہیں ہے جو بغیر جام چھلکے
ہمیں اتنا یاد ہے بس کہ حرم سے ہم چلے تھے
یہ کہاں چلا گیا دل مرے سینے سے نکل کے
یہی تہنیتؔ کی خواہش یہی تہنیتؔ کے ارماں
یوں ہی نعت کے مضامین لکھیں ہم بدل بدل کے

موصوفہ نے فرسودہ مضامین پر نعتیں کہی ہیں اور وصفی نعتیں بھی لکھی ہیں لیکن ان میں بھی داخلیت سوز وگداز، تڑپ اور اضطراب نیز جوش وعقیدت کا دور دورہ ہے، راقم ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ نے تہنیت کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مقالے میں درست لکھا ہے:

''انھوں نے جو کچھ کہا ہے دل کہ گہرائیوں میں ڈوب کر کہا ہے۔
اس میں خلوص، صداقت، عاجزی، انکساری اور وہ ایمانی جذبہ
ہے جو عالی مرتبت بزرگوں اور بلند پایہ عالموں اور زاہدوں کو بھی
بہت مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔''

آپ وہ خوش بخت شاعرۂ نعت ہیں، جن پر ڈاکٹر عرشیہ جبیں نے جناب میر محبوب

حسین صاحب کی زیر نگرانی حیدر آباد یونیورسٹی سے ۱۹۹۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کا موضوع نعت تھا ''تہنیت النساء اور ان کی نعتیہ شاعری''۔آپ ماں کے اعتبار سے انصاری اور باپ کے اعتبار سے صدیقی ہیں۔

۱۴۔ جگرؔ مرادآبادی

جگرؔ نے نعتیں بہت کم کہی ہیں لیکن جتنی بھی کہی ہیں وہ آداب نعت کے نقطۂ نگاہ سے اہم ہیں۔ان کی نعتیں افراط وتفریط سے پاک ہیں اور ان میں پاس ادب ہر جگہ ملحوظ نظر ہے ان کو راہِ نعت کی دشوار گزاری کا بھی احساس ہے اور ان کو بخوبی علم ہے کہ اس راہ میں مودّب رہنا اور ہوشیاری کے ساتھ لب کشائی کرنا لازم ہے۔ایک مقام پر انھوں نے اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

اے جاں بہ لب آمدہ ہوشیار، خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ

۱۵۔ جگن ناتھ آزادؔ

اقبالیات کے ماہر جگن ناتھ آزادؔ کی ولادت پنجاب میں دریائے سندھ کے پار عیسیٰ خیل میں ہوئی۔آپ کا سنہ ولادت ۱۹۱۸ء اور تاریخ ولادت ۵؍دسمبر ہے۔باپ کا نام تلوک چند محروم ہے جو کہ عیسیٰ خیل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔جگن ناتھ نے آٹھویں کا امتحان کلورکوٹ سے، دسویں کا امتحان ''میاں والی'' سے، بی اے کا امتحان راولپنڈی سے اور ایم اے کا امتحان لاہور سے پاس کیا۔تعلیم سے فراغت کے بعد ''خلافت تحریک'' کے فعال رکن ہوگئے۔اس تحریک کے خاتمے پر ایک کانگریس اخبار ''جئے ہند'' میں کام شروع کر دیا۔یہ سلسلہ تقسیم ہند سے ٹوٹ گیا۔۱۹۴۷ء کے بعد ترک وطن کر کے دلی میں سرکاری رسالہ ''آج کل'' میں نائب مدیر بن گئے۔اخبار مذکور سے وابستگی منقطع ہوجانے کے بعد انفارمیشن آفیسر ہوگئے۔اس کے بعد جموں یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں صدر کے فرائض انجام دینے کے بعد ملازمت سے سبک دوش ہو چکے ہیں۔جگن آزادؔ کو شعر و شاعری سے فطری وابستگی تھی۔آپ کے والد اچھے شاعر تھے اور محرومؔ تخلص کرتے تھے۔آزادؔ کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے شغف تھا۔آہستہ آہستہ ان کی شاعری نے ترقی کی اور ان کا شمار اچھے شاعروں میں

ہونے لگا، آپ نے جملہ مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ آپ نے غزل اور رباعی کے میدان میں کافی شہرت حاصل کی۔ آزاد نے ملکی اور غیر ملکی جو ایوارڈ حاصل کیے ہیں ان کی بہت طویل فہرست ہے، انھوں نے ہفت روزہ ''راوی'' بریڈفورڈ، برطانیہ کے عالمی سطح کے نعتیہ شعری مقابلہ میں اول انعام بھی حاصل کیا، لیکن آپ نے نظموں میں اپنی طبیعت کے جوہر زیادہ دکھلائے۔ وہ سیرت النبیؐ پر ایک طویل نظم بھی لکھ رہے تھے۔

آزاؔد شاعری میں اقباؔل اور جوشؔ سے متاثر ہیں۔ آپ نے اقباؔل اور جوشؔ سے فیض ضرور اٹھایا ہے لیکن شخصی انفرادیت کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔

آزاد نے بارگاہ رسالت میں گلہائے عقیدت نعتیہ شاعری کی شکل میں پیش کیے ہیں۔ ان کی نعتوں میں رسمی عناصر نہیں کے برابر ہیں، انھوں نے بانیٔ اسلام کے وصفی انداز بیان میں اصلاحی پیرایۂ اظہار کو ترجیح دی ہے وہ نعتیہ شاعری میں حاؔلی اور اقباؔل کے زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔

ان کی نعتیہ کاوشات میں ان کا سلام، جس کا عنوان ''فخر دوراں'' ہے کافی مشہور ہے یہ سلام کسی طرح مشاہیر سلام گو شعرا کی کاوشات کے مقابلے میں دوسرے درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا۔ ذیل میں آزاؔد کا محولہ بالا سلام نقل کیا جاتا ہے۔

سلام اس ذات اقدس پر ، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر، جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
مددگار و معاون بیکسوں کا، زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
سلام اس پر ، جو آیا رحمۃ للعالمیں بن کر
پیام دوست لے کر، صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر ، کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس پر، جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں

کیا حق کے لیے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ
بڑے اور چھوٹے میں جس نے اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیر قدم جس کے شکوہ و شان خاقانی
سلام اس پر ، جو ہیں آسودہ زیر گنبد خضرا
زمانہ آج بھی ہے، جس کے در پر ناصیہ فرسا
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر ، گالیاں اس پر دعائیں دیں
سلام اس ذات اقدس پر ، حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا

۱۶۔ جمیل مظہری

علامہ جمیل مظہری کی نعتیہ شاعری میں عصری لے کے ساتھ مضمون آفرینی ،تفکر، بلند پروازی، قدرت بیان اور لفظ ومعنی کی باہم امتزاجی کیفیت کو نمایاں مقام حاصل ہے صرف دو اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

اجالی پرتوِ رخسار سے مجلس تمدن کی چراغاں جادۂ تہذیب، نقش پائے روشن سے
وہ جلوہ، جو سرور معرفت دیتا ہے آنکھوں کو وہ آنکھیں، جو خراج دوستی لیتی ہیں دشمن سے

۱۷۔ جوش ملیح آبادی

جوش شاعر انقلاب ہیں موصوف نے اپنی نعتوں میں اسلام کی اس قوت پر روشنی ڈالی ہے، جس نے ظلم واستبداد کی بیخ کنی پر زور دیا ہے، انھوں نے پیغمبر اسلام کی اس انقلابی قوت پر زور دیا ہے جس نے کبرونخوت، ظلم وتعدی، عدم مساوات اور نا برابری کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا ہے ان کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری رعشہ خوف بن گیا رقص بتاں، آذری
اے کہ ترا غبار راہ تابش روئے ماہتاب اے کہ ترا نشانِ پا نازش مہر خاوری
چھین لیں تو نے مجلس شرک وخودی سے گرمیاں ڈال دی تو نے پیکر لات وہبل میں تھرتھری
تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری

نعت کے وہ اشعار جو جوش کے مرثیہ ''زندگی وموت'' میں شامل ہیں۔ بداعت اسلوب اورنعت طرازی میں بےعدیل ہیں۔ایک بند بطور نمونہ ذیل رقم ہے۔

نوع انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام مرد غازی کا کفن ہے، خلعت عمر دوام
نصب کس نے کردیے مقتل میں حوروں کے خیام جانتے ہو اس دبیر ذہن انسانی کا نام
جو انوکھی فکر تھا ، جو اک نیا پیغام تھا اس حکیم نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا

۱۸۔ چاند بہاری لال ماتھر صبا جالندھری

منشی چاند بہادر لال صبا کا خاندان علمی وادبی اعتبار سے بڑا مشہور رہا ہے۔ بقول لالہ سری رام مصنف ''خم خانۂ جاوید''، ''صبا صاحب کے والد بزرگوار منشی گوبند نرائن صاحب فارسی کے جید عالم تھے۔ ان کی تصنیف ''انشاء گوبند نرائن'' (فارسی) راجپوتانہ میں خاص شہرت حاصل کرچکی ہے۔''

۲۵ر دسمبر ۱۸۸۵ء کو صبا پیدا ہوئے۔ امیر زادوں کی طرح تعلیم وتربیت گھر پر ہوئی۔ اردو، فارسی اور ہندی وانگریزی میں بقدر ضروریات دستگاہ حاصل کی شعر وسخن سے ان کو دلی لگاؤ تھا۔ ۱۹۱۴ء سے شعر کہنے لگے اور مرزا محمد تقی بیگ قائل دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا، نیز اساتذہ کے کلام کا وسیع مطالعہ کرتے رہے جس نے ان کی طبیعت میں شعر فہمی کا عمدہ ملکہ پیدا کردیا اور ان کی تخلیق شعر کی صلاحیت میں نکھار آ گیا ان کی مسلسل مشق سخن اور حضرت مائل کے فیض اصلاح نے صبا کے کلام میں چار چاند لگا دیے اس طرح استاد کے سامنے ہی ان کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا کایستھ کانفرنس دہلی کے ایک انعامی مشاعرہ میں سب سے بہتر غزل پر صبا کو سنہرا تمغہ عطا ہوا۔

موصوف کے نعتیہ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو پیغمبر اسلام سے عقیدت ومحبت تھی۔ صبا کو حضور ﷺ کی رحمۃ العالمینی پر اس قدر ایقان ہے کہ انھوں نے برملا کہہ دیا کہ اگر

آپ شفیع محشر ہیں تو سبھی کے واسطے ہیں، اس باب میں بھی ہندو مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ان کی زبان صاف سادہ ہے۔ کلام میں سہل ممتنع کی بہتات ہے اور اسلوب میں ندرت و بداعت ہے، تلمیحات کا استعمال بھی خوب ہے۔ یہ ایک مسلمہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ''ارنی'' کی صدا تو لگائی لیکن دیدار خداوندی کی تاب نہ لا سکے شاعر اس مصدقہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ ''کلیم اللہ مدینہ اس لیے نہ آئے کیونکہ وہ دیدار نبویؐ سے دوبارہ بے ہوش نہ ہونا چاہتے تھے''۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تصور باندھ کر دل میں تمھارا یا رسول اللہ
خدا کا کرلیا ہم نے نظارہ یا رسولؐ اللہ

بھروسہ اس کو کہتے ہیں گنہگاروں نے محشر میں
خدا کے سامنے تم کو پکارا یا رسولؐ اللہ

شفیع حشر ہو تو پھر سبھی کے واسطے ہو تم
ہمیں کو کیوں نہ دو گے تم سہارا یا رسولؐ اللہ

خدا کا بحر رحمت اس قدر کیوں جوش میں آیا
کسی بے کس نے کیا تم کو پکارا یا رسولؐ اللہ؟

کلیم اللہ آتے بھی تو کیوں آتے مدینے میں
انھیں کیا ہوش کھونے تھے دوبارہ یا رسولؐ اللہ

۱۹۔ دلورام کوثری:

آپ کی ولادت بشنوئی قوم میں حصار ضلع کے نانڈری قصبہ میں پوہ سمبت ۱۹۳۹ بکرمی میں ہوئی۔ آپ کا نام دلورام اور باپ کا نام بھورا رام تھا، بقول خود وہ پہلے شخص ہیں جس نے اول بشنوئی قوم میں تعلیم حاصل کی۔ انٹرنس میں انگریزی تعلیم کے دوران شاعری کے شوق نے سر اٹھایا۔ لاہور کے ڈگری کالج میں داخلہ لے لیا لیکن سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھنے میں شعر و شاعری کا شوق سد راہ بن گیا۔ مشاعروں میں شرکت کرنے لگے اور جلد ہی کالج چھوڑ چھاڑ کر غزل کی زلف ہائے دراز سنوارنے میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

کوثریؔ کو مذہبیات سے خاصا لگاؤ تھا، انھوں نے مختلف مذاہب و مسالک ہندو مسلم، سکھ، مرہٹہ اور آریوں سے متعلق منظوم کتابیں لکھی ہیں۔ کوثریؔ کو محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت سے خاص شغف تھا اور انھوں نے نعت و منقبت میں کافی سرمایہ بطور یادگار چھوڑا۔ کوثریؔ کو حسان العجم کا خطاب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ پوری نے ماہ جون ۱۹۲۸ء میں مرحمت فرمایا تھا۔

موصوف نے اکثر نعتیں عنوانات قائم کر کے لکھی ہیں، عنوانات کی بابت ایک خاص بات یہ ہے کہ موصوف نے اکثر و بیشتر نعتوں کے عنوانات نعت کے کسی مصرع کو اٹھا کر حاصل کیے ہیں، ان

کے نعتیہ سرمایہ میں حسب ذیل عنوانات کی حامل نعتیں کافی وقیع ہیں۔
(۱) تو یکتا ہے بعد از خدایا محمدؐ (۲) میں ہر دم ہوں ثنا خوان محمدؐ (۳۳) خدا جب ہے محمدؐ کا (۴) اللہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ (۵) محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا (۶) ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوان محمدؐ (۷) ہے پائے محمدؐ سر دلورام (محمدؐ کو یاران جانی میں رکھا) (۹) غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے (۱۰) شفاعت (۱۱) ہندو کی بخشش (۱۲) رسول عربی۔

کوثرؔی نے شہیدؔی کی مشہور نعت کی زمین میں ایک نعت بھی لکھی ہے۔

مداح رسولؐ ہونے کے باعث شاعر کو اپنی کامرانی پر اس قدر ناز ہے کہ جب محشر میں فرشتوں نے داور محشر کو یہ خبر دی کہ اس بت پرست کے ساتھ کیا کیا جائے، جو احمد مجتبیٰؐ کی نعتیں لکھتا ہے۔

ہے بت پرست اگرچہ وہ لیکن ہے نعت گو — احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام دلو رام تخلص ہے کوثرؔی — لے جائیں اس کو خلد یا جانب سقر

تو خداوند محشر نے یہ حکم فرمایا

سنتے ہی یہ ملائکہ سے اک انوکھی بات — فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اس کا گھر

اس پر شاعر تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہے۔

اللہ اکبر احمدؐ مرسل کا یہ لحاظ — کی حق نے لطف کی سگ دنیا پہ بھی نظر

کوثرؔی کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ انھوں نے عشق نبیؐ میں اپنی دیوانگی پر بھی فخر کیا ہے۔

مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا — کہوں اور کیا ماجرا یا محمدؐ
محشر میں بچا لیں گے نبیؐ مجھ کو یہ کہہ کر — چھیڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا

۲۰۔ دھرم پال گپتا وفاؔ

وفاؔ نے نبیؐ آخرالزماں کے ان اقوال وارشادات کو اپنی شعری کاوش کا مطمح بنایا ہے، جن کا تعلق عام انسانی برادری کی بہبود سے ہے۔ وفاؔ کا اسلامی تاریخ اور احادیث نبویہؐ کا مطالعہ گہرا ہے حضور ﷺ تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آیت قرآنی ہے "**وما ارسلنك الا رحمة للعالمين**"۔

(نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے سب عالموں کے یعنی ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر ارسال کیا ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے نسلی تفاخر اور قبائلی امتیازات کے استیصال اور غلامی کے انسداد کا درس دیتے ہوئے فرمایا "**لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لا بیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض**" (کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی غیر عربی کو عربی پر اور کسی سفید رنگ والے کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی تفوق یا برتری حاصل نہیں ہے) "**متی استعبدتم الناس وقد ولدت امھاتھم احرار**" (تم نے لوگوں کو غلام بنانا کب سے شروع کر دیا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا تھا۔) ایک دوسری حدیث ہے "**الناس کاسنان المشط**" (لوگ کنگھی کے دانوں کی طرح آپس میں برابر ہیں) ایک دوسرے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا "**الناس کلّھم اخوہ**" (سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں) ان قرآنی اور احادیثی حوالہ جات کی روشنی میں وفا دہلوی کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے اور تلمیحات کے لطیف استعمال کو داد دیجیے۔

سکھایا اہل عرب کو برابری کا درس — کہ امتیاز کا قصہ تمام ہوجائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے — کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہوجائے
ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا — بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہوجائے

۲۱۔ پنڈت رام پرتاپ اکملؔ (جالندھری)

پنڈت رام پرتاپ اکملؔ ۳؍فروری ۱۹۰۷ء کو کھنہ ضلع کرنال (ہریانہ) میں متولد ہوئے۔ آپ نے ۲۰؍جنوری ۱۹۷۴ء کو بروز یکشنبہ دلی میں انتقال کیا۔ آپ نظر سوہارتوی اور ضیاء اٹاوی کے شاگرد ہیں۔

آپ کا پیشہ محکمۂ ریلوے میں ملازمت تھا اور تعلیم ایف اے، تک تھی۔ آپ کے شعری مجموعے (۱) بوئے گل ۱۹۷۵ء میں (۲) نالۂ دل ۱۹۶۲ء میں طبع ہو چکے ہیں، منبع نعت سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔

اکملؔ نے اپنی نعتوں میں خلائق خداوندی پر نبی اکرمؐ کے الطاف واحسانات کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے، اکمل کو اس بات کا بھی احساس ہے کہ نعت لکھنا ایک مشکل اور دشوار گزار کام ہے، جہاں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اکمل نے اپنے اشعار میں اس بات کا اعلان بھی کیا ہے کہ نبی اقدس کی ذات گرامی کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کے مابین

محدود نہیں ہے، نمونہ کے طور پر جستہ جستہ اشعار ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

کیا شان ہے جناب رسالت مآب کی — نظریں جھکی ہوئی ہیں مہ و آفتاب کی
مذہب کو زندگی کے عمل سے ملا دیا — ممنون التفات ہے امت جناب کی
قرآن پاک اس کی صداقت پہ ہے گواہ — تھی کن بلندیوں پر رسائی جناب کی
اکملؔ کہیں مقام ادب ہاتھ سے نہ جائے — توصیف لکھ رہا ہوں رسالت مآب کی

۲۲۔ رام پرکاش ساحرؔ ہوشیاپوری

آپ کا نام رام پرکاش اور قلمی نام یا تخلص ساحرؔ ہوشیار پوری ہے۔آپ ہوشیار پور (پنجاب) میں ۱۰؍فروری ۱۹۱۳ء کو ولادت پذیر ہوئے۔آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۵ء میں فارسی سے ایم اے کیا۔آپ کی تصنیفات و تالیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سحر غزل مطبوعہ ۱۹۵۱ء
۲۔ سحر نغمہ مطبوعہ ۱۹۷۰ء
۳۔ سحر حرف مطبوعہ ۱۹۸۲ء
۴۔ سحر خیال مطبوعہ ۱۹۹۰ء
۵۔ جل ترنگ (دیوناگری رسم الخط میں) غزلوں، نظموں، رباعیات وقطعات پر مشتمل مجموعہ ۱۹۷۵ء

تالیفات

۱۔ ماہنامہ کتاب نما دہلی کا یادگار جوش ملسیانی نمبر ۱۹۷۷ء
۲۔ بساط فکر (تذکرہ شعراء ہریانہ) ۱۹۸۸ء
۳۔ نقوش داغؔ (تذکرہ شعرائے دبستان داغؔ) ۱۹۹۲ء کتاب نمبر۲ اور۳ ہریانہ اردو اکادمی کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔

آپ کا نعتیہ سرمایہ آپ کے مطبوعہ مجموعہ کلام ''سحر خیال'' میں مشمول ہے، پنجاب کے بھاشا وبھاگ نے موصوف کے اس مجموعے کو ۱۹۹۰ء کی بہترین شعری تخلیق قرار دیتے ہوئے ساحر لدھیانوی ایوارڈ کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہ ایوارڈ ڈھائی ہزار روپے اور توصیفی سند پر مشتمل ہے۔''سحر خیال'' موصوف کا چوتھا مجموعۂ کلام ہے۔

آپ نے دو نعتیں فارسی زبان میں اور پانچ نعتیں اردو زبان میں کہی ہیں۔

فارسی میں کہی گئی ایک نعت میں نبیؐ کے شمائل وفضائل، آپؐ کے روئے مبارک اور

آپؐ کے متعلقات کو اپنی نعتیہ کاوش کا محور بنایا ہے۔ شاعر آستان خاک بطحا میں خاک ہو جانے کی تمنا کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

پیش از آں من خاک شوم اے رسولؐ آستانِ خاک بطحا آرزو است

شاعر، محمدؐ کا اس قدر روالہ وشیفتہ ہے کہ اس کے دل میں محمدؐ کے دیدار کا شرف حاصل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا ارمان نہیں ہے، متعلقہ شعر ملاحظہ ہو۔

نہ گنجد ہیچ ارماں در دل من بجز ارمانِ دیدار محمدؐ

ساؔحر کی اردو نعتوں کی تعداد، جیسا کہ پہلے رقم کیا جاچکا ہے، پانچ ہے اور یہ پانچوں نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ چند اشعار حوالہ قرطاس کیے جارہے ہیں۔

زباں پاک، دل شادماں، آنکھ روشن جمال نبیؐ کی ثنا ہورہی ہے
فدا ہورہا ہے خدا خود نبیؐ پر نبیؐ پر خدائی فدا ہورہی ہے
جبینِ جہاں، آستان محمدؐ عقیدت کی یہ انتہا ہورہی ہے
روضۂ انور پہ ساؔحر سرنگوں ہو اس طرح خود فنا ہوکر مجسم سجدۂ شکرانہ بن

۲۳۔ رشؔی پٹیالوی چنڈی گڑھی

آپ کا نام پنڈت بام دیو اور تخلص رشؔی ہے۔ آپ کی ولادت بسی کلاں ضلع ہوشیار پور، پنجاب میں بتاریخ ۲۶ر جنوری ۱۹۱۷ء کو ہوئی آپ نسیم نور علی اور جوش ملسیانی کے شاگرد ہیں۔ آپ کی وہ نعت قابل ذکر ہے جس کا عنوان ''اے رسول اللہ اے صلِ اللہ'' ہے اس میں شاعر نے وصفی انداز بیان اپنایا ہے اور نبیؐ کے ان عالی احسانات کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے ساکنین کائنات کو متاثر کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ نبیؐ امی کا بدل ممکن نہیں ہے۔ موصوف نے اعتراف عجز کے مضمون کو بھی بطور خاص نظم کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نور جس کا وادیٔ سینہ میں ہے مہر و مہ کی جان ہے جس کا جمال
جس کا چرچا عالم بالا میں ہے جس کی قدرت ہے کمالِ لا زوال
جس کے پروردہ ہیں سب چھوٹے بڑے جس کی رحمت سے ہے دنیا فیضیاب
ایک ہیں جس کے لیے اچھے برے جس کی بخشش کا نہیں کوئی حساب
آپ کی تعریف کوئی کیا کرے آپ کی تعریف ہوسکتی نہیں

مجھ سے بے بس، مجھ سے بے مقدور سے آپ کی توصیف ہوسکتی نہیں

۲۴۔ رگھونندن راؤ جذبؔ (وکیل رائچور، دکن)

آپ کا نام رگھونندن راؤ اور تخلص جذبؔ ہے، آپ دنیائے ادب میں جذبؔ عالمپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۰/اپریل ۱۸۹۴ء کو گنگاوی ضلع رائچور (کرناٹک) میں ہوئی اور آپ کا انتقال حیدرآباد میں ۲۸/۲۷ ستمبر ۱۹۷۳ء میں شب کو ہوا۔

آپ دکن میں وکالت کرتے تھے، شعروشاعری سے آپ کو گہرا ربط تھا۔ آپ نے مذہب سے وابستگی کی بنا پر منبع نعت کی مدح خوانی میں بھی زبان قلم کو وا کیا ہے ''محمدؐ'' کی ردیف والی نعت کافی اچھی ہے۔ اس نعت کا وصفی انداز خاصا وقیع ہے اور بعض بعض اشعار شاعر کی قلبی عقیدت اور اس کے موروثی مزعومات کی غمازی کرتے ہیں، نمونے کے طور پر دو ایک شعر درج ذیل ہیں۔

مکے سے مدینے سے ہی پہنچی سرافلاک بوئے گل رخسارۂ گیسوئے محمدؐ

معراج میں سب چیزیں انھیں دیکھ رہی تھیں پر حق کے سوا تھا نہ وہاں روئے محمدؐ

۲۵۔ زیبؔ غوری (۱۹۲۸ء تا ۱۹۸۵ء)

زیبؔ غوری کا نام عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں اپنے منفرد لب ولہجہ کی وجہ سے لائقِ ذکر ہے۔ انھوں نے آدابِ نعت کا جتنا لحاظ اور خیال رکھا ہے اتنا اردو کے کم شعراء کے یہاں ملے گا۔ وہ ہر محبّ رسول کے لیے ہوش کو لازمی قرار دیتے ہیں اور منعوت کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ہر شائق دیدار سے ''کچھ پردہ ڈالے رکھنے'' کی بات کرتے ہیں۔ وہ حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ''حرم مکہ'' میں ''گنجائش مستی'' بہت ہے لیکن ''حرم مدینہ'' میں اپنے کو سنبھالے رکھنا ضروری ہے۔ متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اس قدر ہوش اے چاہنے والے رکھنا دیکھنا اس کو تو کچھ پردے بھی ڈالے رکھنا

وہ حرم تھا وہاں گنجائش مستی تھی بہت یہ مدینہ ہے یہاں خود کو سنبھالے رکھنا

موصوف کو اس بات کا یقین ہے کہ مدینہ کی گلیاں بہت پاک فضا رکھتی ہیں اس لیے وہ راہیٔ مدینہ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ (راہی) اس کے چرچے سے ان پاک گلیوں کی فضا کو آلودگی کا شکار نہ بنائے۔ وہ (شاعر) رحمۃ للعالمینؐ کے حضور اپنے بارے میں چپ رہنے کی

ہدایت کرتا ہے۔ کیوں کہ اس کی (شاعر کی) ہستی اپنی آلودگی کی وجہ سے اس لائق نہیں ہے کہ اس کا تذکرہ اس بارگاہ میں کیا جائے یہ تذکرہ شاعر کے لیے موجب ندامت ہوگا متعلقہ نعت مختصر ہے آداب نعت کے سلسلے میں زیبؔ غوری کی یہ نعت اردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ زیبؔ کی انفرادیت پسند طبیعت نے ردیف و قافیہ اور زمین کے باب میں نئے پن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نعت کے ابتدائی چار اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

پاک فضاؤں کو آلودہ مت کرنا — ان گلیوں میں میرا چرچا مت کرنا
مجھ کو جو نسبت ہے اسم محمدؐ سے — اس نسبت کا کوئی اشارا مت کرنا
جھوٹے تھے سارے عہد و پیماں میرے — میرے گناہوں کو بے پردا مت کرنا
چپ رہنا میرے بارے میں ان کے حضور — کچھ کہہ کر مجھ کو شرمندہ مت کرنا

۲۶۔ ستیش چند سکسینہ طالبؔ (دہلوی)

آپ انبالہ چھاؤنی میں ۱۲؍فروری ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ مہاراج بہادر برقؔ دہلوی کے شاگرد ہیں۔ آپ کا انتقال بعارضۂ فالج بتاریخ ۱۶؍۱۵؍نومبر میں دہلی کے ارون اسپتال میں ہوا۔

آپؐ کے نعتیہ سرمایہ سے اس بات کی آگاہی ہوتی ہے کہ آپ کا قرآن و حدیث کا علم خاصا وقیع تھا۔ آپ نے معراج کے مضمون کو بطور خاص نظم کیا ہے اور نبیؐ کے ان اوصاف کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے خلائق خداوند کو بلا امتیاز مذہب و ملت متاثر کیا ہے۔ شاعر کو مداح نبیؐ ہونے پر فخر ہے اور محمدؐ کے عنوان سے اشعار نعت کہنے کو وہ اپنی نیک بختی سمجھتا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

حلقہ ہے مہ نو کا گریبانِ محمدؐ — ہے مطلع انوار کہ دامانِ محمدؐ
کیا خوب ہے ارشاد یہ ارباب نظر کا — فرمان مشیت بھی ہے فرمانِ محمدؐ
کیا درس مساوات دیا، نوع بشر کو — اترے گا نہ سر سے کبھی احسانِ محمدؐ
معراج کی شب کون ہے مہماں خدا کا — اللہ رے یہ مرتبہ و شانِ محمدؐ
یہ ذات مقدس تو ہر انساں کی ہے محبوب — مسلم ہی نہیں وابستۂ دامانِ محمدؐ

۲۷۔ سکھ دیو پرشاد بسملؔ الہ آبادی:

آپ کا نام منشی سکھ دیو پرشاد اور تخلص بسملؔ ہے۔ آپ کی ولادت الہ آباد میں ۱۱؍نومبر

۱۸۹۹ء کو اور وفات الٰہ آباد ہی میں ۲۴/۲۳ نومبر ۱۹۷۵ کو بعارضہ قلب ہوئی۔ آپ نوح ناروی کے شاگرد تھے۔ بسمل نے اپنی نعتیہ کاوشات میں معجزات نبویؐ بڑی چابکدستی سے نظم کیے ہیں اور مضامین نعت میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے کافی فیض اٹھایا ہے کہیں کہیں پر شاعر کا وفور شوق اور اس کا والہانہ انداز قاری وسامع کے لیے روحانی غذا کا کام کرتا ہے۔ آیت کریمہ ''وانشق القمر'' اور حدیث قدسی **"لولاك لما خلقت الافلاك"** کے استعمال نے کلام میں برجستگی پیدا کر دی ہے تبرکاً دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

فرشتہ بھی، بشر بھی دونوں ان پر فخر کرتے ہیں زمیں سے عرش اعظم تک رسائی ہے محمدؐ کی
جو یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی بھی پیدا خدا کی شان ہے گویا خدائی ہے محمدؐ کی
ہوئے اک چاند کے دو ٹکڑے انگلی کے اشارے سے منور کتنی یہ معجزنمائی ہے محمدؐ کی
ہوائے شوق اڑا کر جلد پہنچا دے مدینے میں بڑی تکلیف وہ مجھ کو جدائی ہے محمدؐ کی

۲۸۔ عمیقؔ حنفی

عمیقؔ حنیف کی ''صلصلۃ الجرس'' اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس نعتیہ کاوش نے عشق محمدؐ اور پیغام محمدؐ کے ابلاغ وترسیل کا کام انجام دیا ہے، ان کے نزدیک امراض گرفتہ انسانیت کا مداوا تعلیمات نبویؐ میں نہاں ہے ملاحظہ ہو۔

آب رواں پہ مثل حباب ، تہذیب نو کی نمود
تہذیب نو ہے ایسا چراغ جس کو ملی ہے فانوس دود
چھوتا ہے مریخ و ماہ ، لیکن ہے دور اصل شہود
ایماں نہ ہو تو مشقِ حساب، تحقیق عالم ہست و بود

عمیقؔ کی نعتیہ رباعیاں اردو نعت میں ناقابل فراموش سرمایہ کی حیثیت سے زندہ رہیں گی، ایک رباعی درج ذیل ہے۔

اللہ کا وہ عہد کہ ہے قرۃ العین وہ مجمعٔ اوصاف وہ مرج البحرین
خاتم بھی وہی اور وہی خاتم بھی ہیں بوسہ زن مہر رسالت قطبین

۲۹۔ عرش ملسیانی بالمکند:

آپ کا نام بالمکند اور تخلص عرشؔ ہے، ادبی دنیا میں عرش ملسیانی کے نام سے مشہور

ہیں۔آپ ۳ر ستمبر ۱۹۰۸ء کو ولادت پذیر ہوئے اور بی کام کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔آپ کی نعتیہ شاعری کافی وزنی ہے،نعتیہ کلام کا مجموعہ ''آہنگ حجاز'' کے نام سے ۱۹۵۲ء میں طبع ہو چکا ہے جس میں ۳۲ صفحات ہیں اس مجموعے میں ۱۰ نعتیہ غزلیں شامل ہیں جو شاعر کے خلوص کی آئینہ دار ہیں درمحبوب پر سجدہ ریزی کی تڑپ عرش کی داخلی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے اس قبیل کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

درمحبوب پر سجدہ اگر اک بار ہوجائے دل پر آرزو سر چشمۂ انوار ہوجائے
تجلی عام ہو اور وارد اسرار ہوجائے جبین دل جو نقش آستانِ یار ہوجائے
مری کشتی ہے، میں ہوں اور گرداب محبت ہے جو وہ ہو ناخدا تو بیڑا پار ہوجائے
معراج کی شب کون ہے مہماں خدا کا اللہ رے یہ مرتبہ و شان محمدؐ
یہ ذات مقدس تو ہر انساں کی ہے محبوب مسلم ہی نہیں وابستۂ دامانِ محمدؐ

عرش نے اکثر نعتیں چھوٹی مترنم بحروں میں لکھی ہیں۔جن میں روانی، کیف اور موسیقی، مضمون کی شگفتگی، الفاظ کا انتخاب، تراکیب کی دلکشی اور الفاظ کی صوتیت دیدنی ہے، ان کا کلام سلیس رواں ہے، نعتوں میں وصفی اظہار کے ساتھ داخلی کیفیت کا دلکش امتزاج ہے، عرشؔ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی کی درج ذیل رائے کافی باوزن اور باوقعت ہے۔

''مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر جو مختصر فہرست منتخب نعت گو شعراء کی تیار کی جائے گی یقین ہے کہ ذوق سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لیے مخصوص رکھے گا۔''

تحتی سطور میں چند اشعار نقل کیے جارہے ہیں۔

معطر فضاء مست ساری خدائی صبا مشک افشاں مدینہ سے آئی
غنیمت ہے قرب نبیؐ کی یہ صورت وگرنہ کہاں ہم میں تاب جدائی
یہ امی پیمبرؐ کا جوش فصاحت بشر کی یہ شان حقیقت نمائی

۳۰۔ فراقؔ گورکھپوری:

آپ کا نام رگھوپتی سہائے اور تخلص فراقؔ ہے آپ کی ولادت بمقام گورکھپور ۱۸۹۶ء میں ہوئی آپ کے والد منشی گورکھ پرساد اچھے وکیل تھے۔شاعری بھی کرتے تھے اور عبرتؔ تخلص کرتے

تھے آپ کی تعلیم کا آغاز اردو سے ہوا۔ سات سال کی عمر میں انگریزی تعلیم کے لیے اسکول بھیجے گئے۔ آپ بہت ذہین اور طباع تھے ہر درجے میں نمایاں طور پر کامیاب ہو کر بی اے کا امتحان میور سنٹرل کالج الہ آباد سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ گورنمنٹ نے ڈپٹی کلکٹری کے لیے منتخب کیا۔ لیکن کانگریس میں شریک ہو کر جیل چلے گئے۔ ۱۹۲۷ء میں جیل سے رہا ہو کر اولا کرشچین کالج لکھنؤ میں ملازم ہو گئے بعد میں سناتن دھرم کالج کانپور نے اردو پڑھانے کے لیے بلا لیا اسی درمیان آپ نے ۱۹۳۰ء میں انگریزی میں ایم اے آگرہ یونیورسٹی سے کرلیا اور الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے لیکچرر مقرر ہو گئے، ۳۱/دسمبر ۱۹۵۸ کو ملازمت سے ریٹائرڈ ہو کر الہ آباد ہی میں ریٹائرڈ لائف گزارنے لگے۔ آپ ۳/مارچ ۱۹۸۲ء کو بمقام دہلی فوت ہوئے۔

آپ کا نعتیہ سرمایہ بہت کم ہے لیکن آپ نے جو کچھ اور جتنا کچھ کہا ہے ندرت بیان اور توانائی فکر کی وجہ سے اہم اور وقیع ہے آپ کی درج ذیل رباعی اردو کی نعتیہ شاعری میں آپ کو نمایاں مقام دلانے کے لیے کافی ہے، موصوف نے معرض بحث رباعی میں حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کو موضوع بنایا ہے، مضمون کافی فرسودہ ہے لیکن اظہار بیان کی بداعت نے مضمون کی کہنگی اور فرسودگی کو ختم کر کے اس میں شادابی و رعنائی پیدا کر دی ہے محولہ بالا نعتیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

انوار بے شمار محدود نہیں — رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام — وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں

۳۱۔ فناؔ کانپوری:

فناؔ کی نعتوں میں وصفی انداز بیان توانا عصری فضا میں تحلیل نظر آتا ہے، ان کی جدت طراز طبیعت کہنہ مضامین کو تروتازہ کر کے پیش کرتی ہے ان کی نعتیہ کاوش کے امتیازی خصائص تغزل، غنائیت، خلوص، شیفتگی، عقیدت، حدود شریعت کا لحاظ اور پاس ادب ہیں۔ ایک نعت کے چند اشعار ذیل میں بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

راز تخلیق کون و مکاں آپ ہیں — خود ہی اس راز کے راز داں آپؐ ہیں
رہبرِ راہ ہر کارواں آپؐ ہیں — خود ہی اس راز کے رازداں آپؐ ہیں
پھول بھی مطمئن، خار بھی مطمئن — اس قدر معتبر باغباں آپؐ ہیں

میری جانب بھی ہو اک نگاہِ کرم چارہ سازِ غم کا بیکساں آپؐ ہیں
آپ اور ذکر سرور جنابِ فناؔ نعت گوئی کے لائق کہاں آپ ہیںؐ

۳۲۔ کنور مہیندر سنگھ بیدی سحرؔ

اردو ادب کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، آپ کی شاعری میں جدت اور ندرت کی کارفرمائی ہے، یہی جدت وندرت اور طرز بیان کی دولت ان کی نعتوں میں دیکھی جاسکتی ہے ''سرور لولاک'' کے تصور سے دو جہاں کی وسعتیں سمٹ کر تخیل میں آجاتی ہیں، دل میں نبی ﷺ کے خیال کے جاگزیں ہونے پر سینہ اور دل کی کیفیت دگرگوں ہوجاتی ہے مدینہ پہنچنا اور وہاں پہنچ کر پھر واپس نہ آسکنا، بیمار غم عشق نبیؐ کا مدعا ہے پروانہ شعاعوں سے شمع تک پہنچتا ہے اور شیدائے عشق رسولؐ، پیغمبر اسلام سے خدا تک رسائی حاصل کرتا ہے، سحرؔ کی نعتیہ کاوش میں فکر آمیز عناصر کی کارفرمائی ہے ان کا مطالعہ وسیع اور ان کی قوت استنتاج پر اثر ہے۔ ایک نعتیہ کاوش سے صرف متعلقہ اشعار بغرض ملاحظہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

یہ سینہ اور یہ دل دوسرا معلوم ہوتا ہے کوئی پردوں میں دل کے آچھپا معلوم ہوتا ہے
مدینے تک پہنچ جائے، پہنچ جائے تو مرجائے یہی بیمار غم کا مدعا معلوم ہوتا ہے
رسائی شمع تک کرتا ہے پروانہ شعاعوں سے خدا کے نور سے یعنی خدا معلوم ہوتا ہے
سمٹ کر دو جہاں کی وسعتیں آئیں تخیل میں تصور ''سرور لولاک'' کا معلوم ہوتا ہے

۳۳۔ ماہرؔ القادری

ماہرؔ کو نعت گوئی وراثت میں ملی تھی سارا گھر نعتیہ فضا سے معطر تھا ان کے والد عمر کے آخری حصہ میں صرف نعت کہتے تھے۔ ماہرؔ کی نعتوں کا مجموعہ ''ذکر جمیل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے دیگر مجموعوں میں بھی نعتیں شامل ہیں۔ ''ذکر جمیل'' میں عنوانات کے تحت نعتیں لکھی گئی ہیں مثلاً ذکر جمیل، اسیرانِ بدر، ظہور قدسی، حرمین کا مبلغ اعظم، پیغمبر انسانیت، نذر عقیدت، فریاد اور دربار قدس وغیرہ۔

اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ میں ماہرؔ کی شخصیت اس لیے بھی اہم ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے اور اپنے مجموعے کے دیباچے میں محبت، عقیدت اور پرستش کے فرق کو واضح کیا ہے اور نعت گوشعرا کی غیر محتاط حرکات کا جائزہ لیا ہے، موصوف نے

غلط اور موضوع روایات کو نظم کرنا اور احمد بے میم نیز محمدؐ امی کو عبد کے دائرہ سے خارج کر کے الوہیت کے دائرہ میں داخل کرنے کو مشرکانہ بدعات میں شمار کیا ہے۔ ایک تراشہ ملاحظہ ہو۔

''قرآن پاک میں اکثر و بیشتر مقامات پر جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر آیا ہے۔ عبد کا لفظ ضرور استعمال فرمایا گیا ہے کہ عقیدت مند کہیں بندے کو خدا نہ سمجھ لیں۔ مسلماں کی شان ''اناالحق'' میں نہیں ''اناالعبد'' کہنے میں ہے کہ صاحب معراج اور "**واقف اسریٰ مع اللّٰہ** "نے بار بار اپنے کو بندہ کہا۔

ماہرؔ کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیت پاس ادب ہے نمونہ کے طور پر حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

مخمور جس شراب سے تھے بوذرؓ و بلالؓ — مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہیے
جالی سے چھن رہا ہے وہ نور مزار پاک — ایسے میں صرف جرأت رندانہ چاہیے

ماہر، حالیؔ اور اقبالؔ سے بہت متاثر ہیں، ماہر کا یہ سلام حالی کی مسدس میں مشمول خالص نعت سے معنوی ربط رکھتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی — سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے — سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

ماہرؔ نے اپنی نعتیہ شاعری کے ضمن میں اپنے عقائد کا برملا اظہار بھی کیا ہے وہ محمدؐ عربی کو کونین کا مدعا اور آپ کی محبت کو عین ایمان سمجھتے ہیں۔

جو کونین کا مدعا بن کے آئے — انھیں کی محبت ہے ایمان ماہرؔ

۳۴۔ مہادیو پرساد ساؔمی جبل پوری:

آپ کو سرور کائناتؐ سے مثالی محبت تھی۔ ۸؍فروری ۱۹۲۷ء مطابق ۶ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ کو بوقت مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا۔ ٹوٹے ہوئے ستارہ نے حضور ﷺ کا نام نامی ''محمدؐ'' کو صفحۂ فلک پر منکشف کیا اس نوارانی منظر کو متعدد شعرا نے مختلف طریقوں سے اشعار کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ کی کاوشوں میں ساؔمی کی نعتیں کافی وقعت اور اہمیت کی حامل ہیں انھوں نے دو نظموں میں اس روح افزا منظر کا ذکر خیر کیا ہے ایک نظم ''جذبات ساؔمی'' کے عنوان سے جس میں ۴۲، ابیات ہیں اور دوسری ''سرور کائنات'' کے عنوان سے جس میں ۲۶؍اشعار ہیں موصوف نے فارسی زبان میں بھی دو

نعتیں آسمان پر اسم محمدؐ کے ظہور پر تحریر کی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ فلک پر اسم محمدؐ کے ظہور سے متعلق دو نعتیہ رباعیاں بھی موصوف کے نعتیہ سرمایہ میں شامل ہیں۔

سامیؔ کی متذکرہ بالا نعتوں میں سے پہلی نعت کی ترکیبی فضا قصیدہ سے متاثر ہے۔ شاعر نے اس نعت میں اولاً اسلام کی ہمہ گیر حیثیت اور اسلام و مسلمانوں کی ملکی سطوت و جبروت پر روشنی ڈالی ہے اور عصری احوال و کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے سرزمین ہند کی زبانی منبعِ نعت سے التجا کرتے ہوئے کہا ہے۔

روبرو حضرت کے عاجز ہوں میں قیل وقال سے قوم کس ادبار کو پہنچی ہے کس اقبال سے
ملت اسلام کی الٹی ہوئی تقدیر ہے آپ کی امت کی یہ پردیس میں توقیر ہے

بعد کے اشعار میں شاعر نے آسمان پر اسم محمدؐ کے ظہور کی بابت نعتیہ اشعار قلم بند کیے ہیں۔ یہ اشعار اس لیے بھی اہم اور وقیع ہیں کیوں کہ ان میں مقامی اور عصری رنگ بہت چوکھا ہے اس سلسلے کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

نور تھا یہ آپ کا چمکا کہ قسمت ہند کی ہند کے مسلم کی عزت اور حرمت ہند کی
خانۂ تاریک مسلم میں اجالا ہوگیا ہند کا دنیا کے آگے بول بالا ہوگیا

شاعر کے نزدیک یہ ظہور ہندوستان کے ساکنین کے لیے باعث فخر و انبساط ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

ہو سامنے یہ جلوہ تو تسلیم ہے مجھے یہ ہند غم کدہ نہیں، دار سرور ہے

سامیؔ کو منبع نعت سے اس قدر عقیدت ہے کہ وہ خلد کی آرزو بھی اس لیے کرتے ہیں کیوں کہ خلد وصال یار کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ نعت میں عجز کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

ممکن ہے مدح کس سے پھر اس ذات پاک کی مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے

مداحِ نبیؐ ہونے پر تعلیٰ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو مداح ہے حضورؐ کا اتنا ضرور ہے
محشر میں دیکھ لیں گے، جنھیں اشتباہ ہو سامیؔ ہے اور جامِ شرابِ طہور ہے

۳۵۔ مہرلال سونی ضیاؔ فتح آبادی:

آپ سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔ پہلے عطا بعدہٗ ضیاء تخلص اختیار کیا۔ آپ کپورتھلہ میں گیارہ بجے دن میں فروری ۱۹۱۳ء میں متولد ہوئے اور آپ کی وفات نئی دلی میں ۱۹/اگست ۱۹۸۶ء کو بروز سہ شنبہ ہوئی۔ آپ کا جسد خاکی ۲۰/اگست کونگم بودہ گھاٹ شمشان میں سپرد آتش کیا گیا۔ آپ نے اکثر عنوانات قائم کر کے نعتیں لکھی ہیں۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں حسب ذیل دو نعتیں اہم ہیں۔

(۱) فرمانِ محمدؐ (۲) محمدؐ (۳) تعلیم اسلام

جہاں تک موصوف کے نعتیہ خصائص کا تعلق ہے۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ موصوف کے یہاں نبیؐ کی شخصیت کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق جمہور سے ہے مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

منظّم کر دیا تو نے سب اجزائے پریشاں کو — سکھایا بیٹھنا مل جل کے آپس میں محبت سے
سبق توحید کا ہر روح کو از بر ہوا آخر — ترے ہمراہ دنیا ہوگئی تیری صداقت سے
غلام مادیت رہ نہ جائے تا کوئی انساں — کیا روحانیت کو عام تو نے علم و حکمت سے
لکھی گئی دنیا میں ضیا نور یقیں سے — انسان کی تاریخ بعنوان محمدؐ

موصوف کی اس نعت میں وہ مضامین شامل ہیں جن کا تعلق عوام سے ہے۔ مثلاً مساوات، اتحاد، بادۂ وحدت کو عام کرنا وغیرہ۔ بطور مثال چار بند ذیل میں نقل کیے جا رہے ہیں۔

نجات، مذہب و ملّت کی اتحاد میں ہے — نوید عسرت باقی خدا کی یاد میں ہے
غلط رووں کو رہ مستقیم پر لاؤ — مقابلہ ہو اگر موت کا نہ گھبراؤ
گدا و شاہ میں کچھ امتیاز تم نہ کرو — کسی غلام سے بھی احتراز تم نہ کرو
ستم کا نام مٹا دو جہانِ ہستی سے — کرو دلوں کو مسخّر سرود و مستی سے

دوسرا باب

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے اردو نعت گو شعرا اور ان کی امتیازی خصوصیات

آزادی کے بعد کی نعتیہ شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نعت نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے ان عناصر کو مطمحِ فکر بنایا ہے جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کا راز آپؐ کی پاک زندگی میں مضمر ہے۔ یہ عالم آب وگل اگر امن وسکون کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے آپ ﷺ کی تعلیمات ہی کو مشعل راہ بنانا پڑے گا۔ نعت مہد سے لحد تک کا دستور حیات ہے۔ خوشی کی بات ہے خلائق خداوندی، بلا تفریق مذہب وملت، بلا امتیاز نسل و ذات اور بلا تشخص ملک و رنگ انسانی فلاح و بہبود کے ان طریقوں کو اپنا رہی ہے، جن کی نشان دہی آج سے چودہ سو سال پیشتر افضل خلائق خداوندی نے کی تھی۔ یہ بات اور ہے کہ اس کا انتساب اس ذات اکرم کی جانب نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے تصدق وتوسل سے اس عالم آب وگل نے یہ گراں بہا اثاثہ بطور وراثت پایا ہے، غلامی کا انسداد، حریت، مساوات اور اخوت کا نعرہ، عفو و درگزر کا مثالی سبق، حقوق نسواں کا تعین، انسان پر حیوان کے حقوق کا درس، فضا کو آلودگی سے بچانے اور ذی حیات کے گونا گوں فوائد کے لیے پودے لگانے کو صدقۂ جاریہ کی فہرست میں شامل کرنا، بین الاقوامی قوانین کا نفاذ اپنے مساعی کے ذریعہ سارے انسانی معاشرے کو ایک خوش حال کنبے کی شکل عطا کرنے کی کوشش، منبع نعت کے توسل سے درآنے والی یہ اور اس قبیل کی لاکھوں مشعلیں، مختلف زبان وادب کے نعتیہ سرمایۂ میں فروزاں وتاباں نظر آتی ہیں۔ یہ بھی ایک اعجاز الٰہی ہے کہ صاحب "**رفعنا لك ذكرك**" کی شان اقدس کی بابت خامہ فرسائی کرنے والوں کو اللہ پاک آج بھی وہ شہرت عطا فرماتے ہیں، جو عالم گیر ہوتی ہے۔

آج کی نعت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام ہی دین فطرت ہے۔ اس لیے اس میں

کوئی بات ایسی نہیں ہے جو انسانی فطری تقاضوں کے خلاف ہو، عصری نعت کے مضامین نے ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ فی الحقیقت عالم گیر صداقتیں اسلام ہی میں ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی پرانی ہونے والی نہیں ہے اور جو چیزیں پرانی ہونے والی ہیں اسلام نے ان کو دین کا حصہ نہیں بنایا اور ان کے بارے میں فیصلے کرنے کے اختیارات عام مسلمانوں میں سے اہل دانش وبینش یعنی فقہائے اسلام کو دے دیے۔ آج کی نعت کا رشتہ جس قدر عصری زندگی سے استوار ہے، اتنا شاید کبھی نہیں رہا۔

۱۔ ابرارؔ کرتپوری:

ابرار حسین ابرارؔ کرتپوری کے والد کا نام قاضی ریاست حسین مرحوم ہے۔ آپ کا تخلص ابرارؔ ہے۔ آپ کا وطن محلّہ قاضیانہ کرتپور ضلع بجنور (یوپی) ہے۔ ابرار کرتپوری دہلی یونیورسٹی کے دیال سنگھ کالج لودھی روڈ نئی دہلی میں ملازم تھے، موصوف ایک کہنہ مشق استاد شاعر ہیں، وہ متعدد تصانیف کے مالک ہیں ''خالق ذوالجلال'' (حمد "**ورفعنا لك ذكرك**" ''نعت'' ''خوشبو خیال کی'' (غزلوں کا مجموعہ) ''دلکش نظمیں'' ان کی چند اہم مطبوعہ تخلیقات ہیں۔

ابرارؔ کرتپوری اردو ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں اور ''مرکز علم و دانش'' ''اردو برادرس'' ''غالب ویلفیئر ایسوسی ایشن'' ''بزم ساز و ادب'' اور ''ساہتیہ سنگم'' جیسی انجمنوں سے وابستہ ہیں، موصوف کو مندرجہ ذیل ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔

۱۔ فرخ نگینوی میموریل کمیٹی کرتپوری کا ''فرخ نگینوی میموریل ایوارڈ''

۲۔ مولانا محمد علی جوہر اکاڈمی دہلی کا ''مولانا محمد علی جوہر ایوارڈ''

۳۔ میر تقی میرؔ کلچرل سوسائٹی دہلی کا ''افتخار قیصر ایوارڈ''

۴۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی کا ''دلکش نظمیں'' کتاب پر ایوارڈ۔

ابرارؔ کرتپوری کے کلام میں پختگی ہے اور وہ نعتیہ غزل انتہائی عقیدت سے روایتی نعت سے بچ کر دلکش انداز میں کہتے ہیں۔ ان کے کام میں ندرت ہے اور عشق رسولؐ کی وارفتگی بھرپور ہے۔ ابرارؔ کرتپوری نعت میں صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی کرتے ہیں، جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

کتاب ایماں کا درس ابھرے یقیں کے پاکیزہ باب مہکیں
خیال میں جو حضورؐ آئیں بصیرتوں کے گلاب مہکیں

بہ فکر حسانؓ ابن ثابت، بلالؓ کے لحن کا ہو امرت
پڑھوں جو اشعار نعت اقدس، مرے حسیں انتخاب مہکیں

سماعتوں کا وضو اسم کبریا سے کروں پھر استفادۂ جان نعت مصطفیؐ سے کروں
حیات کے جو کسی مسئلے میں الجھن ہو میں حل معمے کا ان کے نقوش پا سے کروں
پناہ جن و بشر ہے ردائے اسود میں حصول امن میں سرکارؐ کی ردا سے کروں

(۲) ابوالحسنات حقی

ابوالحسنات حقی کے والد محترم ممتاز کہنہ مشق شاعر جناب سید شاہ ابومحمد ثاقب کانپوری مرحوم تھے۔ثاقب کانپوری نے اپنے سبھی بیٹوں کے ناموں کے ساتھ تخلص جوڑ دیے تھے، باپ بیٹوں کے تخلصوں میں قافیائی مماثلت ہے، بڑے صاحبزادے مرحوم ابوالخیر کشفی، منجھلے ابوالحسنات حقی، اور چھوٹے ابولبرکات نظمی ہیں، ہائی اسکول سرٹیفکیٹ کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۶/دسمبر ۱۹۴۲ء ہے، حلیم مسلم انٹر کالج کانپور، کرائسٹ چرچ کالج کانپور اور دہلی یونیورسٹی دہلی میں اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے دہلی یونیورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں اردو سے ایم اے پاس کیا پیشہ درس و تدریس ہے، حلیم ڈگری کالج کانپور میں صدر شعبۂ اردو کے عہدے پر فائز تھے۔ان کا ایک مجموعہ ''بکھرے لمحوں کی دعا'' کے نام سے پاکستان سے شائع ہوا، باپ بیٹے کے کلام میں کافی مماثلت ہے، غزل اور دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ روایتی انداز میں کافی عقیدت واحترام کے ساتھ نعتیں کہتے ہیں، لیکن کہیں کہیں حفظ مراتب کے لحاظ میں چوک کر جاتے ہیں، مثلاً نمونہ کلام میں مشمول تیسرے شعر میں رسول اکرمؐ کی جانب لوح وقلم کا انتساب ہے اور وہ بھی لفظ ازل کے ساتھ جو قابل غور ہے، کیونکہ ازل سے صرف اللہ پاک کی ذات قائم ودائم ہے۔

انجام جس کا خوب اس آغاز پر سلام گونجی جو شش جہت میں اسی آواز پر سلام
وہ جس کا پاک اسم دلوں کی کشود ہے اس نام پر درود اس اعجاز پر سلام
لوح وقلم ازل سے ہیں جس کے اشارے پر اس سروِ ناز اس قدِ انداز پر سلام
اس کے غلام قیصر و کسریٰ پہ خندہ زن آئینِ خسروی کے اس انداز پر سلام
آمدؐ سے جس کی کھل اٹھے چہرے گلاب سے انسانیت کے چارہ و دم ساز پر سلام

(۳) اثرؔ بہرائچی

اثر بہرائچی کا تعارف انھیں کی زبانی سماعت فرمائیں۔

''یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے سفر حیات کا آغاز ہوا اور رسم زمانہ کے مطابق بزرگوں نے مبشر حسین ہاشمی نام رکھا۔ ہوش سنبھالتے ہی والد محترم جناب سید عنایت حسین ہاشمی ریٹائرڈ آفس سپر نٹنڈ نٹ کلکٹریٹ بہرائچی کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے، اور پھر گردش دوراں کی نوازش پیہم کا سلسلہ ایسا چلا کہ مجھے بھی سرکاری ملازمت اختیار کرنی پڑی، حلقۂ شعر و سخن میں میرے چچا استاد محترم حضرت حکیم محمد اظہرؔ صاحب وارثی مرحوم نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ میرے ہفوات کو اپنی اصلاح خاص سے فرش سے عرش تک پہنچا دیا۔ انھوں نے ہی اثرؔ تخلص تجویز کیا۔ ان کے انتقال کے بعد جناب محمد اظہار وارثیؔ سے، جو چچا کے صاحبزادے اور بہت ہی اچھے شاعر ہیں، مشورۂ سخن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ حفظِ مراتب کا خاص خیال رکھتے ہیں اور افراط و تفریط سے پاک نعتیں لکھتے ہیں۔

حقیقتوں کو ملی جب بیان کی خوشبو　　دلوں میں بس گئی جا کر زبان کی خوشبو
نفس نفس کو مہک مل رہی ہے وحدت کی　　مشام جاں میں ہے اک بے نشان کی خوشبو
نبیؐ کے پائے مقدس کی برکتوں سے اثرؔ　　زمیں سے آنے لگی آسمان کی خوشبو

☆☆☆☆☆

نہ ہوس ہے نام و نمود کی نہ تو حرصِ مال و منال ہے
مجھے صرف آپؐ سے کام ہے کوئی مانگ ہے نہ سوال ہے
جو جیے تو تیرے لیے جیے جو مرے تو ہو کے ترا مرے
یہی ہے حیات کا ماحصل یہی زندگی کا مآل ہے

۴۔ اثرؔ دیوہریا بریلی

اثرؔ صاحب کا نام منظور الدین احمد ان کے والد مرحوم کا اسم گرامی نصیر الدین ہے۔ جائے پیدائش موضع دیوہریا بریلی ہے۔ سنہ پیدائش ۱۹۲۷ء ہے انھوں نے شعر و شاعری میں پہلے منشی پیارے لال وفاؔ اور بعد میں سکھ لال سنگھ روز سے استفادہ کیا، مگر نعت کے میدان میں جناب امجد حسین صاحب امجدؔ سے جو فانیؔ بدایونی کے شاگرد تھے، اصلاح سخن لی آپ نعتیہ شاعری میں مولانا

احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ سے کافی متاثر ہوئے اور آپ نے اسی انداز میں نعت کہنے کی عادت ڈالی ''نغمات آثرؔ'' اسی ذہن کی پیداوار ہے۔

آثرؔ صاحب کے باپ دادا علاقے کے رئیس اور زمین دار تھے۔ سیکڑوں بیگھا آراضی کے مالک تھے، ان کی دو تصانیف ''نغمات اثر'' (نعتیہ کلام) اور ''مناقب مدارؒ'' شائع ہو چکی ہیں، ان کا کلام وقتاً فوقتاً ''بریلی کی آن''، ''نوری کرن''، ''نئی دنیا'' وغیرہ میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

نمونہ کلام:

جدھر چشم کرم سرکارؐ کی اک بار ہو جائے ۔۔۔ خدا شاہد کہ وہ خطہ گل و گلزار ہو جائے

جو پی لے آپؐ کی مئے حشر تک سرشار ہو جائے ۔۔۔ شفاعت، کوثر و جنت کا وہ حق دار ہو جائے

تلاطم میں ہے کشتی پر آثرؔ امید رکھتا ہے ۔۔۔ اشارہ آپؐ فرما دیں تو بیڑا پار ہو جائے

۵۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ صاحب پرتاپ گڑھی

حضرت مولانا محمد احمدؒ صاحب کا تخلص احمدؔ تھا۔ والد صاحب کا نام غلام محمد تھا۔ مولانا احمد صاحب کے چھوٹے بیٹے قاری مشتاق احمد مہتمم مدرسہ عالیہ عرفانیہ عبدالعزیز روڈ لکھنؤ سے معلوم ہوا کہ مولانا احمدؒ کی ولادت ۱۸۹۹ء میں موضع پھول پور ضلع پرتاپ گڑھ (یوپی) میں مسلم کائستھ خاندان میں ہوئی تھی، مولانا احمدؔ نے کسی مدرسہ یا تعلیمی ادارے سے باقاعدہ تعلیم اور سند حاصل نہیں کی تھی، دینی اور شعری و فنی معلومات اپنے ذاتی مطالعہ سے حاصل کیں۔ مولوی محمد احمدؒ کی وجہ سے چھوٹا سا موضع پھول پور اور ضلع پرتاپ گڑھ ساری دنیا میں مشہور ہو گیا قرب و جوار کے لوگ اور اعزاء ان کو پیار سے مولوی صاحب کہا کرتے تھے۔ دور دور سے لوگ ان کے پاس دعا اور تعویذ کے لیے آیا کرتے تھے۔ راقم کے دوست محمد مسعود احمد صدیقی نے بتایا کہ تقریباً چالیس برس پہلے وہ گرمیوں کی چھٹی میں پھول پور میں اپنی خالہ کے ہاں قیام پذیر تھے اور مولوی صاحب کے گھر کے باہر باغ میں کرکٹ کھیل رہے تھے کہ ایک تندرست و توانا ٹھاکر کو ایک یکہ پر باندھ کر لایا جا رہا تھا، وہ بہت خطرناک نظر آ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ تھیں وہ گندی گندی گالیاں بک رہا تھا اور کسی کے روکے نہیں رک رہا تھا۔ چونکہ وہ گالیاں بک رہا تھا اس لیے مولوی صاحب باغ ہی میں بلائے گئے۔ مولوی صاحب دبلے پتلے اور بظاہر اس کے مقابلہ میں کمزور نظر آ رہے تھے

لیکن مولوی صاحب کو آتا دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آنے لگے۔ مولوی صاحب کے قریب آتے ہی اس نے بڑے ادب سے ان کو سلام کیا اور ان سے لانے والوں کی شکایت کرنے لگا۔ اس سے پہلے طاقتور نظر آنے والا اب بہت کمزور نظر آنے لگا اور بظاہر کمزور نظر آنے والا اب بہت طاقتور نظر آرہا تھا، واقعی ایمان میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ مولوی صاحب نے اسے تعویذ وغیرہ دے کر واپس کردیا یہ تو وہاں کا تقریباً روز کا معمول تھا، قرب و جوار کے لوگ ان کی بڑی عزت شروع ہی سے کرتے تھے، اس کے بعد ان کی شہرت عالم گیر ہوگئی۔ بچے اور بڑے سبھی ان کی تعویذ بڑی عقیدت سے پہنا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں کے متمنی رہا کرتے تھے۔ صدیقی صاحب کے والد محمد عثمان صاحب مرحوم اور والدہ شاہجہاں بیگم بھی مولوی صاحب کے مرید تھے۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی یادگار تھے، نقشبندیت و چشتی دونوں رنگوں کے سنگم تھے۔ بڑے بڑے اہل علم و فضل ان سے پہلی ہی ملاقات میں متاثر ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا احمدؒ پرتاپ گڑھی اپنا وعظ اپنے عاشقانہ اور عارفانہ کلام کے حوالے سے والہانہ انداز میں دیتے تھے سامعین ان کے وعظ میں ڈوب جایا کرتے تھے۔

مولانا محمد احمدؒ صاحب کے بارے میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ”مولانا کا منظوم کلام، عام یا عامیانہ شاعری کے طرز پر نہیں ہے، بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے، مولانا کے کلام کا عنصر گل و بلبل کی داستان، یا ساغر و صبا اور قلقل و مینا کی حکایت نہیں ہے، ان کی شاعری کا عنصر درسِ توحید، توقیر رسالتؐ، دردِ محبت، نورِ معرفت، تسکیک و ترتیب ہے، ان کی شاعری میں غالبؔ کی شاعری کا نہیں بلکہ مولانائے رومؒ کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔“

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علی میاں فرماتے ہیں کہ:

> ”اصل صوفیانہ کلام جس میں شاعرانہ محاسن، استادانہ مہارت، مضامین کی آمد، قوافی پر مالکانہ قدرت، اور تغزل کی چاشنی کامل کی

صحبت نے جو صاحبِ حال وقال تھا اس کو دو آتشہ بنا دیا۔

حضرت مجذوبؔ (جن کی زیارت کا شرف تو خال خال لیکن ان کے کلام کے دیکھنے اور اس سے لطف اٹھانے کی سعادت بار بار حاصل ہوئی) کے بعد دوسرے بزرگ جو ''سندانِ عشق'' اور ''جام شریعت'' دونوں کے جامع نظر آئے۔ حضرت مولانا احمدؒ صاحب پھولپوری ہیں۔۔۔۔ان کی تعلیم وتربیت، ان کا ماحول ان کے معمولات زندگی، کسی چیز سے بھی کسی اجنبی کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ نے ان کو عشق ومستی کی یہ کیفیت اور اس کے ساتھ طبیعت کی یہ موزونیت عطا فرمائی ہے کہ ان کا کلام عشق ومستی سے بھرپور اور معرفت ومحبت کا ''شراب طہور'' نظر آتا ہے۔''

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب ناظم مجلس اشاعت الحق۔ کراچی پاکستان فرماتے ہیں کہ:

''......مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابتداء میں حضرت کی طبیعت کا رجحان اس طرف بالکل نہ تھا لیکن چالیس سال کی عمر کے بعد اچانک خود بخود اشعار کا بکثرت ورود ہونے لگا حتی کہ بسا اوقات ایسی کیفیت ہوتی کہ اشعار کا دریا امڈنے لگتا، حضرت ربانی اشعار بولتے جاتے اور دو دو حضرات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھے رہتے اور ان کو ضبط کرتے جاتے یہ سلسلہ گھنٹوں رہتا، لوگ لکھتے لکھتے تھک جاتے اور کبھی کبھی تو ساری رات گزر جاتی مگر یہ سلسلہ منقطع نہ ہوتا۔''

حضرت مولانا محمد احمدؔ پرتاپ گڑھی کی حمد ونعت ومنقبت پر مبنی مطبوعہ کتابیں ہیں ''عرفانِ محبت'' اور ''فیضان محبت'' اس کے علاوہ ''روح البیان'' تین حصوں میں، ''کمالات نبوت'' اور ''اخلاق سلف'' مولانا محمد احمدؒ کے وعظ اور سیرت النبی پر مبنی مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نمونہ کلام:

دست کرم حضور ادھر بھی بڑھایئے — اپنی گلی میں آپؐ مجھے بھی بلایئے

ہم آپؐ کے ہیں، جائیں کہاں یہ بتایئے — حاضر ہیں در پہ اب مری بگڑی بنایئے

غیروں کا ہوش مجھ کو، نہ اپنا رہے خیال　　کچھ اس طرح حضورؐ اب اپنا بنایئے
برباد اور تباہ میں سرکارؐ ہوگیا　　للہ کیدِ نفس سے مجھ کو چھڑایئے
محروم آپؐ مجھ کو نہ فرمایئے حضور　　اک جام آپؐ میری طرف بھی بڑھایئے
حاضر ہوں در پہ آپؐ کے فرمایئے کرم　　ان کا پتہ حضورؐ مجھے بھی بتایئے

اس کو مل نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالتؐ کا مقام

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا　　دوستو! زندگی کا پیام آگیا
لائے تشریف جب سید المرسلینؐ　　جلد دنیا بنی، وہ نظام آگیا
ان کی مرضی نظر آئی رشکِ جناں　　عشق میں ایک ایسا مقام آگیا
ظلم رخصت ہوا عدل قائم ہوا　　عشق کے ہاتھ میں نظام آگیا
فیض ساقئ کونین صلی علیٰ　　جو بھی چاہے پیئے ، اِذن عام آگیا
تیری برکت سے اے انس و جاں　　صبح روشن ہوئی کیف شام آگیا

قلب شاداں ہوا روح رساں ہوئی
لب پہ احمدؔ کا شیریں کلام آگیا

انکار ہے اللہ کا، انکارِ محمدؐ　　اللہ کا اقرار ہے، اقرار محمدؐ
گر دیدۂ بینا ہو عطا تو نظر آئے　　انوار الٰہی سے ہیں انوارِ محمد
سرکار دو عالمؐ کی جو سنت پہ فدا ہیں　　بس ان کو نظر آئیں گے انوارِ محمدؐ
قربان کریں جان، یہاں سر کے بل آئیں　　دربارِ محمدؐ ہے یہ، دربار محمدؐ

صدقے میں محمدؐ کے تو احمدؔ کی دعا سن
اللہ دکھا پھر اسے دربار محمدؐ

کب حرم کی بہار دیکھیں گے　　کب نبی کا دیار دیکھیں گے
خود کو جب شرمسار دیکھیں گے　　رحمتیں بے شمار دیکھیں گے
ہو کے نادم خطاؤں پر اپنی　　رحمتِ کردگار دیکھیں گے
روضۂ پاک مصطفیٰ کب تک　　میرے پروردگار دیکھیں گے

نام کو بھی خلش نہ ہو جس میں کب وہ لیل و نہار دیکھیں گے
حق نے چاہا تو سبز گنبد کو شوق میں بار بار دیکھیں گے
خود وہ آغوش میں اٹھالیں گے ہم کو جب اشکبار دیکھیں گے
ان کے تیر نظر کا کیا کہنا ہم اسے دل کے پار دیکھیں گے
لائیں گے ان کو ہم تصور میں دل کو جب بے قرار دیکھیں گے
دیکھ لیں گے جسے وہ ایک نظر ہم اسے بادہ خوار دیکھیں گے
یاد میں ان کی ہو کے ہم مشغول باغ دل کی بہار دیکھیں گے

۶۔ احمدؔ میرٹھی:

احمدؔ میرٹھی کا نام محمد احمدؔ ہے آپ ظہور احمد صاحب کے ہونہار بیٹے ہیں۔ تاریخ ولادت ۳۰ ر دسمبر ۱۹۳۹ء وطن میرٹھ اور نسبتی تعلق خانوادۂ شیوخ سے ہے۔ آپ کو عربی، اردو، انگلش اور ہندی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔

ڈائرکٹریٹ آف ایگری کلچر (محکمۂ زراعت) یوپی لکھنؤ میں ملازم ہیں، ادبی سرگرمیوں میں سرگرم رہتے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر اکثر دیکھے اور سنے جاتے ہیں، ان کے دو بہاریہ شعری مجموعے ''چراغ رہ گذر'' اور ''نوائے پریشاں'' شائع ہو چکے ہیں، ''لمحوں کا سفر'' زیر طبع ہے۔ بہاریہ غزل کے ساتھ ساتھ نعتیہ غزل بھی عقیدت و احترام سے کہتے ہیں، آپ نے نعتیہ قطعات بھی اچھے کہے ہیں، آپ کے یہاں نعت و منقبت کا اچھا ادغام دیکھنے کو ملتا ہے۔

ہے باعث تسکین جاں، صل علیٰ صل علیٰ پھر کیوں نہ ہو وردِ زباں، صل علیٰ صل علیٰ
ہیں منبع جود و سخا محبوب حق روز جزا امت پہ ہوں گے مہرباں، صل علیٰ صل علیٰ
ارفع رسالت میں وہی یکتا ہیں سیرت میں وہی ان کا کوئی ہمسر کہاں، صل علیٰ صل علیٰ
ہوئی کیا آمد شاہ دو عالم کہ چمکا آفتاب انسانیت کا
شعور زندگی بخشا ہے ہم کو جہاں میں بس وہی دانائے کل ہیں

۷۔ ڈاکٹر اختر بستوی

اخترؔ بستوی کا پورنام محمد اخترؔ علی صدیقی ہے اور اخترؔ تخلص ہے چونکہ وہ اتر پردیش کے

ضلع بستی میں پیدا ہوئے اس لیے اپنے تخلص کے ساتھ بستوی لکھتے ہیں، انھوں نے انگریزی اور اردو میں ایم اے کیا ہے، علاوہ ازیں اردو میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی ہے، وہ گورکھ پور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۹۹۸ء میں اچانک داغ مفارقت دے گئے۔

ڈاکٹر اختر بستوی ایک بلند پایہ شاعر اور ایک اعلیٰ درجے کے نقاد، محقق، نثر نگار اور مترجم تھے، انھوں نے ہندوستان کے طول وعرض کے علاوہ خلیجی ممالک کے بھی کئی مشاعروں میں شرکت کی تھی، ان کی شعری اور نثری کاوشیں اہم رسائل میں برابر چھپتی رہتی تھیں، اخترؔ صاحب کی دو طویل نظمیں ''نغمۂ شب'' اور ''بحر بیکراں'' الگ الگ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں، قطعات کا مجموعہ ''پیکر خیال'' اور مختصر نظموں کا مجموعہ ''اپنے سائے کے سوا'' چھپ چکا ہے۔ انھوں نے شکسپیئر کے مشہور ڈرامے ''ایز یو لائک اٹ'' کا ترجمہ کیا ہے جس کی اشاعت ''شہر سے دور'' کے نام سے کتابی صورت میں عمل میں آچکی ہے۔ اختر صاحب کئی مطبوعہ کتابوں کے مرتب بھی ہیں جن میں سخن جوہر، کردار کے غازی اور انتخاب فانیؔ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، ان کی ایک ضخیم تنقیدی کتاب ''سیکولرزم اور اردو شاعری'' اتر پردیش اردو اکادمی کی جانب سے شائع ہوئی ہے، وہ ایک انگریزی کتاب ''ام مارٹل لٹریری ورکس'' (Immortal Litrary Works) کے بھی مصنف ہیں جو چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

نمونہ کلام:

نام نامی لب پہ ختم المرسلیںؐ کا چاہیے
دل میں دیدار مدینہ کی تمنا چاہیے

جس سے کرتا ہے محبت خالق ارض وسما
مومنوں کو اس کی الفت کا سہارا چاہیے

بستر نبویؐ پہ سویا تھا جو بے خوفی کے ساتھ
راہ حق میں درس جرأت اس سے لینا چاہیے

زندگی میں دیکھ لے اختر بھی طیبہ کی بہار
اک یہی تیرا کرم اے میرے مولانا چاہیے

ازل سے جن کا جلوہ عرش کی زینت کا ساماں ہے
زمیں پر ان کی آمد حاصل تقدیر انساں ہے

پیام حق کا ہے محبوبؐ حق سے دائمی رشتہ
کہ سیرت احمد مختارؐ کی تفسیر قرآں ہے

قدم پہنچے تھے جن کے، رفعتوں کی آخری حد تک
عروج آدم خاکی انھیں کے زیر داماں ہے

فقیر بے نوا ہوں اور کیا لے جاؤں میں اخترؔ
در اقدس کا نذرانہ فقط یہ چشم گریاں ہے

۸۔ اختر ہندی:

اختر ہندی کا نام رشید احمد اور والد کا نام عابد علی صدیقی (مرحوم) ہے۔ان کی ولادت ۱۹۴۰ء میں موضع کھر ہنہ ڈاک خانہ سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ میں ہوئی۔ان کے خاندان میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شاعر نہیں ہوا۔تقریباً ۳۰ برس سے اشعار کہہ رہے ہیں،غزل بھی خوب کہتے ہیں لیکن نعت گوئی سے خصوصی لگاؤ ہے،ابتدا میں آنجہانی نانک چند عشرت بلرامپوری سے اصلاح سخن لیتے رہے،اب عبرت صدیقی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل ہے،خیالی گنج نزد کوتوالی قیصر باغ لکھنؤ میں کئی برس سے مقیم ہیں اور طرحی اور غیر طرحی مشاعروں میں اپنی الگ پہچان بنائے ہوئے ہیں،بہار یہ غزل ہو یا نعتیہ غزل نرالے انداز میں کہتے ہیں۔

اللہ اللہ کیا ہے مقام آپؐ کا — دونوں عالم میں ہے احترام آپؐ کا
جس میں برکت ہی،برکت سکوں ہی سکوں — وہ ہے ذکر آپؐ کا وہ ہے نام آپؐ کا
دشمنوں کو دعاؤں کا تحفہ دیا — کتنا بے مثل ہے انتقام آپؐ کا
دن کا،سحر کا،شام کا کیا ذکر رات کا — سرکارؐ نے بدل دیا نقشہ حیات کا

☆☆☆☆☆

وفا سے،پیار سے،لطف و عطا سے — زمانے کو نوازا ہر ادا سے
حسن آقاؐ میں جو رعنائی ہے زیبائی ہے — دست قدرت کی وہ سب سے حسیں صناعی ہے
یوں تو دنیا میں بہت آئے دعا گو لیکن — میرے آقاؐ نے دعا لوگوں پر برسائی ہے

۹۔ ارمان اجمیری:

حکیم عبدالرحیم ارمان اجمیری کا سن ولادت ۱۹۴۱ء اور سنہ وفات ۱۹۹۵ء ہے۔ادیب ماہر (علیگڑھ) سے اردو کا امتحان پاس کیا اور طباعت کی تعلیم بھی حاصل کی۔وفات تک سرکاری ملازم رہے،شاعری میں نواب خادم حسین مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا،یہ اجمیر کے بہت مقبول نعت گو اور مرثیہ گو شاعر تھے،آپ نے سوز وسلام اور نعتیں لکھی ہیں،بیشتر میلا دخواں،اجمیر اور اس کے قرب و جوار میں ان کی نعتیں پڑھا کرتے ہیں،وہ ایک کہنہ مشق شاعر تھے،ان کے کلام میں پختگی کے ساتھ ساتھ برجستگی بھی پائی جاتی ہے،نعت میں صحابۂ کرام خصوصیت سے خلفائے راشدین اور نبیؐ کے نواسوں کا ذکر بھی عقیدت مندانہ انداز میں کرتے

ہیں، ارمان صاحب کی ایک نعت ناگور (راجستھان) کے ایک طرحی مشاعرے میں جس کا مصرعہ طرح تھا ''ملا تاج نبوت کو شرف سرکارؐ کے سر سے'' کافی مقبول ہوئی تھی، اسی نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

رہو گے تم اگر وابستہ دامان پیغمبر سے خدا محفوظ رکھے گا جہاں کے فتنہ و شر سے
ہے فرمانِ نبیؐ حق بات کہنے سے جو کترائے منافق ہے چھپائے جو حقیقت کو کسی ڈر سے
پیمبرؐ اور بھی دنیا میں آئے ہیں مگر ارمان ''ملا تاج نبوت کو شرف سرکارؐ کے سر سے''

۱۰۔ ڈاکٹر آزاد آفتح پوری (ہنسوی)

محمد اسماعیل نام اور آزاد تخلص ہے۔ والد کا نام حافظ محمد جمیل ہے، آپ نے مکتبی اور درس نظامی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے حاصل کی اور عربک اینڈ پرشین بورڈ الہ آباد سے فرسٹ ڈویژن میں مولوی اور سکنڈ ڈویژن میں عالم کے امتحانات پاس کرنے کے بعد مسلم انٹر کالج فتح پور کے نویں کلاس میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے ہائی اسکول اور انٹر میدیٹ کے امتحانات فرسٹ ڈویژن اور یوپی کی میرٹ لسٹ میں نمایاں پوزیشن کے ساتھ پاس کیے۔ انٹر میدیٹ پاس کرنے کے بعد آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں داخلہ لے کر اولاً بی۔اے، بعدہ دیانند کالج آف لا کانپور سے ایل ایل بی کی ڈگریاں سکنڈ ڈویژن میں حاصل کیں اور اس کے بعد اپنے وطن مالوف فتح پور شہر کے مشہور وکیل بابو کیشو شرن جی سے ٹرینگ لینے کے بعد آزادانہ طور پر وکالت شروع کردی۔ وکالت کے دوران آپ نے پرائیوٹ طور پر کانپور یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور نمایاں پوزیشن میں پاس کیا اور لکھنؤ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لے لیا۔ یو.جی.سی دہلی نے آپ کو روشن تعلیمی اکتسابات کی بنا پر جونیر ریسرچ فیلوشب سے نوازا اور اس طرح آپ کو یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ''اردو شاعری میں نعت'' موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے بی اے کی تعلیم کے دوران جامعہ اردو علی گڑھ کا ادیب کامل کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا اور سرسید میڈل سے نوازے گئے۔ جس کا تذکرہ تاریخ جامعہ اردو علی گڑھ کے صفحہ ۱۲۸ پر ہے۔ بی اے کی تعلیم کے دوران ہی آپ نے

پنجاب سے مراسلاتی کورس کے ذریعہ ایم ڈی ایچ کی ڈگری بھی نمایاں کامیابی کے ساتھ لے کر گولڈ مڈل حاصل کیا۔ آپ کو اردو سماج لکھنؤ نے گولڈ میڈل سے نوازا اور نومبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان نعت اکاڈمی نے سلور جبلی ایوارڈ سے سرفراز کیا، ڈاکٹر انور سدیدؔ نے ''۱۹۹۳ء کے اردو ادب کی لہر شماری'' میں ''تنقیدی اور تحقیقی کتب'' کے ذیل میں ہندستان اور پاکستان کے جن محققین و نقادان کے اسمائے گرامی حوالہ قرطاس کیے ہیں، ان میں ہندوستان کے تحقیقی ناقدین میں ڈاکٹر محمد عقیل، شمس الرحمٰن فاروقی اور ڈاکٹر ظہیر صدیقی کے ساتھ راقم کا نام بھی رقم کیا ہے اور موصوف کی کتاب اردو شاعری میں نعت کو بطور حوالہ مندرج کیا ہے۔ یہ ذکر ۱۱۴ و ۱۱۵ صفحات میں مرقوم ہے۔

آپ بچپن سے نہایت ذکی، ذہین اور زبردست قوت حافظہ کے مالک ہیں، آپ کے استاد مولانا مولوی نصرت حسین صاحب نے تلخیص المفتاح کی امتحانی کاپی کو اعزازی نمبر عطا کرتے ہوئے ایک نوٹ رقم کیا تھا جو ذیل میں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

''اس کاپی کو بوقت نتیجہ، امتحان ششماہی، صدر صاحب ضرور ملاحظہ کریں، ماشاء اللہ خوب جوابات دیے ہیں، اس کے جوابات کے لیے مجھے مختصر المعانی دیکھنی پڑی بلکہ اس کا حاشیہ بھی، ذہانت بھی قدرتی عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کرتا ہے۔ تلخیص المفتاح کا طالب علم اور مختصر المعانی کے حاشیہ پر نظر، اللہ الصمد، ۲ نمبر مجموعی نمبروں سے بھی زیادہ دیے جارہے ہیں، دستخط ممتحن'' واضح ہو کہ اس وقت راقم کی عمر صرف چودہ سال تھی، یہ کاپی آج بھی محفوظ ہے خود پوشی اور عزلت گزینی آپ کی جبلت ہے، آپ کے پی ایچ ڈی کے ممتحنوں نے اپنی رپورٹ میں آپ کی تحقیقی و تنقیدی شخصیت کے جن دو پہلوؤں کو زیادہ نمایاں طور پر قلم بند کیا ہے وہ ہیں (۱) قوت استنتاج کی سرعت اور (۲) جرأت اظہار کی شدت۔

ڈاکٹر شکیلہ خاتون کے تحقیقی مقالہ ''اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ'' سے آگاہی ہوئی کہ آپ اپنی ادبی زندگی کے سفر کے آغاز میں شعر و شاعری بھی کیا کرتے تھے، لیکن جلد ہی اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ایسے رسالے ملے ہیں، جن میں موصوف کی چند غزلیں ایک قصیدہ اور ایک ترجیع بند نعت میں موجود ہے۔ نثر و نظم دونوں میں آپ کے استاد فتح پور کے

مایہ ناز ادیب وشاعر نواب علی خاں گوہؔر تھے جو جعفر علی خاں اثؔر لکھنوی کے حقیقی بھانجے تھے، گوہؔر صاحب نے مسلم انٹر کالج فتح پور کی میگزین ''ارمغان'' میں اپنے اس ہونہار شاگرد کی تعریف وتحسین میں حسب ذیل جملے لکھے تھے۔

''تنقیدی مضامین میں محمد اسماعیل آزاؔد جماعت دوازدہم کا ''اردو ادب کا کبیر داس آتش'' پر اچھا خاصا مقالہ ہے۔ ہندوستان گیر ہندی نوازی اور سرکاری سرپرستی کا یہ فیض ہے کہ عربی اور اردو کا طالب علم ہندی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے اور اردو اور ہندی کے شعراء کا تقابلی مطالعہ پیش کر رہا ہے، یہ موازنہ نہیں بلکہ دو عظیم شاعروں کی زندگی میں مماثلت کی وجہ سے دونوں کی شاعری میں جو یکسانیت پیدا ہوگئی ہے، اس کا اظہار ہے، ہمیں مسرت ہے کہ ہم اپنے طلبا کا ادبی شعور اتنا بیدار اور شگفتہ کر سکے ہیں کہ وہ کسی شاعر پر کسی خاص زاویہ نظر سے کچھ خیالات کا اظہار کر سکیں۔''

(ارمغان۔سال نامہ، نمبر اپریل ۱۹۶۲ء اداریہ صفحہ ۶)

آپ کا پیشہ درس وتدریس تھا، آپ ۱۹۷۷ء سے مہاتما گاندھی پی جی کالج فتح پور میں اپنے تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے۔ آپ کالج مذکور میں صدر شعبۂ اردو تھے اور ۱۹۹۱ء سے ریڈر کے عہدے پر فائز تھے، آپ اکتالیس (۴۱) تحقیقی وتنقیدی کتابوں کے مصنف ہیں، موقر جرائد ومجلّات میں شائع شدہ تحقیقی وتنقیدی مضامین ومقالات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کی عدد شماری ایک دشوار کام ہے۔

آپ کی زیر نگرانی کئی اسکالرز پی ایچ ڈی کی ڈگریوں سے نوازے جا چکے ہیں، جن میں سے چار اسکالروں کے مقالے نعت پر ہیں۔ ایک مقالہ فکر تونسوی کی حیات وادبی خدمات پر ہے، اس وقت آپ کی زیر نگرانی ۹ ریسرچ اسکالرز مختلف موضوعات پر اپنے تحقیقی مقالوں کی تکمیل میں منہمک ہیں، جن میں سے دو کے مقالے کتابت کے مراحل طے کر چکے ہیں۔ آپ کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازے گئے طلبا کی تعداد ایک درجن کے قریب ہے۔

مذہبی واسلامی علوم سے کماحقہ واقفیت کی بنا پر آپ کی نعتیہ شاعری میں حدود شریعت کا خاص

پاس دیکھنے کوملتا ہے۔آپ کا کلام افراط وتفریط سے پاک ہے،آپ کی وہ نعت جس سے صرف ۵ بند بطورنمونہ ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں، مسدس کی ہیئت میں ہے اوراس کا عنوان ''نعت، شہ قاب قوسین صلی اللہ علیہ وسلم'' ہےاس نعتیہ مسدس میں ۱۶ بند ہیں۔

ساقی مجھے شراب ہدایت کا جام دے لبریز نورصدق و امانت کا جام دے
چھلکا ہوا فروغ طہارت کا جام دے رحمت سے اپنی بادہ رحمت کا جام دے
مجھ سے گناہگار پہ رحمت کا در کھلے
دے وہ شراب جس سے شفاعت کا در کھلے

اسلام سے حیات کا کامل کیا نظام دنیا کو ان سے امن و اماں کا ملا پیام
جمہور کی فلاح کا اللہ رے اہتمام آقاؐ پہ فرض ہوکے رہی خدمت غلام
انساں کے بختِ خفتہ کو بیدار کردیا
یوں ارتقاء کی راہ کو ہموار کردیا

آئی نوید اُدھر سے، چلے یہ اِدھر سے تیز جبریل ہم رکاب تو یہ ہم سفر سے تیز
جانے میں مستجاب دعائے سحر سے تیز رفتار برق ونور و خیال ونظر سے تیز
مجبور تھک کے حضرت روح الامیں ہوئے
نعلین ان کے زینت، عرش بریں ہوئے

ہے حق کا رعب و جاہ وحشم اور کچھ نہیں خالق ہے یا رسول امم اور کچھ نہیں
جس اوج پر ہیں ان کے قدم اور کچھ نہیں جز لا شریک اوجِ قدم اور کچھ نہیں
قوسین اب ہے پایہ رسول امم کے پاس
حادث پہنچ گیا ہے حدودِ قدم کے پاس

علم ویقین کے درس ملے ان کی بات سے در خیر کے کھلے ہیں انھیں کی حیات سے
عرفان خدا کا ہوتا ہے ان کی صفات سے انسان کا شرف ہے محمدؐ کی ذات سے
جلوؤں کے پھول کھل گئے ان کے ظہور سے
دنیا چمک رہی ہے محمدؐ کے نور سے

(مستعاراز ''نعت کا صنفی وہیئتی مطالعہ'' ڈاکٹر شکیلہ خاتون)

۱۱۔ آزادؔ فتح پوری (بارہ بنکوی)

عبدالغفار آزادؔ فتح پوری کے والد کا نام جناب محبت علی منصوری ہے۔ان کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۶۲ء کو قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔یو پی بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے ساتھ ہی ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل (علی گڑھ) کے امتحانات بھی پاس کیے ابتداءاً کہنہ مشق شاعر الحاج نصیر فتح پوری سے شرف تلمذ حاصل کیا ان کی وفات کے بعد مولانا فیضی مظاہری سے اصلاح لینی شروع کی آج کل ان کی گنتی فتح پور کے اچھے شاعروں میں ہوتی ہے شعر و شاعری کا اچھا ذوق ہے، غزل کے ساتھ ساتھ نعت بھی خوب کہتے ہیں، کلام میں برجستگی، آمد، سادگی اور اثر ہے موصوف جو کچھ کہتے ہیں قرآن و احادیث اور تاریخ کی روشنی میں کہتے ہیں۔صحابہ کرامؓ سے والہانہ و عشق و محبت ہے، اپنی نعتوں میں ذکر صحابہ بھی بڑی عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں۔ذریعہ معاش تجارت ہے۔اردو زبان اور شعر و ادب کے فروغ میں سرگرم رہتے ہیں اور دامے، درمے، قدمے سخنے تعاون کرتے ہیں۔

نمونہ کلام:

اہل طائف کے جور و جفا ، دیکھیے　　اور آقاؐ کی رحمت ذرا دیکھیے!
جن کے قدموں میں دولت ہے کونین کی　　ان کا بستر فقط بوریا، دیکھیے!
ہر بشر حشر میں بس کہے گا یہی　　میری جانب حبیبؐ خدا دیکھیے!
نصرت حق پہ نازاں ہے آزادؔ بھی　　بدر میں مصطفیؐ کی دعا، دیکھیے!

۱۲۔ اشرفؔ مالوی

نام اشرف ہے آپ کا وطن قصبہ مال ضلع لکھنؤ ہے۔اشرفؔ مالوی کے قلمی نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، اشرف مالوی کو رشید قمر لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل ہے، جسمانی طور پر کمزور لیکن علمی اعتبار سے قوی و توانا ہیں دینیات کا گہرا مطالعہ ہے، دینی و ملی خدمت کے جذبے سے معمور ہیں۔فن شعر و شاعری میں ماہر ہیں، نظموں اور غزلوں کے ساتھ ساتھ نعت رسول اکرم ﷺ بھی کہتے ہیں، ان کی نعتوں کا ایک کتابچہ ''جمال سبز گنبد'' کے نام سے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے، قصبہ مال میں سکونت پذیر ہیں۔

طائف میں زخم کھا کے بھی اہل جفا کے ہاتھ　　سرکارؐ نے دعا سے نوازا اٹھا کے ہاتھ
اک رحمتِ تمام کی نسبت کا فیض ہے　　اب تک ہیں ہم سے دور مخالف ہوا کے ہاتھ

قیمت زمانہ ان کی بھلا کیا لگائے گا — جو لوگ بک چکے ہیں حبیبِ خدا کے ہاتھ
'اصحابی کالنجوم' سے یہ بھید کھل گیا — ہر دور میں بلند رہیں گے ضیا کے ہاتھ
اپنے ہوں یا پرائے، رہینِ کرم ہیں سب — ختم رسلؐ نے سب کو نوازا بڑھا کے ہاتھ
دنیا میں بس انھیں سے ہے وابستہ زندگی — محشر میں لاج ہے شہِ ارض وسما کے ہاتھ
اشرف زمانہ لاکھ مخالف ہو غم نہیں — ہے آبرو ہماری شہ انبیاءؐ کے ہاتھ

رباعی

اک محرم اسرار کی آمد آمد — اک حاصل کردار کی آمد آمد
ہوگا وہ دو عالم کا معلم واللہ — ہے دھوم کہ سرکارؐ کی آمد آمد

۱۳۔اظہر فتح پوری:

آپ کا نام اظہر حسین اور والد کا نام علی حسین ہے، ۱۹۵۰ء میں قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ قالین فروشی کی تجارت سے وابستہ ہیں۔ محلّہ بازار داری ٹولہ قصبہ فتح پور میں سکونت پذیر ہیں اور طرحی وغیر طرحی مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں، نعتیہ غزلوں میں صحابۂ کرام، خصوصیت سے خلفائے راشدین کی مدح کے اشعار بھی کہتے ہیں۔

نمونہ کلام:

اقصیٰ میں انبیاء ہیں جماعت کے ساتھ ساتھ — سرکارؐ دو جہاں کی امامت کے ساتھ ساتھ
صدیقؓ اور عمرؓ کی یہ قربت تو دیکھیے — ہیں آج بھی وہ ماہِ رسالت کے ساتھ ساتھ

☆☆☆☆☆

حاصل ہے در پاک کی جس کو بھی غلامی — وہ اور کسی در کا طلب گار نہ ہوگا

۱۴۔افسر بسوانی:

آپ کا نام سید خورشید افسر اور تخلص افسؔر ہے۔ آپ کے والد کا نام عاشق علی ہے، آپ ۸/اگست ۱۹۴۲ء میں بسواں ضلع سیتا پور میں پیدا ہوئے۔ جگر بسوانی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔''بھینی خوشبو''، ''سوندھی مٹی''، ''صالح ادب کے محرک اعظم''''دوپہر'' مجموعہ ہائے کلام شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں۔

نمونہ کلام:

ہر بزم میں اب ذکر رسول عربیؐ ہے
ہر جام میں لبریز مئے حب نبیؐ ہے
ہر سمت محمد ہی کی بس دھوم مچی ہے
ہر قوم در شاہ دو عالمؐ پر جھکی ہے
افسر میں ابھی تک ہوں بہت دور حرم سے
دنیا مرے سرکارؐ کے قدموں میں پڑی ہے
محروم ہوں ان کی خاص عنایات و کرم سے
الجھا ہوں ہنوز ایک ہی تار شب غم سے
میں دور ہوں اب تک جو در شاہ امم سے
شاید کہ مرے ذوق تجسس میں کمی ہے

۱۵۔ اقبالؔ فیضی:

اقبالؔ فیضی شہر فیض آباد سے ۱۷ رکلومیٹر دور ایک چھوٹے سے قصبے بھدرسہ میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے، گھریلو ماحول بہت سادہ اور دیہی تھا، ان کے والد (حیات ہیں) تمباکو کا کام کرتے تھے۔ والدہ کے انتقال کے بعد پھوپھی نے جو کہ اولادِ نرینہ سے محروم تھیں ان کی پرورش کی، دارالعلوم دیوبند میں آپ کو تعلیم کی غرض سے بھیجا گیا، لیکن پڑھائی میں ان کا دل نہیں لگا اور یہ مہاراشٹر کے شہر مالے گاؤں چلے گئے، وہاں پانچ سال تک پاورلوم میں ملازمت کی، اس کے بعد اپنے وطن بھدرسہ آ گئے، یہاں ''گلشن ادب'' کے نام سے ایک بزم سخن قائم کی جس کے طرحی مشاعرے پابندی سے ہوتے تھے، جن میں یہ بھی شرکت کرنے لگے، اسی درمیان فیض آباد کے ایک پبلی کیشن میں سفری ایجنٹ کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ تب سے اب تک مشق سخن جاری ہے اور اردو زبان و ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں، اخبار و رسائل میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ غزلیں بہت کہی ہیں اور تقریباً ایک سو نعتیں کہی ہیں۔

جلتی دھرتی نے جب دعا کی تو موسم لالہ زار اترا
فراز فارانِ آرزو سے کرم کا اک آبشار اترا
وہ ایک تنہا بلند و بالا گھنا شجر امن و آشتی کا
اسی کے سائے میں تھک تھکا کر زمانۂ بے قرار اترا
وہ شاہکار جمال فطرت، جہاں جہاں اس کے پاؤں پہنچے
وہاں وہاں خوشبوؤں کے گھیرے میں کاروانِ بہار اترا
جو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے چچا کے قاتل کو دی معافی
تو میرے دل سے تمام ذاتی رقابتوں کا بخار نکلا

جو اس کے میخانۂ یقیں سے بس ایک جرعہ بھی پی کے نکلا
کبھی لگی نہ پھر پیاس اس کو ، کبھی نہ اس کا خمار اترا

''وہ'' اور میں

وہ اک فضائے بسیط و دل کش
میں اپنے آنگن میں قید پنچھی
بریدہ پر اور شکستہ بازو
چہار جانب ہیں میرے پہرے
ہے سہما سہما وجود میرا
مرے بدن میں ہیں جتنے روئیں
وہ سب کے سب بن گئے ہیں آنکھیں
میں اس کو حسرت سے دیکھتا ہوں
یہ سوچتا ہوں
وہ جس نے اس کو فضا بنایا
تمام محصور آنگنوں پر
اسے بچھایا
مجھے نئے بال و پر بھی دے گا؟

وہ
میٹھے پانی کا اک سمندر
عظیم تر
بے کنار ہستی
میں
اس کے ساحل سے دور ہٹ کر
زمیں کے اوپر
پڑی ہوئی بے قرار مچھلی

یہ سوچتا ہوں
کبھی کوئی اس کی لہر بڑھ کر
مجھے چھپالے گی اپنے اندر؟

وہ
موسم گل
چمن چمن ہے بہار اس سے
کلی کلی پر نکھار اس سے
نفس نفس مشکبار اس سے
روش روش بے غبار اس سے
وہ موسم گل،
میں اک درخت خزاں رسیدہ

یہ سوچتا ہوں
کبھی وجود کریم اس کا
مرے دکھوں کو سمیٹ لے گا
وہ اک فضائے بسیط و دلکش
میں اپنے آنگن میں قید پنچھی
وہ میٹھے پانی کا اک سمندر
میں ماہئی بے قرار و مضطر
وہ موسم گل
میں اک درختِ خزاں رسیدہ
اگر نگاہِ کرم وہ ڈالے تو بات بھی ہے

۱۶۔ ڈاکٹر اوصاف احمد

آپ کے والد کا نام انصار احمد ہے، آبائی قصبہ سلون ضلع رائے بریلی (یوپی) ہے۔ لکھنؤ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آج کل عالمی بینک جدہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں، لکھنؤ

میں قیام کے دوران انجمن ادب اطفال اور بزم ادب نوازاں سے وابستہ رہے۔ افسانہ نگاری کا شروع میں شوق تھا اور افسانوں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے، کچھ برسوں سے شاعری میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور آزاد نظمیں اور غزلیں کہتے ہیں۔ آپ نے نعتیں بھی کہی ہیں۔ آپ کا ''سورۃ القدر'' کا منظوم ترجمہ کافی مشہور ہے، یہ ترجمہ آزاد نظم میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بے شک اتارا ہے ہم نے اسے
اس رات میں
جو ہے بڑی شان والی
بھلا تمھیں کیا خبر کہ کیا ہے
وہ رات
جو ہے بڑی شان والی
یہ رات ہے ہزاروں مہینوں سے بہتر
اترتے ہیں اس رات میں
آسماں سے فرشتے
ہر امر میں اپنے رب کا احکام لے کر
امن وسلامت کے پیغام لے کر
تا دم صبح
یہ رات ہے
بڑی امن والی

۱۷۔ برتر مدراسی

نام محمد عبدالمناف اور برتر تخلص ہے۔ والد کا نام ایم رؤف ہے۔ یہ ڈیٹل لائن، ویلور، مدراس میں ۱۰/اپریل ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں ایس ایس ایل سی پاس کیا اور ایرفورس میں داخل ہو گئے۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ آپ نے شرف تلمذ حضرت منظور صدیقی (مرحوم) سے حاصل کیا، شمالی ہند کے اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ ایرفورس کی

نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد ریلوے میں ملازمت اختیار کرلی، ریلوے کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ کو حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا۔

برتر مدراسی صاحب اردو ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں ان کی دو تصانیف شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، ایک رباعیات کا مجموعہ ''آب گوہر'' اور دوسری تصنیف ''آب زم زم'' ہے جو حمد ونعت ومنقبت، غزلیات اور قطعات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ فن رباعی میں برتر صاحب ایک بلند مقام کے مالک ہیں۔

نمونہ کلام:

ہے واجبِ تعظیم و ادب ذات انؐ کی	ہیں ایک زمانے پہ عنایات انؐ کی
جو کچھ بھی کیا اپنی رضا سے نہ کیا	اللہ کی جانب سے تھی ہر بات انؐ کی
دم سے نہ، کبھی طبع رواں ہے ایسی	جو موہ لے دل، طرز بیاں ہے ایسی
لے نام خدا اور نہ لے نامِ نبیؐ	واللہ نہ برتر کی زباں ہے ایسی

۱۸۔ بشیر احمد بشیر نگرامی

انیسویں صدی کے اختتام میں ان کی پیدائش لکھنؤ کے قصبہ نگرام کے علمی اور دینی خاندان میں ہوئی، گھر میں علم وادب کا چرچا تھا، والد اور والدہ دونوں اردو فارسی اور عربی میں اچھا شغف رکھتے تھے، ان کی تعلیم محلّہ مولویانہ کی مسجد میں ہوئی جہاں ان کی رسائی کئی علماء دین اور مبلغین سے رہی جن میں ایک مولانا عبدالرحمٰن صاحب بھی تھے جن کے علم اور فراست کی دھوم پورے ہندوستان میں تھی، اسی صحبت کے اثر کی بنا پر وہ زندگی بھر علم کے شائق رہے، وہ محکمہ تعلیم سے منسلک تھے اور لکھنؤ کے ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کیا۔ ابتدا میں اقفر موہانی صاحب سے اصلاح لیتے تھے، شروع کی کچھ غزلوں میں انھوں نے اپنا تخلص ''بینوا'' اور ''خیال'' رکھا تھا لیکن جلد ہی اسے اپنے نام ''بشیر'' میں تبدیل کرلیا۔ بہت سی غزلیں اور نظمیں اس وقت کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ وہ مشاعروں اور جلسوں میں بھی شرکت کرتے اور اپنا کلام سناتے ہیں۔ ان کے کلام میں بلا کی آمد ہے اور وہ والہانہ عشق نبیؐ کا ترجمان ہے۔

ان کے دیوان میں غزلیات، نعتیات اور متفرقات کے الگ الگ حصے ہیں، نعتیات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں مدینہ جانے اور حضورؐ کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کی بے حد آرزو تھی جو اللہ کو منظور نہ تھی۔ ان کا انتقال ۲۰؍اگست ۱۹۵۰ء کو لکھنؤ میں ہوا اور تدفین ان کے آبائی وطن نگرام میں ہوئی۔

ان کا غیر مطبوعہ کلام ان کے بیٹے سرور احمد مقیم حال لندن (پاکستانی اور برطانوی شہری) سے حاصل ہوا۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہیں:

تو اے صبا درِ اقدس پہ حاضری دے کر
میرا سلام حبیب خدا سے کہہ دینا
میں بحرِ غم میں پھنسا ہوں ادھر بھی چشم کرم
نسیم بڑھ کے ذرا ناخدا سے کہہ دینا
ہمارا حال حزیں جاکے قافلے والو
خدا کے واسطے خیر الوریٰ سے کہہ دینا
صبا وہ سن کے جسے مجھ کو سرفراز کریں
مرا پیام کچھ ایسی ادا سے کہہ دینا
بشیرؔ ان کا جو ارشاد ہو وہ رحمت ہے
جو بھی جواب ہو، لائے! صبا سے کہہ دینا

کیوں میں جاؤں جوشِ وحشت میں بیاباں کی طرف
کیوں نہ جاؤں مرقدِ محبوب یزداں کی طرف
کھنچ رہا ہے دل ہمارا کوئے جاناں کی طرف
جیسے پروانہ جلے شمعِ شبستاں کی طرف
کیوں نہ اپنے دل میں یاس و غم کا منظر دیکھیے
جائیے پھر کس لیے گورِ غریباں کی طرف
کیا یہی اقرار، حق سے تھا ترا روزِ ازل
دیکھ غافل دیکھ اپنے عہد و پیماں کی طرف
دیکھتا ہے عشق کی ہنگامہ آرائی تو دیکھ
اپنے داماں کی طرف، اپنے گریباں کی طرف
دیکھ تو چشمِ عقیدت سے جو انساں ہے بشیرؔ
اپنے محسن کی طرف اس کے ہر احساں کی طرف

کاش ہم بھی درِ محبوب کو آتے جاتے
اپنی بگڑی ہوئی تقدیر بناتے، جاتے
اپنے دربار میں ہم کو جو بلاتے شاہاً
ہم بھی لبیک کی آواز لگاتے، جاتے
ہم جو کعبہ سے مدینہ کی طلب میں جاتے
آتشِ شوقِ زیارت کو بجھاتے، جاتے
وائے ناکامئ قسمت کہ ضعیفی آئی
آہ، اب بھی، ہمیں آقاؐ جو بلاتے، جاتے
ہم کو بھی حق سے جو ملتی کہیں توفیقِ جہاد
پرچمِ لشکرِ اسلام اٹھاتے، جاتے

ہے بشیرؔ اپنی تمنا کہ غلاف کعبہ
حمد پڑھتے ہوئے آنکھوں سے لگاتے، جاتے

۱۹۔ بشیرؔ فاروقی

نام بشیر الدین احمد فاروقی قلمی نام بشیرؔ فاروقی اور ولدیت حکیم معین الدین فاروقی ہے۔ آپ سول سکریٹیرٹ یوپی لکھنؤ میں ملازمت کے بعد سبکدوش ہوگئے ہیں، فاروقی صاحب کی تاریخ پیدائش ۲۰ر مئی ۱۹۳۹ء ہے، فاروقی صاحب کی چار تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ جن میں سے تین اردو اکادمی سے ایوارڈ یافتہ ہیں۔

(۱) تذکرہ حضرت مراد اللہ شاہ نقشبندی
(۲) سنّاٹے کی آواز (شعری مجموعہ، مطبوعہ ۱۹۷۳ء اردو اکادمی سے ایوارڈ یافتہ
(۳) حادثوں کے درمیاں (شعری مجموعہ) مطبوعہ ۱۹۸۲ء اردو اکادمی سے ایوارڈ یافتہ
(۴) شفق رنگ چاندنی (شعری مجموعہ) مطبوعہ ۱۹۸۶ء اردو اکادمی سے ایوارڈ یافتہ

فاروقی صاحب کو مندرجہ ذیل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔

(۱) امتیاز میرؔ ایوارڈ، میر اکادمی اتر پردیش ۱۹۸۵ء
(۲) نوائے میرؔ ایوارڈ، میر اکادمی اتر پردیش ۱۹۹۲ء
(۳) غزل ایوارڈ، ہندی اردو ایوارڈ

بشیرؔ فاروقی اسٹیج کے کامیاب شاعروں میں سے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی سنے اور دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نعتیں کافی لگن کے ساتھ کہتے ہیں۔

اک خدا اور رسولؐ اس کے رسولؐ مدنی　　اس حقیقت کے سوا دنیا میں کیا رکھا ہے
دیر اتنی ہے کہ بس حکم حضوری آجائے　　میرا سامان سفر کب سے بندھا رکھا ہے
سبز گنبد درِ سرکار، سنہری جالی　　ان نظاروں نے تو دیوانہ بنا رکھا ہے
نور سرکارؐ سے روشن ہیں یہ آنکھیں میری　　دل کو دل انؐ کی محبت نے بنا رکھا ہے
امتی کیوں نہ کریں ناز کہ آقاؐ نے بشیرؔ　　ان کے دامن کو خزانوں سے بھرا رکھا ہے

☆☆☆☆☆

میں قطرہ ہوں مگر میری سمندر تک رسائی ہے　　کہ میں نے مصطفیٰ صل علیٰ سے لو لگائی ہے

عجب منظر ہے مصروف دعا ہیں رحمتِ عالمؐ
صدائے رب سلم امتی ہر شے پہ چھائی ہے

فقیروں سے سنا ہے بادشاہوں کا یہ کہنا ہے
شہنشاہی سے بہتر انؐ کے روضے کی گدائی ہے

خدا مشتاق ہے جبریل ان کو لینے آئے ہیں
نظارے دم بخود ہیں وجد میں ساری خدائی ہے

سواری نور ، دولھا نور، باراتی بھی نورانی
دلوں کو نور سے بھر لو شبِ معراج آئی ہے

بشیرؔ اک کیف کا عالم ہے گلیوں میں مدینے کی
ہوا کا رخ بتاتا ہے ہوا جنت سے آئی ہے

۲۰۔ بیتابؔ کیفی:

نام عزیز احمد والد کا نام محمد امانت اللہ اور تاریخ پیدائش ۲۴ ؍نومبر ۱۹۴۹ء ہے۔ آپ نے حضرت کیف سہسرامی اور حضرت ناوکؔ حمزہ پوری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آج کل آپ انٹر کالج بہیا ضلع بھوج پور (بہار) میں صدر شعبۂ اردو کے عہدے پر فائز ہیں۔

ہو نگاہ کرم یا نبیؐ
بے کراں ہے الم یا نبیؐ

جس کو قربِ آپؐ کا مل گیا
پھر اسے کیا ہے غم یا نبیؐ

آئے بیتابؔ کو بھی سکوں
کیجیے لطف و کرم یا نبیؐ

۲۱۔ بیخودؔ نگرامی:

نام انور جمال تخلص بیخودؔ نگرامی ہے، والد کا نام معشوق حسین (مرحوم) ہے آپ کا وطن قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ ہے جہاں آپ ۲۶ ؍جون ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔

ان کی ابتدائی تعلیم نگرام میں والدہ صاحبہ کی سر پرستی میں پرائمری درجات تک رہی، ان کے انتقال کے بعد یہ لکھنؤ چلے آئے۔ اسلامیہ انٹر کالج لال باغ لکھنؤ سے ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی سے ۵۶۔۱۹۵۵ء میں بی ایس سی آنرس پاس کیا لیکن دو بہنوں کی اچانک موت ہو جانے کے بعد یہ اپنے والد صاحب کے پاس آ گئے اس کے بعد ڈائرکٹریٹ آف انڈسٹریز یو پی کانپور میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۹۰ء میں ریٹائر ہو گئے، ڈالی گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔

آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۴ء میں ہوا اور آپ نے پہلی غزل اردو مڈل اسکول واقع نعمت اللہ روڈ لکھنؤ کے مشاعرے میں طالب علم کی حیثیت سے پڑھی اس کے بعد یہ اسلامیہ کالج لکھنؤ کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہے۔ ان کا عرصۂ ملازمت زیادہ تر بہرائچ

میں گزارا، وہاں ''جمال ادب'' کی ازسرنوتشکیل کی اور درگاہ میں نعتیہ مشاعرہ کراتے رہے۔

ان کی غزلیں، نظمیں، قومی آواز، پیغام، نیادور میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ان کے دو دیوان ''خم خانۂ جمال'' اور ''شکست دل'' ہیں۔

نمونۂ کلام:

ہمیں توحید کی شمعیں جلانی ہیں زمانے میں — نہاں پردے ہی پردے میں دلیل روشنی کیوں ہو؟
تری بخشی امانت جو سمجھتے ہیں وجود اپنا — انھیں مرنے کا غم کیوں ہو؟ نشاطِ زندگی کیوں ہو؟
محمدؐ ساقئ کوثر، محمدؐ شافع محشر — ہمیں ہوفکر پرسش کیوں؟ خیال تشنگی کیوں ہو؟
جہاں پائیں رضا تیری وہیں رکھ دیں جبیں اپنی — ترا سجدہ نہ ہو جس میں وہ طرز بندگی کیوں ہو؟
تری کملی کا سایہ جس پہ ہوائے گیسوؤں والے — سیہ بختی کا غم کیا ہو؟ ملالِ تیرگی کیوں ہو

۲۲۔ نام شیو برن لال ورما تخلص بیکراںؔ عالمی ہے، سکونت محمود آباد سیتاپور میں ہے۔آپ نے غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی کافی تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔نعتیہ مشاعروں میں داد و تحسین سے نوازے جاتے ہیں، بڑے والہانہ انداز میں نعت پڑھتے ہیں۔

نمونہ کلام:

وہ شب کیسی ہوگی سہانی سہانی — تھی احمدؐ کی جب عرش پر میہمانی
ضیاء مہر انور کی ہو یا قمر کی — برائے نبیؐ ہے یہ جلوہ فشانی
یہ ممکن سے واجب کی قربت تو دیکھو — مکانی چلا جانب لا مکانی
محمدؐ کو پیکر میں سارے جہاں کو — دکھانی تھی قدرت کو اپنی نشانی

۲۳۔ تبسم پرتاپ گڑھی:

آپ کا نام عبدالجلیل اور تخلص تبسم ہے۔آپ کے والد کا نام حافظ عبدالرزاق تھا۔ آپ کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو پرتاپ گڑھ میں ہوئی، آپ کا وطن پرتاپ گڑھ ہے۔ آپ نے ۱۹۳۴ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔آپ نے ۱۹۳۲ء میں مزاحیہ شاعری سے شاعری کا آغاز کیا، اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال تھی، مزاحیہ اشعار کی مناسبت سے اپنا تخلص تبسم رکھا اور مضحک دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ان کے تبادلے کے بعد مرحوم نجم احسن نگرامی ایڈوکیٹ سے اصلاح سخن کا شرف حاصل کیا، اس دوران تقریباً ۳۵ سال سرکاری ملازمت کی اور ہیڈ

کلرک کے عہدے سے ۱۹۵۷ء میں ریٹائر ہوئے۔

تبسم صاحب جنھوں نے اپنی شاعری کے تقریباً پچاس سال طنز و مزاح گوئی میں صرف کیے عمر کے آخری دور میں نعت رسولؐ کہنے لگے۔ یہ سب اللہ کا لطف و کرم ہے۔ آپ کا ایک نعتیہ کتابچہ ''حمد و نعت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

خدا خود محبّ ہوگا اس آدمی کا
جو ہر ہر قدم پر ہو پیرو نبیؐ کا

کروں ذکر کیا اب یہاں بے بسی کا
بڑا جرم ہے نام لینا نبیؐ کا

وہ مل جائے تو اس کی آنکھوں کو چوموں
کیا جس نے دیدار اپنے نبیؐ کا

پہنچ جاؤں اے کاش پل بھر میں اس جا
خیال آرہا ہے دیارِ نبیؐ کا

ستایا ہے جس جس نے آقاؐ کو میرے
ٹھکانا جہنم ہے ایسے شقی کا

☆☆☆☆☆

تھی سلاطین زمن پر رعب و ہیبت آپؐ کی
یعنی تھی شاہوں کے اوپر بادشاہت آپؐ کی

آپ کے در سے نہ لوٹا کوئی سائل خالی ہاتھ
فاقہ کشی میں بھی تھی شان سخاوت آپؐ کی

کیا فصاحت آپ کی تھی کیا بلاغت آپؐ کی
تھی بڑی مسحور کن طرز خطابت آپؐ کی

آپ سے چھٹ جانے پر وہ سسکیاں لینے لگی
لکڑی کی ''تھونی'' کو تھی کتنی محبت آپؐ کی

آپ ہی سے شفاعت کا ہے آسرا
شافع حشر، شاہ امم آپؐ ہیں

آپؐ کی خاک پا سے بھی کمتر ہیں سب
صرف خالق سے رتبہ میں کم آپؐ ہیں

آپؐ کی امت پہ ہے چاروں طرف ظلم و ستم
آج پھر اہل جہاں کو ہے ضرورت آپؐ کی

۲۴۔ تسنیم فاروقی

آپ کا نام خواجہ عتیق الحق فاروقی ہے اور تسنیم فاروقی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۸ء میں بسواں ضلع سیتاپور میں پیدا ہوئے۔ تسنیم صاحب صوفی و عالم خاندان کے چشم و چراغ ہیں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا خاندان عالموں کا خاندان ہے، موصوف کے والد مولانا محمد سعید الحق فاروقی، قاری و حافظ اور عالم گزرے ہیں، آپ نے اپنی خاندانی روایات کو قائم رکھا، عربی، فارسی کی تعلیم حاصل

کی اور اردو میں اول نمبر سے یونیورسٹی کی ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ہندی میں بھی وشارد تک تعلیم حاصل کی۔ تسنیم صاحب کو جگر بسوانی اور سراج لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل ہے، آپ کے کئی مجموعۂ کلام منظر عام پر آچکے ہیں ''ترکش'' (قومی نظموں کا مجموعہ) ''بوند بوند اجالے'' (قطعات رباعیات اور نظموں کا مجموعہ) ''چہرہ چہرہ'' (نظموں کا مجموعہ) اجالے، اسم اعظم، سبز آسمان، مینار، محراب، تسبیح، شمیم حرم اور صاد (نعت کا مجموعہ کلام) ہیں۔ ''صاد'' (کلام نعت) پر فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی اترپردیش سے تین ہزار روپے کا اشتراک بھی حاصل کر چکے ہیں، آپ کے کچھ نثری مضامین بھی ہیں، آپ کا کلام رسائل و جرائد میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے، اور وہ ٹی وی اور ریڈیو کی زینت بنتے رہتے ہیں، کل ہند مشاعروں میں ان کا کلام پسند کیا جاتا ہے، ان کے کلام میں ندرت اور جدت پائی جاتی ہے، انھوں نے عالم ادب میں اپنی الگ پہچان بنائی ہے۔

خوشی چاہتا ہوں نہ غم چاہتا ہوں — محمدؐ کا لطف و کرم چاہتا ہوں
نہ زر اور نہ دام و درم چاہتا ہوں — نبوتؐ کے نقشِ قدم چاہتا ہوں
وہ بستی جسے لوگ کہتے ہیں طیبہ — وہی باغ رشک ارم چاہتا ہوں
محمدؐ کا نام اور کلمہ ہو لب پر — یہی زاد راہ عدم چاہتا ہوں
نگاہوں میں ہو جب دیار مدینہ — وہیں پر نکل جائے دم چاہتا ہوں
مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے ہے — میں غم اور محمدؐ کا غم چاہتا ہوں
خدا جس کو دے دولتِ نعت گوئی — میں تخیل و زور قلم چاہتا ہوں
دو عالم کا تسنیم مرکز یہی ہے — میں دیدار بیت الحرم چاہتا ہوں

موت اس شخص کی ایمان کا سرمایہ ہے — جس کو حاصل ترے کلمے کی مسیحائی ہے
انقلابات کی تاریخ ہے لفظِ ''اقراء'' — اس کی آواز نئی صبح کی انگڑائی ہے
چار مخصوص ستاروں کی بدولت تسنیم — ہم نے بھی ماہِ مدینہ سے ضیا پائی ہے

ترا نام میرا دل ہے میں اندھیروں سے ڈروں کیوں — ترے غم کی چاندنی میں مری رات مرمریں ہے
کئی بار تھم چکی ہے یہاں سورجوں کی گردش — جو ہے سجدہ گاہ عالم یہ وہ محترم زمیں ہے
جہاں نور مانگتی ہے ہر اک آنکھ کی سیاہی — وہی بوسہ گاہِ اسود، مرا کعبۂ یقیں ہے

۲۵۔ جمیل نعیمی:

نام جمیل احمد ہے، تخلص جمیلؔ۔ والد کا نام حکیم عبدالجلیل مرحوم۔ جائے پیدائش و آبائی موضع ڈروا ضلع پرتاپ گڑھ (اودھ) ہے اور آپ کا سنہ پیدائش ۱۹۲۰ء ہے۔ تعلیم گھریلو اور پیشہ و مشغلہ طبابت ہے، آپ حضرت شاہ نعیم عطاؔ سابق سجادہ نشین خانقاہ کریمیہ سلون ضلع رائے بریلی اور ادیب مکن پوری سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے بعد اب شرافت اللہ وفاؔ سلونوی سے دادِ سخن لے رہے ہیں پہلے گل وبلبل کی شاعری سے دلچسپی تھی اب نعت گوئی کی طرف راغب ہیں۔

نمونۂ کلام:

بڑے ہی اعلیٰ بڑے ہی ارفع، بڑے معظم، بڑے مکرمؐ
ہمارے آقا تمھارے آقا، جہاں کے آقا، رسول اکرمؐ

فرشتے حضرت پہ بھیجتے ہیں، سلام پیہم درود پیہم
جمیلؔ ناچیز کیا کہے گا، حضور اقدسؐ کی نعت اطہر

آئینہ دیکھ کسی غیر کی تصویر نہ دیکھ
انگلیاں غیر کے عیبوں پہ اٹھانے والے

مرد مومن ہے تو پھر دولت و جاگیر نہ دیکھ
فقر معمول تھا سرکار دو عالم کا جمیلؔ

۲۶۔ جنبشؔ خیرآبادی نام رجب علی والد کا نام شیخ کلومیاں اور تاریخ پیدائش ۲؍جنوری ۱۹۳۰ء ہے آپ کی جائے سکونت محل شیخ سرائے قصبہ خیرآباد ضلع سیتاپور (یوپی) ہے۔ آپ نے ادیب ماہر، ادیب کامل، (جامعہ اردو علی گڑھ) پاس کیا اور ۱۹۵۰ء سے ۱۹۹۰ء تک پرائمری اسکول خیرآباد میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے کر ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

غزلوں کا مجموعہ ''غزلوں کا سفر'' شائع ہو چکا ہے۔ نعتیہ غزلوں کا مجموعہ زیر طبع ہے۔ آپ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اس لیے نعتیہ غزل بھی خوب کہتے ہیں۔

خالی دامن نہ رکھا نبیؐ نے مجھے
اپنی یادوں کے دے کر خزینے مجھے

جانے کب وہ بلائیں مدینے مجھے
غم دیتا ہے مرنے نہ جینے مجھے

اے اجل پہلے لے چل مدینے مجھے
گھر خدا کے چلوں گا مگر بعد میں

رشک کے ساتھ دیکھا سبھی نے مجھے
جنبشؔ ان کے جو در کی گدائی ملی

۲۷۔ حامد بہرائچی:

نام حامدؔ بہرائچی اور تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۶۳ء ہے۔ تعلیم بی اے وطن شہر بہرائچ۔

حال مقیم حال نزد روڈ ویز بارہ بنکی سرکاری ملازم ہیں اور اردو ٹیچرس کی حیثیت سے درس تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حامدؔ بہرائچی بہاریہ اور نعتیہ مشاعروں کے کامیاب شاعروں میں ہیں بہت اچھا ترنم ہے اور سامعین کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور ان سے بھرپور داد و تحسین حاصل کرنے کا فن جانتے ہیں۔ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے مشاعروں میں مدعو کیے جاتے ہیں، نعت والہانہ انداز میں پڑھتے بھی ہیں اور کہتے بھی ہیں۔ خوبصورت بھی ہیں، خوب سیرت بھی ہیں۔ خوش اخلاق بھی ہیں خوش مزاج بھی۔ ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ بہاریہ مشاعرہ ہو یا نعتیہ مشاعرہ نظامت دلچسپ انداز میں کرتے ہیں اور سامعین کی دلچسپی مشاعرہ سے قائم رکھتے ہیں، آپ کے کلام میں آمد، برجستگی اور بھرپور عقیدت ملتی ہے۔

نمونہ کلام:

اپنی پلکوں پر ستاروں کو سجا رکھا ہے ۔۔۔ اپنے جینے کا یہ انداز بنا رکھا ہے
ایک دن روضۂ اطہر پہ بلائیں گے حضورؐ ۔۔۔ ہم نے دل میں یہی ارمان بسا رکھا ہے

☆☆☆☆☆

سرکارؐ دو عالم نے یہ انعام دیا ہے ۔۔۔ اخلاق و مساوات کا پیغام دیا ہے
شبیرؓ نے ناناؐ کے لیے سر کو کٹا کر ۔۔۔ ہم جیسے مسلمانوں کو اسلام دیا ہے

۲۸۔ حبیب اجملیؔ

نام حبیب احمد صدیقی ہے۔ قلمی نام حبیب احمد اجملی ہے، والد کا نام خورشید احمد صدیقی مرحوم ہے۔ ان کی پیدائش ۱۵؍اکتوبر ۱۹۵۲ء کو آبائی وطن موضع نندرولی ضلع فیض آباد میں ہوئی، والدین کے ہمراہ سلطان پور آ گئے اور اس طرح تعلیم و تربیت ضلع سلطان پور (یوپی) میں ہوئی۔ آپ کو معروف نعت گو شاعر اجمل سلطان پوری سے شرف تلمذ حاصل ہے، درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں، محلّہ کروندیا، سول لائنس ۔۲ سلطان پور (اودھ) میں قیام فرما ہیں۔ غزلوں کا مجموعہ ''ترے خیال وحدت'' شائع ہو چکا ہے اس مجموعے میں کچھ نعتیں بھی ہیں، ریڈیو اور ٹی وی کی نشستوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ ملک کے بیشتر معیاری رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے کلام میں آمد اور برجستگی کے ساتھ سادگی اور زور بھی ہے۔

نمونۂ کلام:

ہے ان کے دم سے ہی دنیا میں زندگی قائم
نفس نفس کو ہے احساس ان کی خوشبو کا

☆☆☆☆☆

اس کی شبنم کی مہک سے مہک اٹھیں نسلیں
ہے چمن در چمن اس پھول کی جاری خوشبو

☆☆☆☆☆

یاد شہؐ میں جو تری آنکھوں سے بہہ نکلے حبیبؔ
سرد کرسکتے ہیں یہ آنسو کے قطرے نار بھی

۲۹۔ حسرت کشتواڑی

نام شیخ غلام نبی حسرتؔ اور والد محترم کا نام شیخ ولی محمد ہے، حسرتؔ صاحب قصبہ کشتواڑ موہڑہ لائنل ضلع ڈوڈہ ریاست جموں وکشمیر کے پشتینی باشندے ہیں، بچپن ہی سے شعروسخن سے دلی لگاؤ تھا، حسرتؔ صاحب نے وقتاً فوقتاً نشاط کشتواڑی، جناب پرویز طیب کشتواڑی، مرحوم حمیدؔ قریشی سہارنپوری، حضرت گوہرؔ بنارسی، سلطان نظامی، عقیلؔ شاطر وغیرہ سے تلمذ حاصل کیا، حسرتؔ صاحب نے اسکولی اساتذہ ماسٹر محمد انور صاحب اور مرحوم حاجی غلام علی صاحب سے بھی فیض حاصل کیا۔

حسرتؔ صاحب نے ہائی اسکول کشتواڑ سے، میٹرک اور آئی ٹی آئی کشتواڑ سے کارپینٹر کا امتحان پاس کیا اور اسی ادارے میں بطور چپراسی ملازم ہوئے ایڈوانس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ داسنگر کلکتہ میں کارپینٹری میں ۸۹۔۱۹۸۸ء میں اعلیٰ تربیت حاصل کی اور پھر درجہ بہ درجہ ترقی کرتے ہوئے آج کل سپروائزر کی حیثیت سے آئی ٹی آئی بھدرواہ میں ملازم ہیں، علی گڑھ سے دبیر فاضل کا امتحان بھی اردو میں پاس کیا۔

حسرتؔ صاحب کا کلام ملک اور ریاست کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں چھپتا رہتا ہے، حسرتؔ صاحب کی تصانیف ''حیات حسرتؔ''، ''فغان حسرتؔ'' زیر ترتیب ہیں اور ایک نعتوں کا مجموعہ ''سلطان مدینہ'' کے مقدس نام سے زیر ترتیب ہے۔

حسرتؔ صاحب ''انجمن عروج ادب'' سہارنپور کے سرپرست اعزازی ہونے کے

علاوہ ''گلستان ادب'' کشتواڑ کے لائبریرین بھی ہیں اور ''چناب بزم ادب'' اور ''بزم ادب گول'' کے ممبر بھی ہیں۔

حسرتؔ صاحب کو شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ Painting رنگوں کی دنیا سے بھی گہرا رشتہ ہے، حسرتؔ صاحب کی کشتواڑہ میں رہائش ہے وہاں اپنی مسجد شریف میں مسلسل ۱۳ ماہ تک پارٹ ٹائم Painting (نقوش کاری) کی ہے جو آج بھی بطور یادگار موجود ہے۔

نمونہ کلام:

امام صف انبیاء مصطفیٰ ہیں — جمال خدا ، باخدا مصطفیٰؐ ہیں
میں قربان ہوجاؤں قدموں میں ان کے — وہ کملی میں شمس الضحیٰ مصطفیٰؐ ہیں

☆☆☆☆☆

نظر آرہا ہے دیار مدینہ — کرم کیجیے شہر یار مدینہ
مدینے کی راہیں فقط یاد رکھنا — ضرورت ہے مجھ کو غبار مدینہ

۳۰۔ حقؔ سارودوی:

نام عبدالحق اور قلمی نام حقؔ سارودوی ہے، گجرات کے گاؤں سارودو میں ۱۹۳۳ء میں ولادت ہوئی غریبی اور مفلسی کی وجہ سے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کر کے ۱۴ برس کی عمر میں ۱۹۴۸ء میں والدین کی اجازت کے بغیر ممبئی آ گئے۔ دوسروں کے گھر کے کام، ہوٹل نمک کی دکان اور پھیری لگا کر سامان بیچنے کا کام کیا ساتھ ہی رات کے وقت اسکول میں پڑھائی کی، اور بالآخر .B.M.C میں ملازم ہو گئے۔ آبائی گاؤں میں گجراتی پیروڈی کہا کرتے تھے، ممبئی میں اردو زبان میں تک بندی کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد اسرار شاہقؔ بجنوری سے ملاقات ہوئی اور ان سے شرف تلمذ حاصل کیا اور تک بندیوں نے غزلوں کا لباس پہن لیا۔ اسماعیل آزاد کی قوالیاں سننے کا انھیں بہت شوق تھا۔ حق سارودوی نعتیہ غزل عقیدتاً کہتے ہیں جو رسمی نعت کے زمرے میں آتی ہیں۔

نمونہ کلام:

ہوجاؤں پہنچ کر میں بیمار مدینے میں — حسرت ہے کہ موت آئے سرکارؐ مدینے میں
میرے دل مضطر کی آقاؐ یہ تمنا ہے — مجھ کو بھی بلا لیجیے اک بار مدینے میں

۱۳۱۔ حقؔ کانپوری:

نام شمس الحق صدیقی اور قلمی نام حقؔ کانپوری ے، والد کا نام نور محمد مرحوم ہے، تعلیمی لیاقت ادیب کامل ہے، اسیرؔ مچھلی شہری سے شرف تلمذ حاصل ہے، شاعری کی ابتدا ۱۹۵۶ء میں نعت کے اس مطلع سے کی۔

یہ دل میں آتا ہے رکھ لوں اٹھا کے سینے میں　　وہ نور گنبد خضرا جو ہے مدینے میں

غزلوں کے دو مجموعے ''جنبش لب'' اور ''شہر تمنا'' دو نعت وسلام ومنقبت کے مجموعے ''نورانی شعاعیں'' اور ''تطہیر کی خوشبو'' شائع ہو چکے ہیں۔

حقؔ کانپوری کا پتہ یہ ہے۔ ۱۳۱/۷ا، بیگم پوروہ کانپور۔ حقؔ کانپوری ہندوستان کے آل انڈیا مشاعروں کی جان ہوتے ہیں، ان کو سنتے میں سامعین کو سیری نہیں ہوتی ہے ان کا ترنم، آواز اور طرز اظہار میں انفرادیت ہے، ان کے ترنم کی اکثر نقل کی جاتی ہے، کلام میں سادگی اور زور ہے، نعت میں منقبت کے اشعار بھی کہتے ہیں۔

نمونہ کلام:

مری جبیں کو اگر ان کی خاک پا مل جائے　　زمیں سے عرش معلیٰ کا سلسلہ مل جائے

جو ان کے دامن رحمت کا آسرا مل جائے　　ہماری عمر بھر کی ریاضت کا کچھ صلہ مل جائے

دعا یہی ہے شب و روز زاہد ناداں　　تجھے بہشت ملے، مجھ کو مصطفیٰؐ مل جائے

رسولؐ پاک کا کردار سامنے ہو اگر　　مقام عبد سے معبود کا پتہ مل جائے

☆☆☆☆☆

اس دور ترقی کے مقلد بھی بہ حیرت　　تعلیم محمدؐ کا اثر دیکھ رہے ہیں

جمتی ہی نہیں روئے منور پہ نگاہیں　　الجھی ہوئی جلووں میں نظر دیکھ رہے ہیں

۱۳۲۔ خوشترؔ مکرانوی:

نام محمد علی تخلص خوشترؔ ہے۔ ان کی ولادت ۲۲؍فروری ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ والد کا نام محمد بلخی ہے، خوشترؔ مکرانوی نے کئی ادبی انجمنیں تشکیل کیں، نور بلخی منزل مکرانہ (راجستھان) میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہیں، موصوف کو مختلف تنظیموں اور اداروں کی طرف سے ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے، راجستھان کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی ان کا جشن منایا جا چکا ہے، بریڈ فورڈ

انگلستان سے شائع ہونے والے ہفتہ وار ''راوی'' کی جانب سے عالمی نعتیہ مقابلہ میں مجلس میزانیہ کے تحت دس بھارتی شعرا میں راجستھان سے واحد خوشتر مکرانوی کا انتخاب ہوا اور انعامی چیک غالب اکاڈمی ہال نئی دہلی میں منعقدہ تقریب میں ''شمع گروپ'' نے تفویض کیا۔

خوشتر مکرانوی جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں اور آپ نے اپنی الگ پہچان بنائی ہے ان کے ہر شعر میں ندرت پائی جاتی ہے، ''چشم تجلی''، ''صدائے کلبد'' لفظوں کی مخلوق'' اور ''اکشروں کی جوت وشواس کی تہذیب'' ان کے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ''دھوپ میں کھڑے درخت''، ''بادلوں کی یاترا''، ہائیکوروپ''، ''تاریخ مکرانہ'' زیر طبع ہیں۔

بریڈفورڈ برطانیہ کے عالمی مقابلہ کی نعت، دوہے اور ہائیکوروپ ملاحظہ فرمائیں:

نعتیہ دوہے:

اس کے اوپر رات دن نازل ہوئی کتاب — ہریالی کے واسطے پانی بنا سراب
اس امّی کی بات میں چمکیں مہکیں پھول — رات دن کے ورق ورق سمتیں کریں قبول
بھانت بھانت کے آسمان الگ الگ سنسار — اس امی کے بول میں سب کا خوشتر پیار

☆☆☆☆☆

ہائیکوروپ:

وہ امام الانبیاء
جس نے سب کو دھارمک رستے دیے
زندگی کے نام پر

☆☆☆☆☆

روشنی خوشبو ہوا
جس کے خوشتر رات دن پیغام ہیں
حس دماغوں کے لیے

☆☆☆☆☆

خدا جب ساقئ کوثر کی خود تعریف کرتا ہے — بشر پھر صورت رنگیں میں کیوں رنگ بھرتا ہے
وہاں سے ہوتا ہے آغاز زندگانی کا — جہاں انسان کی ہستی کا شیرازہ بکھرتا ہے

☆☆☆☆☆

ترے لفظوں کے عالم میں تری مسکان کی خوشبو
دروودں کے تناظر میں رہی قرآن کی خوشبو

زمیں سے آسماں تک ہے ترے گلدان کی خوشبو
تھکانوں سے مبرا ہے ترے ایوان کی خوشبو

نظام زندگی کی رنگتوں سے خوب واقف ہوں
ہراک موسم میں شامل ہے ترے فرمان کی خوشبو

کبھی کانوں کو آواز جرس گفتار کرتی تھی
پیام عرش لانے کو ترے وجدان کی خوشبو

یقیناً بخشا جاؤں گا بھروسہ ہے مجھے خوشتر
مرے اعمال رکھتے ہیں تری پہچان کی خوشبو

۳۳۔ راجندر بہادر موج

نام راجندر بہادر اور تخلص موجؔ ہے۔ والد محترم کا نام منشی رام کمار سکسینہ ہے۔ تاریخ پیدائش ۳؍ جولائی ۱۹۲۲ء ہے شریک حیات کا نام شکنتلا موج ہے جو ''نل دمینتی'' اور تذکرۂ شعرائے فرخ آباد کی مصنفہ ہیں۔ راجندر بہادر موجؔ پیشہ کے اعتبار سے ایڈوکیٹ ہیں اور برسوں ضلع کے سرکاری وکیل رہے، وکالت کے ساتھ ساتھ شاعری، ادبی، سماجی اور اخلاقی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں، موجؔ کی شاعری کی ابتدا ۱۹۳۵ء میں ہوئی ''طوفان''، ''موج وساحل''، ''موج درموج''، ''ساگر''، ''موجیں''، ''لہریں''، ''شکنتلا''، ''آ کاش'' ان کی شعری تصنیفات ہیں، پہلی اور دوسری تصنیفات کے علاوہ باقی تصنیفات پر یوپی اردو اکادمی لکھنؤ سے ایوارڈ مل چکا ہے، راجندر بہادر موجؔ کہنہ مشق شاعر ہیں، موصوف کو نبی کریمؐ سے خاص عقیدت ہے اور آپؐ کی سیرت پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ غزل میں مکان کے بجائے مکین کی تعریف قرآن وحدیث کی روشنی میں کرتے ہیں اور اسی روشنی میں ان کا کلام قومی یک جہتی کا پیغام بر نظر آتا ہے۔

نمونہ کلام:

خالق نے سنوارا ہے ہر کام محمدؐ کا
گرتوں کا سہارا ہے اک نام محمدؐ کا

حضرت کی صداقت کی عالم نے گواہی دی
پیغام الٰہی ہے پیغام محمدؐ کا

ہر مذہب و ملت پر یکساں ہے کرم جاری
ممنون نہیں تنہا اسلام محمدؐ کا

تصویر حقیقت ہے اک درس محبت ہے
ہر بات محمدؐ کی ہر کام محمدؐ کا

☆☆

رہِ حق میں مثال شمع قرآن محمدؐ ہے
یہی سب سے بڑا دنیا پہ احسان محمدؐ ہے
خدا نے جو کہلوایا محمدؐ نے وہ فرمایا
اسے فرمان حق سمجھو جو فرمانِ محمدؐ ہے

۳۴۔ الحاج راہی پرتاپ گڑھی:

آپ کا نام محمد مسعود احمد صدیقی اور تخلص راہی ہے آپ کے والد کا نام محمد عثمان (مرحوم) ہے ادبی دنیا اور حلقۂ احباب میں راہی پرتاپ گڑھی کے قلمی نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کی پیدائش مرکز علم و دانش کے شہر لکھنؤ میں ۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ہوئی اور یہیں تعلیم و تربیت اور پرورش آپ کے نانا حاجی مصباح الحق مصباح نگرامی نے کی جو خود شاعر اور ادیب تھے، چونکہ آپ کے آبا و اجداد موضع لکھا پور ضلع پرتاپ گڑھ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ اپنے نام کے ساتھ پرتاپ گڑھی لکھنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

آپ نے ممتاز کالج اسلامیہ کالج اور شیعہ ڈگری کالج اور یونیورسٹی لکھنؤ میں تعلیم کے مراحل طے کیے جہاں شجاعت علی سندیلوی (مرحوم) جیسے استادوں سے فیضیاب ہوئے، ایگریکلچرل ڈپارٹمنٹ کرشی بھون میں ایڈمنسٹریٹیو افسر کے عہدے پر فائز تھے۔ ۳۱/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو رٹائر ہو گئے۔ آپ کے انتقال کو کئی سال ہو چکے ہیں۔

موصوف کو شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا لیکن باقاعدہ شاعری ۵۴-۱۹۵۳ء سے شروع کی۔ آپ نے شرف تلمذ ڈاکٹر کاظم علی مرزا قمر لکھنوی (جانشین صفی لکھنوی) سے حاصل کیا، ابتدائی دو تین غزلوں پر اپنے نانا حاجی مصباح الحق نگرامی سے اصلاح لی۔ ''بزم صفی لکھنوی'' اور ''انجمن مشق سخن'' کے مشاعروں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے آرہے ہیں، آپ کا مجموعہ کلام ''پیاسے لفظ'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا جو غزل، نظم اور منظوم افسانہ پر مشتمل ہے، آپ کا کلام ہندوستان کے سبھی کثیر الاشاعت رسائل و جرائد میں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہتا ہے، ٹی وی اور ریڈیو پر برابر دیکھے اور سنے جاتے ہیں اور عوامی مشاعروں میں غزل و نعت کے شاعر کی حیثیت سے برابر شریک ہوتے رہتے ہیں۔

آپ نے ہر صنف سخن مثلاً غزل، نظم، مثنوی، قطعہ، خمسہ، نعت، منقبت، سلام، سہرا اور رخصتی پر طبع آزمائی کی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا اور ۱۹۸۵ء میں پہلی بار لکھنؤ میں ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعروں کا آغاز کیا آپ نے ''بزم مشق سخن لکھنؤ'' کی بنیاد ڈالی۔ جس میں ان شعرا

کی تعداد بھی خاصی تھی جنھوں نے پہلی بار نعت کہی، بزم مشقِ سخن کے ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعروں کی وجہ سے نعت گوئی کو فروغ ملا اور معیاری نعتیں کہی گئیں، الحاج راہیؔ پرتاپ گڑھی بزم مشق سخن کے صدر، آل انڈیا سنی یوتھ فیڈ ریشن لکھنؤ کے مشاعرہ حمد و نعت و منقبت کے کنوینر، نظام الدین خاں نظامؔ لکھنوی میموریل سوسائٹی لکھنؤ کے مشاعروں کے مہتمم اور ''بزم انوار ادب'' سلون ضلع رائے بریلی (یوپی) کے سرپرست ہیں۔

آپ کو ہفت روزہ ''راوی'' بریڈفورڈ (برطانیہ) کے بین الاقوامی سطح کے تحریری انعامی مقابلہ نعت میں نمبر شمار کے لحاظ سے مقابلہ میں عالمی پیمانہ پر چھٹا مقام رہا، ہندوستان کے شعرا میں چوتھا مقام اور اتر پردیش کے شعرا میں پہلا مقام رہا۔

آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے بہت عقیدت و محبت رکھتے ہیں آپؐ کے ذکر ہی سے ان کی آنکھیں نمدیدہ ہو جاتی ہیں، تاریخ و حدیث کی روشنی میں نعت کہنا پسند کرتے ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ کلام زیر ترتیب ہے۔

نمونہ کلام:

جب تک دلوں میں تھی تو تھی گمنام روشنی　　فاراں پر آ گئی تو ہوئی عام روشنی
مجھ کو نبیؐ نے دی ہے وہ بے دام روشنی　　آتی ہے ہر قدم پہ مرے کام روشنی
تاریکیاں نگاہیں بچا کر چلی گئیں　　کرتی تھی غار ثور میں آرام روشنی
اک اک حدیث انؐ کی مٹاتی ہے تیرگی　　آتی ہے زندگی میں بڑے کام روشنی
سب اس کی رحمتیں ہیں فقط اور کچھ نہیں　　ہے میری زندگی میں جو ہر گام روشنی
ہر تیرگی کا ہوتا ہے انجام تیرگی　　اور روشنی کا ہوتا ہے انجام روشنی
طیبہ جو پہنچے نور سے بالکل نہا گئے　　برسا رہے تھے ان پہ در و بام روشنی
تاریکیوں کی ہوتی رہے گی شکست فاش　　اللہ نے لکھی ہے مرے نام روشنی
حجرے میں عائشہؓ کے نہایت سکوں کے ساتھ　　اب حشر تک رہے گی بہ آرام روشنی
نور مجسم آپ ہیں یہ آپؐ کا ہے فیض　　دینے لگے بلالؓ سیہ فام ، روشنی
میری نظر میں گنبدِ خضرا تھا رات بھر　　یاد آ گئی تھی مجھ کو سرِ شام روشنی
یارب حبیبِ پاک کے صدقے میں کر عطا　　راہیؔ کو اس کی نعت کا انعام روشنی

ہم اپنے سے بہتر کی طرف دیکھ رہے ہیں
قطرہ ہیں سمندر کی طرف دیکھ رہے ہیں
حسانؓ تو چادر کی طرف دیکھ رہے ہیں
ہم اپنے مقدر کی طرف دیکھ رہے ہیں
قرآن کے پاروں میں شب و روز یقیناً
ہم سیرتِ اطہرؐ کی طرف دیکھ رہے ہیں
سدرہ سے چلے آگے بصد شوق پیمبرؐ
جبریل امیں پر کی طرف دیکھ رہے ہیں
طائف کے مظالم ہیں تعاقب میں ہمارے
ہم آج بھی پتھر کی طرف دیکھ رہے ہیں
ہم جیسے ہزاروں شعرا حسرتیں لے کر
سرکارؐ کی چادر کی طرف دیکھ رہے ہیں
پیاسے ہیں، لب دم ہیں مگر پہلے پیے کون
سب اپنے برادر کی طرف دیکھ رہے ہیں
معراج کا صدقہ ہے یہ کچھ اور نہیں ہے
ہم جو مہ و اختر کی طرف دیکھ رہے ہیں
ہم نعت سنانے کے لیے آج سر بزم
حسانؓ کے منبر کی طرف دیکھ رہے ہیں

ہے فکر جنھیں منزل فردوس کی راہیؔ
کونین کے رہبرؐ کی طرف دیکھ رہے ہیں

بس ان کے ساتھ گئے روح الامیں تنہا
گئے پھر اس کے آگے رحمت للعالمیںؐ تنہا
نبیؐ کے ذکر کی خوشبو بسالیں اپنے سینے میں
ہمیں رہنا پڑے گا حشر تک زیر زمیں تنہا
سر فاراں کہا او مشرکو ایمان لے آؤ
میں پیغمبرؐ ہوں اس کا جو ہے رب العالمین تنہا
بفیض عشق احمدؐ دل بھی جھکتا ہے عقیدت سے
کبھی جھکتی نہیں سجدے میں مومن کی جبیں تنہا
شب معراج ثابت ہوگئی دونوں کی یکتائی
ہیں ختم المرسلیںؐ تنہا، ہے رب العالمیں تنہا

☆☆☆☆☆

ہمارا جینا مرنا حشر میں مقبول ہوجائے
جو دیں کے کام آجائے حیات مستعار اپنی

☆☆☆☆☆

دل یہ اے فخر بشرؐ! آپؐ سے وابستہ ہے
جیسے ایوبؑ کا گھر آپ سے وابستہ ہے
آپؐ کی ذات تو امی ہے لیکن
علم و دانش کی سحر آپؐ سے وابستہ ہے
مطمئن کیوں نہ رہے پھر مری امید کرم
یہ ادھر رب سے، ادھر آپؐ سے وابستہ ہے
آدمیت کا ہنر آپ نے دنیا کو دیا
آدمیت کا ہنر آپؐ سے وابستہ ہے

ہر گام پہ بارش ہے انوار محمدؐ کی — کیا کہئے ہے کیا عالم، مکے سے مدینے تک
سو بار ہوا ان کا دیدار تصور میں — سو بار گئے ہیں ہم، مکے سے مدینے تک
مشکل ہے مرا چلنا دو ایک قدم راہی — چلنے کا مگر ہے دم، مکے سے مدینے تک

☆☆☆☆☆

لاکھ طوفانِ بلا گذرے ہمارے سر سے — ہاتھ میں دامن محبوب خدا، آج بھی ہے
حکم سرکار دو عالم کی اطاعت کے طفیل — اپنا انداز زمانے سے جدا آج بھی ہے
مرحلہ کوئی بھی ہو سوچنا لازم ہوگا — کیا وہی عشق نبیؐ خوف خدا آج بھی ہے؟
ہم جو محسوس کریں رد عمل اے راہی
کل جو فاراں سے ''اٹھی تھی'' وہ صدا آج بھی ہے!
وہ صورت ہی سے قرآنِ مبیں ہیں — لب انؐ کے جیسے اوراق حسیں ہیں
وہ ہم جیسے بشر تو ہیں یقیناً — مگر ہم لوگ انؐ جیسے نہیں ہیں

☆☆

وقت کو ایسی شکست اب نہ یقیناً ہوگی — طے ہوا لمحوں میں صدیوں کا سفر، آج کی رات
اے زمیں اور سنور اور سنور، اور سنور! — فخر سے اونچا ہوا ہے ترا سر، آج کی رات
مومنوں کے لیے معراج ہے دنیا میں نماز — لائے معراج سے آقاؐ یہ خبر، آج کی رات

☆☆☆☆☆

مسجد بنا رہے ہیں نبی سب کے ساتھ ساتھ — مزدور کی طرح، کبھی معمار کی طرح
دیکھیے شعب ابی طالب کی جانب اک نظر — تربیت گاہوں کا یہ معیار ہونا چاہیے
درود فرض بھی، واجب بھی، مستحب بھی ہے — خیال میں بھی جو آجائیں نام ہائے رسولؐ
دیکھا جو ہم نے دیکھ کے ''اصحابی کالنجوم'' — ہر اک صحابیؓ آئینہ مصطفیٰ ملا
ہم کو عشق نبیؐ کا ساغر اچھا لگتا ہے — نعتیں کہنا اس کو پی کر اچھا لگتا ہے
چپہ چپہ منظر منظر اچھا لگتا ہے — ایک نظر میں کوچۂ سرورؐ اچھا لگتا ہے
شہر نبیؐ دیکھے ہیں بہت ان آنکھوں نے لیکن — سب شہروں سے شہر پیمبر اچھا لگتا ہے
جو خلق نبیؐ کی بلندی کو دیکھا — تو ہر دور کی پستیاں یاد آئیں

نعت کہنے کو کہئے تو لیکن — نعت کی جان عشق نبیؐ ہے
اونچی عمارتیں ہیں پیمبرؐ کو ناپسند — محنت انھیں عزیز ہے کردار کے لیے
نور کے پیکر ہیں، سرتاپا منور آپؐ ہیں — خوب تر سے خوب تر، بہتر سے بہتر آپؐ ہیں
قبل از روزِ ازل جو عرش پر موجود تھا — اور چمک بے مثل تھی جس کی وہ نیر آپؐ ہیں
ہے بوسۂ نبیؐ کا آئینہ سنگِ اسود — بوسہ پہ بوسہ دے کر میرا سلام کہنا
آمد پہ ان کے گائیں نعتیں جنھوں نے دف پر — ان بچیوں کے گھر پر میرا سلام

۳۵۔ رباؔب رشیدی

آپ کا نام سلمان احمد اور والد کا نام حکیم غلام جیلانی اسیؔر (مرحوم) ہے۔ آپ نے شرف تلمذ رشید رام پوری سے حاصل کیا۔ اسی نسبت سے وہ اپنے کو رشیدی کہتے ہیں۔ آپ کی پیدائش شاہجہاں پور میں ۱۰/ جنوری ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔ آپ کا شعری مجموعہ ''ابر سعید'' کے نام سے شائع ہوا جو برصغیر میں کافی مقبول ہوا، نعت سے کافی شغف رکھتے ہیں، مجموعہ میں کافی رباعیات اور نعتیں شامل ہیں۔

نمونۂ کلام:

دھوپ کی شدت میں کیا احساس پیدا ہوگیا — آپؐ کے دامن کو سوچا اور سایا ہوگیا
جب حضورؐ آئے تو دنیا میں اجالا ہوگیا — تیرگی سے رسنے والا زخم اچھا ہوگیا
آگہی آئی تو جذبوں میں طہارت آگئی — شاہدِ فطرت سے دل کا ربط گہرا ہوگیا
کیا رباؔب اس کو سرابوں کے سفر سے واسطہ — جو بھی توفیق خدا سے انؐ کے در کا ہوگیا

۳۶۔ رحمانؔی سیتاپوری:

آپ کا نام حافظ عبدالقیوم اور تخلص رحمانؔی ہے، والد محترم کا نام عبدالخالق ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ آپ حافظ قرآن ہیں۔ آپ کا مستقل پتہ: جوگی ٹولہ ۳۴/۵۴ شہر سیتاپور ہے۔ جہاں وہ مہتمم دارالعلوم غوثیہ رضویہ سیتاپور کے نائب کا کام انجام دے رہے ہیں۔

نمونۂ کلام:

عشق نبیؐ کا سودا سر میں جو بھی بسانے والا ہے
وہ اپنی سونی قسمت کے پھول کھلانے والا ہے

ایک سے بڑھ کر افضل و اشرف آئے جہاں میں کتنے نبی
کون ہے جو سدرہ سے آگے جانے والا ہے
چرچا ہے لوگوں میں چلیے ذکرِ نبیؐ کی محفل میں
حافظ نعت نبیؐ محفل میں آج سنانے والا ہے

۳۷۔ آپ کا نام محمد عبدالرؤف اور تخلص خیر ہے، آپ ۵؍نومبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی سندی لیاقت ایم اے (اردو) ہے، آج کل گورنمنٹ جونیر کالج آرٹس اینڈ کامرس کریم نگر اے پی کے شعبہ اردو میں لکچرار کے عہدے پر فائز ہیں۔ رؤف خیر صاحب کی کئی تصانیف شائع ہوچکی ہیں، جن میں خاص ہیں (۱) ''اقراء'' شاعری مجموعہ ۱۹۷۷ء (۲) ''ایلاف'' شعری مجموعہ ۱۹۸۲ء (۳) ''شہداب'' شعری مجموعہ ۱۹۹۳ء (۴) حیدرآباد کی خانقاہیں'' (نثر) ۱۹۹۴ء (۵) قنطار مضامین (زیرِ طبع) رؤف کا کلام ٹی۔وی پر بھی پیش کیا جاتا ہے اور حیدرآباد سے کلام گاہے گاہے نشر ہوتا رہتا ہے۔ نمونۂ کلام:

سنگ طائف کے بچوں کے ہاتھوں میں تھے آپؐ نے اُف نہ کی
پاؤں نعلین میں خوں سے جم گئے، آپؐ نے اف نہ کی
آپؐ نے باپ کی شکل دیکھی نہیں، وہ یتیمی ملی
دستگیری تو کی صرف اللہ نے، آپؐ نے اف نہ کی
شعب طالب میں جب آپؐ محصور تھے کتنے مجبور تھے
اہل ایماں پر ظلم کیا کیا ہوئے، آپؐ نے اف نہ کی
مومنوں سے ذرا سی جو غفلت ہوئی جنگ مہنگی پڑی
کتنے دنداں شکن تھے وہی مرحلے، آپؐ نے اف نہ کی
خیرؔ اپنا عقیدہ ہے بالکل یہی عبدہ تھے نبیؐ
آزمائش میں تو آپ اترے کھرے، آپؐ نے اف نہ کی

۳۸۔ رؤف صادق:

نام عبدالرؤف ولدیت شیخ رحیم اور قلمی نام رؤف صادق ہے۔ آپ کی پیدائش ۵؍مئی ۱۹۵۴ء کو ضلع بیڑ مہاراشٹر (سابق حیدرآباد دکن) میں ہوئی آپ نے میٹرک تک

تعلیم حاصل کی اور پینٹری کا پیشہ اختیار کیا۔ رؤف صاحب نے اسرار شاہق بجنوری سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ آپ کے مضامین اور شعری تخلیقات ہندوستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

یہ آسماں، ستارے، زمیں، جھیل آپؐ سے ہے ساری کائنات کی تشکیل آپؐ سے
قرآن اور حدیث دنیا کو مل گئی ایک مقصد حیات کی تفصیل، آپؐ سے
دنیا کا اک خزانہ معنی ہے نا تمام مفہوم زندگی کی ہے ترسیل، آپؐ سے
اک مصحف حیات کو کردار مل گیا اک زندگی کی ہوگئی تکمیل، آپؐ سے

۳۹۔ رہبرؔ لکھنوی

نام ذوالنورین اور تخلص رہبرؔ ہے۔ والد کا نام حاجی رحیم (مرحوم) ہے، مستقل سکونت چکمنڈی لکھنؤ میں ہے۔ چند برسوں سے عارضی طور پر کاشانہ وسیم، حیدر مرزا روڈ، مولوی گنج، لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں، ذوالنورین کی پیدائش لکھنؤ میں ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ پیشہ کے اعتبار سے تاجر ہیں اور لیڈیز سینڈلوں کا کارخانہ ہے۔

شاعری کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ہوا، ان کے بڑے بھائی خنجرؔ لکھنوی مولانا افقر موہانی کے شاگرد تھے اور اچھے شاعروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ذوالنورین رہبرؔ لکھنوی کو اپنے گھرانے میں شعروشاعری کا سازگار ماحول ملا۔ طبیعت میں موزونیت تھی۔ اس لیے حدیث دل کے لیے صنفِ سخن کو جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا، ذوالنورین بہت زود گو شاعر ہیں، اور خالص غزل کے اشعار کہتے ہیں۔ جس کے ہر شعر میں بھرپور تغزل ملتا ہے۔ مذہبی ماحول اور دینی کتابوں کے مطالعہ کی وجہ سے دینی معلومات بہت وسیع ہے، نبی کریمؐ اور صحابۂ کرامؓ سے کافی عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کی نعت میں منقبت اصحابؓ کے اشعار ملتے ہیں۔ طرح وغیر طرحی بہاریہ اور نعتیہ مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ وہ لکھنؤ کے باہر کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ ان کو میرؔ اکادمی لکھنؤ سے ''نشان میرؔ'' کا ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

تکلم میں حیات جاوداں معلوم ہوتی ہے
زبان مصطفیٰؐ رب کی زباں معلوم ہوتی ہے

مدینہ مخزنِ انوار توحید و رسالتؐ ہے
وہاں رحمت ہی رحمت ضو فشاں معلوم ہوتی ہے
مدینے جانے والوں کی توانائی ذرا دیکھو
یہ نسبت کارواں در کارواں معلوم ہوتی ہے
وہاں کوئی بھی شورش پاؤں پھیلانے نہیں پاتی
مدینے کی زمیں دارالاماں معلوم ہوتی ہے

۴۰۔ زاہد چشتی اجمیری:

اصلی نام سید زین الزاہدین اور تخلص زاہدؔ ہے ۱۳۲۶ھ ہجری میں ولادت ہوئی، ۱۹۶۶ء آپ کا سنہ وفات ہے۔ آپ کو شرف تلمذ سید زین الکاملین چشتی کاملؔ مرحوم سے حاصل تھا، مولوی زاہد چشتی، دارالعلوم معینیہ عثمانی میں مدرس تھے اور حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلیفہ تھے، نہایت خلیق اور ملنسار تھے اور جمعیت خدام خواجہ سے وابستگی رکھتے تھے۔

نمونۂ کلام:

مئے حب نبیؐ ساقی پلا دے جتنی لایا ہو
میں وہ میکش ہوں پی جاؤں اگر کوزہ میں دریا ہو
وہ امت کے لیے محشر میں شہ سے حق کا فرمانا
انھیں لے جاؤ جنت میں کھڑے تم سوچتے کیا ہو؟
یہ کیوں میدان محشر میں نیا ایک حشر برپا ہے
کہیں دیوانۂ زلفِ شہِ والا نہ مچلا ہو

۴۱۔ الحاج ساغرؔ لکھیم پوری:

نام منظور حسین خاں تخلص ساغرؔ ہے، عمر تقریباً ۶۵ سال اور طبابت آپ کا پیشہ ہے۔ شعرو شاعری کا شوق بچپن ہی سے ملا تھا اور یہ مشاعرے سننے جایا کرتے تھے، خود بھی غزلیں کہنے لگے انھیں حکیم سید عبدالرحیم افگرؔ لکھنوی اور اثیمؔ خیر آبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۷۲ء تک صرف غزلیں ہی کہتے رہے، ۱۹۷۲ء ہی میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا، وہیں سے ان کا ذہن بدل گیا اب صرف نعت پاکؐ ہی کہتے ہیں اور ۲۳ر دسمبر کو ہر سال پابندی سے طرحی نعتیہ مشاعرہ یادگار حج کے طور پر کرتے ہیں، جس میں مقامی و بیرونی شعرا ہوتے ہیں۔ ساغرؔ صاحب کا نعتیہ مجموعہ کلام ''ساغر حرم'' بڑے اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے، الحاج منظور حسین خاں ساغر لکھیم پوری اپنی خصوصیات میں منفرد ہیں۔ آپ دین دار، مہمان نواز، حکیم اور شاعر ہیں آپ کی شاعری کا اصل

مقصد نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دلوں میں پیدا کرنا ہے۔آپ کا مطب اہل علم کا مرکز معلوم ہوتا ہے۔

اپنی بہنوں، بیٹیوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں:

جوعورت عمر بھر چلتی رہی راہِ شریعت پر رسول پاکؐ کا فرمان ہے وہ جنتی ہوگئی

نمونہ کلام:

ترے محبوبؐ کی امت پریشاں ہے زمانے میں کرم کی اک نظر کردے مرے پروردگار اپنی
رسولؐ پاک کا دربار وہ دربار عالی ہے جہاں آ کر جھکا تا ہے جبیں ہر تاجدار اپنی
حدیث پاک ہے دل میں کجی ہوجائے گی پیدا اگر سیدھی نہ رکھو گے نمازوں میں قطار اپنی
محمد مصطفٰی صلی علٰی کا سر ہے زانو پر اور آنکھیں نم کیے بیٹھا ہوا ہے یارؓ غار اپنی
کلام پاک سن کر اپنا انداز جفا بدلا عمرؓ ایمان لائے رکھ کے تیغ آبدار اپنی
کہا یہ حضرت عثمانؓ نے طیبہ نہ چھوڑوں گا یہیں رہ کر کروں گا میں نبیؐ پر جاں نثار اپنی
درِ خیبر گرا، دل کانپ اٹھے اہل خیبر کے اٹھائی حیدرؓ کرار نے جب ذوالفقار اپنی

قطعہ

مریض ہجر کا اتنا پیام کہہ دینا
تڑپ رہا ہے کوئی تشنہ کام کہہ دینا
جو کچھ نہ کہنا تو روضہ کی چوم کر جالی
صبا حضورؐ سے میرا سلام کہہ دینا

☆☆☆☆☆

رب سے یہی دعا ہو یہی التماس ہو پرواز روح روضہ اقدسؐ کے پاس ہو
ساغؔر سے روسیا کو بھی اذنِ حاضری وہ بھی قریب اتنا کہ جالی کے پاس ہو

۳۲۔ سراج احمد قمر فتح پوری:

نام سراج احمد قمر ہے قمؔر تخلص ہے حج بیت اللہ کی نسبت سے الحاج سراج قمؔر فتح پوری کے نام سے مشہور تھے، ان کی ولادت ۲۵/ مارچ ۱۹۳۷ء میں قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی میں ہوئی اور ایک دردناک حاثہ کے نتیجہ میں ۱۶/ ستمبر ۱۹۹۲ء کو وفات ہوگئی، کئی دینی، سماجی اور ادبی تنظیموں

سے وابستہ رہے، بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے سرگرم رکن اور اس کی بارہ بنکی شاخ کے سربراہ تھے، اور اس ضمن میں آپ نے ملت کی اہم خدمات انجام دیں، مولانا سراج احمد قمرؔ فتح پوری کہنہ مشق شاعر تھے۔ بہار یہ غزل کے ساتھ نعت بھی خوب کہتے تھے۔ نعتیہ کلام میں مکان کے ساتھ ساتھ مکیں کی تعریف کے قائل تھے۔

نمونۂ کلام:

به حسن عقیدت یہ ہم چاہتے ہیں　　نگاہ شفیع الامم ؐ چاہتے ہیں
بہ فیضان خیر الرسل یا الٰہی!　　دم نزع تیرا کرم چاہتے ہیں
طریق نبیؐ سے الگ راہ کوئی　　خدا چاہتا ہے نہ ہم چاہتے ہیں
منظّم ہوں عالم کے سارے مسلماں　　یہ آقاؐ خدا کی قسم چاہتے ہیں
نبیؐ کے وسیلے سے وحدت کی صہبا　　قمرؔ پے بہ پے دم بہ دم چاہتے ہیں

۴۳۔ سعید رحمانی

آپ کا نام سعید ہے اول بدرؔ تخلص اختیار کیا۔ اب ادبی دنیا میں سعید رحمانی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۲۵/جون ۱۹۳۸ء ہے۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شعر و شاعری سے کیا۔ ابتدا میں مولانا برکت اللہ برکتؔ اور حضرت نجمیؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا اس کے بعد پروفیسر منظر حسن منظرؔ اور ساجد آثرؔ صاحب نے رہنمائی کی۔

سعیدؔ صاحب اڑیسہ کے اردو علاقے میں معدودے چند ساتھیوں کے ساتھ اردو کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ ''روشن عبارت'' سعیدؔ رحمانی کی نعتوں، منقبتوں، غزلوں، نظموں کا پہلا مجموعۂ کلام ہے۔ ان کی نعت گوئی کا کمال ان کے جذبۂ عقیدت کا ثمرہ ہے، ان کی نعتوں میں لطافت احساس، طہارت فکر، ادبی شان اکثر اشعار سے مترشح ہے۔

شاعری کے علاوہ کامیاب مترجم اور فری لانسر صحافی کی حیثیت سے بھی مختلف اخبارات میں آپ کے سیاسی و معاشرتی نوعیت کے مضامین چھپتے رہتے ہیں، ماہنامہ ''صدائے اڑیسہ'' اور ہفتہ وار ''سہارا'' کے حلقۂ ادارت سے بھی وابستگی ہے، موصوف کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں مسلم یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن (MYCA) نے مولانا اطہر

علی ایوارڈ سے نوازا۔ آپ کے کلام میں عقیدت مندی کا تقدس نمایاں ہے۔

سعید رحمانی کی نعتوں میں پاکیز گی کا عنصر بھی ہے اور عقیدت و محبت کی چاشنی بھی۔ آج کی شگفتہ غزل کاری کے ہنر کے ساتھ نعت کہنا بھی ایک فن ہے اور اس فن میں سعید رحمانی کافی حد تک کامیاب ہیں۔

نمونۂ کلام:

آنکھ طیبہ کے در و بام کا منظر چاہے
روبرو جلوہ نما روضۂ اطہرؐ چاہے

ہر گلی کوچہ مدینے کا ہے فردوس نظر
اس کو آنکھوں میں بسانا دلِ مضطر چاہے

آنچ دیتی ہے مصائب کی تمازت ہر دم
وقت پھر آپ کے الطاف کی چادر چاہے

منتظر آنکھ ہے باران کرم کی آقاؐ
پیاس صحرا کی عنایت کا سمندر چاہے

دشمن دیں کی ہے یلغار حریم دل پر
آج ہر شخص ابابیلوں کا لشکر چاہے

سنگ امروز کی بارش ہے رسول اکرمؐ
میری امید مرے حال کو بہت چاہے

نعت گوئی سے سعید اپنی زباں ہے قاصر
ان کی تعریف تو الفاظ کا دفتر چاہے

☆☆☆☆☆

نبیؐ کا نام لیتے ہی ستارے اوج پر ہوں گے
مری نظروں میں طیبہ کے چمکتے بام و در ہوں گے

یہ مانا زرد موسم کا تسلط ہے ابھی لیکن
انہی کی چشمِ رحمت سے ہرے برگ و شجر ہوں گے

دعائیں عرش اعظم تک پہنچ کر دستکیں دیں گی
درودوں کے پرندے جب ہمارے نامہ بر ہوں گے

خیال مصطفیٰؐ میرے لیے راحت کا ساماں ہے
علاج دردِ دل ہے، ہر پریشانی کا درماں ہے

رخ روشن، زباں شیریں، ادائے دلبری ان کی
کبھی تاروں میں، شبنم میں، کبھی گل میں نمایاں ہے

دیا ہے آپؐ نے انسانیت کا درس لافانی
معطر اس کی خوشبو سے زمانے کا گلستاں ہے

زمانہ انؐ کی عظمت کا ہمیشہ ہی رہا قائل
سراپائے محمدؐ حاصل تفسیر قرآں ہے

شعور حق شناسی اے سعید ان سے ملا ہم کو
انہی کی ذات سے روشن چراغ بزم امکاں ہے

☆☆☆☆☆

۴۴۔ ڈاکٹر سعید عارفی

ڈاکٹر سعید عارفی کا اصل نام قاضی سعید الظفر عباسی ہے، ادبی دنیا میں سعید عارفی

کے نام سے معروف ہیں۔ ۷؍جولائی ۱۹۴۹ء کو بلیا یوپی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، تعلیمی مراحل اسلامیہ کالج الٰہ آباد، شبلی کالج اعظم گڑھ اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں طے کیے، الٰہ آباد یونیورسٹی سے ''پریم چند کے ناولوں اور کہانیوں پر گاندھیائی اثرات'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج الٰہ آباد اور مراد آباد سے وابستہ رہے۔ ۱۹۸۰ء سے کسان پوسٹ گریجویٹ کالج بہرائچ یوپی میں صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر سعید عارفی کو شاعری وراثت میں ملی ہے۔ ان کے والد محترم حضرت عارف عباسی جانشین جگر کا شمار اردو کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے، سعید عارفی کی ادبی زندگی کا آغاز کم عمری میں ہوا، وہ ۱۹۷۰ء سے باقاعدہ لکھ رہے ہیں اور اسی وقت سے ان کا کلام ہندو پاک کے بلند پایہ علمی جرائد میں برابر شائع ہو رہا ہے۔

گزشتہ ربع صدی میں جو شعرا آسمان شعر و ادب پر ستارے بن کر چمکے ان میں سعید عارفی کی تابانی لازوال ہے۔ نظم نگاری اور غزل گوئی میں ارباب نقد و انتقاد کو اپنی انفرادیت محسوس کرا دینا ان کا کارنامہ ہے۔

سعید عارفی کی نعت گوئی اردو کے معاصر نعتیہ ادب میں ایک مخصوص مقام کی حامل ہے۔ الوہیت و نبوت کی مقام شناسی، ذات گرامی رسولؐ سے ان کی قابل رشک گرویدگی، نئے اسالیب میں اس کا اظہار، موسم و راہ عام سے گریز اور عامیانہ و سطحی انداز بیان سے پرہیز نے ان کی نعتیہ شاعری کو وہ مقام عطا کر دیا ہے جس کی مثال موجودہ نعت گو شعرا میں مفقود ہے، ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تعلق عامیانہ نہیں عاشقانہ ہے، ان کا اسلوب سخن مولویانہ نہیں محققانہ ہے، عظیم ترین انسان سے نسبت نے ان کے کلام کو عظمت جاوید عطا کر دی ہے۔

ملک کے مختلف علمی، ادبی اداوں اور اکاڈمیوں سے وابستہ ہیں، ریڈیو اور دوردرشن سے برابر پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں، بے شمار بڑے مشاعروں اور علمی و ادبی تقریبات کا اہتمام کر چکے ہیں اور ملک میں ہونے والے مشاعروں، علمی و ادبی سیمناروں، تقریبات میں برابر شریک ہوتے رہتے ہیں۔

ادیوگ ویاپار منڈل بہرائچ اور ضلع مجسٹریٹ کی جانب سے ''سارسوت سمان'' عطا کیا

گیا۔۴؍مارچ ۱۹۹۲ءکو اکھل بھارتیہ ہندی ودھی پرتشٹھان کی جانب سے ’’سارسوت سمان‘‘ عطا کیا۔۱۸؍ستمبر ۱۹۹۳ءکو ہندی ’’وشا‘‘ ادبی سنستھان، تلسی پور، گونڈہ کی جانب سے ’’سند اعزاز‘‘ عطا کی گئی ،۱۹۹۳ء میں ساہتیہ پردیش اتر پردیش کی جانب سے ’’کاویہ شری‘‘ کا اعزاز عطا کیا گیا۔(۳۱؍اپریل ۱۹۹۴ء)

نہیں ہے کچھ بھی کٹھن اب سفر مدینے تک
گئی ہے دل سے مرے وہ گزر مدینے تک

قدم قدم ہے گھنی چھاؤں ہر مسافر پر
لگے ہوئے ہیں کرم کے شجر مدینے تک

مری حیات کا حاصل وہی سفر ہوگا
پہنچ سکوں گا کبھی میں اگر مدینے تک

جدھر سے ہوکے وہ ہجرت کے وقت گزرے تھے
مہک رہے ہیں وہ رستے وہ گھر مدینے تک

☆☆☆☆☆

حروف پھول سے مہکیں بیاں سے خوشبو آئے
نبی کا ذکر کروں تو زباں سے خوشبو آئے

اگر زیارت طیبہ کا قصد ہو دل میں
تو مشک وگل کی طرح کارواں سے خوشبو آئے

وہ جسم جس کی ضیاء سے زمانہ روشن ہے
وہ ذات جس کے قدم کے نشاں سے خوشبو آئے

مرے نبیؐ کی بدولت اسی زمیں پہ ہے
اک ایسا شہر جہاں ہر مکاں سے خوشبو آئے

نثار نام پہ ان کے ہیں نکہتیں ساری
جہاں پہ ذکر ہو ان کا وہاں سے خوشبو آئے

پڑھوں درود تو محسوس ہو کہ میری طرف
سمٹ سمٹ کے ہر اک گلستاں سے خوشبو آئے

سعیدؔ نعت نبیؐ یوں تو سب ہی لکھتے ہیں
مزہ تو جب ہے قلم کی زباں سے خوشبو آئے

☆☆☆☆☆

نام احمدؐ کو میں کونین کی دولت لکھوں
دل کی دھڑکن کو اسی نام کی برکت لکھوں

خشک دھرتی پہ ترا ابر کرم یوں برسا
تشنہ کاموں کے لیے سیلِ عنایت لکھوں

خلق ،تہذیب ، ہنر، مہر و عطا ، دلداری
سب کو یکجا جو کروں پیکر رحمت لکھوں

یوں تو خوشبو کا کوئی شہر نہ مرکز ، نہ مکاں
پھول مہکیں تو اسی جسم کی نکہت لکھوں

گھپ اندھیرا ہے کوئی اور نہ جادہ، نہ نشاں
آپؐ کی راہ کو بس راہِ ہدایت لکھوں

۴۵۔سعیدؔ لکھنوی:

محمد سعید قریشی جو سعیدؔ لکھنوی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ان کی عمر تقریباً

چالیس برس ہے، لکھنؤ کی اکثر شعری نشستوں اور نعتیہ مشاعروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں پہلی بار بزم شمس لکھنوی کے طرحی مشاعرہ میں جلوہ گر ہوئے، بزم صفی لکھنوی کے روح رواں مستند اور معتبر غزل گو شاعر عبدالستار خاں بیدل مراد آبادی سے شرف تلمذ حاصل ہوا، بیدل مراد آبادی سے انھوں نے شعر و شاعری کا فن سیکھا لیکن اب وہ اصلاح سخن کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ۱۹۹۸ء میں بزم انوار ادب سلون (رائے بریلی) کے کل ہند تحریری طرحی انعامی مقابلہ نعت میں خصوصی انعام سند کی صورت میں حاصل کیا، زیارت حرمین شریفین کی سعادت انھیں حاصل ہو چکی ہے، مشین ایمبرا ڈری کے ماہر کاریگر ہیں اور یہی ذریعہ معاش ہے، نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اسی جذبہ سے نعت و منقبت کہتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

کہتے ہیں جن کو شمع رسالت صل اللہ علیہ وسلم
ختم ہوئی ہے ان پہ نبوت صل اللہ علیہ وسلم
مسجد اقصیٰ میں شب اسرا سارے نبیوں نے فرمایا
آپؐ کریں آج امامت صل اللہ علیہ وسلم
جب تک قائم ہے یہ دنیا آپؐ کا نام پاکؐ رہے گا
اور پڑھے گی آپؐ کی امت صل اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

ہر اک سے پیار محبت سے پیش آئے رسولؐ اسی لیے تو زمانے کے دل پہ چھائے رسولؐ
بلا کے عرش پہ بخشی ہے دولتِ معراج خدا کو ایسی پسند آئی ہے ادائے رسولؐ

۴۶۔ سید عبدالباری معنیؔ:

نام مولانا خواجہ عبدالباری تخلص معنیؔ سنہ ولادت ۱۳۲۰ھ اور سنہ وفات ۱۹۵۲ء ہے آپ نے فارسی، عربی، اردو کی تعلیم فرنگی محل لکھنؤ میں حاصل کی تھی، آپ کو خواجہ سید مولانا عبدالمعبود چشتی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

آپ کے دور میں ادبی سرگرمیاں بعد از تقسیم وطن و قبل از تقسیم آسمان عروج کو چھو رہی تھیں، آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، آپ کے متعدد شاگرد ہیں آپ کے دم سے اجمیر

میں ادبی ذوق نا قابل بیان رہا آپ نے دارالاشاعت معینیہ لٹریری سوسائٹی قائم کی اور اخبار آستانہ جاری کیا آپ کے فیض سخن سے بہت بڑا حلقہ مستفیض ہوا ہے۔

نمونۂ کلام:

جو بیاں کروں تو زباں کہاں جو زباں بھی ہو تو بیاں کہاں
کہ بلند از حدِ گفتگو ہے خیال خاتم الانبیاء
بخدا کلام شہ عرب ہے در اصل عین کلام رب
جو خیال حق ہے وہ ہو بہو ہے خیال خاتم الانبیاء
مجھے کیا؟ سحر ہے کہ شام ہے مجھے اپنے کام سے کام ہے
مرے دل میں معنی نکتہ جو ہے خیالِ خاتم الانبیاء

۴۷۔ شاغل ادیب

نام شیخ وزیر الدین احمد قلمی نام شاغل ادیب اور تاریخ پیدائش ۲۶/ جون ۱۹۳۴ء ہے،آپ کی پیدائش مہاراشٹر کے مقبول ترین شہر شولا پور میں ہوئی ، ابتدائی تعلیم شولا پور میں حاصل کی ، ایس ایس سی بورد پونے سے میٹرک کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اے اور کولھاپور یونیورسٹی سے ایم اے بھی فرسٹ کلاس میں پاس کیا۔آج کل جنوب وسطی ریلوے اکاؤنٹس میں سینئر سیکشن آفیسر اکاؤنٹس کے عہدے پر فائز ہیں،شاغل ادیب صاحب کی تخلیقات وقتاً فوقتاً مختلف اخبار ورسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں،نظم،غزل، رباعی ،قطعہ،حمد،نعت،منقبت،سلام اور مرثیہ غرض ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے،ان کی نعتوں کا مجموعہ ''ذکر اعظم'' جو۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا،مغربی بنگال اردو اکاڈمی سے ایوارڈ یافتہ ہے،دوسری تصانیف میں منقبتوں کا مجموعہ ''دربار کرم'' بے حد مقبول ہوا ، ''دکھوں کا سمندر اور سکھوں کا جزیرہ'' زیر ترتیب ہیں،جو کہ شعری مجموعے ہیں دوسری تخلیقات ''حروف تابندہ'' (نثری مضامین کا مجموعہ) ''ادب میں دھاندلیاں'' (ادبی مضامین کا مجموعہ ''لکیریں'' (ڈراموں کا مجموعہ) ''جام ودشنام'' (ادبی لطیفوں کا مجموعہ) ہیں۔

اپنی شعری وادبی مصروفیات کے علاوہ حیدرآباد وسکندرآباد کی ان گنت ادبی انجمنوں کے روح رواں ہیں۔جن میں ''نیرنگ ادب'' ''بزم اردو'' (ریلویز) ''کاروان ادب''،

''بزم خلوص''، ''بزم اردو''، ''بزم اشرف'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نمونہ کلام:

خلوص دل میں ، لبوں پر سدا دعا رکھنا
سلوک غیروں سے مانند مصطفیٰ رکھنا

جہاں کہیں بھی چلے ذکر محسن اعظمؐ
سروں کو اپنے ادب سے وہاں جھکا رکھنا

ہر ایک ذرہ طیبہ ہے گوہر نایاب
ہر ایک ذرہ طیبہ سے دل سجا رکھنا

جو موت آئے تو شغلؔ کو آئے طیبہ میں
مرے خدا تو بھرم اس کی آس کا رکھنا

۴۸۔ شاہقؔ بجنوری:

آپ کا نام اسرار احمد ہے لیکن شاہقؔ بجنوری کے قلمی نام سے مشہور ہیں۔آپ کی ولادت ۳؍نومبر ۱۹۴۹ء کو بروز جمعرات ، بہ مقام ضلع بجنور (یوپی) میں ہوئی۔ باقاعدہ تعلیم چھٹی جماعت تک حاصل ہوئی لیکن مطالعہ بہت وسیع ہے ، فارسی اور اردو زبان میں ذاتی مطالعہ سے کافی اچھی مہارت حاصل کرلی ہے،علامہ اقبالؔ ان کے پسندیدہ شاعر ہیں،شاہقؔ بجنوری نے غزل کو وسیلۂ اظہار بنایا ہے کبھی کبھی نعتیہ غزل بھی کہتے ہیں۔۱۳ برس کی عمر سے شعر و شاعری کا شوق ہے ،لکھنؤ میں قیام کے زمانے میں شاہق بجنوری نے الحاج راہیؔ پرتاپ گڑھی سے شرف تلمذ حاصل کیا لیکن اب ان کے خود کئی شاگرد ہیں ،شاہقؔ بجنوری کو ادبی وتنقیدی مضامیں لکھنے کا بھی شوق ہے، بہار یہ غزل ہو یا نعتیہ غزل بہت مضبوط شعر کہتے ہیں،فن عروض پر ان کی اچھی دسترس ہے، وہ روایتی شاعری سے گریز کرتے ہیں ان کے کلام میں بلا کی ندرت اور جدت پائی جاتی ہے ، اور قدیم و جدید شاعری کا بہت حسین امتزاج ملتا ہے،نعتیہ غزل دل کی گہرائیوں سے کہتے ہیں، اسرار شاہقؔ بجنوری کا کئی برس سے بمبئی میں قیام ہے۔اردو ادب میں انھوں نے اپنی الگ پہچان بنا رکھی ہے، وہ معیاری ادبی رسالوں میں چھپنا پسند کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

نام احمد برتر از اندیشۂ سود و زیاں
مخزن اسرار و حکمت ، کاشف سر نہاں

کس قدر پر کیف شب تھی، وہ شب معراج بھی
اک بشر مہمان تھا اور قدرت حق میزباں

آپ ہی کا تو کرم ہے رحمت للعالمیںؐ
ہم گنہگاروں کا دنیا میں ٹھکانا تھا کہاں؟

اک نظر میری طرف بھی رحمت ہر دو جہاںؐ　　آپؐ ہی کا امتی ہوں مجھ پر بھی کیجیے کرم

۴۹۔ شفیعؔ سیتاپوری:

آپ کا نام محمد شفیع قلمی نام شفیعؔ سیتاپوری ہے، والد کا نام سالار بخت سلار د ہے، آپ کا وطن سیتاپور ہے جہاں ۵/دسمبر ۱۹۳۹ء کو موضع نوا، پوسٹ سعادت نگر، ضلع سیتاپور (یوپی) میں پیدا ہوئے، موصوف نے ایم اے (انگلش، تاریخ، اردو) کی ڈگریاں حاصل کیں اور بی ایڈ، آیورویدرتن، ایل ایل بی کی ڈگریاں بھی حاصل کیں اس کے علاوہ اردو کے ریسرچ اسکالر بھی ہیں، آج کل اسلامیہ انٹر کالج لکھیم پور (یوپی) میں درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں، اب سبکدوش ہوگئے ہیں۔ آپ کو کہنہ مشق نعت گو شاعر الحاج منظور حسین خاں ساغرؔ لکھیم پوری سے شرف تلمذ حاصل ہے، ان کی دو تصانیف ''شگفتہ زخم'' (غزل، نظم ۱۹۹۲ء) اور دوسرا مجموعہ کلام ''اشک عقیدت'' (حمد و نعت ۱۹۹۵ء) شائع ہوچکی ہیں۔

شفیعؔ سیتاپوری صاحب حمد و نعت، غزل، قطعات اور نظمیں بھی لکھتے ہیں ان کا کلام عامیانہ اور روایتی مضامین سے گریز کرتے ہوئے اعلیٰ اخلاق و کردار کی ترجمانی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے، ان کی شاعری میں آورد بھی آمد کا مزا دیتا ہے۔

نمونہ کلام:

کاش ایسا کوئی الزام مرے سر آئے　　قید کرکے درِ سرکار پہ رکھا جاؤں

☆☆☆☆☆

مری آنکھوں میں یارب کھینچ دے نقشہ مدینے کا　　مرے دل کو بنا دے سرور عالم کا شیدائی

☆☆☆☆☆

آپؐ ہی سے دین اور ایمان کے زیور ملے　　آپ سے دنیا نے پایا پیرہن اخلاق کا

☆☆☆☆☆

جن کو نفرت تھی نبیؐ کے نام سے　　مانتے تھے وہ بھی صادق اور امین

☆☆☆☆☆

الٰہی تری رحمت کی وہاں چادر تنی ہوگی　　جہاں ذکر رسول پاکؐ کی محفل سجی ہوگی
شہ کونین پر قربان ہوکر شق ہوا ہوگا　　قمر کی سمت جب سرکارؐ کی انگلی اٹھی ہوگی

حلیمہ ناز کرتی ہوگی اپنی خوش نصیبی پر — مرے سرکار کا جب روئے انور دیکھتی ہوگی
کفر والحاد و جہالت کی اندھیری شب میں — شمع توحید لیے دین کے رہبر آئے
کردیا ختم نبوت کو خدا نے ان پر — غیر ممکن ہے کہ اب کوئی پیمبر آئے
ابن نمرود ہیں پھر آج ستم کے در پے — اے خدا ان کے لیے بھی کوئی مچھر آئے

سدرہ سے آگے تک جانا سب کے بس کی بات نہیں
عرش معلٰی دیکھ کے آنا سب کے بس کی بات نہیں
چاند کے ٹکڑے کرکے دکھانا سب کے بس کی بات نہیں
کنکریوں کو کلمہ پڑھانا سب کے بس کی بات نہیں
رحمت عالم کے دیوانے ہی ایسا کرسکتے ہیں
ورنہ خوشی سے جان گنوانا سب کے بس کی بات نہیں
بدر، احد ، خندق، خیبر، کی جنگیں اس کی شاہد ہیں
کفر کے طوفاں سے ٹکرانا سب کے بس کی بات نہیں

۵۰۔ شیداؔ لکھیم پوری

آپ کا نام محمد علی ہے لیکن اپنے تخلص شیداؔ کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے کہ اصل اسم گرامی اکثر لوگوں کو معلوم نہیں۔تقریباً ۴۰ سال سے شاعری کررہے ہیں۔آپ کو زمانۂ تعلیم کی ابتدا ہی سے مشاعروں میں جانے اور کلام سننے کا شوق رہا ہے، اس کے بعد خود بھی شعر کہہ کر جناب یار صاحب سے اصلاح لینے لگے۔ بسلسلہ تجارت فتح پور بارہ بنکی میں کافی عرصہ تک قیام کیا، وہاں بھی سلسلۂ شعر وشاعری جاری رکھا اور باقاعدہ جگرؔ بسوانی صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا ۱۹۵۲ء میں جب اپنے وطن واپس آئے تو جگر صاحب تک رسائی آسان نہیں رہی اور یارؔ صاحب ہجرت کرکے پاکستان چلے گئے تو جناب اخگرؔ لکھنوی (مرحوم) سے اصلاح سخن لینے لگے۔

آپ نے ہر صنف سخن میں مثلاً غزل، نظم، قطعات، سہرا، نعت گوئی اور منقبت وغیرہ پر طبع آزمائی کی۔''دھڑکنوں کا سفر'' (غزلوں کا مجموعہ) اور ''حرف منور'' (نعتیہ مجموعہ) دو مجموعے شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں، وہ اشعار دل کی گہرائیوں سے فنی التزام کے ساتھ

کہتے ہیں اور ان کے کلام میں بلا کی آمد ہے۔

نمونۂ کلام:

گل کی خوشبو ہے چمن میں نہ کلی کی خوشبو — چار سو پھیلی ہے گیسوئے نبیؐ کی خوشبو
ہو سکے تجھ سے تو اے باد صبا لیتی جا — در ساقی پہ مری تشنہ لبی کی خوشبو
خاک طیبہ ہے اسے میرے کفن میں رکھنا — اس میں اتنی ہے کف پائے نبیؐ کی خوشبو
علم و حکمت سے مہکنے لگا سارا عالم — پھیلی جب گلشن امی لقبی کی خوشبو
میں تو عامی ہوں، سبھی ڈھونڈتے پھرتے ہوں گے — عرصۂ حشر میں دامان نبیؐ کی خوشبو
ایک اک شعر میں پنہاں ہے محبت شیدؔا — تیرے ہر شعر میں ہے عشق نبیؐ کی خوشبو

☆☆☆☆☆

راہ سرکار دو عالمؐ پہ نہ چلنا آیا — ورنہ ہم سارے زمانے پہ حکومت کرتے
دل میں ارماں ہے کہ اک روز مدینے جا کر — ہم بھی سرکارؐ کے روضہ کی زیارت کرتے

۵۱۔ صغریٰ عالم

صغریٰ عالم کا وطن گلبرگہ شریف ہے اور ان کو ریشمی احساسات والی اپنے وطن کی شاعرۂ اول ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ کو ایم اے، پی ایچ ڈی ہونے کا فخر حاصل ہے اور تدریسی فرائض انجام دے رہی ہیں۔ آپ نے ''پروفیسر عنوان چشتی اور ان کی ادبی خدمات'' پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو، ٹی وی، ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ شعری مجموعہ ''حیطۂ صدف'' شائع ہو چکا ہے ''بیت الحروف'' زیر اشاعت ہے ''کیف میزان'' اور عروض پر ایک کتاب زیر ترتیب ہے، نعت و منقبت کے ذریعہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے میں انھیں مسرت محسوس ہوتی ہے، عالم بلڈنگ، شاہ بازار گلبرگہ میں صغریٰ عالم کی سکونت ہے۔ نمونۂ کلام:

خدا جو بخش دے مجکو کروں شمس و قمر صدقے — نہیں میری، مگر یہ کائنات بحر و بر صدقے
نزول پاک قرآں کا ہوا اقراء کی صورت سے — مرے امی لقبؐ کے نام پر علم و ہنر صدقے
نہیں محلات میرے اور نہ ہوں میں محتشم صغریٰؔ — مگر یہ جسم و جان و دل، کردوں یہ دست و سر صدقے

☆☆☆☆☆

رسول ہاشمیؐ کے واسطے ساری خدائی ہے　　یہ معراج نبوت ہے یہ شان مصطفائی ہے
وہی حسن و جمالِ مادری ہے آپ میں پنہاں　　جمالِ مصطفائی بھی برنگ آمنائی ہے
ہماری آرزو پوری ہوئی آخر یہاں صغریٰ　　یہ شان کبریائی ہے یہ فیض مجتبائی ہے

۵۲۔ ضیاءقادری:

نام ضیاء قادری اور تخلص ضیاء وطن اجمیر (راجستھان) ہے۔ ان کے والد کا نام، محمد امام الدین قادری اجمیری ہے۔ شاعر بارگاہ خواجہ فدا ملک سید محمود علی عرشیؔ اجمیری سے ضیاء قادری کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ ''سہارا انڈیا'' کے کنٹرولر ہیں اور اسی باعث بہت مصروف رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اردو ادب کی خدمت کا وقت نکال لیتے ہیں اور کبھی کبھی بڑے مشاعروں میں پڑھنے کے لیے بھی مجبور کر دیا جاتا ہے، ضیاء قادری صاحب کی زیر نگرانی پہلے کامیابی کے ساتھ ماہانہ ''راشٹریہ سہارا'' اردو زبان میں نکلا۔ پھر اسے ہفتہ روزہ کر دیا گیا، اب انھیں کی سرپرستی میں ''راشٹریہ سہارا'' اردو روزنامہ کی صورت میں لکھنؤ اور دہلی سے ایک ساتھ شائع ہو رہا ہے، بہاریہ غزل کے ساتھ ساتھ ضیاء قادری نعتیہ غزل بھی خوب کہتے ہیں، وہ حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہیں اور کلام میں ندرت پائی جاتی ہے۔ اجمیر والے خواجہ سے خصوصی عقیدت ہے اس لیے نعت میں منقبت کے شعر بھی پائے جاتے ہیں، ان کے نعتیہ اشعار میں خلوص و عقیدت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے، اور کلام میں ندرت و جدت ہے۔

نمونۂ کلام:

ساری قوموں سے افضل ہے وہ قوم تو، جس کا رہبر ہے یارو کلام نبیؐ
آج کے دور میں سوچیے دوستو! کیوں پریشاں ہیں آخر غلام نبیؐ
دست بستہ کھڑی ہو گئیں بجلیاں، جو جلانے کو آئی تھیں میرا جہاں
مدحت مصطفیؐ میں مَیں مصروف تھا، لب ادا کر رہے تھے کلام نبیؐ
غنچے کھلنے لگے گل مہکنے لگے، جن سے سارے چمن پر شباب آ گیا
رقص کرنے لگیں شاخ اور پتیاں، جب صبا نے سنایا پیام نبیؐ
پھیلا پھیلا تو دامن تو پھیلا ضیاء جو بھی چاہے گا تجھ کو ملے گا یہاں
شہر اجمیر میں صدقۂ مصطفیٰ بانٹتے ہیں یہاں پر غلام نبیؐ

۵۳۔ طاہرؔ اجمیری

نام محمد طاہر اور سنہ پیدائش ۱۹۵۴ء ہے۔ طاہرؔ صاحب نے مڈل کلاس تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۰ء سے شاعری کا آغاز کیا اور شرف تلمذ حافظ قمر آصف سے حاصل کیا، ان کے کلام میں نبیؐ سے محبت و عقیدت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

نمونۂ کلام:

ہر طرف اک اندھیرا تھا چھایا ہوا، جینا دشوار تھا آدمی کے لیے
لائے تشریف دنیا میں جب مصطفیٰ راستے کھل گئے زندگی کے لیے
جوش پر رحمت کبریا آگئی ، جھوم کر نور کی اک گھٹا چھا گئی
زندگی کے چمن میں بہار آگئی ، سب کے سر جھک گئے بندگی کے لیے
دو جہاں جس کی خاطر بنائے گئے، جس کی خدمت میں جبریل آئے گئے
راہ میں چاند تارے بچھائے گئے، حق کے محبوب پیارے نبیؐ کے لیے
طاہرؔ بے نوا کی حبیبؐ خدا ، لاج رکھنا خدارا بروز جزا
یہ بھی آقاؐ ہے اک امتی آپ کا، اس کے اشعار ہیں آپ ہی کے لیے

۵۴۔ طیب عثمانی:

آپ کا نام طیب انصاری ہے اور طیبؔ عثمانی کے قلمی نام سے مشہور ہیں، قلمی نام طیبؔ انصاری کے بجائے طیب عثمانی کیوں رکھا یہ وہی جانتے ہیں، والد کا نام حاجی حامد علی انصاری ہے، شاعری کی ابتدا تقریباً ۲۰ سال کی عمر سے کی اور شرف تلمذ عزیز بارہ بنکوی سے حاصل ہے۔ محمود آباد ضلع سیتاپور میں قیام پذیر ہیں، آپ کے کلام رسائل و جرائد میں چھپتے رہتے ہیں، وہ باقاعدہ مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ غزل کے مشاعروں میں کبھی کبھی اور نعتیہ مشاعروں میں اکثر رونق افروز ہوتے ہیں۔ مدح صحابہؓ اب ان کی پہچان بن گئی ہے، محمود آباد میں کئی نعتیہ مشاعرے ان کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ مقامی و بیرونی نعتیہ مشاعروں کی نظامت بھی اکثر ان کے سپرد کی جاتی ہے، ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہیں۔ طیب عثمانی اردو ادب کے بے لوث جانباز سپاہی ہیں۔

نمونہ کلام:

درخت چل کے جو آئیں، تو معجزہ کہیے   قمر دو پارہ بنائیں، تو معجزہ کہیے

ستون روئے جو مسجد کا، آپؐ کے غم میں — خموش آپ کرائیں، تو معجزہ کہیے
رسولؐ پاک کی عظمت بیان کرنے کو — درخت چل کے جو آئیں تو معجزہ کہیے
رسولؐ پاک جو انگلی کے اک اشارے سے — قمر دو پارہ بنائیں ، تو معجزہ کہیے
کرکے جو نکلے تھے قتل کرنے کا ارادہ — وہ سر ادب سے جھکائیں ،تو معجزہ کہیے
ڈسے جو سانپ تو زہر اس کا ختم کرنے کو — لعاب آپ لگائیں ، تو معجزہ کہیے
اسی بوجہل کے ہاتھوں میں کلمۂ طیب — جو سنگ ریزے سنائیں ،تو معجزہ کہیے

☆☆☆☆☆

سرکار کی سیرت ہے قرآن کی صورت میں — پھر کیوں نہ مزہ آئے قرآں کی تلاوت میں
مولا کی اطاعت ہے آقاؐ کی اطاعت میں — جنت کی بشارت ہے سرکارؐ کی سنت میں
وہ رحمت عالم ہیں یکتائے زمانہ ہیں — باندھے ہوئے پتھر ہیں جو بھوک کی شدت میں

☆☆☆☆☆

سرکارؐ کے روضہ پہ ضیاء جھوم رہی ہے — اللہ کی رحمت بخدا جھوم رہی ہے
سرکارؐ دو عالم کی محبت کا ہے صدقہ — مشتاق زیارت پہ دعا جھوم رہی ہے

☆☆☆☆☆

۵۵۔عبرتؔ بہرائچی:

سرکاری کرسیوں پر ایک لمبے عرصے تک بیٹھ کر وطن کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ عبدالعزیز خاں عبرتؔ بہرائچی نے اوائل عمری سے ہی اردو زبان وادب کی قلمی خدمات کا بیڑا اٹھایا تھا، اور رفتہ رفتہ آپ کی تخلیقات جو زیور طبع سے آراستہ ہونی شروع ہوئیں تو آپ کی بائیس عدد تصنیفات نے باشندگان بہرائچ کے سروں کو فخر سے اونچا اس لیے بھی کیا کہ ان میں سے آٹھ کو اتر پردیش اردو اکاڈمی اور فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کا مالی اشتراک حاصل رہا اور پھر ان میں سے تین کو نیم سرکاری اداروں سے لائق انعام قرار دیا گیا۔

عبرتؔ صاحب نے اپنے علمی درخت کے تار و پود میں معتبر اساتذہ اردو کی صحبت اور اردو کے حلقوں سے وابستہ رہنا ہمیشہ قائم رکھا، چنانچہ شروع میں گونڈہ کی ملازمت کے دوران جگرؔ مرادآبادی کی خدمت میں تین سال تک حاضری اور حضرت نشورؔ واحدی کی شاگردی

قابل ذکر ہیں، دوسری طرف صوبۂ اتر پردیش اور ملک گیر سطح کے مقتدر رسائل و جرائد نے آپ کے کلام کو اپنی زینت بنایا۔ دھرم یگ اور سینک سماچار، آئینہ اور بیسویں صدی، شمع اور ہدیٰ اور پاکیزہ آنچل و قومی آواز میں شائع کلام نے آپ کو حلقۂ اردو میں بہترین طریقوں سے متعارف کرایا ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی آپ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں خامہ فرسا ہیں کہ ''جناب عبرت بہرائچی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اور ان کی شعری سرگزشت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی عمر چالیس سالہ ہے جو کسی فنکار کو پختہ بنانے کے لیے کافی ہے، ان کی اس پختہ کاری و قادرالکلامی کا ثبوت ان کی وہ نعتیں اور منقبتیں ہیں جو ان کے تازہ مجموعۂ کلام ''وجہ لوح و قلم'' میں شامل ہیں۔

ان میں ان کے حسن عقیدت اور اکابر اسلام کے ساتھ ان کے ذہنی و جذباتی تعلق کا وافر ثبوت موجود ہے، زبان و بیان میں بڑی روانی، برجستگی اور سلاست ہے، اسلوب عام فہم اور بے تکلف ہے، بحریں بھی مترنم اختیار کی گئی ہیں، آپ کی نعتوں میں عشق اور وارفتگی شوق دیدنی ہے۔

شب اسریٰ یہی اعلان کرتے تھے فرشتے بھی محمد پر نچھاور کبریائی ہونے والی ہے
ذرا غار حرا سے آپؐ کو باہر تو آنے دو جہاں سے ختم اے عبرت برائی ہونے والی ہے

☆☆☆☆☆

کرلیا لمحوں میں طے عرش معلیٰ کا سفر سرورؐ دیں کا یہ قرب و رابطہ اچھا لگا
عزت و رفعت گدایان نبیؐ کی دیکھ کر بادشاہوں سے نبیؐ کا ہر گدا اچھا لگا
اک طرف اشکوں کی بارش اک طرف سجدوں کا زور مانگنے کا یہ بھی انداز دیا اچھا لگا
امتِ عاصی کے غم میں غرق رہنا ہر نفس مجھ کو اے عبرت نبیؐ کا مشغلہ اچھا لگا

۵۶۔ عرفان صدیقی:

آپ کا نام عرفان احمد صدیقی ہے اور تخلص عرفان ہے آپ کے والد ماجد کا نام مولوی سلمان احمد ہلالی بدایونی ہے۔ آپ ۸؍جنوری ۱۹۳۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے، آپ کا وطن بدایوں ہے مرکزی محکمہ اطلاعات میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں اور بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے، موصوف نے ۱۹۵۵ء کے آس پاس ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ کی تصانیف میں چار

شعری مجموعے، چند دیگر کتابیں ہیں۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ ''کینوس'' ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ آپ کے کلام میں ندرت پائی پائی جاتی ہے اور قدیم و جدید رنگوں کا حسین امتزاج ملتا ہے، اسلوب بیان انفرادی حیثیت کا مالک ہے، ہند اور بیرون ہند کے رسائل میں ان کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے علاوہ کل ہند اور عالمی مشاعروں میں ان کا کلام داد و تحسین حاصل کرتا رہتا ہے۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے:

نبض عالم میں رواں تیری حرارت ہی تو ہے ۔۔۔ کہ عالم ترے ہونے کی بدولت ہی تو ہے
ترے ہی پیک ہیں سب سچے صحیفوں والے ۔۔۔ ان کا آنا ترے آنے کی بشارت ہی تو ہے
ہم تو اک دھوپ کا صحرا تھے جہاں اوس نہ پھول ۔۔۔ ہم پہ برسا یہ ترا ابر ترا ابر عنایت ہی تو ہے
اس فقیری میں کبھی سر نہیں جھکنے پاتا ۔۔۔ میرا تکیہ ترا بازوئے حمایت ہی تو ہے
سب لقب پاک میں سب نام ہیں نامی تیرے ۔۔۔ روشنی لکھتی ہے اسمائے گرامی تیرے
بے اماں قریوں پہ دائم تری رحمت کا نزول ۔۔۔ حبشی ترے، حجازی ترے سامی ترے
کشتِ سرِ سبز ترے فیض کی ہریالی سے ۔۔۔ دشت میں نخل نمودار تمامی ترے

۵۷۔ عزیزؔ بارہ بنکوی:

عزیز بارہ بنکوی کا شمار استاز الشعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کے پچاسوں شاگرد ہیں، آپ کا وطن قصبہ رسولی بارہ بنکی (یو پی) ہے، مولانا اقؔقر موہانی کے شاگرد اور ان کے جانشین ہیں، آپ ماہر فن عروض ہیں، تقریباً ۸۰ برس کی عمر ہے مشہور عالم دین ابوالحسن علی ندوی کے ہم جماعت ہیں، رسول بارہ بنکی میں قیام پزیر ہیں کچہری میں عرضی نویس ہیں۔

موصوف کا ایک نعتیہ مجموعہ ''فاراں کی بلندی'' شائع ہو چکا ہے۔ آپ کا کلام مختلف اخبار و رسائل میں برابر شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کی نعتیں روایتی لیکن ندرت لیے ہوئے اور تغزل سے بھرپور ہوتی ہیں۔ آپ کے کلام میں بلا کی آمد اور روانی پائی جاتی ہے۔ اس لیے نعتیہ غزل بھی محبوب خدا سے عشق و عقیدت کی بھرپور ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔

ظلمات کے پردے سے خورشید نکلتا ہے ۔۔۔ افسانۂ عالم کا عنوان بدلتا ہے
فاراں کی بلندی سے ہوتی ہے ضیاپاشی ۔۔۔ ہر ذرہ تجلی کے آغوش میں ابلتا ہے

اک نقشِ کفِ پا کی اللہ ری گل کاری
صحرائے تمدن میں چشمہ سا ابلتا ہے
کس درجہ نمایاں ہے یہ دل کشیٔ منزل
ہوتی ہے ھدی خوانی جب قافلہ چلتا ہے
منت کش نظارہ ظاہر بھی ہے باطن بھی
آنکھیں ہیں کہ پرنم ہیں، دل ہے کہ مچلتا ہے
اے استن حنانہ اشکوں پہ نہ ہو نازاں
سوز غم فرقت سے پتھر بھی پگھلتا ہے
ہوتے ہیں خرد والے سر تا بہ قدم لرزاں
جس وقت محمدؐ کا دیوانہ سنبھلتا ہے
تحریک محبت سے خلوت کدۂ دل میں
روشن ہے چراغ ایسا، بجھتا ہے نہ جلتا ہے
روشن تھا اور اب بھی ہے ماحول عزیز اپنا
ایمان کی دنیا میں سورج کہیں ڈھلتا ہے؟

☆☆☆☆☆

عقدۂ شمس الضحیٰ ہے روئے تابان رسولؐ
طرۂ واللیل ہے زلفِ پریشان رسولؐ
ہے ازل سے موجزن دریائے فیضان رسولؐ
آج بھی سیراب زمزم ہیں غلامان رسولؐ
لطفِ دنیا، کیفِ عقبیٰ، لذت صبر و رضا
مانگ لے جو مانگنا ہے اے ثنا خوانِ رسولؐ
کیا بجھاتا پیاس ان کی آب زر، آب حیات
تشنۂ آب بقا تھے تشنہ کامان رسولؐ
ساقیؐ کونینؐ سے اس کا تعارف ہوگیا
مل گئی جس رند کو صہبائے عرفانِ رسولؐ
حشر میں بھی جنبش داماں رحمت دیکھ کر
آگئے کونین کھنچ کر زیر داماں رسولؐ
دامن شوق وطلب پر منحصر ہے اے عزیز
گلفشانِ ہر دو عالم ہے گلستان رسولؐ

☆☆☆☆☆

کیف زا روح فزا نام رسولؐ عربی
ساغر آب بقا جام رسولؐ عربی
زینت لوح و قلم نام رسولؐ عربی
پیکر نور ہے اندام رسولؐ عربی
ساقیٔ کون و مکاں تشنہ دیدار ہیں یہ
تشنہ مے نہیں خدام رسولؐ عربی
پرسش روز جزا سے نہ پریشاں ہو عزیز
تو تو ہے خادم خدام رسولؐ عربی

بصد ناز و نعم ذات حبیب کردگار آئی
بہر سو رحمۃ للعالمین کی گھٹا چھائی
بیاباں میں دکھائے جس نے انداز مسیحائی
بگولوں نے غبار نقش پا سے زندگی پائی

شعاعیں لاکھ پھوٹیں دامن مہر درخشاں سے
ہوئی روشن خدائی مصطفٰی کے نور ایماں سے
یہ وہ محبوب ہے جس کی جدائی بھی گوارا ہے
سنواری جارہی ہے اس کی ہستی شام ہجراں سے

۵۸۔ عطاؔ عابدی:

نام محمد حسین عطا انصاری اور قلمی نام عطا عابدی۔ والد کا نام محمد عابد حسین انصاری ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش یکم نومبر ۱۹۶۲ء ہے، عابدی صاحب نے ایم اے (اردو) ملت کالج، متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ سے کیا ہے انھوں نے صحافتی خدمات کافی انجام دی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ماہنامہ افکار ملی، دہلی (سب ایڈیٹر نومبر ۸۹ر تا حال) (۲) پندرہ روزہ مسافر مدھوبنی (مدیر اعلیٰ پرنٹر پبلشر ۸۸۔۸۷ء (۳) سہ ماہی رفتار نور دربھنگہ (رکن مجلس ادارت (۴) تحفۂ ادب دربھنگہ (مدیر اعزازی) (۵) ماہنامہ لمحۂ فکریہ، دہلی (رکن مجلس مشاورت و کالم نویس) (۶) ماہنامہ معلم اردو لکھنؤ (مبصر) (۷) پندرہ روزہ ظہور اسلام، سری نگر (مبصر)

عطاؔ عابدی صاحب اردو ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں اور مختلف اداروں سے منسلک ہیں دربھنگہ (سکریٹری نشر و اشاعت) انجمن فیض المسلمین ہرہولیا (جنرل سکریٹری) مدرسہ چشمۂ فیض، ململ (استاد و ناظم امتحانات، انجمن طلبہ مدرسہ چشمۂ فیض ململ (نگراں) نبی بخش لائبریری، رحم خاں دربھنگہ (سکریٹری) حلقہ فکر وفن جامعہ نگر، نئی دہلی (جنرل سکریٹری) نوری اردو اکاڈمی برہولیا دربھنگہ، (سرپرست)۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں، حمدیہ و نعتیہ نظموں کا مجموعہ ''آئینہ عقیدت'' زیر ترتیب ہے، مختلف کتابوں پر لکھے گئے تبصرے آپ کی دوسری تخلیقات ہیں، تبصروں کا مجموعہ ''کتابستان'' حمدیہ نعتیہ نظموں کا دوسرا مجموعہ ''عکس عقیدت'' ''ہندو پاک کے سو ممتاز ادباء سے مذاکرہ'' ''سقوط ماسکو اور ترقی پسند ادب'' ادبی مضامین کا مجموعہ، ''ادراک شاہد رام نگری، حیات و خدمات'' (تالیف) اصلاحی مضامین کا مجموعہ ''بصارت'' سبق آموز تحریروں کا مجموعہ ''لمحہ فکریہ'' غزلیات دیگر نظموں کا مجموعہ ''لفظوں کا پیکر''۔

اس کے علاوہ آپ کے مضامین نثر و نظم ہندو پاک و دیگر ممالک کے تقریباً تمام ادبی و

نیم ادبی (اردو) رسائل واخبارات میں تواتر سے شائع ہوتے رہتے ہیں، آکاش وانی اور دوردرشن سے بھی وقتاً فوقتاً کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔

عطاء عابدی کو مندرجہ ذیل ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔

(الف)　''راوی'' (بریڈفورڈ (لندن) کے عالمی مقابلے میں نعتیہ کلام پر خصوصی انعام۔

(ب)　انٹرنیشنل جریدہ ٹائمز (دہلی) کے ذریعہ منعقدہ مضمون نگاری کے مقابلہ میں تیسرا انعام۔

(ج)　بابی پیلی بھیت کے تحریری انعامی طرحی مشاعرہ کا پہلا انعام۔

نمونۂ کلام: ''راوی'' (بریڈفورڈ لندن) کی انعام یافتہ نعت۔

جہل و عصیاں کی بدلی جو چھائی ، ہوئی تیرگی ، تیرگی ، تیرگی ہر طرف
لائے تشریف جس دم نبیؐ ہوگئی ، روشنی ،روشنی ،روشنی ہر طرف
چودہ سو سال پہلے کا ہر واقعہ ، پیکرِ شمعِ دوراں میں یوں ڈھل گیا
زیست کی شاہراہوں پہ ہے ضوفشاں، آج بھی، آج بھی ،آج بھی ، ہرطرف
دعوت کبریا پر حبیب خدا، جانب سدرۃ المنتہٰی جب چلے
ماہ و انجم کے لب سے ہویدا ہوئی نغمگی ،نغمگی ،نغمگی ہر طرف
مرحبا تین سو تیرہ کا داخلہ ، زور بازوئے مومن تو دیکھو بھلا
لشکر کفر کے درمیاں مچ گئی ، کھلبلی ، کھلبلی، کھلبلی ہر طرف
خالق دو جہاں کا یہ احسان ہے نعت گوئی نے بخشا یہ فیضان ہے
مثل خوشبو پھیلی عطا یہ مری شاعری، شاعری ، شاعری ہر طرف

☆☆☆☆☆

وہ پل جو گزر جائے یادِ نبیؐ میں　　وہ پل حاصلِ زیست ہے زندگی میں
یہ ثمرہ ہے تعلیم محبوبؐ حق کا　　کہ انسانیت کی ہے خو آدمی میں
ہوا دل جو معمور حبِ نبیؐ سے　　ملا بندگی کا مزہ بندگی میں
عطاؔ بڑھ گئی حد سے تاثیر اس کی　　محمدؐ کا نام آیا جب شاعری میں

۵۹۔ عظمت حسین عظمتؔ

عظمت حسین عظمتؔ کی ولادت ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ انھوں نے ۱۹۷۰ء میں شاعری کا

آغاز کیا ان کی تعلیم میٹرک اور ادیب (علی گڑھ) تک ہے۔ ان کو سید محمد علی عرشی اجمیری سے شرف تلمذ حاصل ہے، ان کا پیشہ تجارت ہے اور اجمیر میں قیام ہے۔ بہار یہ غزلوں کے ساتھ ساتھ نعت بھی کہتے ہیں، موصوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے جذبے سے نعت کہتے ہیں اور روایتی شاعری سے گریز کرتے ہوئے آزاد نعت بھی کہتے ہیں، جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

اس نے
چاہا کہ ذات سے اپنی
سارے عالم کو
روشناس کروں
نور سے اس نے
اک حسیں پیکر
جب تراشا تو حسن پر اس کے
ہو گیا خود ہی وہ شیدا
اس کی خاطر
بنائے پھر اس نے
ہژدہ ہزار عالم
ذکر اس کا بلند فرمایا
سارے نبیوں پہ برتری بخشی
بعد اسؐ کے نہ آیا کوئی نبی
رحمت دو جہان
لقب دے کر
ارضِ مکہ کو اک شرف بخشا
اس کی
امت میں

پھر ہمیں اس نے
اے زہے بخت
کر دیا شامل
دیکھ کر اس عروج کو اپنے
سجدۂ شکر
ہم بجالائے

۶۰۔ الحاج عمرؔ انصاری:

آپ کی پیدائش ۲۳؍ستمبر ۱۹۱۲ء کولکھنؤ میں ہوئی یہیں تعلیم وتربیت حاصل کی اور بی اے آنرز کی ڈگری لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی۔آپ نے باقاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۳۰ء سے کیا۔ موصوف نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی سے باقاعدہ قومی شاعری شروع کردی تھی اور ۱۹۳۸ء میں قومی نظموں پر مشتمل ان کا مجموعہ ''جرسِ کارواں'' شائع ہوگیا تھا وہ ۱۹۳۶ء کے اس آل انڈیا مشاعرہ میں بھی شریک تھے، جو انڈین نیشنل کانگریس کے چہل ونہم اجلاس کے موقع پر لکھنؤ (موتی نگر) میں منعقد ہوا تھا،جس کا افتتاح پنڈت جواہر لال نہرو نے اور صدارت مسز سروجنی نائڈو نے کی تھی،اور جس کا سوئنیر ''جواہرات'' آج بھی اس دور کے ادبی رجحانات کی سب سے معتبر دستاویز سمجھا جاتا ہے۔

عمرؔ صاحب نے غزل،نظم،نعت،ترانہ،گیت،قصیدہ وغیرہ ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔انھوں نے معتد بہ تعداد میں افسانے،مزاحیہ مضامین،مثنوی ڈرامے،تنقیدی مضامین، تقریظیں اور انشایئے بھی لکھے ہیں، جو مختلف کتابوں اور ملک کے مقتدر رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں،بحیثیت صحافی رسائل واخبارات کے مدیراعلیٰ رہ چکے ہیں۔

ان کی نظم ''ترانۂ آزادی'' برٹش گورنمنٹ نے ضبط کرلی تھی،اس نظم کے اقتباسات دلی سے شائع ہونے والی اس کتاب میں شامل ہیں جس کا نام ہی ہے ''ضبط شدہ نظمیں''۔

حکومت اتر پردیش کے محکمۂ اطلاعات کی جانب سے شائع کی جانے والی کتاب اردو میں قومی شاعری کے سوسال'' میں انھیں بحیثیت قومی شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

عمرؔ انصاری لکھنؤ کے ان ممتاز اردو شاعروں میں ہیں جنھیں نصف صدی سے زائد

عرصہ سے گیسوئے شعر وسخن کی مشاطہ آرائی کا تجربہ حاصل ہے، انھیں یہاں کے بلند مرتبہ اساتذہ کی صفِ اول میں شمار کیا جاتا ہے، ان کی بہترین ادبی خدمات کا اعتراف عوامی اور سرکاری اداروں کی طرف سے بھی کیا جاچکا ہے۔ ۱۹۴۵ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۸ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء، اور ۱۹۸۵ء میں انھیں اردو اکادمی یوپی، میرؔ اکادمی، نیشنل فورم آف انڈین لینگویجز اور آل انڈیا نعتیہ مشن کی طرف سے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انعامات سے نوازا گیا ہے۔

''ترانہ نعت'' نعتیہ ترانہ نعتیہ گیت کا مجموعہ کلام ہے اور ''سخن جان'' بلند پایہ نعتیہ قصیدہ ہے۔

عمرؔ انصاری اردو ادب کی خدمت میں تا زیست سرگرداں رہے۔

(۱) انجمن معین الادب لکھنؤ کے ممبر رہ چکے ہیں۔ کئی برس پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

(۲) انجمن بہار ادب لکھنؤ کے جوائنٹ سکریٹری کے فرائض تاحیات انجام دیتے رہے ہیں۔

(۳) انجمن فردوس ادب لکھنؤ کے بانی صدر، اور جنرل سکریٹری کے فرائض تاحیات انجام دیتے رہے۔

(۴) بزم شعراء لکھنؤ کے ''لائف کنویز'' تھے۔

(۵) انجمن علم وادب لکھنؤ کے سکریٹری جنرل تھے۔

(۶) ان کے علاوہ شہر اور بیرون جات کی مختلف ادبی وثقافتی انجمنوں کے سرپرست اور ممبر تھے۔

نمونۂ کلام:

دل میں جو چمن نعتِ محمدؐ کے کھلے ہیں — دوری میں بھی کیا لطف حضوری کے ملے ہیں
دامن جو سلامت ہیں، گریباں جو سلے ہیں — سب امتِ مرحوم میں ہونے کے صلے ہیں
ہو کر حرم پاک سے آئے ہیں یہ کیا لوگ — گیسو ہیں پریشاں، نہ شانے ہی چھلے ہیں
وہ گوشۂ دل گلشن جنت سے نہیں کم — کچھ پھول جہاں آپ کی یادوں کے کھلے ہیں

☆☆☆☆☆

کونین کی قسمت کے ستارے ہیں محمدؐ — سب کچھ ہے ہمارا، جو ہمارے ہیں محمدؐ
اکھڑی ہوئی سانسیں ہوں، کہ ٹوٹے ہوئے دل ہوں — ہر ساز شکستہ کے سہارے ہیں محمدؐ
سرچشمہ رحمت کہو، یا منبع اکرام — دنیا میں ہدایت کے منارے ہیں محمدؐ

نظریں ہیں کہ جلووں کے تعاقب ہی میں گم ہیں جیسے کوئی جنت کے نظارے ہیں محمدؐ
دشمن بھی جہاں سیر، دوست بھی سیراب رحمت کے وہ بہتے ہوئے دھارے ہیں محمدؐ
ہونے دو ابھی بارش گلہائے تصور کچھ لوگ ابھی دامن کو پسارے ہیں محمدؐ
آنے تو دو ، کہتے ہیں روز قیامت ہر شخص پکارے گا ، ہمارے ہیں محمدؐ
پھر آج پریشاں ہیں، پریشاں ہیں پریشاں ہم وہ کہ تمھارے ہیں، تمھارے ہیں محمدؐ

چشم مظہر حسن دو عالم ، ذات مقدس ، خیر مجسم
اسم مبارک زخم کا مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم
سینہ گلشن، جس کے جمال رخ سے روشن
سرتاپا وہ نیر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
اے کہ موخر ، اے کہ مقدم، ہادئ اول مرسل خاتم
اے کہ بنائے نظم دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
قرآن جن کا بٹتی دولت ، باتیں جن کی علم وحکمت
دامن جن کا اڑتا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

۶۱۔ غلام محمد انورؔ سلونوی:

غلام محمد انور سلونوی جناب غلام نبیؐ صدیقی کے ہونہار صاحبزادے ہیں آپ کی ولادت ۱۲ر جون ۱۹۳۸ء میں قصبہ سلون ضلع رائے بریلی میں ہوئی۔ انٹر میڈیٹ ، ادیب کامل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد بی ٹی سی کی ٹریننگ کی اور جونیر ہائی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں۔ انورؔ سلونوی مسلم کائستھ ہیں، آپ نے امینؔ سلونوی، عزیزؔ سلونوی، عروجؔ سلونوی اور شوقؔ سلونوی جیسے شاعروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شعر وشاعری کے میدان میں قدم رکھا اور ابتدا میں جناب شوقؔ سلونوی جیسے شاعر سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس کے بعد عروجؔ سلونوی اور پھر ممتاز اور کہنہ مشق شاعر جناب الحاج حقؔ بنارسی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

انورؔ سلونوی میں دینی جذبہ ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کے موقع پر ہر برس مختلف شعرا کا کلام ''گلدستۂ عقیدت''، بہار مدینہ'' ''جمال مصطفیٰؐ''، ''انوار رسالتؐ''، ''گلدستہ نعت ومنقبت''، ''نعتیہ گلدستہ'' اور ''دیار مدینہ'' بزم انوار ادب

کے زیر اہتمام شائع کرا کر مفت تقسیم کرا چکے ہیں۔ آپ نے کہنہ مشق شاعر رفیق سلونوی مرحوم کا کلام بھی ''بزم انوار ادب'' کے زیر اہتمام شائع کرایا اور معروف شعرا کا کلام مع تعارف ''زندگی کے چراغ'' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں شائع کرایا مختلف شعرا کا نعتیہ انتخاب ''تحفۂ نعت'' اور ''انتخاب غزل'' زیر طباعت ہیں، بزم ''انوار ادب کو شرافت اللہ وفا سلونوی اور الحاج راہی پرتاپ گڑھی جیسے نعت گو شعرا کی سرپرستی حاصل ہے۔ انور سلونوی نے ۱۹۹۸ء یں بزم انوار ادب سلون کے زیر اہتمام کل ہند تحریری طرحی نعتیہ شعری انعامی مقابلہ کرایا جس میں اول، دوم وسوم نعتوں پر نقد انعامات وسند اور ۵۰ فی صد سے زیادہ نمبر پانے والوں کو توصیفی سند سے نوازا۔

نمونۂ کلام:

طیبہ کی گلی مرکز انوار بنی اور
جلووں سے محمدؐ کے ضیاء بار ہوئی اور

لکھنے کو لکھی ہم نے جو نعت نبویؐ اور
اللہ کی نظروں میں وہ مقبول ہوئی اور

لاغر تھی بہت گو کہ حلیمہ کی سواری
فیضانِ محمدؐ سے چلی ، تیز چلی اور

پایا نہ لقب ساقئ کوثر کا کسی نے
آیا نہ کوئی آپؐ سا دنیا میں نبیؐ اور

ارشاد نبیؐ ہے یہی فرمانِ خدا ہے
دنیا میں نہیں آئے گا اب کوئی نبیؐ اور

اذن سفر طیبہ جو انور کو عطا ہو
پھر زیست میں باقی رہے حسرت نہ کوئی اور

حور و ملک ہیں آنکھیں بچھائے، ساتھ میں ہیں جبریل امیں
اللہ اللہ یہ رتبہ محبوبؐ خدا لاثانی کا

قدموں میں کونین کی دولت لیکن دسترخوان پہ ہیں
''چند کھجوریں، جو کی روٹی، ایک پیالہ پانی کا''

بعد نبیؐ صدیقؓ و عمرؓ ہیں ، بعد عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
چاروں میں ہے وصف نمایاں محبوبؐ سبحانی کا

۶۲۔ فخر اجمیری:

آپ کا نام شیخ غلام فخر الدین اور تخلص فخر ہے۔ آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۹۵۹ء ہے، آپ نے ادیب کامل، ایم اے، بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی اور شاعری کا آغاز ۱۹۹۰ء سے کیا۔ آپ نے شرف تلمذ حافظ قمر آصف صاحب سے حاصل کیا۔ فخر اجمیری کی شاعری کی عمر ابھی بہت کم ہے لیکن وہ غزل کے ساتھ ساتھ نعت میں بھی کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ان سے مستقبل میں کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ آج کل درس وتدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔

نمونہ کلام:

کعبہ میں جتنے بت تھے وہ سجدے میں گر پڑے ‏ اغیار تکتے رہ گئے صورت رسولؐ کی
اللہ نے وہ مرتبے انؐ کا عطا کیے ‏ ظاہر ہوئی ہے جن سے فضیلت رسولؐ کی
حق بھی ملا، قرآن بھی ایمان بھی ملا ‏ ہے کتنی خوش نصیب یہ امت رسولؐ کی
بس آرزو ہے فخرؔ کی تا عمر اے خدا ‏ کرتا رہے بیان وہ مدحت رسولؐ کی

۶۳۔ فخرؔی اجمیری:

آپ کا نام عبدالرحمٰن خاں اور تخلص فخرؔی ہے آپ کا سنہ ولادت ۱۹۳۸ء ہے۔ آپ نے شاعری کا آغاز ۱۹۶۳ء سے کیا اور آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور آج کل سرکاری ملازمت کر رہے ہیں۔

جو زندگی نے وفا کی تو شاہ بطحا کو ‏ سنانے جائیں گے روداد غم مدینے میں
نہ دیکھا آنکھ سے لیکن یہ میرا ایماں ہے ‏ حرم ہے مکہ میں، جان حرم مدینے میں
گناہگار وہ محشر میں بے دھڑک پہنچے ‏ نبیؐ نے رکھ لیا جن کا بھرم مدینے میں
یہ آرزو ہے، یہ حسرت ہے دل میں اے فخری ‏ الٰہی نکلے تو بس نکلے دم مدینے میں

۶۴۔ فراغ روہوی:

آپ کا نام محمد علی صدیقی، قلمی نام فراؔغ روہوی ہے۔ آپ کا وطن خاص محلۂ خلیفہ ٹولہ، مقام وڈاک خانہ نوادہ، صوبہ بہار ہے۔ جہاں ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، والد کا نام محمد انعام الحق صدیقی مرحوم اور والدہ کا نام زینت خاتون ہے۔ آپ ۱۹۶۵ء میں کلکتہ چلے آئے اور محلّہ ۶۷، مولانا شوکت علی اسٹریٹ کلکتہ۔۷۳ میں مقیم ہیں، محمد جان ہائر سکنڈری اسکول کلکتہ سے ۱۹۷۵ء میں ہائر سکنڈری تک تعلیم حاصل کی اور آج کل سرکاری ملازمت کر رہے ہیں، فراؔغ صاحب ماہنامہ ''کلیدی خزانہ'' کلکتہ سے ۱۹۷۳ء سے دس برسوں تک بحیثیت مدیر معاون منسلک رہے، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں ''تبصرہ'' کے نام سے ذاتی پرچہ نکالا جس کے سولہ شمارے پابندی سے شائع ہوئے جن کے مدیر بھی آپ ہی تھے۔

۱۹۸۴ء میں شعروشاعری کا آغاز ہوا اور شرف تلمذ امام القاسم سحاب سخن حضرت قیصر شمیم (پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی) سے حاصل کیا۔ ان کی پہلی تصنیف ''آٹھواں آسمان''

(شعری مجموعہ) ہے جو ابھی زیرِ ترتیب ہے، فراغؔ روہوی صاحب کا تعلق فلمی دنیا سے بھی ہے۔ آپ کے گلوکار جگجیت سنگھ اور احمد عزیز (پلے بیک سنگر) ہیں، ایس ایم راشد کی ویڈیو فلم تنہائی کے لیے آپ نے چھ گانے لکھے۔

نمونۂ کلام:

دلِ غمگیں انسان کو جہاں راحت میسر ہے — مرے آقاؐ کا وہ در ہے، مرے آقاؐ کا وہ در ہے
جو سارے انبیاء میں آخری ہے اور برتر ہے — دو عالم کا وہ مرسل ہے، زمانے کا پیمبر ہے“
خدا رکھے، کسی میں ہے کہاں یہ شانِ محبوبی — زمانہ ہے فدا جس پر، وہی رب کا بھی دلبر ہے
نشانی ہے ابد تک کے لیے ام الکتاب اس کی — کہ جس کے نور سے دنیائے ایمانی منور ہے
نرالی شان ہے اس کی، نرالا مرتبہ اس کا — گدا ہو یا کوئی سلطان، اسی کے در کا چاکر ہے
غلامی اس کے در کی مل گئی جس کو بھی دنیا میں — حقیقت میں وہی انساں مقدر کا سکندر ہے
فراغؔ اس کے حوالے کر دیا اپنے سفینے کو — نہ پروا ہے تلاطم کی، نہ طوفاں کا مجھے ڈر ہے

۶۵۔ فیرؔوز نظامی:

آپ کا نام فیروز ہے شاعری کی دنیا میں فیرؔوز نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا وطن بریلی ہے جہاں ۱۹۱۴ء میں پیدائش ہوئی ۱۹۳۴ء سے لکھنؤ آ گئے، محمد علی لین گوئن روڈ پر آپ کی سکونت ہے۔ انھوں نے شرف تلمذ مستند شاعر مولانا عبدالباری آسیؔ مرحوم سے حاصل کیا، ان کے انتقال کے بعد شاعر انقلاب جوشؔ ملیح آبادی کے شاگرد ہو گئے، جوشؔ ملیح آبادی کا ان کے علاوہ اور کوئی شاگرد نہیں ہے، آپ کو ۱۹۵۴ء میں حضرت مولانا ناصر میاں صاحب قبلہ فرنگی محلی نے آپ کی نعتیہ شاعری سے متاثر ہو کر آپ کو ”لسان الحرم“ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اس خطاب پر چند عمائدین شہر علمائے فرنگی محل کے دستخط بھی ہوئے۔ شاعری میں غزل اور نعت شریف، نظمیں اور رباعیات پر طبع آزمائی کی ہے، رباعیات کہنے میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ آپ بہت ہی زود گو اور قادر الکلام شاعر ہیں، کافی شاعر آپ سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

نمونۂ کلام: ”رباعیاں“

ہاں زہد و ریاضت ہے، خدا جانتا ہے — ہاں صدق و صداقت ہے، خدا جانتا ہے
مقصودِ عمل سیرتِ احمدؐ ہو، تو پھر — ہر سانس عبادت ہے، خدا جانتا ہے

اللہ کی پہچان ، نظر آتا ہے　　ایمان ہی ایمان ، نظر آتا ہے
فاراں ! تری چوٹی پہ دو عالم کا حبیبؐ　　منہ بولتا قرآن، نظر آتا ہے
معکوس افاقہ ، نہیں دیکھا جاتا　　ویران علاقہ ، نہیں دیکھا جاتا
بے چین ہے دل کوچۂ حضرتؐ کے لیے　　اب آنکھ کا فاقہ ، نہیں دیکھا جاتا

۶۶۔ فیضیؔ مظاہری:

آپ کا نام عبدالحی اور قلمی نام فیضیؔ مظاہری ہے۔ آپ نے فاضل ، مظاہر العلوم سہارنپور سے کیا۔ اسی نسبت سے اپنے تخلص کے ساتھ مظاہری لکھتے ہیں ، والد کا نام عبدالرحمٰن ابن محمد یوسف انصاری ہے ، آپ کا وطن موضع متھواراہ ، تحصیل فتح پور بارہ بنکی (یو پی) انڈیا ہے جہاں ۲ر ستمبر کو آپ کی پیدائش ایک غریب خاندان میں ہوئی منشی ، مولوی ، کامل ، کا امتحان الٰہ آباد بورڈ سے پاس کیا، آج کل فیضی مظاہری مدرسہ ضیاء الاسلام قصبہ و تحصیل فتح پور میں درس وتدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔

شعر وشاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا جو بتدریج جاری ہے اور معمر وکہنہ مشق شاعر حضرت عزیز بارہ بنکوی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے، حالاتِ زمانہ نے ہجرت مکانی پر مجبور کیا اور متھواراہ سے ہجرت کر کے ان کے پورے خاندان نے فتح پور آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ قصبہ فتح پور (بارہ بنکی) میں خصوصیت سے نعت ومنقبت کی شاعری کے فیضیؔ مظاہری روح رواں ہیں اوران سے نئے اور پرانے کئی شاعر مستفید ہو رہے ہیں، وہ بےلوث اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں، آپ نے بزم انوار ادب سلون (رائے بریلی) کے کل ہند تحریری طرحی نعتیہ شعری انعامی مقابلہ میں خصوصی سند وانعام حاصل کیا، مولانا فیضی مظاہری بہت ہی نیک دل ، دیندار اور با اخلاق انسان ہیں، قصبہ کے سبھی نعت ومنقبت کے مشاعروں میں آپ کے مشوروں اور سرپرستی کو اہمیت دی جاتی ہے اکثر مشاعروں کے وہ کنوینر بھی رہتے ہیں جس میں انجمن آنہ فنڈ فتح پور کا ۱۴ر ربیع الاول کا شاندار نعتیہ مشاعرہ قابل ذکر ہے۔

نمونۂ کلام:

آپؐ سا نہیں کوئی متقی دو عالم میں　　آپؐ ہی کو زیبا ہے افسری دو عالم میں
کیوں نہ مدحتیں ہوتیں نور کی دو عالم میں　　چاند ہے مدینے میں، چاندنی دو عالم میں

محفلیں مہکتی ہیں، رحمتوں کے پھولوں سے ڈالیاں درودوں کی ہیں سجی دو عالم میں
کس قدر منظّم ہیں، صدق وعدل کے پیکر ساتھ مصطفیٰ کے ہیں، آج بھی دو عالم میں
سرور مدینہ کی سنتوں کو اپنا کر سر بلند ہوتا ہے آدمی دو عالم میں
ہے چٹائی کا بستر اور ہاتھ کا تکیہ پھر بھی ہے شہنشاہی آپ کی دو عالم میں
ذکر کر رہا ہوں میں ایسی ذات کا فیضیؔ ذکر ہو رہا ہوگا میرا بھی دو عالم میں

۶۷۔ مولانا محمد قاسم حبیبیؔ برکاتی:

آپ کا نام محمد قاسم ہے حبیبیؔ تخلص ہے، آپ ایک علم وبصیرت، دین ودیانت، زہد و تقویٰ اور خلوص وللّٰہیت سے تعلق رکھنے والے معزز ومکرم خانوادہ میں سرزمین پر الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا عبدالستار ہے انھوں نے اپنی سرپرستی میں دینی ماحول میں آپ کی پرورش کی۔ گھریلو تعلیم کے بعد آپ نے استاذ الحفظ حضرت الحاج حافظ قبول احمد صاحب فتح پوریؒ کی نگرانی میں قرآن مقدس حفظ کیا اور اس کے بعد جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد میں تجوید وقرأت اور عربی، فارسی، اردو فضیلت کا کورس مکمل کیا۔ مولانا کو عروج وارتقاء کی منزلیں طے کرنے کے مواقع اس وقت فراہم ہوئے جب آپ نے سید العرفاء احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر میاں صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی زیب سجادیہ آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر کے مارہرہ مقدسہ کے علمی وروحانی خانوادہ کے دائرہ فیوض وبرکات میں شامل ہوگئے۔

۱۹۸۲ء سے آپ کانپور کی تاریخی جامع مسجد شفیع آباد چمن گنج میں امام وخطیب ہیں اس کے ساتھ ساتھ مدرسہ حنفیہ دارالقرأت میں درس وتدریس کے فرائض کی انجام دہی پر مامور ہیں۔

مولانا کی دلچسپیوں اور کوششوں کے نتیجے میں آج کانپور بلند پایہ نعتیہ شاعری کا مرکز و محور بن چکا ہے، نعتیہ شعری محفلوں نے رفتہ رفتہ بڑے مشاعروں کی شکل اختیار کر لی۔

''آبشار مدحت'' آپ کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ آپ نے استاذ الشعراء الحاج حق بنارسی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

نمونۂ کلام:

جاتے ہیں سوئے عرش رسول زمن کے پاؤں سمٹے ہوئے ادب سے ہیں چرخ کہن کے پاؤں

حاصل ہے جس کو آپؐ کی نسبت رسولؐ پاک
کیسے پڑیں زمیں پہ ایسے سخن کے پاؤں

تابانیاں نہ پوچھ کف پائے نازکی
ذرے کو مہر کردیں شہ ذوالمنن کے پاؤں

عشاق، راہ طیبہ میں چلتے ہیں سر کے بل
میرے سر نیاز دکھا دے تو بن کے پاؤں

عشق رسول پاک نے بخشی ہے وہ حیات
"ہلتے ہیں بعدِ مرگ بھی اندر کفن کے پاؤں"

قاسم جہاں پکارا رسولؐ انام کو
ہیبت سے کانپنے لگے رنج ومحن کے پاؤں

نعتیہ ہائیکو:

ان کے اشارے سے
فرش زمیں پر جاری ہوں
پنجاب رحمت

نور ہی نور ہے وہ
جس پر عمل پیرا ہیں چراغ
وہ دستور ہے وہ

آقا کا ہر کام
روز ازل سے ہے منسوب
امن وسکوں کے نام

ان کے در کی خاک
کاش یہ احسان ربی
ہو میری پوشاکی

روشنی تم نے بھی پائی ہے بہ فیضانِ رسولؐ
ماہ و خورشید کو یہ بات بتا دی جائے

دل ہے بیتاب بہت کاش مرے سینے پر
خاک پائے شہِ کونین لگا دی جائے

جو بھی معراجِ شہِ دیں کا ہو منکر قاسم
سورۂ نجم اسے پڑھ کے سنا دی جائے

۶۸۔ قاسم ہنرؔ راعینی:

آپ کا نام محمد قاسم راعینی اور تخلص ہنرؔ ہے، قاسم ہنرؔ راعینی کے قلمی نام سے مشہور ہیں، والد کا نام محمد حیات راعینی ہے۔ آپ کی سکونت موضع کٹھاواں، پوسٹ آفس دھرئی

تحصیل سلون ضلع رائے بریلی (یوپی) میں ہے اور تاریخ پیدائش ۳ر جولائی ۱۹۷۲ء ہے۔ آپ نے انٹرمیڈیٹ الٰہ آباد بورڈ سے کیا۔ ادیب کامل اور معلم (جامعہ اردو علی گڑھ) کا امتحان بھی پاس کیا نوجوان شاعر ہیں تقریباً دس سال سے شاعری کررہے ہیں۔ آپ نے ابتدائی چند غزلیں اثؔر سلونوی کو دکھائیں۔ اب وفاؔ سلونوی اور الحاج راہیؔ پرتاپ گڑھی سے اصلاح لے رہے ہیں، ان کے کلام میں ندرت ہے، روایتی شاعری سے گریز کرتے ہیں اور جدت پسند ہیں یہ اپنی ایک الگ پہچان بنانے کی کامیاب کوشش کررہے ہیں۔ مشاعروں میں جھجھک اور کمزور ادائیگی کے باوجود، تخیل کی بلندی، اشعار کی دلکشی اور زور کی بدولت کامیاب رہتے ہیں، بزم انوارادب (رائے بریلی) کے کل ہند تحریری طرحی انعامی شعری مقابلہ میں اول انعام حاصل کیا۔

نمونۂ کلام: قطعات:

جو بدنصیب ہے وہ خوش نصیب کب ہوگا؟ نظر کے سامنے رب کا حبیبؐ کب ہوگا؟
ہنؔر جو شخص ہو سرکارؐ دو جہاں کا غلام امیر کہیے اسے وہ غریب کب ہوگا؟

☆☆☆☆☆

نبی کے نقش قدم پر جو چل گیا ہوتا قسم خدا کی مقدر بدل گیا ہوتا
شمار ہوتا یہ پروانہ خوش نصیبوں میں جو شمعِ عشقِ محمدؐ پہ جل گیا ہوتا

۶۹۔ قدیؔر تابانی:

آپ کا نام قدیر احمد اور تخلص قدیؔر ہے۔ والد کا نام مشیر احمد وارثی ہے، موضع احمد پور ضلع بارہ بنکی میں آپ ۲۰ر نومبر ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔

قدیؔر تابانی صاحب نے جونیر ہائی اسکول اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر اردو زبان سے کافی حد تک واقفیت رکھتے ہیں، ۱۳ سال کی عمر میں اپنے ماموں ضیاء قاسمی کے ہمراہ بمبئی چلے گئے جن کا محمد علی روڈ پر مشہور پرنٹنگ پریس تھا، وہاں ان کی ملاقات مرزا دبیؔر کے پرپوتے جرار حسین عالم حیدری دہلوی سے ہوئی۔ ۸۔۹ سال تک ان کی ہمراہی سے فیضیاب ہوتے رہے، ۸۔۹ سال کے بعد پھر بمبئی کی سکونت ختم کرکے وطن واپس آگئے جہاں آپ نے فاروق احمد تاباں شفقی بارہ بنکوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

نمونۂ کلام:

لقمان کے ہنر میں نہ عیسیٰ کے فن میں ہے
جو بات مصطفیٰ کے لعاب دہن میں ہے

غربت نے ڈال رکھی ہیں پیروں میں بیڑیاں
اور دل اسیر، حلقہ رنج و محن میں ہے

بوبکرؓ ہیں، عمرؓ ہیں، غنیؓ ہیں، علیؓ بھی ہیں
ہر رنگ کا گل اپنے نبیؐ کے چمن میں ہے

اخلاص ہے، وفا ہے، محبت ہے، پیار ہے
کیا کیا نہ ان کی نور بھری انجمن میں ہے

آنکھیں اگر خدا نے عطا کی ہیں دیکھیے
تصویرِ کائنات حسینؓ و حسنؓ میں ہے

دیتا ہے دل شکستوں کو جینے کے حوصلے
تاثیر اب بھی اتنی غم پنجتن میں ہے

کیونکر بھٹک رہا ہے دل پر ہوس ترا
سب کچھ تو اے قدیرؔ نبیؐ کے وطن میں ہے

۷۰۔ قمر آصف اجمیری:

نام حافظ فضل حسین ہے، پہلا تخلص قمرؔ لیکن بعد میں آصفؔ تخلص اپنایا۔ آپ قمر آصفؔ کے نام سے جانے جاتے ہیں، آپ کا وطن اجمیر شریف ہے، جہاں آپ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، انگریزی زبان میں مڈل کی تعلیم حاصل کی اور ادیب ماہر کا امتحان بھی پاس کی۔ آپ کو اپنے بھائی حافظ حامد حسین اجمیری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا پیشہ سرکاری ملازمت ہے۔

نمونۂ کلام:

مصدر التفات وہ، مظہر التفات آپؐ
حاکم کائنات وہ، ناظم کائنات آپؐ

محرم رازِ کبریا، سرور بزم انبیاء
وارثِ شش جہات وہ، باعث شش جہات آپؐ

عظمتِ عشق عز و جل، رفعت حسن لم یزل
گنجینۂ صفات وہ، آئینہ صفات آپؐ

آپ کی نعتوں میں حمد و نعت کا امتزاج دیدنی ہے:

نہ شکوہ خشک سالی کا، نہ بختِ نارسا کا ہے
ہر اک لب پر ترانہ آمد خیر الوریٰؐ کا ہے

سیاہی کفر کی کافور ہوتی، غیر ممکن تھا
مگر یہ معجزہ عکس رخ شمس الضحیٰ کا ہے

کلام پاک شاہد ہے، ظہور سرورؐ عالم
نتیجہ حضرت ابراہیمؑ کی قلبی دعا کا ہے

میسر پھر بھلا مجھ کو نہ کیوں نورِ بصیرت ہو
مری آنکھوں میں سرمہ جب نبیؐ کی خاک پا کا ہے

۷۱۔ قمرؔ اکبر آبادی:

آپ کا نام سید قمر الحسن اور والد کا نام منشی فضل حسین ہے، آپ کا وطن اکبر آباد آگرہ

(یوپی) ہے۔ قلمی نام قمرؔ اکبرآبادی ہے۔ سلسلہ نقشبندی ہے، قمرؔ صاحب کی عمر تقریباً ۶۴ سال ہے۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۳۲۔۳۳ سال سے شاعری کررہے ہیں اور شاعری ہی ذریعہ معاش ہے۔ مہاراشٹر گورنمنٹ سے گرانٹ ملتی ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی سے ان کے پروگرام وقتاً فوقتاً نشر ہوتے رہتے ہیں بمبئی ایم پی اور یوپی کے اخبار ورسائل میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ نے ابتدا میں مرحوم عالمؔ فتح پوری سے اصلاح سخن لی اور ان کے انتقال کے بعد تمناؔ جمال دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

قمرؔ اکبرآبادی صاحب کا تعلق فلمی دنیا سے بھی ہے۔ ان کا کلام بمبئی کے قوال جانی بابو، مجید شملہ وظہیر عرفان اور غزلیں انوپ جلوٹا، چندن داس، دہلی کے اسلم صابری اور پنکج اداس نے گائی ہیں اور Cassets نکلنے والی ہیں، مجموعہ کلام ''پیچ وخم'' اور ''مشت خاک'' زیر ترتیب ہیں اور دہلی اور لکھنؤ اکادمی کے تعاون سے شائع ہونے والے ہیں۔

نمونۂ کلام:

ہم تو ہیں بس غلامانِ مصطفیٰؐ — تھامے ہوئے ہیں آج بھی دامانِ مصطفیٰؐ
ظلمات کفر سے ہمیں لائے نکال کر — امت پہ کس قدر ہے یہ احسان مصطفیٰؐ
روزہ، نماز، اور یہ عبادت یہ بندگی — اے مومنو یہی تو ہے فرمانِ مصطفیٰؐ
عاصی ہے پھر بھی شامل امت ہے یہ قمرؔ — حاصل ہوا ہے اس کو بھی فیضان مصطفیٰؐ

۲۷۔ قمرؔ سنبھلی:

آپ کا نام سلطان الدین اور ادبی نام قمرؔ سنبھلی ہے۔ والد کا نام مولانا حافظ حکیم قاری حمید الدین ہے۔ آپ کا وطن سنبھل ضلع مرادآباد یوپی ہے۔ ۲ر ستمبر ۱۹۴۲ء تاریخ پیدائش ہے۔ قمرؔ سنبھلی حافظ قرآن ہیں۔ آپ نے تجوید وقرأت اور فاضل دینیات کے امتحانات بھی پاس کیے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں شاعری کا آغاز کیا اور ماسٹر ناہر حیدری مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ نئی دہلی میں سکونت اختیار کی موجودہ پتہ ۲۷۵۵ نئی سڑک، دہلی ۱۱۰۰۰۶ ہے۔

قمرؔ سنبھلی اردو وادب کی خدمت میں سرگرم ہیں اور کئی ادبی رسائل کے ادبی حصہ کے مدیر ونگراں ہیں۔ جن میں فلمی منارے'' اور ماہنامہ ''باجی'' شامل ہیں۔ کئی ادبی انجمنوں کے صدر، نائب صدر، سکریٹری اور رکن ہیں۔

اس کے علاوہ دو درجن سے زائد کتابوں، تذکروں اور انتخابی مجموعوں کے تخلیق کار ہیں، گزشتہ ۳۰۔۳۲ سال کے دوران کئی برسوں تک جرائد اور رسائل کے قلمی معاون رہ چکے ہیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کل ہند مشاعروں کے ذریعہ شعری تخلیقات عوام تک پہنچا رہے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں جیسے مجموعۂ غزلیات ''آواز کا لمس'' منظومات کا مجموعہ ''جرس'' تاریخی قطعات پر مشتمل ایک مجموعہ اور حمد ونعت ومناقب کا مجموعہ نیز ایک مجموعہ نثری تحریروں پر مشتمل ہے (یعنی تبصرے اور مضامین) جو زیر ترتیب ہے۔ قمرؔ سنبھلی قادر الکلام شاعر ہیں جس موضوع پر لکھتے ہیں بہت ڈوب کر لکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں آمد ہے، ندرت ہے اور جدت ہے۔ وہ مناسب الفاظ کا استعمال بہت سلیقے سے کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

روح بن کر یہ اذانوں میں صدا دیتا ہے کون؟ — خواب سے غفلت کے امت کو جگا دیتا ہے کون؟
آخر شب میرے جذبوں کو ہوا دیتا ہے کون؟ — پھول ہونٹوں پر درودوں کے کھلا دیتا ہے کون؟
یہ مرے آقاؐ کی یادوں کا تصرف تو نہیں — شام شہر ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے کون؟
کون ہے یہ دو دو پتھر پیٹ پر باندھے ہوئے؟ — وہ کہ خود فاقوں سے اوروں کو کھلا دیتا ہے کون؟
بادشاہی میں بھی کس کو ناز ہے افلاس پر — دوستو! الفقر فخری کی صدا دیتا ہے کون؟
کس کو اپنے واسطے بوسیدہ کملی ہے پسند — سر برہنہ اپنی امت کو ردا دیتا ہے کون؟
کس کو حاصل ہے یہ اخلاق کریمانہ کہو! — گالیاں کھا کر بھی دشمن کو دعا دیتا ہے کون؟
فرض امت پر کیا کس نے حصول علم کو — چین تک جانے کا ہم کو مشورہ دیتا ہے کون؟
اس قدر ہے کس نبی کو اپنی امت کا خیال — عاصیوں کو روزِ محشر آسرا دیتا ہے کون؟
معتبر کرتا ہے کس کا ذکر شعروں کو مرے — یہ مرے افکار کو لہجہ نیا دیتا ہے کون؟
فکر کو مہمیز کرتا ہے قمرؔ کس کا خیال — نعت کہنے کا مجھے یہ حوصلہ دیتا ہے کون؟

☆☆☆☆☆

دل و نظر تھے فروزاں، نہ راستے روشن — حضورؐ! آپ کی بعثت سے ہوگئے روشن
ہوئے چراغ جو ذکر حبیب کے روشن — ہر ایک گوشۂ ہستی دکھائی دے روشن
رہے نظر میں اگر اسوۂ حبیب خدا — تمام ارض و سما، بحر و بر ہوئے روشن

سخن بلالؓ کا حسانؓ کی زباں مل جائے ۔۔۔ مرے نصیب کے ہوجائیں آئینے روشن
قمؔر ہو ذات نبیؐ میری فکر کا حاصل ۔۔۔ مرے خیال کے ہوجائیں سلسلے روشن

۴۳۷۔ قیصرالجعفری:

آپ کا نام سید زبیر احمد جعفری اور تخلص قیصؔر الجعفری ہے۔آپ کے والد محترم کا نام قاضی صغیر احمد ہے اور تاریخ پیدائش ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۶ء ہے، آپ کا وطن مالوف نظر گنج الٰہ آباد (یوپی) اور وطن ثانی موئی کلاں، پرتاپ گڑھ یوپی ہے لیکن مستقل قیام ممبئی میں ہے، آپ نے مولوی محمد اختؔر نظر گنجوی (نانا) حاجی بدرالدین احمد شاجا پوری سے اور مجیدیہ اسلامیہ کالج، الٰہ آباد (یوپی) میں تعلیم حاصل کی، ''چراغ حرا''، رنگ خیال''، ''سنگ آشنا''، ''دشت بے تمنا''، ''نبوت کے چراغ''، پتھر ہوا میں پھینکے'' (کلیات ہندی رسم الخط) آپ کی تصانیف ہیں۔

نعتیہ شاعری کا آغاز کس طرح کیا اس کے بارے میں وہ خود رقم طراز ہیں:

''ایمرجنسی کی شب تار میں آمریت کے ظلم و جبر کا شکار ہو کر ملک کے ہزار ہا افراد کی طرح قافلۂ تحریک اسلامی بھی اسیر زنداں رہا، دہلی کی تہاڑ جیل میں ایک دن شعر وسخن کے موضوع پر گفتگو کے دوران امیر جماعت اسلامی ہند مولانا یوسف صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ عوام کو حضورؐ کی سیرت سے بڑے پیمانے پر روشناس کرانے کے لیے اس کو منظوم کر کے پیش کیا جائے، تو بہت مفید ہوگا۔ کچھ دنوں بعد جیل سے تو رہائی ہوگئی، مگر ذہن و دل سیرت کو منظوم کرنے کے خیال کی گرفت میں ہی رہے۔''

پھر ''چراغ حرا'' شائع ہو کر منظر عام پر آیا، اور بہت مقبول ہوا اور بہت سراہا گیا، قیصرالجعفری ایک قادرالکلام جدید لب و لہجہ کے شاعر ہیں اور ان خوش نصیب شاعروں میں ہیں جن کو زندگی ہی میں مقبولیت مل جاتی ہے۔ ''چراغ حرا'' میں دور ابراہیمیؑ سے لے کر بعثت نبویؐ اور وصالِ رسولؐ تک کے تمام ابواب شعری و فنی محاسن کے ساتھ منظوم کیے گئے ہیں، اس کاوش میں حرا، دعوت، آزمائش، ہجرت، پیغام، غزوات، ازواج مطہراتؓ، اذان، غلبہ اسلام، فتح مکہ، حجۃ الوداع، اور دیگر اہم واقعات کو سمیٹا گیا ہے۔، یہ سبھی مضامین مثنوی کی ہیئت میں نظم کیے گئے ہیں، لیکن ان پر غزلیہ فکر اور

اسلوب ادا کی چھاپ ہے۔مضامین کی اہمیت کے پیش نظر کہیں کہیں الفاظ کی چستی نے کشش کے فن سے گریز کیا ہے جو الفاظ کی چستی اور کشش کی وجہ سے عام ناظر کو محسوس نہیں ہوگا۔

آمد

بطن مادر میں جو موتی تھا زمرد ٹھہرا دھوم مکے میں ہوئی نام محمدؐ ٹھہرا
وہ محمدؐ جسے سرمایۂ جاں ہونا تھا وہ نبیؐ جس کو یتیمی میں جواں ہونا تھا
وہ محمدؐ کہ یہ سب کون و مکاں جس کا تھا وہ نبیؐ، سارا جہاں، سارا جہاں جس کا تھا
وہ محمدؐ، جسے ظلمات کو سر کرنا تھا وہ نبیؐ، جس کو ستاروں میں سفر کرنا تھا
وہ محمدؐ کہ زمانے پہ کرم جس کا پڑا وہ محمدؐ، عرش معلیٰ پہ قدم جس کا پڑا
وہ محمدؐ کہ تراشی نئی منزل جس نے وہ نبیؐ توڑ دیے بازوئے باطل جس نے
وہ محمدؐ کہ دل و جاں میں تھا ڈیرا جس کا وہ نبیؐ، وقت سے آگے تھا پھریرا جس کا
وہ محمدؐ کہ سبھی سلطنتیں جس کی تھیں وہ نبیؐ، عیش کی سب مملکتیں جس کی تھیں
وہ محمدؐ، کہ شجر جس کا، حجر جس کا تھا وہ نبیؐ، معجزۂ شقِ قمر جس کا تھا

۴۷۔ لتا حیا:

لتا حیا صاحبہ کو اردو زبان و ادب بالخصوص اردو نعتیہ شاعری میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔آپ نے بہت سے، کافی اچھے نعتیہ اشعار کہے ہیں، آپ ایک خاص ہوشمند ذہن کی مالکہ ہیں۔نعتیہ اشعار میں تلمیحات کی فروانی ہے اور آپ کی گفتار میں روحِ نعت جاری وساری ہے۔آپ کا مخصوص وصف یہ ہے کہ آپ نے تلمیحات کا استعمال برجستہ اور اس قدر خوبی سے کیا ہے کہ تلمیحات سے متعلق واقعہ خود شاعر کا دیکھا ہوا واقعہ لگنے لگتا ہے۔ آپ کے اسلامیات سے تاثر کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ نے زبانِ عربی کی تحسین کی بابت دو لاثانی اشعار کہے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

دنیا کی ہر زبان کی اپنی ہی ادا ہے اپنی مہک اور اپنی ہی مٹّی کی صدا ہے
جس سے کہ انسانیت کو درس ملا ہے وہ ہے زبانِ عربی کہ جو گفتارِ خدا ہے

شاعرہ موصوفہ نے عربی کی بہتری و برتری کی بابت یہ بات کہی ہے کہ وہ گفتار خدا ہے۔اس شعر کا سارا مضمون حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اس حدیث سے مستعار

ہے، جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ تم عربی سیکھو اس لیے کہ وہ پروردگارِ عالم کی زبان ہے، اس لیے کہ وہ میری زبان ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اہل جنت کی زبان ہوگی۔ اب متعلقہ اشعار دوبارہ ملاحظہ ہوں:

دنیا کی ہر زبان کی اپنی ہی ادا ہے　　　اپنی مہک اور اپنی ہی مٹّی کی صدا ہے
جس سے کہ انسانیت کو درس ملا ہے　　　وہ ہے زبانِ عربی کہ جو گفتارِ خدا ہے

درحقیقت حیاؔ صاحبہ کی اسلامی گرفت لاجواب ہے، اس لیے ان کے یہاں تلمیحات کا برجستہ استعمال ہے، موصوفہ نے درج ذیل اشعار میں غار ثور میں وقوع پذیر واقعہ کی جانب لطیف اشارہ کیا ہے، جب آپ نے کفار مکہ سے اپنے تحفظ کی خاطر منشائے الٰہی کے عین مطابق غار ثور میں پناہ لی تھی، تو اللہ پاک نے کفار مکہ کے اذہان کو غار میں آپ کی موجودگی سے نفسیاتی طور پر ہٹانے کی خاطر وہاں کبوتری کو حکم دیا کہ وہ انڈے دے دے اور مکڑی کو حکم دیا کہ وہ غار ثور کے دہانہ پر جالا بُن دے، چنانچہ جب آپ کے اعداء آپ کو ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے وہاں آگئے تو غار کے منہ پر مکڑی کے جالے کو دیکھ کر واپس چلے گئے کہ ابھی تو نبی مکرمؐ مکہ سے چلے ہیں، اگر آپؐ غار میں داخل ہوئے ہوتے تو غار کے دہانے کا جالا ٹوٹ گیا ہوتا۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰؑ اور جابر و ظالم بادشاہ فرعون کا ہے کہ حضرت موسیٰؑ بحکم الٰہی دریائے نیل عبور کر گئے۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے لیے دریا میں ۱۲ قبیلوں کے لیے ۱۲ راستے بنا دیے جن سے موسیٰؑ اور ان کی قوم کے لوگ بغیر کسی دقّت دریا کو پار کر گئے اور فرعون اور اس کے ساتھی غرقِ آب ہو گئے۔

تیسرا واقعہ نمرود اور اس کے عذاب سے وابستہ ہے۔ اللہ بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نمرود کو اس طرح شکست دی اور اسے اس طرح ذلیل و خوار کیا کہ اس نے ان پر مچھروں کو بطور عذاب مسلط کر دیا جنھوں نے نمرود کی فوج کو ہلاک کر دیا اور ایک لنگڑا مچھر نمرود کی ناک میں گھس کر اس کے دماغ تک پہنچ گیا، جہاں وہ نمرود کو اذیت پہنچاتا رہا حتی کہ نمرود اس حقیر مخلوق کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔

اب لتا حیاؔ صاحبہ کے ان سبھی واقعات سے متعلق اشعار ملاحظہ کریں اور کمال یہ ہے کہ حیاؔ صاحبہ نے ان تینوں واقعات کو صرف دو اشعار میں نظم کر دیا ہے:

خدا جس کی حفاظت کی حیاؔ جب ٹھان لیتا ہے تو پھر مکڑی کے جالے کی وہ چادر تان دیتا ہے
اگر وہ موت لکھ دے دے گا اگر وہ زندگی لکھ دے، سمندر راہ دے دے تو مچھر جان لیتا ہے

حیاؔ صاحب نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک اس عالم آب وگل میں ایک بھی ایسا انسانی فرد موجود رہے گا جو اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو، شعر ملاحظہ ہو:

تباہی لاکھ ہو، لیکن قیامت آ نہیں سکتی زمین پر ایک بھی مومن رہے گا جب تلک باقی

اب مرقومہ ذیل سطور میں ان قرآنی تلمیحات کا ذکر خیر کیا جا رہا ہے جن کو حیاؔ صاحبہ نے اپنے ایک شعر میں استعمال کیا ہے۔ ان تلمیحات میں ان قرآنی آیات کا سہارا لیا گیا ہے جن میں اسرائیل، قوم لوط وقوم سبا کی ہلاکت کا تذکرہ ہے، یہ تذکرہ ایک بلیغ استعارہ کی شکل میں ہے:

اگر غافل ہے تو انجام سے اپنے اے اسرائیل تو قوم لوط اور قوم سبا کو یاد کر لینا

مندرجہ ذیل شعر میں پوری سورۂ نساء کو بطور تلمیح استعمال کر کے بات کرنے کا انداز قابل تحسین ہے۔ اب محولہ بالا نعتیہ شعر ملاحظہ کیجیے:

حقوق عورت کے مردوں سے ہیں کیا، یہ جاننا ہے تو کلام اللہ کی سورہ نساء کو یاد کر لینا

لتاؔ حیاؔ کی اس قبیل کی شاعری کو پڑھ کر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ موصوفہ لتاؔ حیاؔ ملکۂ تلمیحات ہیں، جو بلا تلمیح لقمہ نہیں توڑتیں اور جن کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف تلمیحات ہیں بالخصوص مذہبی تلمیحات۔

حیاؔ کے کلام میں ایک لائق التفات عنصر یہ ہے کہ اس میں بلا کی روانی و برجستگی اور ایک چونکا دینے والی کیفیت ہے صرف ایک شعر ملاحظہ ہو:

دنیا کی ہر زبان کی اپنی ہی ادا ہے اپنی مہک اور اپنی ہی مٹّی کی صدا ہے

موصوفہ لتاؔ حیاؔ اپنی تلمیحات پر استعارات کے اتنے اور ایسے دبیز پردے ڈال دیتی ہیں کہ ان کے اس قبیل کے اشعار ان حضرات کے لیے عسیر الفہم ہو جاتے ہیں، جو مذہبی تلمیحات سے ناواقف ہوں۔ اس طرح وہ اسلامی تلمیحات کی بہترین دانا و بینا شاعرہ ہیں۔

آپ اپنے اشعار، اپنے خاص گرویدہ کن ترنم اور تحت اللفظ دونوں ذریعۂ اظہار کے

توسل سے پڑھتی ہیں اور دونوں طرح بحُسن وخوبی اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتی ہیں۔ ان دنوں آپ اسٹیج کے مشاعرے کی وہ مقبول ترین شاعرہ ہیں، جو اپنے وجد آفریں آواز کے ترنم سے سامعین کو مسحور کر لیتی ہیں۔ وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ کون سے اشعار کو تحت اللفظ میں پڑھنا ہے اور کن کو ترنم سے پڑھنا ہے۔

فی الواقع حیاؔ کو استعارات و تلمیحات کے استعمال میں فنی حذاقت حاصل ہے، وہ تشبیہات بہت کم استعمال کرتی ہیں اور استعارات بکثرت و بخوبی استعمال کرتی ہیں ان کی مہارت، ان کے درج ذیل اشعار میں بالخصوص ہندی اور اردو کے سیاق وسباق میں ملاحظہ فرمائیں:

میں ہندی کی وہ بیٹی ہوں ، جسے اردو نے پالا ہے
اگر ہندی کی روٹی ہے، تو اردو کا نوالا ہے
مجھے پیار ہے دونوں سے، مگر یہ بھی حقیقت ہے
لتاؔ جب لڑکھڑاتی ہے، حیاؔ نے ہی سنبھالا ہے

اردو اور ہندی کی خصوصیات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے مذکورۃ الفوق پہلے شعر میں ہندی و اردو، بیٹی و پالا اور روٹی و نوالہ اور دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں لتاؔ و حیاؔ اور لڑکھڑاتی اور سنبھالا اور ان کے مابہ الامتیاز عوامل کی معنویت اور اس میں پنہاں حسن محسوس کی جانے والی اشیاء کا فرحت دہِ وجدان محسوس کیے جانے والے استغراق میں پنہاں ہے، مذکورۃ السبق اشعار میں استعاراتی پہلو میں صنعت لف ونشر مرتب کا استعمال بھی دیدنی ہے۔

گوکہ محترمہ لتاؔ صاحبہ مجلس شعر وسخن میں ایک نو وارد ہیں پھر بھی اس مجلس میں ان کی اس طمطراق سے آمد قابل آفریں ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم العروض سے ان کی واقفیت سوال کے دائرے میں ہے لیکن یہ بھی ایک واقعیت ہے کہ علم البلاغت سے ان کی باخبری ایک مسلّم امر ہے اور اردو ادب پر ان کی گرفت استوار و مضبوط ہے۔

۷۵۔ کاملؔ حیدرآبادی:

نام میر زاہد علی اور تخلص کاملؔ ہے حیدرآباد دکن میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم اردو میٹرک تک حیدرآباد ہی میں مکمل کی، چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر آگے کی تعلیم جاری نہ رکھ

سکے اور ٹیکنیکل تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

۱۹۶۳ء میں آئی ٹی آئی کا دوسالہ کورس مکمل کیا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں ٹی ٹی سی کا ایک سالہ کورس ، ایر فریم تکنیشین کی حیثیت سے مکمل کرلیا اور ساتھ ہی ۱۹۶۵ء سے ''ہندوستان ایرونا ٹکس لمیٹیڈ میں ملازم ہوئے اور اس کمپنی میں گریڈ II آفیسر کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد شخصی طور پر ۱۹۹۳ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔

اردو شاعری کی ابتدا دورانِ تعلیم ہی میں ہوئی، کسی ایک شاعر سے شرف تلمذ حاصل نہیں کیا۔ شروع ہی سے ذہن غزل کی طرف مائل رہا، البتہ نعتیں کثرت سے کہیں اور آج بھی کہہ رہے ہیں۔ پہلے روایتی انداز کی شاعری کی پھر رفتہ رفتہ عصری شاعری کی طرف راغب ہوئے، ۱۹۶۵ء سے اپنے وطن عزیز حیدرآباد دکن سے ہجرت کر کے مہاراشٹر ناسک میں مقیم ہیں۔

کاملؔ حیدرآبادی صاحب ہندوستان کے مشاہیر رسائل و جرائد اور اخبارات میں جیسے شمع ، بیسویں صدی ، باجی ، خاتون مشرق، آج کی خاتون ، بزم فکر وفن، گونج، اسباق، اردو ٹائمز (بمبئی)، اورنگ آباد ٹائمز، راشٹریہ سہارا، نئی دنیا، فلمی ستارے، وغیرہ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں، ابھی تک ان کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا ہے۔

نمونۂ کلام:

فصل گل، باد صبا، شبنم ، نبیؐ کے شہر میں
ایک ہی رُت، ایک ہی موسم، نبیؐ کے شہر میں

روز وشب ہے نور کا عالم نبیؐ کے شہر میں
روشنی پڑتی نہیں مدھم نبیؐ کے شہر میں

اس پہ سو جائیں تو لگ جاتی ہے پل دو پل میں آنکھ
ریگ بھی ہے چادر ریشم، نبیؐ کے شہر میں

یہ ہے پرواز تخیل یہ ہے سوچوں کی اڑان
بند کیں آنکھیں تو پہنچے ہم ، نبیؐ کے شہر میں

مدعا ہے ایک سب کا، آرزو ہے سبکی ایک
چاہتے ہیں سب کہ نکلے دم، نبیؐ کے شہر میں

ہر گھڑی ، ہر سمت ہے چھایا ہوا ابر کرم
رحمتوں کی بارشِ پیہم نبیؐ کے شہر میں

میرے زخموں کا نہیں کاملؔ یہاں کوئی علاج
میرے زخموں کا ہے بس مرہم نبیؐ کے شہر میں

☆☆☆☆☆

کبھی نہ دل نے سکون چاہا، کبھی نہ دل نے خوشی طلب کی
بغیر مانگے بہت ملا ہے، کرم نبیؐ کا، عطائیں رب کی

عنایتیں ہیں، نوازشیں ہیں، تمھارےؐ گیسو کی اور لب کی
نصیب جاگا سحر کا، قسمت سنور گئی ہے اندھیری شب کی
وفا کا سورج نکل رہا ہے ، جفا کا پتھر پگھل رہا ہے
نفس نفس میں سرور و مستی ، نظر نظر میں ضیاء طرب کی
جو سر سے پا تک فقط اجالا، جو دونوں عالم میں شان والا
خیال سب کا امید سب کی، یقین سب کا مراد سب کی
تمھیںؐ ہو خیر البشر محمدؐ تمھیںؐ ہو نور البشر محمدؐ
دلوں کے اندر مہک رہی ہے ، مہک تمھارےؐ لقب لقب کی
گھنا اندھیرا تھا دائیں بائیں، گھنی سیاہی تھی آگے پیچھے
حیات کاملؔ نکھر گئی ہے پڑیں جو کرنیں مہِؐ عرب کی

۷۶۔ کرشن بہاری نورؔ لکھنوی:

نام کرشن بہاری اور تخلص نورؔ ہے۔ کرشن بہاری نورؔ کے قلمی نام سے ادبی دنیا میں مشہور ہیں، بیرون ہند کے اکثر مشاعروں میں لکھنؤ کی کامیاب نمائندگی کرتے ہیں، ان کے والد کا نام کنج بہاری لال سریواستو ہے، کرشن بہاری نورؔ کی شاعری کی ابتدا ۱۹۴۲ء میں ہوئی انھیں حسینی شاعر ظفر عباس فضل نقوی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مستقل سکونت ۱۷، غوث نگر لکھنؤ میں ہے، کرشن بہاری نورؔ لکھنوی کل ہند اور بیرون ملک مشاعروں کے بہت کامیاب شاعروں میں ہیں ابتدا میں ترنم سے پڑھا کرتے تھے اور اچھا ترنم تھا لیکن اس کے باوجود جوانی ہی سے تحت اللفظ میں پڑھنا شروع کیا، جو ان کی پہچان بن گیا، ان کے اشعار دل کو چھو لینے والے اور گہرائی میں اتر جانے والے ہوتے ہیں، نعتیں بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ کہتے ہیں اور نعتیہ مشاعروں میں سامعین کا دل جیت لیتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

کوئی مذہب تھا، نہ ایماں تھا، نبیؐ سے پہلے
بھٹکا بھٹکا سا، ہر انسان تھا، نبیؐ سے پہلے
کس کو محبوب کی قربت کا شرف حاصل تھا
رازِ حق کس پہ نمایاں تھا، نبیؐ سے پہلے
کھل گئے پھول رسالت کی بڑی خیر ہوئی
ورنہ سنسار بیاباں تھا نبیؐ سے پہلے

مسئلے سلجھے تو جینے کا قرینہ آیا — آدمی کتنا پریشاں تھا، نبیؐ سے پہلے
بھر گئیں جھولیاں ایماں کے گہر سے ورنہ — آدمی خاک بہ داماں تھا ، نبیؐ سے پہلے
حق شناسی سے بہت دور تھے دنیا والے — کوئی بخشش کا نہ ساماں تھا، نبیؐ سے پہلے
شمع توحید کی جب تک نہ جلی تھی اے نورؔ — سنتے ہیں کفر ہی ایماں تھا ، نبیؐ سے پہلے

☆☆☆☆☆

دیر سے نور چلا یوں، کہ حرم تک پہنچا — سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
تیری معراج محمدؐ تو خدا ہی جانے — میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

۷۷۔ کفیلؔ بسوانی:

نام کفیل احمد خاں تخلص کفیل، قلمی نام کفیل بسوانی اور والد کا نام اقبال حسین خاں ہے، آپ کا وطن بسواں ضلع سیتاپور ہے۔ جہاں ۶؍جنوری ۱۹۴۶ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، آپ نے مقامی طور پر بسواں سیتاپور میں تعلیم حاصل کی اور اردو، ہندی، انگریزی سے بقدر ضرورت واقفیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ، اوائل عمری ہی سے شعر وشاعری کا ذوق تھا اور طرحی اور غیر طرحی نشستوں میں جایا کرتے تھے۔ ماحول کے اثر سے متاثر ہوکر غزل اور نعت پاک کہنے لگے، مشاعروں میں ترنم سے اور والہانہ انداز میں پڑھتے ہیں اور داد وتحسین حاصل کرتے ہیں۔

کم سے کم آہ میں اتنا تو اثر ہوجائے — دل یہاں دھڑکے مدینے میں خبر ہوجائے
حالت دل شہِ بطحا سے صبا کہہ دینا — سوئے طیبہ جو کبھی تیرا گذر ہوجائے
شاید اب میری بھی امید کا سورج چمکے — شاید اب میری شب غم کی سحر ہوجائے
دل یہ کہتا ہے کہ اب سوئے مدینہ چلیے — عقل کہتی ہے کہ سامانِ سفر ہوجائے

۷۸۔ مدہوشؔ بلگرامی

نام محمد راشد خاں اور والد کا نام حاجی عزیز احمد خاں کیفیؔ بلگرامی ہے، تخلص مدہوشؔ ہے۔ آپ کا وطن قصبہ بلگرام ہردوئی (یوپی) ہے، جہاں ۴؍جون ۱۹۶۹ء کو ایک علمی وادبی گھرانے میں پیدا ہوئے ، انھوں نے بی اے تک تعلیم ہردوئی کے اسکول اور کالج میں پائی اور قرآن پاک کی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی ، آپ کالج کی میگزین کے مدیر رہے، آپ کو اختر شاہ جہاں پوری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ہردوئی کی شعری نشستوں اور بیرونی اضلاع کے کل

ہند مشاعرے پڑھنے کا شرف آپ کو حاصل ہے، اخبار و رسائل میں آپ کا کلام وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے۔ غزلوں کے علاوہ قطعات اور آزاد نظمیں، حمد، نعت، افسانے، ادبی مضمون اور تبصرے لکھے اور لوگوں کے انٹرویو بھی لیے۔ ان کا مجموعہ کلام ''''نقطۂ افکار'' زیر ترتیب ہے۔

نمونہ کلام:

کوئی ہوگا نہ محشر میں ہمارا یا رسولؐ اللہ　　ہمارا تو تمھیں ہو بس سہارا یا رسولؐ اللہ
کوئی بھی تو نہیں امت کا حامی دونوں عالم میں　　ہو تم ہی بے سہاروں کا سہارا یا رسولؐ اللہ
پگھلنا سنگ کا، شق القمر، سورج کا پھر آنا　　یہ سب کیا تھا؟ فقط تیرا اشارہ یا رسولؐ اللہ
مرے آقاؐ، مرے محسنؐ، یہاں سے روز محشر تک　　کرم رکھنا یوں ہی مجھ پر خدارا یا رسولؐ اللہ
یقیناً اس پریشان حال کی تم نے سنی ہوگی　　مصیبت میں تمھیں جس نے پکارا یا رسولؐ اللہ
تمھارا سایۂ دامان رحمت جب سے ہے مجھ پر　　ہوا ہے اوج پر اپنا ستارا یا رسول اللہ
مشرف کیجیے مدہوش کو بھی اپنے جلوؤں سے　　یہ دوری اب نہیں ہوتی گوارا یا رسول اللہ

☆☆☆☆☆

خلاق نے کچھ سوچ کے سایہ نہ اتارا　　توہین محمدؐ کی اسے کب تھی گوارا
سلطان عرب، امی لقب، شاہِ زماں کے　　پیوند تھے ملبوس میں فاقوں پہ گزارا
یہ شمس و قمر اتنے درخشاں نہیں ہوتے　　اللہ نہ دیتا جو انھیں عکس تمھارا
بر آئی مراد اپنی توقع سے بھی پہلے　　آقاؐ کے وسیلے سے جو دامن کو پسارا

۷۹۔ مشتاق لکھیم پوری:

نام مرزا مشتاق علی بیگ اور قلمی نام مشتاق لکھیم پوری ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۹۲۴ء ہے مہراج نگر لکھیم پور کھیری میں سکونت ہے، تعلیم ورنا کیولر فائنل، ہائی اسکول اور ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔

زمانۂ تعلیم سے ہی افسانہ نگاری کا شوق تھا۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۰ء تک صرف افسانے لکھتے رہے جو اس زمانے کے رسائل، شمع دہلی، مان سرور الہ آباد، مصوّر لاہور، ادا کار لاہور، نقاش کلکتہ، ہندوستانی ادب حیدر آباد دکن، عندلیب بمبئی وغیرہ میں شائع ہوئے، ۱۹۶۰ء میں ملازمت چھوڑی اور لکھیم پور آ کر ہفت روزہ ''ابھرتی کرنیں'' کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۶۴ء

میں اس سلسلہ میں معتوب ہوئے اور ڈی آئی آر میں گرفتار ہو کر تین ماہ جیل میں رہے، رہائی کے بعد اخبار جاری نہ رہ سکا۔

شاعری کی ابتدا ۱۹۵۰ء سے کی، لیکن صرف بچوں کے لیے لکھتے تھے اور یہ نظمیں عموماً رام پور ہی میں شائع ہوتی تھیں اب با قاعدہ غزل اور نعت لکھنا شروع کیا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں ''ادبی سنگم'' لکھیم پور کی طرف سے غزل ایوارڈ دیا گیا۔

مشتاق صاحب کے متعدد نظموں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے غزلوں کا مجموعہ ''لالہ صحرائی'' اور ''نوشی کا درد'' بچوں کی منظومات''، تفریحی پھلجھڑیاں'' اور اصلاحی بچوں کی منظومات، ''اچھے تحفے''، مجموعہ نعت''''آبشارنو''، ''فرہنگ''، ''واحد جمع''، ہندی ڈرامہ ''سنتان کی بھینٹ'' طنز و مزاح کا مجموعہ ''اڑان'' المتخلص ابابیل لکھیم پوری ہے۔

اس کے علاوہ ''سوئے ہوئے مناظر'' (اسلامی تاریخی واقعات افسانوی انداز میں) ''ایجاد و تحقیقات'' (بچوں کے لیے معلوماتی مضامین) ''اپ اینڈ ڈاؤن'' (مزاحیہ کلام) ''شمع جلتی ہے'' اور غزلیات و منظومات کا تیسرا مجموعہ کلام زیر اشاعت ہے۔

نمونۂ کلام:

موت کیا آ گئی آپؐ کے شہر میں　　مل گئی زندگی آپؐ کے شہر میں
خوب ہے، خوب ہے، خوب ہے، خوب ہے　　جو بھی ہے یا نبیؐ آپؐ کے شہر میں
یاد ہم کو دلاتا ہے انصار کی　　ایک اک آدمی آپؐ کے شہر میں
زندگی بھر تصور میں دیکھا کیے　　عمر ساری کٹی آپؐ کے شہر میں
ہے ارادہ نہ مشتاقؔ لوٹیں گے ہم
جائیں گے گر کبھی آپؐ کے شہر میں

نہیں ایمان کامل جن کا ہوتا ذات باری پر　　نظر میں معجزہ بھی ان کی حیرت ناک ہوتا ہے
ضروری ہے بہت مشتاقؔ رب کی بندگی کرنا　　کہ انساں کوئی ہو آخر کو جزو خاک ہونا ہے
حیات سرورِ کونین سے جو درس لیتے ہیں　　انھیں حق بات کہنے میں بھلا کب باک ہونا ہے

۸۰۔ مصباحؔ خیامی

نام محمد علی خیامی اور قلمی نام مصباحؔ خیامی کھمریاوی ہے، والد کا نام ابو طارق ایم اے

خیامی ہے۔، وطن کھمریا، بھدوہی (یوپی) ہے، خصوصی طور پر زبان اردو (امتیازی حیثیت کے ساتھ) اور چند دیگر زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔

اوائل عمر سے ہی اردو زبان وادب سے گہری رغبت اور انسیت ہے نیز سن شعور سے ہی جذبۂ خدمت کے تحت لائبریری بنام ''خیامی دارالمطالعہ'' کا قیام جو بعرصۂ دراز اردو اکادمی یوپی سے ایڈڈ ہے، بفضلہٖ رواں دواں ہے۔

مصباحؔ خیامی صاحب نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، ملک کے مختلف اردو، ہندی، اخبارات اور رسائل میں آپ کا کلام وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے اور طرحی وغیر طرح مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

''شہکار عظیم اللہ کا''

علم کے مہر درخشاں رحمت للعالمینؐ　　آپ تو ہیں نور عرفاں رحمت للعالمینؐ

کفر کی ظلمت مٹی یکسر بہ ہنگام طلوع　　آپ ہیں وہ مہر تاباں رحمت للعالمینؐ

حامل فیض اور برکت منبع نور الہدیٰ　　آپ ہیں تصویر قرآں، رحمت للعالمینؐ

برتر و بالا ہے شہکار عظیم اللہ کا　　آپؐ ہیں صدر رسولاں، رحمت للعالمینؐ

باعث تخلیق عالم اور وجہِ ارتقاء　　نازش نوح و سلیماں ، رحمت للعالمینؐ

ہم گنہگاروں پہ روزِ حشر شفقت کی نظر　　اور ہو رحمت کی باران رحمت للعالمینؐ

بھیجتے ہیں آپؐ پر مصباحؔ روز و شب درود　　السلام اے شاہ شاہاں، رحمت للعالمینؐ

ابر کرم ، مہر مبیں　　امی لقب ، صادق امیں

فخر رسل ، طبع متیں　　ان کا کوئی ہمسر نہیں

بلغ　العلیٰ　بکمالہ

مشفق سخی شیریں زباں　　نورالہدیٰ گوہر فشاں

جب آئے وہ مفخر زماں　　روشن ہوا سارا جہاں

کشف　الدجیٰ　بجمالہ

رخ آپؐ کا یوں ضوفگن　　پر نور ہے صبح چمن

غنچہ و ہن گل پیرہن لب شہدزا، شیریں متن
حسنت جمیع خصالہ
نعت و ثنا میرا قلم کرتا رہا گر یوں رقم
ٹوٹے گا مصباح الم اے مومنو میرے بہم
صلو علیہ و آلہ

۸۱۔ مصورلکھنوی:

مصورلکھنوی کا تعارف اس سے بہتر کیا ہوگا کہ موصوف ہی کے الفاظ استعمال کر لیے جائیں۔

۱۔ غلام نبی (نام مصورلکھنوی (قلمی نام)

۲۔ حسین علی صاحب مرحوم ومغفور (ولدیت)

۳۔ ملازمت ۱۹۴۳ء میں اورسیر کلاس پاس کرنے کے بعد محکمہ انہار میں اوورسیر کی حیثیت سے اناؤ میں تقرری ہوئی لیکن ادبی ماحول سے تقریباً دور ہوگیا جب تک اناؤ میں رہا کسی دن شام کو کانپور چلا جاتا اور کسی دن لکھنؤ آجاتا لیکن یہ سب میرے لیے تکلیف دہ تھا، بالآخر لکھنؤ میں ریلوے میں ملازم ہوگیا جو آج تک D.R.M.office N.R.Lko کے نام سے جانا جاتا ہے یہیں سے ۳۱رجنوری ۱۹۸۳ء کو رٹائر ہوا۔ ۳۸ سال کی ریلوے ملازمت میں کئی Promition کے ساتھ تبادلے ہوئے لیکن ''لکھنؤ ہم پر فدا ہم فدائے لکھنؤ'' کے مصداق میں نے ہر مرتبہ Promition ٹھکرادیا، یہ ایثار محض اپنی ادبی زندگی برقرار رکھنے کے لیے کیا، اسی درمیان امین آباد لکھنؤ انجمن فردوس ادب لکھنؤ کے زیر اہتمام سالانہ نعتیہ مشاعروں کی بنیاد ڈالی، نعتیہ شاعری جو اس سے پہلے فن شاعری میں کوئی درجہ نہیں رکھتی تھی۔ ۲۷ سال نعتیہ مشاعرے منعقد کر کے اب اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ بقیہ فنون ادب پر چھا گئی ہے یہ میں نے نہایت مختصر طور پر چند جملے تحریر کر دیے ہیں کچھ اور معلومات میری کتاب ''عکس کائنات'' سے حاصل کی جا سکتی ہیں، میرا اپنا مزاج شروع ہی سے ایسا رہا کہ خودداری حاوی رہی اور کبھی شہرت یا عزت کی خاطر نہ آگے قدم بڑھ سکے اور نہ زبان ہی کھل سکی بس اتنی شہرت اور عزت جو اللہ نے عطا کر دی ہے اسی پر قانع ہوں اور اللہ کا شکر گذار ہوں۔

۱۹۳۷ء سے شعر گوئی شروع کی شروع شروع میں میرے ماموں صاحب (حکیم نذیر

موہانی مرحوم) میرا کلام دیکھتے رہے بعدہٗ علامہ آسیؔ لکھنوی مولانا عبدالباری آسی سے شرف تلمذ حاصل کیا لیکن ۴۶ء میں آسیؔ صاحب کے انتقال کے بعد پھر میرے ماموں صاحب میرا کلام دیکھتے رہے ۱۹۵۳ء میں حکیم نذیر موہانی صاحب بھی مالکِ حقیقی سے جا ملے اس کے بعد میں نے طے کرلیا کہ اب اپنی ذمہ داری پر شعر کہوں گا اور مشاعروں میں پڑھوں گا جب سے آج تک بفضلہٖ تعالیٰ کسی کی اصلاح کا محتاج نہیں ہوں بلکہ دوسروں کی مدد کرتا رہتا ہوں۔

آپ کے دو مجموعے پہلا ''مہبط جبریل'' دوسرا ''تم ہی تم'' ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں۔ ''مہبط جبریل'' خالص نعتیہ مجموعہ ہے اور ''تم ہی تم'' میں غزلیات اور کچھ نظمیں ہیں دونوں مجموعوں پر اردو اکادمی لکھنؤ سے گراں قدر عطیات اور توصیفی اسناد سے نوازا گیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں میرا اکادمی لکھنؤ نے بھی دونوں مجموعوں کی روشنی میں ادبی خدمات کے تحت بیش بہا انعام اور توصیفی سند سے نوازا۔ ''عکس کائنات'' آپ کا غزلیات کا مجموعہ ہے۔

ترانۂ نعت

تری یادوں کی دنیا بسائیں گے — تری توصیف کے گیت گائیں گے
اے شہ بحر و بر ہادیٔ معتبر — تری نظروں میں دنیائے جن و بشر
ترا رتبہ بڑا اے حبیب خدا
ترے اوصاف سب کو سنائیں گے — تری توصیف کے گیت گائیں گے
ترے نقش پا جن کی ایسی ضیاء — جس سے روشن ہے دنیائے ارض وسما
کاش پا جائیں ہم ترے نقش پا
انھیں آنکھوں سے اپنی لگائیں گے — تری توصیف کے گیت گائیں گے
ترے جلوے یہاں ترے جلوے وہاں — ترے جلووں سے پرنور کون و مکان
اے ہمارے نبیؐ رب کے پیارے نبیؐ
ترے جلوے جہاں بھی نظر آئیں گے — تری توصیف کے گیت گائیں گے
ترے صدقے چمن ترے قرباں وطن — تری راہوں میں منظور رنج و محن
گر ضرورت پڑی جان کی مال کی

تری الفت میں یہ بھی لٹائیں گے — تری توصیف کے گیت گائیں گے

☆☆☆☆☆

اک خاص کیف و نور کی دنیا اور ہم — پچھلا پہر ہے گنبدِ خضرا ہے اور ہم
موجیں ہیں رحمتوں کی سہارا دیے ہوئے — ان کی نوازشات کا دریا ہے اور ہم
پیش نظر ہیں روضۂ اطہر کی جالیاں — نظروں میں کائنات تمنا ہے اور ہم
شاید نگاہ خاص ادھر بھی اٹھے کبھی — اب باب جبرئیل کا گوشا ہے اور ہم
دوری ہے ان سے اتنی کہ قربت کہیں جسے — جالی کا ایک وسط میں پردا ہے اور ہم
ٹھہرا تھا آ کے ناقۂ حضرت کبھی جہاں — اس مسجد قبا کا نظارا ہے اور ہم
سرشار ہو رہی ہیں مدینے کی گھاٹیاں — لب پر صدائے بدر علینا ہے اور ہم
وہ شاہؐ دوسرا ہیں جسے بھی نواز دیں — اب ان کے سامنے دل رسوا ہے اور ہم
یا ہے ستون عائشہؓ آماج گاہ شوق — یا جستجوئے منزل سلمیٰ ہے اور ہم
نظروں میں اب تو دولت کونین ہیچ ہے — طیبہ ہے ان کا نفس کف پا ہے اور ہم
طیبہ سے چھٹکے لذت دوری نہ پوچھیے — سینے میں ایک درد گوارا ہے اور ہم
شاید حریم نور مصوؔر قریب ہے — اب ہر قدم پہ شوق کا سجدا ہے اور ہم

۸۲۔ مظہر محمود:

نام مظہر محمود ہے اور تخلص مظؔہر ہے آپ کے والد کا نام محمود ذکی ہے جو اچھے شاعر، ادیب، صحافی، محقق اور دانشور ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ بشریٰ ناہید نے اجین جیسے مرکز علم و ادب میں خواتین کی تنظیم کا اہم کام کیا اور اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے ''جدید اردو شاعری'' اور ''اردو کی مزاحیہ وطنزیہ شاعری'' جیسی کتابیں بھی مرتب کر کے شائع کیں۔ مظؔہر محمود صاحب اعلیٰ علمی و ادبی روایات کے امین ممتاز خاندان میں پیدا ہوئے اور مدھیہ پردیش، اورنگ آباد، دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے معیاری ماحول میں تربیت پائی۔

مظہر محمود صاحب نے جواہر لال یونیرسٹی دہلی سے ایم اے پولیٹکل سائنس اور اردو میں کیا اور ڈپلوما اِن ماس میڈیا بھی حاصل کیا۔ پی ایم ڈی کے اسکالر ہیں نظم ونثر دونوں میں اپنا اہم مقام بنا چکے ہیں، اردو انگریزی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں ترقی بیورو دہلی کے معیاری

جریدہ ''اردو دنیا'' کے ادارتی عملے میں معاون مدیر کی حیثیت سے شریک رہ چکے ہیں، دور درشن لکھنؤ کے پروڈیوسر رہ چکے ہیں۔ آج کل دہلی دوردرشن کے نیوز پروڈیوسر ہیں۔

نمونۂ کلام:

یا محمدؐ مصطفیٰ صل علیٰ　　دین حق کے پیشوا صل علیٰ
آپ ہی ہیں خاتم پیغمبری　　یا حبیب کبریا صل علیٰ
دولت کونین ہم کو مل گئی　　کلمۂ حق جب پڑھا صلی علیٰ
اہل باطل کے ہزاروں آسرے　　اپنا بس ایک آسرا صل علیٰ
آج امواج بلا کے درمیاں　　اس کا بیڑہ آپھنسا صلی علیٰ
لوگ پھر تاریکیوں میں گھر گئے　　روشنی ہو پھر عطا صلی علیٰ
امت عاصی کا اس طوفان سے　　پار پھر بیڑا لگا صل علیٰ
مظہر محمود پر کیجو کرم　　شافعِ روز جزا صل علیٰ

۸۳۔ منظر الحق منظرؔ لکھنوی:

آپ کا نام منظر الحق اور تخلص منظرؔ لکھنوی ہے۔ آپ ۵/مارچ ۱۹۴۹ء کو بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام زین الحق نگرامی ہے جو شاعر نواز تھے اور کبھی کبھی شعر بھی موزوں کرتے تھے۔ منظرؔ لکھنوی کے بڑے ابا مظہر الحق مظہرؔ نگرامی بہت اچھے شاعروں میں تھے جن کا انتقال کراچی پاکستان میں ہوا۔ مظہر الحق مظہر نگرامی اردو کے نقاد، ادیب، مجاہد اردو اور استاد ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کے شاگرد، پڑوسی اور گہرے دوستوں میں تھے، منظرؔ لکھنوی کے دادا مصباح الحق مصباح نگرامی بڑے شاعر و ادیب تھے جو مشہور و معروف مستند شاعر مولانا عبدالباری آسی مرحوم کے دوستوں میں تھے اور دونوں نول کشور پریس لکھنؤ میں ملازم تھے۔

موصوف کو شاعری ورثہ میں ملی نوجوان شاعر ہیں۔ آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم ایس سی کیا اور اینیمل ہزبینڈری (محکمہ مویشیان) میں انوسٹکٹر کی پوسٹ پر ملازم ہیں۔ ۱۹۸۵ء سے شاعری کا آغاز کیا۔ آپ نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی، حیدر مرزا روڈ مولوی گنج لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ کو معروف اور کہنہ مشق شاعر چودھری

عبدالستار خاں بیدلؔ مرادآبادی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

بزم مشق سخن لکھنؤ کے پہلے طرحی مشاعرے بتاریخ ۱۰؍نومبر ۱۹۸۵ء سے نعت گوئی کا آغاز کیا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں نعت نہایت عقیدت واحترام سے کہتے ہیں، نیک سیرت ہیں اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ منظرؔ لکھنوی، فن شاعری اور اس کی نزاکتوں سے کافی واقف ہیں۔

نمونہ کلام:

پاک کرلو آب زم زم سے قلم اچھی طرح
پھر لکھو نعت شہنشاہؐ امم اچھی طرح

جانتے ہیں سیرت خیر الامم اچھی طرح
اس لیے دشمن سے بھی ملتے ہیں ہم اچھی طرح

کس میں ہمت ہے کبھی جو آنکھ دکھلائے ہمیں
تھام لیں اللہ کی رسی جو ہم اچھی طرح

کاش طیبہ میں گذرتی اپنی ساری زندگی
دیکھتے ہم بھی در شاہ امم اچھی طرح

کیا ضرورت رہبری کی پیش آئے گی اسے
جس نے دیکھے آپ کے نقش قدم اچھی طرح

روضۂ اقدس کی جالی تک نہ ہم پہنچیں تو کیا
دور ہی سے دیکھ لیں گے کم سے کم اچھی طرح

سبز گنبد دیکھتے ہی دوڑنے لگتے ہیں وہ
چل نہیں پاتے جو منظر دو قدم اچھی طرح

☆☆☆☆☆

کیوں نہ اترائے قسمت پہ اپنی پون
جا رہی ہے وہ آخر نبیؐ کے وطن

اب تو آقاؐ نگاہ کرم کیجیے
ہوگئے ہم وطن میں غریب الوطن

رہ گیا کوئی آنکھوں میں آنسو لیے
اور کوئی چل دیا مصطفیؐ کے وطن

رشتۂ جان وتن گو نہ باقی رہے
ہم نہ چھوڑیں گے دامانِ شاہؐ زمن

ہو نہ جس کو یقیں جا کے خود دیکھ لے
رشک جنت ہے میرے نبیؐ کا وطن

ہم کو منظرؔ ملا ہے غم مصطفیٰ
اس سے بڑھ کر نہیں کوئی دنیا میں دھن

۸۴۔ منظور پروانہ:

نام منظور احمد صدیقی تخلص پروانہؔ ہے۔ عمر تقریباً ۴۸ سال ہے، والد کا نام حاجی مقبول احمد مرحوم ہے انھوں نے ایم اے (پولیٹکل سائنس) کی تعلیم لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ سے حاصل کی اور اتر پردیش کے محکمۂ آبپاشی میں ملازمت کرتے ہیں۔

معیاری رسائل کا مطالعہ، مذہبوں کا تقابلی مطالعہ، نثر نگاری، شعر وشاعری آپ کے

مشغولات میں شامل ہیں آپ کا کلام ملک کے مختلف رسائل واخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

نمونۂ کلام:

جن کو حق کی جستجو تھی، ان کو دعوت مل گئی — اہل حق کو روشنی، قرآں کی صورت مل گئی
سختی روزِ جزا سے ان کو فرصت مل گئی — مرحبا سرکارؐ سے دنیا کو راحت کو مل گئی

۸۵۔ مہدی پرتاپ گڑھی:

نام مہدی حسن اور تخلص مہدی پرتاپ گڑھی ہے، والد کا نام منشی محمد علی ہے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵/ جولائی ۱۹۳۴ء ہے۔ مہدی صاحب کو حسیب مغموم پرتاپ گڑھی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ریاستی محکمہ آبپاشی میں ہیڈ کلرک کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد سے دین کی خدمت میں لگ گئے ہیں، مہدی پرتاپ گڑھی کو دوبار حج کی سعادت نصیب ہو چکی ہے۔

آپ کا کلام ملک کے مختلف اخبار ور سائل میں شائع ہوتا رہتا ہے، وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں ان کے کلام میں ندرت ہے، جدت ہے اور قدیم وجدید کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، مہدی صاحب کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں، مندرجہ ذیل تصانیف اردو اکادمی اتر پردیش لکھنؤ سے انعام یافتہ ہیں۔

(۱) ''لفظ و بیاں'' (مجموعہ غزل) مطبوعہ ۱۹۷۲ء (۲) ''نئے نئے آسماں'' (مجموعہ غزل) مطبوعہ ۱۹۸۳ء (۳) ''احساس کا کرب'' (مجموعہ غزل ونظم) مطبوعہ ۱۹۸۷ء (۴) ''مٹھی بھر دھوپ'' (مجموعہ غزل ونظم) مطبوعہ ۱۹۹۱ء (۵) ''تتلیاں'' (بچوں کی نظم) مطبوعہ ۱۹۹۴ء۔

نمونہ کلام:

یہ دنیا جس کے صدقے میں ملی ہے — نثار اس پر ہماری زندگی ہے
جہاں پہنچی ہے خاک پائے احمدؐ — وہاں تک روشنی ہی روشنی ہے
مسخر ہورہا ہے قلب انساں — یہ تیریؐ قدرت گفتار ہی ہے
ترے اخلاق حسنہ کی بدولت — یہاں تسخیر قلب و جاں ہوئی ہے
تھے خواہشمند موسیٰؑ تک اسی کے — بڑے رتبے کا تیرا امتی ہے
بہ باطن وہ بھی تیرے معترف ہیں — بہ ظاہر جن کو تجھؐ سے دشمنی ہے

ملی ہے مجھ کو مومن کی فراست یہی اک معتبر دیوانگی ہے
صحابہؓ سی قناعت جس کو مل جائے حقیقت میں وہی مہدیؔ غنی ہے

۸۶۔ الحاج نادمؔ لکھنوی:

نام محمد عثمان عباسی اور تخلص نادمؔ ہے۔ تعلیمی لیاقت ہائی اسکول اور ذریعہ معاش دستکاری فن چرمی ہے۔

شعروشاعری سے لگاؤ ابتدائی تعلیمی دور ہی سے تھا لیکن مکمل طریقے سے شاعری کا آغاز زندگی کے ۵۰ سال گذر جانے کے بعد ۱۹۸۹ء سے نعت کہہ کر کیا اور شرف تلمذ راہیؔ پرتاپ گڑھی صاحب سے حاصل کیا۔ نادمؔ لکھنوی کو دوبار حج کی سعادت نصیب ہوچکی ہے۔ نادمؔ لکھنوی نے رضا ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر) اور بزم انوارادب سلون (رائے بریلی) کے کل ہند تحریری طرحی انعامی نعتیہ شعری مقابلوں میں خصوصی سند اور انعامات حاصل کیے۔

نمونہ کلام:

مئے وحدت پلائی جارہی ہے مدینے سے منگائی جارہی ہے
یہ سنگیں مسئلہ ہے غور کیجیے یہ امت کیوں ستائی جارہی ہے
ہمیں ایتاء ذی القرباء سکھا کر غریبی ہی مٹائی جارہی ہے
ابھی کر فکرِ ایماں اور نادمؔ کمی ایماں میں پائی جارہی ہے

☆☆☆☆☆

اقوال اہل علم بھی ہیں معتبر مگر جو سب سے مستند ہے پیمبرؐ کی بات ہے
جو بھی کمی ہو نعت میں یارب وہ کر معاف قطرہ ہوں میرے لب پہ سمندر کی بات ہے
آساں نہیں ہے مشغلۂ نعت بالیقیں عشق رسولؐ پاک کے جوہر کی بات ہے
اصناف شاعری میں ہے سرتاج صنف نعت نادمؔ یہ صنف دین کے سرورؐ کی بات ہے

۸۷۔ نجم مظفرنگری:

نام اکرام الحق تخلص نجم ہے۔ نجم مظفرنگری کے قلمی نام سے مشہور ہیں، والد کا نام محمد عمر ہے آپ کو شرف تلمذ مولانا آلمؔ مظفرنگری شاگرد سیمابؔ اکبرآبادی سے حاصل ہے۔

نجم مظفر نگری صاحب ایک ہندی روز نامہ و ہفت روزہ اخبار کے مالک و ایڈیٹر ہیں، ان کا پتہ ''عمر ولا'' ۱۶۴ اگڑھی گوروان مظفر نگر (یوپی) ۲۵۱۰۰۲ ہے۔

۱۹۵۰ء میں شعر و شاعری کی ابتدا کی اب تک ہزاروں غزلیں، نظمیں ہندو پاک، اوسلو، برطانیہ وغیرہ کے رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں ہندوستان کے باہر ۱۹۹۲ء میں کراچی (پاکستان) کے عالمی مشاعرہ میں شرکت کی اور خلیجی ممالک میں بھی جانے کا شرف حاصل ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی پر اکثر و بیشتر آپ کے پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں، نجم مظفر نگری اردو ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف زیر طبع ہیں آپ کی چند تخلیقات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ''چراغ حرم'' (نعتیہ مجموعہ) (۲) ''دیدۂ پرنم'' (سوز، سلام، مراثی، نوحے وغیرہ) (۳) ''آتش گل'' (مجموعہ غزلیات) (۴) ''رنگ و آہنگ'' (نظموں پر مشتمل) (۵) ''کھلتے پھول'' (بچوں کی نظمیں)۔

نمونۂ کلام:

سراپا نور وہ ماہ مبیںؐ تھا — اندھیرے میں اجالے کا امیں تھا
محمدؐ خیر خواہ مذنبیں تھا — وہی تو رحمتؐ للعالمیں تھا
نبیؐ تھا قبل اعلانِ نبوت — ازل ہی سے صادق اور امیں تھا
دل و جاں نجم ہیں قرباں اس پر — غریبوں کا جو حامی بالیقیں تھا

۸۸۔ نشترؔ جرولی:

نام نشترؔ جرولی اور والد کا نام محمد اکبر خاں ہے۔ شرف تلمذ شاکرؔ جرولی سے حاصل ہے، ان کی سکونت دیویٰ شریف میں ہے نشترؔ جرولی نے بزم انوار ادب سلون (رائے بریلی) کے کل ہند تحریری طرحی نعتیہ شعری انعامی مقابلہ میں خصوصی انعام حاصل کیا۔

نمونہ کلام:

آج فاراں سے پھوٹی ہے کیسی کرن — لے کے انگڑائیاں جاگ اٹھا چمن
نورِ مرسلؐ ہے اس طرح جلوہ فگن — بس گئے ہیں اجالوں سے کوہ و دمن
نور سے نور کا ہوگیا جب ملن — ایک پل میں مٹی اک صدی کی تھکن

آمد آمد نبیؐ کملی والے کی ہے
پھول برسا رہی ہے خوشی کے پون

آگئے ہاں وہی گلشنِ دہر میں
جن کی خاطر تھے بے چین سرو وسمن

آگئے بزم ہستی میں خیر البشرؐ
مسکرانے لگے چاند، سورج ، گگن

اپنے دل میں ہے نشترؔ یہی آرزو
''دیکھ لیں کاش ہم بھی نبیؐ کا وطن''

۸۹۔ محمد نعیم اللہ خاں خیالیؔ بہرائچی:

آپ کا نام محمد نعیم اللہ خاں ہے اور قلمی نام خیالی بہرائچی ہے۔آپ کی ولادت ۱۵؍ اپریل ۱۹۲۰ء مطابق ۲۵؍رجب ۱۳۳۸ھ محلّہ قاضی پورہ ضلع بہرائچ اتر پردیش میں ہوئی وفات ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۱ء مطابق ۲۳؍جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ بوقت پونے دس بجے شب ہوئی۔

آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ خاں ابن خدایار خاں ابن رمضان خاں حکومت انگریزی میں کپورتھلا میں ناظر کے عہدہ پر ملازم تھے اور اسی عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ عبداللہ خاں کا شمار شہر کے باعزت اشخاص میں ہوتا تھا۔

جناب خیالیؔ صاحب کی تعلیم درجہ سات تک ریگولر گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ میں ہوئی ، درجہ سات کے بعد اسکولی تعلیم کا سلسلہ بوجہ مرض وجع مفاصل منقطع ہوگیا۔لیکن گھر پر ٹیوشن کے ذریعہ تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ پرائیوٹ طور پر ۱۹۵۳ء میں ہائی اسکول ۱۹۵۶ء میں انٹر میڈیٹ ۱۹۶۱ء میں بی اے اور ۱۹۷۰ میں ایم اے اردو کے امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کیے ، ساتھ ہی ساتھ جامعہ اردو علی گڑھ سے ۱۹۵۴ء میں ادیب ماہر اور ۱۹۵۵ء میں ادیب کامل کے امتحانات پاس کیے۔۱۹۶۴ء میں منشی فارسی ۱۹۶۶ء میں کامل فارسی ۱۹۶۶ء میں عالم عربی اور ۱۹۷۱ء میں فاضل طب کے امتحانات الہٰ آباد اورنٹیل بورڈ سے پاس کیے۔

۱۹۴۵ء میں ہومیوپیتھی کا مطب کیا اور پریکٹس کرتے رہے ۱۹۵۰ء میں یونانی دواخانہ کیا۔۱۹۵۸ء میں آزاد کالج بہرائچ میں آپ کا تقرر اردو ٹیچر کی حیثیت سے جے ٹی سی گریڈ میں ہوا،۱۹۶۳ء میں آپ کا پرموشن ایل ٹی گریڈ میں ہوا اور ۱۹۷۰ء میں لکچرر گریڈ میں پرموشن ہوا اور ۱۹۸۰ء میں اردو لکچرر ہی کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

شعروشاعری کا آغاز ۱۹۳۴ء سے ہوتا ہے اور شاعری میں آپ کا سلسلہ میر انیسؔ کو پہنچتا ہے۔آپ نے حمد، نعت، منقبت، غزل، نظم، قطعات اور رباعیات میں طبع آزمائی کی

ہے اور سات دیوان اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ ذاتی طور پر مختلف علوم فن وفنون کا مطالعہ کرتے رہے مثلاً ہومیوپیتھی اور طب میں ید طولیٰ حاصل کرلیا۔

صحافت میں بھی آپ کا اچھا خاصہ دخل تھا چنانچہ ۱۹۴۶ء میں اخبار غازی (بہرائچ) کی ادارت شروع کی اور خود بھی دو رسالہ چودھویں صدی اور فن لطیف جاری کیے۔

ادبی شعبہ میں کم وبیش آپ نے پچاس کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مندرجہ ذیل طبع ہوکر ہدیۂ ناظرین ہوچکی ہیں۔ مطبوعہ کتابوں کے نام ہیں:

اردو بین الاقوامی حیثیت، اردو ادب کا جمہوری کردار، اردو الفاظ ایک بین الاقوامی رابطہ، اردو ایک ہمہ گیر زبان، تاریخ مسعودی (سالار مسعود غازیؒ) بیان خیر البشرؐ معمولات خیر وغیرہ۔

صل علیٰ نبینا صل علی محمدٍ صل علیٰ نجینا صل علی محمدٍ
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صل علیٰ بشیرنا صل علی نذیرناٍ صل علیٰ منیرنا صل علی شهیرنا
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صل علیٰ رحیمنا صل علی کریمنا صل علیٰ حلیمنا صل علی حکیمنا
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صل علیٰ خلیلنا صل علی دلیلنا صل علیٰ حمیدنا صل علی شهیدنا
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صل علیٰ امیننا صل علیٰ مبینناٍ صل علیٰ مکیننا صل علی متیننا
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صل علیٰ خطیبنا صل علی نجیبنا صل علیٰ حبیبنا صل علی م جیبنا
صل علیٰ محمدٍ صل علی محمد

صد رشک شکوہ قیصر و جم سلطان دو عالم آئے ہیں
با فقر وحشم باسیف و قلم نبیوں کے خاتم آئے ہیں
ہاں جن کی خبرویدوں نے دی تورات نے بھی انجیل نے بھی
وہ مژدہ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں

اے گمرہ تدبیر منزل اے تیغ تمدن کے بسمل
حل سارے مسائل کا لے کر اک رہبر عالم آئے ہیں
پیغام شرف انساں کے لیے معراج بشر کی بن کے سند
تمثیل مکمل آئے ہیں معیار مسلم آئے ہیں
وہ عدل و امانت کے پیکر تصویر مساوات آدم
وہ صدق سراپا آئے ہیں اخلاص مجسم آئے ہیں
مزدور بھی ہیں جو آقا بھی مخدوم بھی ہیں اور خادم بھی
مفتوح کو دیتے ہیں جو اماں وہ فاتح اعظم آئے ہیں
اک سب کے لیے پیغام ان کا سب کو ہے صلائے عام ان کا
وہ فیض تمام اے اہل جہاں وہ رحمت عالم آئے ہیں
باچشم لطیف اللہ اللہ باروح سُبک ماشاء اللہ
اسریٰ کا سفر سبحان اللہ وہ کر کے بہ یکدم آئے ہیں
بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ ، بو جن کی زمانہ میں پھیلی
ہیں ایسے نظام شمسی کے جو نیر اعظم آئے ہیں
الفقر فخری جن کی ادا احسان خیالؔی جن پہ فدا
وہ محسن انسان آئے ہیں وہ فخر آدم آئے ہیں

۹۰۔ نظام الدین خاں نظام لکھنوی (مرحوم)

آپ کا نام نظام الدین خاں ہے اور تخلص نظامؔ لکھنوی ہے۔ آپ کے والد کا نام منیر الدین خاں ولد جلال الدین خاں ہے۔ آپ کے آبا و اجداد شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے، بعد میں لکھنؤ آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ چاندی کی پہنچی بنانے کا کارخانہ تھا اور نظامؔ پہنچی والے کے نام سے مشہور تھے۔ موصوف کی تاریخ ولادت ۱۹۰۵ء اور وفات ۱۸/ جون ۱۹۷۱ء بمطابق ۲۴/ ربیع الآخر (ربیع الثانی) ۱۳۹۱ھ ہے۔ ان کی آخری آرام گاہ نظام باغ، کچا پل چو پٹیاں لکھنؤ میں ہے۔

نظامؔ لکھنوی امی شاعر تھے، پہلے دوسروں سے اپنے اشعار بول کر لکھواتے تھے بعد میں

امام مسجد بساطیان چوک سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے احباب میں سے ایک ان کی ڈائریاں، بیاضیں لے گئے اور واپس نہ کیں۔ اس وقت ان کے بیٹے کمسن تھے۔ نظام لکھنوی کی اہلیہ اور بیٹوں کو کچھ کلام یاد تھا اور کچھ ملنے والوں کو یاد تھا جو نظام الدین خاں نظامؔ لکھنوی میموریل سوسائٹی کے زیر اہتمام اشاعت کے لیے ترتیب دیا جا رہا ہے۔ نمونۂ کلام ان کے بیٹے شہاب الدین خاں جیویلرس سے حاصل ہوا ہے۔

نمونۂ کلام:

گلزار میں بوئے گل تر جھوم رہی ہے — کندن پہ کہیں آب گہر جھوم رہی ہے
کونین میں تقدیر بشر جھوم رہی ہے — سرکار کی آمد ہے سحر جھوم رہی ہے
ہر چند مؤدب ہے مگر جھوم رہی ہے

خاموش فضاؤں کی ادائیں بھی ہیں مبہم — اے منزلِ عرفاں یہ تری کوشش پیہم
ہر نقشِ قدم بن گیا اک نور مجسم — گذرے تھے کچھ اس شان سے سرکار دو عالم
طیبہ کی ہر اک راہگذر جھوم رہی ہے

نگاہوں کی دریا دلی دیکھنا ہے — حرم کی حسیں روشنی دیکھنا ہے
ابھی زندگی میری کم ہو نہ یارب — ابھی تو دیارِ نبیؐ دیکھنا ہے
جدھر سے نبیؐ گذرے معراج کی شب — ہم اس راہ کو کہکشاں کہہ رہے ہیں
لبوں پر بھی آداب کی خامشی — جو کہنا ہے ہم کو کہاں کہہ رہے ہیں
عقیدہ ہے اپنا حضوری میں ان کی — وہ سنتے ہیں ہم داستاں کہہ رہے ہیں
قدومِ نبیؐ اور مدینے کا عالم — زمیں کو بھی ہم آسماں کہہ رہے ہیں

☆☆☆☆☆

سنیں گے نبیؐ داستاں دھیرے دھیرے — سنوارو تو حسنِ بیاں، دھیرے دھیرے
مدینے میں ٹھہرے گا اک روز جا کر — تمناؤں کا، کارواں، دھیرے دھیرے
نظام اب تو ذرّے بھی پڑھتے ہیں کلمہ — زباں پا گئے، بے زباں، دھیرے دھیرے

۹۱۔ نظام ہاتف:

نام نظام تخلص ہاتف اور والد کا نام منشی نصیر الدین ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۴۹ء میں

قصبہ شیر کوٹ ضلع بجنور میں ہوئی۔ آپ نے بی ایس سی اور پھر ایم اے پاس کیا آج کل ریلوے مرادآباد ڈویژن میں آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔

نظام ہاتفؔ اردو ادب کی خدمت میں سرگرم ہیں اور کانٹمپریری رائٹرس گلڈ کے نام سے ایک انجمن بھی چلاتے ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں ''ساحل سے سفینے تک'' شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، نعتیہ مجموعہ کلام ''وثوق'' زیر ترتیب ہے ہندی میں ''دیپ شکھا'' اور سکشا'' کے نام سے دو کتابیں مرتب فرما رہے ہیں۔

نظام ہاتفؔ صاحب نے فرید احمد برکاتی ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو فارسی راجستھان یونیورسٹی جے پور کی زیر نگرانی ''آزاد غزلوں کا تجرباتی مطالعہ'' عنوان کے تحت اپنا مقالہ برائے ایم فل جمع کیا ہے جس میں ۲۱ آزاد غزلوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ہاتفؔ صاحب کا کلام ملک کے مختلف رسائل اور اخبارات و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے، نظام ہاتف صاحب جو گزشتہ ۲۵ سالوں سے اردو، ہندی اور انگریزی زبان کی خدمت کررہے ہیں، جدید ذہن کے ایک فنکار ہیں اور اپنی ایک خاص امیج بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

نمونۂ کلام:

آزاد نعت

اک حقیقت ٹھوس تھی، اور کچھ نہ تھا

خلاء تھا صرف

یا پھر حرف اسرار خداوندی

اے تو کہ اظہار خداوندی

یہ سب وح و قلم، شمس قمر

ارض و سما

قیام و سکتہ و حرکت

وہ تیز و تند رفتاری

کہ سب کچھ دائرہ در دائرہ

حیران و ششدر فسوں کاری، خیاباری

بس اک نقطہ!
یہ نقطہ خود بخود پھیلا
تو پھر ہر ایک سو پھیلا
ہوائے مشتعل میں مستقل پانی کی سیلابی
شکست وریخت برقابی
قیامت در قیامت سارے منظر
سارے پس منظر
وہ سبز وخشک رنگ ونور آب وتاب
پھر آدم یہ سب کچھ، کچھ نہیں
یہ ریگ کی اڑتی ہوئی چادر
یہ سطح آب پھیلی ہوئی سمتوں کی یعنیت
فریبِ آسماں، پھر صد مرصع سازی صد ہزار انجم
زمینی سارے حیوانات
سبزہ جات اور سب کچھ
یہ سب کچھ اک رقیق اظہار ہے تیرا
اے تو کہ مختار خداوندی

۹۲۔ نام نعیم احمد اور قلمی نام نعیم نجمی ہے والد کا نام شفیق احمد ہے، نعیم نجمی کو ڈاکٹر شوؔق اثری سے شرف تلمذ حاصل ہے۔محکمۂ انہار میں ملازم ہیں، شعری مجموعہ زیر ترتیب ہے۔غزل گو شاعر ہیں لیکن نعت بھی خوب کہتے ہیں، ان کے کلام میں آمد، سادگی اور اثر کے ساتھ ساتھ ندرت بھی پائی جاتی ہے اور نبی کریمؐ سے ان کی مثالی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

آپؐ خیرالوریٰ ، آپؐ شمس الضحیٰ ، آپؐ بدرالدجیٰ اے حبیبؐ خدا
آپؐ صدر العلیٰ آپ نورالہدیٰ آپؐ کہف الوریٰ اے حبیبؐ خدا
صاحب قاب قوسین محبوب رب سدرۃ المنتہٰی ے ہے آگے مقام
سید العالمین خاتم المرسلین سرور انبیاء اے حبیبؐ خدا

بخش دے گا خدا ایک پل میں ہمیں ہم سے ہوگا نہ کوئی سوال و جواب
جس گھڑی حشر میں ہم کو مل جائے گا آپؐ کا آسرا اے حبیبؐ خدا
اپنے روضے پہ مجھ کو بلا لیجیے اپنی کملی میں مجھ کو چھپا لیجیے
مجھ گنہگار کی مجھ سیاہ کار کی ہے یہی التجا اے حبیبؐ خدا
یہ مری رفعتیں اور یہ فکر و فن یہ میری شہرتیں اور شعر و سخن
آپؐ کے ذکر ہی کی بدولت ہے یہ مجھ پہ رب کی عطا اے حبیبؐ خدا

☆☆☆☆☆

دل کا قرار آنکھوں کا منظر حضورؐ ہیں　رنگ و بہار و نور کا پیکر حضورؐ ہیں
میری بساط کیا میں لکھوں نعت مصطفیٰ　میں ایک قطرہ اور سمندر حضورؐ ہیں
اللہ کا ہے شکر مجھے کوئی غم نہیں　میری حیات میرا مقدر حضورؐ ہیں
سورج مخالفت کا جلائے گا کیا مجھے　سایہ بنے ہوئے مرے سر پر حضورؐ ہیں
اے کاش آئے غیب سے نجمی کبھی صدا　دامان پاک تھام لے بڑھ کر حضورؐ ہیں

۹۳۔ واجد سحری

اردو کے نامعروف شاعر واجد سحری کا پورا نام سید واجد حسین رضوی ہے۔ واجد تخلص ہے اور سحری اپنے ماموں سحر رام پوری کی نسبت سے لکھتے ہیں، ان کے بزرگ، شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں ایران سے ہندوستان شہنشاہ کی مدد کے لیے آئے تھے، لیکن ہمایوں کے کہنے پر ہندوستان ہی میں سکونت اختیار کی واجد کے بزرگ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ واجد کے والد کا نام جناب سید منظور حسین رضوی ہے، واجد سحری ۱۹۳۹ء میں رام پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم رام پور میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۱ء سے ہمدرد دواخانہ دہلی سے وابستہ ہیں، ۱۹۶۵ء میں شاعر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے حضرت جرار حسین جرار چھولسی سے شرف تلمذ حاصل کیا، رام پور ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اہل ادب نے رام پور کو ''رام پور مدرسہ'' کا نام دیا ہے، واجد سحری بھی یہیں پلے بڑھے ان کا شعر و شاعری سے متاثر ہونا عین فطری تھا، چنانچہ شعر و شاعری ان کا شعار بن گیا۔ اچھے شاعر کا کلام انھیں ہمیشہ پسند رہا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے ''منتخب اشعار'' پیش کیے۔ اس کتاب کے اب تک کئی

ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی غزلیات کا ایک مجموعہ ۱۹۸۴ء میں اور دوسرا مجموعہ ۱۹۹۳ء میں، ''سنہری اپج'' کے نام سے شائع ہوا۔ ان کی تیسری کتاب ''غالب کی رہ گزر'' ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی جس میں ہندو پاک کے شعرا کی غالب کی زمینوں میں غزلیات شامل ہیں۔

انھوں نے ایک بزم ''کاروان ادب'' کے نام سے دہلی میں قائم کی اور بزم کے زیر اہتمام ایک پندرہ روزہ پرچہ بھی جاری کیا۔ ۱۹۷۱ء میں انھوں نے ایک بزم ''ساز و ادب'' کے نام سے قائم کی اور ہمدرد کے مالکان کی خواہش پر اس بزم سے ہمدرد ایوارڈ کا سلسلہ جاری کیا۔ دہلی کی کئی انجمنوں سے ان کی وابستگی ہے اور غالب اکیڈمی ان کی تقریبات کا مرکز اور ان کی پہچان بن گیا ہے، دہلی کی انجمن ''مرکز علم و دانش'' نے ۱۹۷۸ء میں ان کی اردو خدمات کے اعتراف میں مبلغ چھ ہزار روپے نقد انعام اور سند عطا کی، ۱۹۹۰ء میں ''ساہتیہ سنگم'' نے شاعر اور خادم اردو کا انھیں ایوارڈ دیا، جس میں دس ہزار روپے نقد و شال اور سند توصیف شامل تھی، مولانا محمد علی جوہر اکیڈمی کی طرف سے واجد سحری کو ''محمد علی جوہر شیلڈ'' پیش کی گئی ''تصویر حرف'' ان کا دوسرا شعری مجموعہ اور چوتھی کتاب ہے، انھوں نے ہندو پاک کے معروف نعت گو شعرا کا انتخاب کلام مع تعارف بھی شائع کیا ہے۔

ان کے کلام میں ''تتلی'' جگہ جگہ ملتی ہے، نعتیہ کلام میں بھی ''تتلی'' موجود ہے، تتلی ان کو بہت پسند ہے، ہم واجد کی اس پسندیدگی کو ان کی حسن پرستی اور رنگا رنگ منبع فکر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ ''تصویر حرف'' اور ''مقابل ہے آئینہ'' زیر طبع ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

قسمت کا دھنی ٹھہرا میں کتنا غنی ٹھہرا منسوب ہوا ان سے خالق کا جو پیارا ہے

☆☆☆☆☆

ہر قدم پر اک چراغ نقش پا دیتا ہے کون گرنے لگتا ہوں تو لغزش کو عصا دیتا ہے کون

میرے مالک میرے مولا کا ہے یہ مجھ پر کرم ورنہ مجھ جیسے کو عشق مصطفیٰؐ دیتا ہے کون

بیٹھ جاتی ہیں جو مجھ پر تتلیاں ایمان کی دل گلابوں کی طرح میرا کھلا دیتا ہے کون

ڈھانپ لیتی ہیں گناہوں کو یہ کس کی رحمتیں میری عریانئ باطن کو قبا دیتا ہے کون

میرے ہونٹوں پر ہو جب صل علیٰ صل علیٰ میرے ان کے درمیاں اک پل بنا دیتا ہے کون

کتنے کتنے وقت کے فاقوں کے دسترخوان پر سائلوں کو لقمۂ نعمت کھلا دیتا ہے کون

کھینچ دیتا ہے فصیلیں وقت کی چاروں طرف تو نے سوچا بھی ہے واجدؔ راستہ دیتا ہے کون

۹۴۔ والیؔ آسی:

آپ کا نام عبدالولی اور تخلص والیؔ ہے ادب کی دنیا میں والیؔ آسی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں، آپ کے والد کا نام مولانا عبدالباری آسی (مرحوم) ہے، جن کا شمار استاذ الشعرا میں ہوتا ہے، موصوف ستمبر ۱۹۳۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے 'مکتبہ دین وادب' کے نام سے امین آباد میں ایک دکان ہے، آپ کا شمار اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ ملکی اور بیرونی مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا کلام بیشتر ملکی وغیر ملکی اخبار و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے، ریڈیو اور ٹی وی کے مشاعروں میں اکثر آپ کو دیکھا اور سنا جاتا ہے اور آپ کے کلام اور پڑھنے کے انداز ولب ولہجہ کو پسند کیا جاتا ہے۔ کئی سل پہلے متوفّی ہو چکے ہیں۔

آپ کی تصانیف کا مجموعہ ''شہد'' (اردو، ہندی) میں ہے۔

جو ہر ایک دلا کا سرور ہے جو ہر ایک آنکھ کا نور ہے
وہ درود ہے ترے نام کا وہ سلام ہے ترے نام کا
مجھے کہا گرائیں گی لغزشیں مجھے کیا مٹائیں گی گردشیں
مرا نشہ ہے ترے عشق کا، مرا جام ہے ترے نام کا

☆☆☆☆☆

مدت سے تمنا ہے دل میں، یوں نعت شہِ ابرارؐ لکھیں
سو بار دورد پڑھیں ان پر جب نام ان کا اک بار لکھیں
پتھر برسانے والوں کو جو پھول دعاؤں کے بخشیں
ان پاکیزہ ہونٹوں کی ثنا بیگانے لکھیں اغیار لکھیں
جب عرصہ محشر میں میرے اعمال کی پرسش ہوتی ہو
اے کاش کہ خط غلامی پر تصدیق مرے سرکارؐ لکھیں
کیا جانے ہمیں کیوں اے والی، معراج کی شب یاد آتی ہے
جب چاند پہ جانے والوں کے افسانے یہ اخبار لکھیں

۹۵۔ وصفی بہرائچی

نام عبدالرحمٰن خاں اور قلمی نام وصفی بہرائچی ہے ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو محلّہ میر انخیل پورہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد حافظ عبدالقادر صاحب بذات خود ایک اچھے شاعر تھے جب آپ ڈھائی سال کے تھے تبھی آپ کے سر سے والد بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا تھا۔

مولوی محرم علی صاحب سے فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور عربی کی چند کتابیں بغیر کسی معاونت کے خود پڑھیں، کسی اسکول یا کالج سے کسی طرح کا کوئی سرٹیفکٹ نہیں حاصل کیا، بلکہ اپنے ذاتی مطالعہ اور کتب بینی سے معلومات میں اضافہ کرتے رہے، انھیں عہد طفلی ہی سے شعروشاعری سے بے حد لگاؤ رہا ہے اس لیے کہ موصوف کے پردادا ضامن علی خاں صاحب ''انیق'' فارسی اور اردو کے قادر الکلام اور خوش فکر شاعر تھے، فارسی میں صرف ایک کتاب ''مناقب چار یار اور مناقب پنجتین'' اور ما خریفان بفکر زما مقیما، فارسی میں لکھی جو شاہی پریس لکھنؤ میں چھپی تھی، علاوہ ازیں انیق صاحب کے کئی مخطوطات فارسی اور اردو کلام پر مشتمل ہیں کیونکہ شاعری ان کو وراثت میں ملی تھی۔

آج وصفی صاحب کا شمار بہرائچ کے بزرگ ترین شعرا میں کیا جاتا ہے، انھوں نے زندگی اور ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے لہٰذا آپ نفسیاتی رموز سے بھی اچھی طرح آشنا ہیں۔

وصفی بہرائچی نے غالباً ۱۹۴۴ء سے باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا اور پہلی غزل بہرائچ میں منعقدہ آل انڈیا مشاعرہ میں پڑھی حقیقتاً انھیں نعت گوئی سے زیادہ لگاؤ ہے۔ غزل میں بھی ان کا عام رجحان اخلاق، اصلاح اور مذہب کی طرف ہے۔

وصفی صاحب کے باون سالہ شعری سفر کا نتیجہ ''افکار وصفی'' ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آچکا ہے، وصفی صاحب کے شاگردوں کی فہرست میں بہرائچ نیز بیرون بہرائچ کے شاعر شامل ہیں۔

نمونۂ کلام:

ہمیں دیدار روئے مصطفیٰ ایک بار ہوجائے
پھر اس کے بعد چاہے یہ نظر بیکار ہوجائے
نبیؐ ہوجائیں گر راضی خدا ہو جائے گا راضی
نبیؐ کے حسبِ منشاء جو مرا کردار ہوجائے

دلوں میں الفت شاہ مدینہ یہاں تک آئی ہے سینہ بہ سینہ
یہاں سے مکہ مکہ سے مدینہ چلے چلیے یوں ہی زینہ بہ زینہ
محمدؐ مصطفیٰ کی ذات اقدس سراپا علم و حکمت کا خزینہ
خجل ہیں جس کے آگے مشک و عنبر نبی محترم کا ہے پسینہ
رسول اللہ جس کے ناخدا ہوں نہ ڈوبے گا کبھی اس کا سفینہ
یہ کون آیا کہ وصفیؔ آگیا ہے جبینِ لات و عزیٰ پر پسینہ

☆☆☆☆☆

کارواں پر کارواں جاتے رہے سوئے حرم
اور ہم سنتے رہے حسرت سے آواز جرس
مالک کونین تیرا ہی سہارا ہے فقط
نہ کوئی حاجت روا ہے نہ کوئی فریاد رس
فرقتِ طیبہ میں میرے یوں کٹے ہیں رات دن
جیسے اک اک پل کے بدلے گذرے ہوں سو سو برس

سر ساحل سفینہ آگیا ہے نہ گھبراؤ مدینہ آگیا ہے
پیوں گا آبِ مئے حب نبی میں مجھے اس مئے کا پینا آگیا ہے
مدینہ ہی مدینہ ہے نظر میں نظر جب سے مدینہ آگیا ہے
خدا نے آپ کو بخشی وہ رفعت کہ رفعت کو پسینہ آگیا ہے
بہ فیض سرور کونین وصفیؔ مجھے ہر اک قرینہ آگیا ہے

۹۶۔ وفا سلونوی:

نام شرافت اللہ تخلص وفاؔ اور والد کا نام سلامت اللہ ہے ان کا وطن قصبہ سلون ضلع رائے بریلی ہے، ان کی عمر تقریباً ۶۳ سال ہے ۵۵۔۱۹۴۹ء میں اردو سے مڈل پاس کیا، چند وجوہ کے بنا پر ہائی اسکول کا امتحان نہیں دے سکے۔ اس کے بعد انھوں نے اردو سے ماہر دینیات جامعہ اردو دیوبند کی سند حاصل کی اور جامعہ علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا، ذریعۂ معاش کے طور پر سرکاری نوکری کی جگہ تجارت کو ترجیح دی۔

وفا سلونوی صاحب نے شعروشاعری کا آغاز ۱۹۶۷ء سے کیا انھیں عارفانہ کلام سے ہمیشہ رغبت رہی ہے اور جناب مولانا محمد احمدؒ صاحب پھول پوری (پرتاپ گڑھ) کے عارفانہ اشعار سے ان کے ذوق کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

انھیں نعتیہ اشعار سے زیادہ ہی رغبت رہی ہے، انھوں نے شرف تلمذ حق بنارسی سے حاصل کیا، مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں، ملک کے مختلف اخبار ورسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے، ان کے کئی تلامذہ ان سے مستفید ہورہے ہیں۔

نمونۂ کلام:

پہنچا نہ سر عرش بریں کوئی نبیؐ اور　　واللہ کسی کو بھی یہ رفعت نہ ملی اور
یارب ہوفزوں دل میں مدِ عشق نبیؐ اور　　بڑھتی ہی چلی جائے یہ آشفتہ سری اور
جنت کا مقام ارفع و اعلیٰ سہی لیکن　　جنت کی روش اور ہے طیبہ کی گلی اور
یارب ترے محبوبؐ کا روضہ ہے نظر میں　　رہنے دے مری بزم تصور کو سجی اور
برکات سے معمور ہے ذکر شہِ عالمؐ　　سنتا ہوں تو ہوجاتا ہے ایمان قوی اور

میخانہ کوثر کی وفا سن کے فضیلت
بڑھتی ہے شب و روز مری تشنہ لبی اور

۹۷: پروفیسر ولیؔ الحق انصاری:

آپ کا نام محمد ولی الحق ہے، ادبی دنیا میں ولیؔ الحق انصاری کے نام سے جانے جاتے ہیں، آپ کے والد کا نام محمد وجیہہ الحق ہے۔ آپ کی اصلی تاریخ پیدائش ۱۱/دسمبر ۱۹۲۴ء ہے۔ آپ کی قیام گاہ محلّہ پاٹانالہ لکھنؤ ہے، آپ نسبتاً انصاری ہیں اور آپ کا سلسلہ ابوایوب انصاریؓ سے ملتا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت اور مدینہ منورہ کی زیارت نصیب ہوئی جہاں انھوں نے اپنے آبائی گھر کو دیکھا۔ آپ کے پانچ مجموعہ کلام چھپ چکے ہیں پانچواں مجموعہ کلام صرف نعتوں، تاریخوں اور کچھ فارسی نظموں کے اردو تراجم پر مشتمل ہے۔ اپنے مجموعہ کلام کے بارے میں ایک جگہ آپ خود رقم طراز ہیں:

”موجودہ مجموعہ میں نعتوں میں سے زیادہ تر وہی ہیں جو میں نے کہی نہیں، بلکہ جنھوں نے مجھ سے خود کو کہلوایا ہے اور وہ کسی

خاص کیفیت کے طاری ہونے کے بعد ہی کہی گئی ہیں اور بغیر کسی
ردو بدل کے پیش کی جارہی ہیں۔''

آپ کا نعتیہ کلام فارسی زبان میں بھی ہے۔

فن تاریخ گوئی آج تقریباً مر چکا ہے لیکن سابقہ صدی کے نصف اول تک اس فن کے اساتذہ موجود تھے، لیکن بعد میں ہندوستان میں تاریخ گوئی ایک مردہ فن بن گیا۔ موصوف نے اپنی شاعری کی ابتدا کے تقریباً چالیس سالوں کے بعد اس فن کی طرف توجہ کی اور اسے زندہ کرنے کی کوشش کی۔

موصوف لکھنؤ یونیورٹی کے شعبۂ فارسی کے صدر کے عہدے پر فائز رہے جس سے بہت سے طالب علم مستفید ہوئے۔ بہت مخلص اور ملنسار انسان ہیں۔ ولی الحق انصاری صاحب سماجی اور ملی خدمات میں بھی سرگرم رہتے ہیں، انجمن اصلاح المسلمین کے صدر کی حیثیت سے بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ''گلزار''، ''غزالانِ خیال'' آپ کے مجموعہ کلام ہیں۔ کئی سالوں پیشتر وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ہیں۔

نمونۂ کلام:

اس بندۂ عاصی پہ یہ اکرام بہت ہے　　ہوجائے مدینے میں جو اک شام بہت ہے
کہہ دوں گا خدا سے ہوں غلام شہِ بطحا　　بخشش کے لیے میری ترا نام بہت ہے
کرنا ہے ابھی اپنی خطاؤں کی تلافی　　اس عالم فانی میں ابھی کام بہت ہے
کچھ بھی تو نہیں پاس ہے اور جو بھی ہے اس میں　　پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے
حوروں کی تمنا ہے، نہ طوبیٰ کی ضرورت　　مجھ کو ترے عرفان کا ایک جام بہت ہے
انسان کو بننا ہے جو انسان، تو اب بھی　　اے محسنِؐ عالم ترا پیغام بہت ہے
بگڑی ہوئی دنیا کو سنورنا ہے جو مقصود　　اس کے لیے اب بھی ترا اسلام بہت ہے
ہوجائے قبول اس کے اگر در کی غلامی　　اس خاک نشیں کو یہی انعام بہت ہے
اس عالمِ باقی میں نواز اپنے ولیؔ کو　　اس عالم فانی میں وہ بدنام بہت ہے

۹۸۔ ہمسر قادری:

آپ کا نام عبدالغنی خاں اور قلمی نام ہمسر قادری ہے آپ نے لکھنوی تہذیب کے گہوارہ

میں تربیت پائی، آپ نے غزل وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی لیکن نعت ومنقبت میں آپ کو قابل رشک مقام حاصل ہے۔ محفل نعت ہو یا بزم غزل ہر محفل میں ہمسر قادری کے والہانہ انداز اور خداداد ترنم کی سحر طرازی سامعین کو مسحور کر لیتی ہے۔ ''فردوس عقیدت'' ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے جس سے ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نمونہ کلام:

حسن عطا کو دیکھ کر شان کرم کو دیکھ کر ہوگئی زندگی فدا شاہؐ امم کو دیکھ کر
آئے خلوص دل سے جب پڑھتے ہوئے درود پاک ہوگئے شادماں ملک بزم میں ہم کو دیکھ کر
صحن حرم میں جب ہوئی دید جمال مصطفیٰ بجھ گئے کفر کے دیے شمع حرم کو دیکھ کر
فکر سخن گئی مری، ہمسر سن جو عرش تک بڑھ گئی وسعت نظر لوح وقلم کو دیکھ کر

میں منزل کا اپنی پتہ ہوگیا ہوں بتاؤں کسے کیا سے کیا ہوگیا ہوں
نہیں اب مرا کوئی دنیا میں ہمسر میں دیوانۂ مصطفیٰؐ ہوگیا ہوں

کسی طرح تو ہو توفیق اسوۂ حسنہ کوئی تو ایسا قرینہ نصیب ہوجائے
ہیں جن کی ذات سے کوثر کے جام وابستہ انھیں کے ہاتھ سے پینا نصیب ہوجائے
مئے الست ہے، گلزار نعت ہے، ہمسر حرم سے ساغر و مینا نصیب ہوجائے

۹۹۔ ڈاکٹر ہنومان پرساد سریواستو جگر بستوی:

نام ہنومان پرساد سریوستو اور والد کا نام بابو کامتا پرساد ہے، ان کے والد کو اردو ہندی زبان پر کافی عبور حاصل تھا اور سنسکرت اور فارسی کے بھی اچھے عالم تھے۔ وہ ان کتابوں کو اکثر لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اسی فضا میں ان کی نشو ونما ہوئی۔ جیسے جیسے عمر پروان چڑھی ان کا ادبی اور مذہبی ذوق بڑھتا چلا گیا اور اسی سلسلہ میں شوق شعر وشاعری بھی جاگا چنانچہ شاعری کا آغاز ہوا، ۱۹۳۹ء میں ان کو نعتیہ مشاعرہ سننے کا اتفاق ہوا اس کے بعد انھیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ لہٰذا انھوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ پڑھا جس سے ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ محمدؐ پر ان کا عقیدہ بڑھتا گیا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو اوتار یا پیغمبر دنیا میں آئے وہ کسی مخصوص قوم یا ملک کے لیے نہیں آئے بلکہ وہ خلقت کی بہبود و بھلائی کے لیے بھیجے گئے

تھے۔اسی جذبہ کے تحت انھوں نے محمدؐ کی مدح اپنا فرض سمجھا اور نعتیہ شاعری شروع کردی۔

انھوں نے نعتیہ شاعری کا آغاز ۱۹۴۹ء سے کیا جو ہنوز قائم ہے۔آپ نعتیہ مشاعروں اور مجلسوں میں شرکت ضرور کرتے ہیں لوگ ان کا کلام محبت سے سنتے ہیں۔ان کو نعتیہ کلام پڑھنے کے بعد قلبی سکون اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ''نغمۂ نور'' شائع ہو چکا ہے اور ایک طویل نظم ''سرون کمار'' بھی شائع ہو چکی ہے اور ''سرگزشت سداما'' زیر ترتیب ہے۔ان کا وطن بستی ہے جہاں ان کی پیدائش ایک معزز کائستھ خاندان میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ان کے یہاں پشتوں سے وکالت و زراعت کا سلسلہ چلا آرہا ہے، لیکن یہ بطور معالج فنی کمال رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

کردار محمدؐ کا ادا ہو نہیں سکتا　　ہر شخص تو محبوبؐ خدا ہو نہیں سکتا
اسلام کی رگ رگ میں محمدؐ کا لہو ہے　　اسلام محمدؐ سے جدا ہو نہیں سکتا
بخشائش محشر میں جسے ہوگی فضیلت　　وہ میرے محمدؐ کے سوا ہو نہیں سکتا
چھوڑیں گے نہ دامن ترا ہم روز قیامت　　بندے کا بھلا اس کے سوا ہو نہیں سکتا
پیغمبرؐ اسلام جگرؔ سب کا سہارا　　پیغمبرؐ اسلام سے کیا ہو نہیں سکتا

۱۰۰۔ ہیرا نند سوز:

نام ہیرا نند سوزؔ اور تخلص سوز ہے۔ان کا وطن میانوالی ہے جو آج بھی پاکستان میں پنجاب کا ضلعی صدر مقام ہے، جہاں وہ ۱۹؍مئی ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔

ہیرا نند سوس نے ۱۹۴۰ء میں اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا اور لاہور میں قیام کے دوران ان کی پہلی غزل قمر جلال آبادی کے جریدے ''اسٹار'' میں شائع ہوئی۔اس کے بعد ان کا ایک افسانہ بیسویں صدی میں شائع ہوا، تقسیم ملک کے بعد ان کے قلم میں تیزی آگئی اور اس وقت تک ان کے دو سو سے زائد شعر نثری تخلیقات اور تنقیدی مضامین ہندوپاک کے مختلف ادبی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے تراجم دیگر زبانوں میں بھی ہوئے۔پچیس سالوں سے وہ ریڈیو اور دوردرشن پر بھی اپنی تخلیقات باقاعدگی سے نشر کر رہے ہیں۔

سوزؔ صاحب اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے گجرال کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد

کرانے والی ذیلی کمیٹی کے رکن بھی رہے ہیں اور ہریانہ اکادمی کی ایگزیکیوٹیو کونسل کے بھی ممبر ہیں۔

ہیرا نند سوز صاحب ۱۹۸۰ء میں محکمہ ریلوے سے چیف بکنگ سپروائزر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے، مگر ادبی سرگرمیوں کا سلسلہ بدستور جاری رکھے ہوئے ہیں، ان کی متعدد تصانیف شائع ہوکر منظر عام پر آ چکی ہیں، ان کے تین افسانوں کا مجموعہ ''کاغذ کی دیوار'' اور ''ساحل، سمندر اور سیپ'' اور تیسرا افسانوی مجموعہ ''جنگل جنگل شہر'' بھی شائع ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ نعتیہ کلام بھی دوستوں کی فرمائش پر کہتے ہیں۔ سوزؔ صاحب کو کئی ملکی اور غیر ملکی اداروں نے ایوارڈ سے نوازا ہے، ہریانہ سرکار نے انھیں ۱۹۹۲ء میں ان کی ادبی خدمات پر انعام سے نوازا ہے اور بزم سخن کویت نے انھیں جوشؔ و ساحرؔ ایوارڈ سے نوازا۔ اس کے علاوہ ''راوہ'' بریڈفورڈ ویسٹ بنگال اردو اکادمی اور اتر پردیش اردو اکادمی نے ان کی کتابوں کو ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

نمونہ کلام:

جب بھی کہیں پہ مدحت شانِ خدا ہوئی ذکر رسولؐ پاک سے ہی ابتدا ہوئی

وہ پا گیا نجات گناہوں کے بوجھ سے محشر میں جس کو انؐ کی شفاعت عطا ہوئی

نور خدا تھا رخ پہ رسالت مآبؐ کے پروانہ وار آپؐ پہ دنیا فدا ہوئی

ہر امتی پہ رنج و مصائب کی دھوپ میں سایہ فگن انھیں کے کرم کی ردا ہوئی

اکسیر ہوگی میری بصارت کے واسطے مجھ کو نصیب ان کی اگر خاک پا ہوئی

اے شاہ مرسلینؐ! کتاب مبین سے فطرت ترے غلام کی حق آشنا ہوئی

اترے ہیں جب بھی ذہن میں اشعار نعت کے اے سوزؔ انؐ سے میری عقیدت سوا ہوئی

☆☆☆☆☆

دھویا انھوںؐ نے سب کے دلوں سے غبار جہل ذکر حضورؐ فرض ہے ذکر خدا کے ساتھ

ہم پر خدا کا فضل و کرم بھی انھیں سے ہے وہ شافع جہاں ہیں ہر اک بےنوا کے ساتھ

رب کریم مجھ کو بھی توفیق کر عطا پہنچوں در حضورؐ پہ صدق و صفا کے ساتھ

اے سوزؔ انؐ کا سایہ ہی راہ نجات ہے
رہنا ہر ایک حال میں مشکل کشا کے ساتھ

۱۰۱۔ یونس رحمانی الٰہ آبادی:

نام محمد یونس تخلص یونسؔ ہے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن خاں اور وطن الٰہ آباد ہے، یونسؔ رحمانی صاحب نے ہائی اسکول جبلی کالج لکھنؤ سے، انٹرمیڈیٹ ممتاز کالج لکھنؤ سے، بی اے شیعہ ڈگری کالج لکھنؤ سے اور ایم اے کانپور یونیورسٹی سے پرائیوٹ طور پر کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ادیب، ادیب ماہر، اور ادیب کامل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

۱۹۷۳ء سے ملک کے مختلف ادبی رسائل و جرائد میں نعتیں، غزلیں اور نظمیں وغیرہ شائع ہو رہی ہیں، لکھنؤ اور باہر کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں، بحیثیت شاعر ٹی وی اور ریڈیو کی نشستوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں، مختلف ادبی انجمنوں مثلاً ''انجمن اجملیہ'' اور ''بزم اردو الٰہ آباد'' اور ''بزم مشق سخن لکھنؤ'' وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، دیگر انجمنوں کی نشستوں کے علاوہ بزم مشق سخن کی ماہانہ طرحی نشستوں میں بحیثیت شاعر شریک ہوتے رہتے ہیں، اتر پردیش اردو اکادمی گومتی نگر لکھنؤ میں ملازم ہیں۔

نمونۂ کلام:

کیا کیا گناؤں آپ کو رب نے ہے کیا دیا　　اسریٰ بعبدہ کا شرف آپؐ کو ملا
اللہ نے لا کے سر عرش آپؐ کو　　چاہا جو غیب سے وہ خزانہ عطا کیا

☆☆☆☆☆

جو غلام سید خیر الامم ہوجائے گا　　اس پہ خلاق دو عالم کا کرم ہوجائے گا
دین و دنیا میں رہے گا بالیقیں وہ کامیاب　　ساری مخلوق خدا میں محترم ہوجائے گا

☆☆☆☆☆

بندگی کا تیری رہ جائے بھرم اچھی طرح　　ساتھ مر کے دل بھی گر ہوجائے خم اچھی طرح
زندگی ہو کامراں، یونسؔ تری معراج ہو　　کاش کر لے تو بھی دیدار حرم اچھی طرح

☆☆☆☆☆

تارے فلک پہ، فرش پہ گل مسکرائے ہیں　　ایمان اور یقین نے بھی حظ اٹھائے ہیں
یونسؔ خدا کا شکر، زمانہ ہے فیضیاب　　''چاروں طرف حضورؐ کی رحمت کے سائے ہیں''

☆☆☆☆☆

وہ رشکِ ارم بستیاں یاد آئیں ہیں گلیاں جو رحمت کناں یاد آئیں
"حرم کی دلآویزیاں یاد آئیں" کیا تھا کبھی جس نے دیدار اس کا

☆☆☆☆☆

بس نبیؐ سے عقیدت بچا لے گئے لٹ گئے ہم تو دنیا کے بازار میں

(د) عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات

عصر حاضر جمہوریت کا عصر ہے۔ جس میں عوام کو بالادستی حاصل ہے اور افراد پر سماج کا تفوق مسلم ہے، عصر حاضر رنگ و نسل و قوم کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس دور میں ادب کا مقصد تفنن یا ادب برائے ادب نہیں ہے، ادب انسان کی ذہنی کشمکش اس کی اقتصادی و سماجی مشکلات اور اس کے گردو پیش کی ضرورتوں کا نچوڑ ہے، وہ تخیلیت، رمزیت، الفاظ کی تراش خراش، ذہنی انبساط اور دماغی لطف و مسرت ہی کی چیز نہیں۔ عصر حاضر کا نعتیہ ادب اپنی تعمیر کے لیے وہی باتیں خام مواد کے طور پر اخذ کرتا ہے جو عصری مقتضیات کو پورا کرتی ہیں، بانیٔ اسلام کی تعلیمات میں ایثار کو خاص اہمیت حاصل ہے ایثار میں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہے، اور دوسروں کے لیے خاص طور پر اپنے کو زحمت اور پریشانی میں ڈالا جاتا ہے، راقم ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد رقم طراز ہے کہ پیغمبر اسلام نے آج سے چودہ سو چالیس سال پیشتر حریت، اخوت اور مساوات کی تعلیم دی تھی اور ایک ہی صف میں بلالؓ و عثمانؓ کو کھڑا کر دیا تھا، آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیے گئے اپنے خطبے میں جو بات صاف صاف فرمائی تھی وہ دوبارہ عرض ہے:

"زمانہ جاہلیت کی ہر ایک بری اور نامعقول رسم کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر ختم کرتا ہوں، جاہلیت کے تمام متضاد خون آج میں معاف کرتا ہوں، جاہلیت کے تمام سود اور در سود کی لعنت ختم کرتا ہوں۔۔۔ اپنی بیوی کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔۔۔ اپنے غلاموں کا خاص خیال رکھو جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو

وہی ان کو پہناؤ۔۔۔ تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔۔۔عرب کوکسی عجمی پر، کسی حبشی کو سرخ رنگ والے پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔۔۔خدا کے نزدیک سب برابر ہیں۔''

حجۃ الوداع کے وہ الفاظ ومفاہیم جو اوپر لکھے گئے ہیں،عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔عصر حاضر کی نعتیں روایتی اور رسمی انداز کی نعتوں سے بالکل جدا ہیں۔مواضیع ومفاہیم کی دنیا میں ایک اقتصادی اور تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔عصر حاضر کی نعت نے مختلف ہیئتوں اور مختلف شکلوں میں اپنے کو جلوہ گر کیا، مسدس، مثنوی، غزل اور قصیدہ کے علاوہ موجودہ دور کی تمام مروجہ اصناف سخن میں نعتیں کہی جانے لگیں۔عصر حاضر کی نعتیہ شاعری ترانہ، گیت، سلام، نظم معریٰ اور آزاد نظموں میں سے ہر ایک ہیئت پر ملتی ہیں، نئی نسل نعت کو ایک نئی معنویت کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔معقولیت، معروضیت، اور اصلاح معاشرہ کو عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں کافی دخل ہے۔علامہ اقبالؔ کی شاعری عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کے لیے مشعل کی حیثیت رکھتی ہے۔اقبالؔ نے اپنی شاعری کے ذریعہ دین فطرت کے اساسی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔

تیسرا باب

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اردو نعت گوئی

ا۔ تحریک پاکستان

۲۔ قیام پاکستان

(ا) تحریک پاکستان

تحریک پاکستان کے دوران ملی شاعری نے فروغ پایا اور ملی شاعری کا تصور بھی اللہ اور اس کے پاک رسول کے ذکر کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حضور ﷺ ہماری شناخت بھی ہیں اور ملت کی اساس بھی۔

پاکستان آنے والے شعراء میں مولانا سیمابؔ اکبر آبادی کا نعتیہ مجموعہ ''ساز حجاز'' ان کے نعت گوئی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، وہ ان شعراء میں سے ہیں جنھوں نے کئی اصناف سخن کو نعت گوئی کے لیے کامیابی سے برتا۔

نعت کے حوالے سے دوسرے بڑے شعرا بہزادؔ لکھنوی، منورؔ بدایونی اور مولانا ماہر القادری ایک اسلامی تحریک سے وابستہ تھے اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں پیش پیش تھے، اس لیے ان کے رنگ میں اجتماعی رنگ غالب ہے اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ مولانا کے ہاں شخصی طور پر نبی کریم ﷺ کی یاد اور ذکر شامل نہیں۔

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نور وحدت کا ... اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے

ماہرؔ القادری

شعر و سخن کی مجموعی فضا میں نعت گوئی کا فروغ دبستان کراچی کی اولیات میں شامل ہے اور شعر و ادب کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں نعت نہ کہی گئی ہو، لیکن انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے نعت گوئی محض رسمیہ نہ رہی بلکہ سنجیدہ ادبی کاوش بن گئی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفؔی نے اردو نعت گوئی پر اپنے مطالعہ میں اس پہلو پر زور دیا ہے، ان کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ شہیدیؔ، محسؔن کاکوروی اور امیر مینائی کے بعد حالؔی نے نعت گوئی کو زندگی سے متعلق کیا اور اقباؔل اور ظفر علی خاں نے اسے شعر و ادب کا عنوان بنا دیا۔ پہلے شعرا اپنے مجموعوں کے ساتھ ایک دو نعتیں بطور تبرک شامل کر لیتے تھے آج نعت گوئی ان کے فن کی پرکھ قرار پاتی ہے۔

میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ پاکستان کے دوسرے حصوں میں بعض شعرا نے صرف نعت گوئی کو اپنے لیے چن لیا ہے، یہ خوشی کی بات ہے لیکن اس میں مسئلہ یہ پیدا ہوگیا ہے کہ اردو شاعری میں ان کی حیثیت کی بابت کچھ کہنا مشکل ضرور ہوگیا ہے، اس کے برعکس کراچی میں کئی شاعر ایسے ہیں جنھوں نے شاعری کے دوسرے موضوعات کا حق ادا کرتے ہوئے نعت گوئی کی صنف میں بھی ایک نمایاں مقام حاصل کیا، مثال کے طور پر تابشؔ دہلوی، حنیفؔ اسعدی، محشؔر بدایونی، اقباؔل صفی پوری، صہبا اختر، راغب مرادآبادی، سرشار صدیقی، قمؔر ہاشمی، قمؔر وارثی اور سلیم کوثر کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک نازک مسئلہ ہے کہ شعرائے نعت کے ادبی مرتبہ کا تعین کیا جائے میرا خیال ہے کہ اس نازک اور مشکل مسئلے کے جواب کو دبستان کراچی کے ان شعرا نے آسان بنا دیا ہے، جنھوں نے دوسرے اصناف سخن میں اپنا نقش قائم کرنے کے بعد اب نعت گوئی کو اختیار کرلیا ہے جیسا کہ کچھ نام میں نے اوپر پیش کیے ہیں، نعت اب بھی یقیناً حصول ثواب کا وسیلہ ہے، لیکن آج یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بات یہیں ختم ہوگئی، آج نعت گوئی حسن کلام کی آخری منزل کے درجے تک پہنچ چکی ہے بات یہ ہے کہ وہ ذات گرامی جو حسن و جمال اور توازن کی آخری مثال ہے، جس نے گفتگو اور کلام کے آداب متعین فرمائے، اس کا ذکر کرنے والوں کے کلام کو اسی قائم کردہ معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔

عین مدحت ہے محمدؐ کہنا نام ایسا ہے ثنا ہو جیسے (حنیف اسعدی)

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت ساری اچھائیاں ایک انسان میں (محشرؔ بدایونی)
سارے عالم کو جزیرہ ٹھہراؤں ایک انساں کو سمندر لکھوں (ثروتؔ حسین)
دامن میں آپؐ کے ہیں دو عالم کی نعمتیں ہر زاویے سے سورہ رحمٰن آپؐ ہیں (سحرؔ انصاری)

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبوئیں جائیں نہیں
میں نے اسم محمدؐ کو لکھا بہت چوما بہت
(سلیمؔ کوثر)

آ ئینے ہم نے دیکھ لیے صبح وشام کے سب عکس بے مثال ہیں خیر الانام کے (سلیمؔ کوثر)
انھیں گلیوں نے قدم آپؐ کے چومے ہوں گے اسی مٹی میں چراغ ابدی رکھا ہے (شبنمؔ رومانی)
آپؐ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد وشمار حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ، ید بیضا کے سوا (جمیلؔ نقوی)
تقدیر پر چھوڑا ہے اس ناقۂ ہستی کو یہ کعبہ ہے، وہ طیبہ، دیکھو تو ٹھہر کر (سرشارؔ صدیقی)

ان اشعار میں علو تخیل بھی ہے، زبان و بیان کا حسن بھی ہے اقدار عالیہ سے وابستگی بھی ہے اور مقصدیت بھی ہے جو ادب کو زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ رہنما بناتا ہے، ان اشعار میں آپ کو زبان کی حدود میں توسیع بھی نظر آئے گی، مثلاً نام کو ثنا قرار دینا، مدینہ منورہ میں نبی اکرمؐ کی اونٹنی کی نسبت سے ناقہ ہستی جیسی ترکیب اور پھر اظہار کی یہ وسعت کہ جمیلؔ نقوی نے فارسی کے معروف شعر کو ترقی دے دی ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دبستان پاکستان کی نعت گوئی کی ایک اور خصوصیت اظہار کے طریقوں کا تنوع ہے، نعت گوئی اپنی ہیئت کے اعتبار سے نہیں بلکہ روح کے اعتبار سے صنف سخن ہے نعت، غزل، مثنوی، قطعہ، رباعی، مسدس ہر شکل، ہر ہیئت میں لکھی جا سکتی ہے، غزل اردو کی مقبول ترین صنف ہے اس لیے اسے نعت گوئی کے لیے بھی زیادہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن آج کراچی میں مثنوی، قصیدہ، رباعی، نظم آزاد اور ہائیکو کو بھی نعت گوئی کے لیے برتا جا رہا ہے، اگر ہم اس کا تجزیہ کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب نعت اور ذکر رسول ﷺ شاعروں کے مزاج کا حصہ بن گیا ہے، جو شاعر جس صنف کو عزیز رکھتا ہے، اس کو محبوب خالق و مخلوق کے ذکر سے روشن کرتا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں مرحوم سید ابوالخیر کشفی نے قصیدہ بردہ

کے مفاہیم کو آزاد نظم میں پیش کیا، اس کے بعد قمر ہاشمی کی طویل نظم ''مرسل آخر'' شائع ہوئی ،جس میں پابند حصوں کے ساتھ ساتھ آزاد نظم کا بھی استعمال غالباً ایسی پہلی نظم ''صلصلة الجرس''، عمیق حنفی کی تھی، میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن میرے علم کی حد تک نعتیہ دوہے کا آغاز بھی پاکستان کے کراچی سے ہوا، ویسے اس سلسلے کو عرش صدیقی نے وسیع تر کردیا ہے کراچی میں ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی تواتر سے نعتیہ دوہے تخلیق کررہے ہیں۔

اس طرح اب دوہے میں بھی نعت گوئی کا آغاز ہو چکا ہے، مجھے اس بات پر اصرار نہیں کہ اس کا آغاز کراچی ہی میں ہوا، لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ہائیکو کا فروغ ۱۹۸۰ء میں کراچی کے ہائیکو مشاعرے سے ہوا اور اب یہ مشاعرہ ایک سالانہ روایت بن چکا ہے، اگر چہ پنجاب میں سید محمد امین علی شاہ نقوی اور دوسرے کئی شاعروں نے ہائیکو کو متعارف کرانے کا کام کیا لیکن کراچی میں اس کے لیے فضا زیادہ سازگار ثابت ہوئی یہاں تابش دہلوی، محشر بدایونی، ادا جعفری جیسے بزرگ شعرا نے پہلے ہائیکو مشاعرے میں شرکت کی اور اسی مشاعرے میں شاہدہ حسن اور اقبال حیدر جیسے نوجوان شعرا بھی مدعو تھے۔ آج دبستان کراچی میں سرشار صدیقی اور صبیح رحمانی نے نعتیہ ہائیکو کی طرف بھرپور توجہ دینی شروع کی، صبیح رحمانی کی ہائیکو کے پیرایے میں ایک نعت ملاحظہ ہو:

صرف مدینے میں اور کہاں پر اُگتے ہیں

سورج سینے میں

پاکستان میں نعت گوئی کے حوالے سے بعض اصناف کا احیاء بھی ہوا ہے، مثلاً پروفیسر ڈاکٹر نعیم نقوی کے ہاں بہاریہ قصیدے میں نعت لکھی گئی، اس طرح وقار صدیقی نے مثنوی کو ایک نئے انداز سے نعت گوئی کے لیے استعمال کیا، قصری کانپوری نے طویل نعتیہ مسدس لکھے ہی نہیں بلکہ فنی اعتبار سے دبستان پاکستان کے شعرا نے نعت میں نئی ردیفیں ایجاد کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔

کوئی ان کے بعد نبی ہوا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود بھی کہہ دیا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
(حنیف نقوی)

راحت دل سکون جان یعنی وہی غم خوار عاصیاں یعنی
(تابش دہلوی)

رات دن ان کی ہی مورت میں ہوں شاداں نقوی
نام سے جن کے منور ہے دعا کا چہرہ
(نعیم نقوی)

کوئی مثل مصطفیٰ کا، کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
(صبیح رحمانی)

تھے عالی مرتبہ سب انبیاء اول سے آخر تک
مگر سرکار سا کوئی نہ تھا ازل سے آخر تک
(صبیح رحمانی)

کیا شان ہے خیر البشرؐ، **انا اعطناك الكوثر**
رحمت نے پکارا خود بڑھ کر، **انا اعطناك الكوثر**
(ادیب رائے پوری)

اس ضمن میں لطیف اثر کے مجموعہ صحیفۂ نعت کی نعتیں بھی قابل توجہ ہیں، جو اسمائے نبی کریم ﷺ کو ردیف بنا کر تخلیق کی گئیں ہیں۔

دبستان پاکستان کے شعرائے نعت نے نعت کو ہندی گیتوں کے انداز میں بھی لکھا ہے، ایسے شعرا میں نگار صہبائی، ع۔س مسلم اور قمر الدین احمد انجم کے نام قابل ذکر ہیں۔

دبستان پاکستان میں خانوادۂ تصوف کے جو لوگ آئے وہ اپنے تزکیۂ نفس کی تعلیم اور تصوف کی اصلاحات لے کر نعت کی طرف آئے جیسے ذہین شاہ تاجی، مولانا ضیاء القادری بدایونی، شاہ انصار حسین الہ آبادی، شاہ ستار وارثی، حیرت شاہ وارثی، عنبر شاہ وارثی، صوفی جمیل حسین رضوی، شاہ قاسم جہانگیری اور بقا نظامی وغیرہ۔

کسی ایک شاعر کی زمینوں میں نعت کہنے کی طرح بھی پاکستان کے کراچی کے شعرا نے ڈالی ہے۔ غالب کی زمینوں میں یہ ادبی کارنامہ پہلے ابوالخیر ساجد اسدی

مرحوم نے ''پیغامبر مغفرت'' کے نام سے اور پھر راغبؔ مراد آبادی نے اپنے مجموعے ''مدحت خیر البشر'' میں سرانجام دیا، صنعت غیر منقوط جس کو صنعت مہملہ بھی کہتے ہیں یہ ہے'' کہ ایک کلام میں سب لفظ بے نقطہ ہوں''۔

مدحِ رسولؐ (راغبؔ مراد آبادی) اور مصدر الہام (صبا متھراوی) اور شاعرؔ لکھنوی مرحوم کی غیر منقوط رباعیاں بھی درخور تحسین ہیں۔ تغزل نعتوں میں اور مخصوص طور پر غزلیہ نظموں میں نظر آتا ہے لیکن کہیں کہیں اس تغزل کی سطح ایسی ہوتی ہے کہ نعت کے اس قبیل کے اشعار حضور اکرمؐ کی ذات سے متعلق نہیں لگتے۔ مثلاً

مرے چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں تمھیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
جس میں ہو تیرا نام وہی بات حسیں ہے جس میں ہو ترا ذکر، وہی بزم ہے رنگیں

اس انداز کی نعتیں، شانِ نعت سے بے بہرہ ہیں پاکستان کے شعرا نے تغزل کے اس لہجے کو حضور ﷺ کی نسبت سے ایسی بلندی عطا کی ہے کہ خود غزل کا لہجہ رفیع تر ہو گیا ہے۔

کسی کا نام لے کر آ گیا تھا بزم امکاں میں
کسی کا نام لے کر جا رہا ہوں بزم امکاں سے
(ارمانؔ اکبر آبادی)

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی
یہ دل ترے خیال کے قابل نہیں رہا
(جمیلؔ نقوی)

سرکار کے قدموں سے اٹھ کر دل دیوانہ
جائے تو کہاں جائے، ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے
(شادؔ صدیقی)

ان تینوں اشعار میں سرکار دو عالمؐ کا اسم گرامی کہیں نہیں آیا، لیکن قرینۂ کلام اور الفاظ کا ادب کافی واضح ہے۔

ہر امتی کے ساتھ نبی اکرمؐ کا تعلق اجتماعی ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ انفرادی

بھی ہے ہر ایک کی ذاتی خصوصیات، ان کی نسبت سے راستہ بھی پاتی ہیں اور مضبوط بھی ہوتی ہیں تنوع اور رنگا رنگی پاکستانی نعتوں کا طرۂ امتیاز ہے نعت کہیں اپنی ذات کی سالمیت کے لیے ہو رہی ہے، کہیں نعت گوئی ملت کے استغاثے کے لیے ہے، کہیں نعت فکر کا اشاریہ ہے، کہیں نعت حضور اکرمؐ اور اپنے آپ سے گفتگو ہے، لیکن بیشتر شاعروں کے یہاں یہ سب رنگ ایک ساتھ آتے ہیں، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نعت گوئی سے شاعروں کی شخصیت میں بھی توسیع ہوتی ہے۔

مرقومہ بالا معروضات، پاکستانی نعت کے رجحانات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں جہاں اس سے پاکستان میں مضامین کی رنگی رنگی کا اندازہ ہوا، وہیں یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ اس تنوع میں جن شعرا کا ہاتھ ہے، ان میں سے اسّی فیصد وہ شعرا ہیں جو اصلاً ہندوستانی ہیں۔ لیکن تقسیم کے ثمرے میں ہجرت کے ذریعہ اب پاکستانی سرمایہ کا ایک حصہ بن گئے۔

(۲)　قیامِ پاکستان

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قوم پہلے سے موجود تھی اور پاکستان بعد میں قائم ہوا، قومیت یا نیشنلزم کا جو تصور مغرب میں ہے، اس کا اطلاق پاکستان پر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ پاکستان نے کسی قوم کو جنم نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کو جنم دیا ہے۔ تحریک آزادی اور حصول پاکستان کے پس منظر میں احیائے اسلام کا جو جذبہ کارفرما تھا اس کی بنیاد محبت رسولؐ اور اتباع سنت نیز رسول اکرم ﷺ کے اسوہ کی پیروی پر تھا۔ اس سلسلے میں محمود فاروقی صاحب کا مندرجہ ذیل قول ملاحظہ فرمائیں:

> ''اس میں شک نہیں کہ تحریک پاکستان کے لیے لوگوں نے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا، صاحبان فکر نے پاکستان کے تخیل و تصور کی آبیاری کی تھی، اہل قلم نے پاکستان کے لیے اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی تھیں، ارباب سیاست نے قوم کو متحد و منظّم کیا تھا

اور براعظم ہند کے مسلم عوام نے اپنی جان و مال کی قربانیاں دے کر اس خواب کو حقیقت بنادیا تھا مگر جب ہم مسلمانان ہند کی اس تاریخی جدوجہد کے تمام اسباب وعلل کا جائزہ لیتے ہوئے اس آخری قطعی محرک تک پہنچتے ہیں جو اس تحریک میں روح رواں کی طرح کام کررہا تھا (وہ نہ ہوتا تو یہ سارے اسباب وعلل اور عوامل ووجوہ دھرے کے دھرے رہ جاتے اور پاکستان کا حصول وقیام قطعاً ممکن نہ ہوتا) تو ہم یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ وہ صرف ایک سچا اور حقیقی جذبہ تھا، سرور دو عالم رسالت مآب محمد ﷺ سے محبت وعقیدت کا جذبہ، افراد و اکابر کے ذہن وفکر کے تجزیہ میں ممکن ہے اس جذبہ کی سطح ایک سی نہ نظر آئے اور معیارات کم زیادہ یا مختلف ہوں مگر بحیثیت مجموعی پوری مسلم قوم کی نفسیات کا محور ومرکز اور حرکت وعمل کا سرچشمہ یہی جذبہ تھا۔''

یہی وجہ ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے تحریکی ادب میں حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت و کردار کے تذکار وتصور کو ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے، حصول پاکستان کے ادبی ولسانی جہاد سے منسلک شاعروں کی نظموں میں نعتیہ عناصر نمایاں ہیں، انجمن حمایت اسلام کے جلسوں سے مسلم لیگ کے اسٹیج تک تحریک پاکستان کے شاعروں نے آنحضرت ﷺ کی ذات اور پیغام کے ذکر سے مسلمانانِ ہند کے دلوں کو گرمایا، ملی امنگوں اور جذبوں کے ترجمان، ادب نے نعتیہ شاعری کے فروغ و مقبولیت کے لیے فضا ہموار کی اور اردو نعت کا ایک ایسا تابناک دور شروع ہو جس نے بلحاظ مقدار ومعیار اور بحیثیت صنف وفن نعت گوئی کو بے حد ترقی دی، بقول حفیظ تائبؔ:

''قیام پاکستان کے بعد نعت کے ارتقاء کی رفتار اور تیز ہوگئی، اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی نظریاتی مملکت میں ذکر رسول ﷺ کا چرچا ہونا قدرتی اور فطری عمل تھا، دیکھتے ہی دیکھتے نعت میں اس انقلاب کی بازگشت سنائی دینے لگی جسے برپا کرنے کے

لیے حضور اکرمؐ تشریف لائے تھے، وہ روحانی تمدنی اور اخلاقی
آشوب بطور خاص نعت کا موضوع بنا جس سے امت مسلم اور
عہد حاضر کا انسان دوچار ہے اس دور کے نعت گویوں نے اپنے
ذاتی اور کائناتی دکھوں کا علاج حضور ﷺ کی سیرت اطہر میں تلاش
کرنا شروع کیا اور حضور اکرم ﷺ کے منشور حیات اور تعلیمات کو
نعت میں سمو دیا، یوں اردو نعت زندگی سے ہم آہنگ ہوکر
مقبولیت کی حدوں کو چھونے لگی۔''

قیام پاکستان کے وقت اردو نعت جس مرحلہ وقیام پر تھی اس کا ذکر میں پچھلے ابواب میں کر چکا ہوں، اردو نعت کا عصر حاضر جسے قیام پاکستان سے شروع کیا جارہا ہے، ایک اعتبار سے نعت کے عصر جدید ہی کی توسیع ہے۔ مولانا حالی، علامہ اقبالؔ، ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری اور اقبال سہیلؔ نے اردو نعت کو فکری وفنی طور پر جن نئے امکانات سے روشناس کرایا اور اس میں واقعیت وحقیقت نگاری کی روایات اور قومی وملی مسائل وموضوعات کے جن عناصر کو فروغ دیا عصر حاضر کے نعت گوشاعروں نے انہی روایات وعناصر نعت کی ترجمانی کی۔ مولانا حالیؔ سے سہیل اعظم گڑھی تک کی نعت گوئی میں عصر جدید کے جو عناصر موجود ہیں ان کا تذکرہ افتخار اعظمی نے سہیلؔ کے فکر وفن کے حوالے سے کیا ہے، اقبال سہیلؔ کی نعت جو اپنی صوری معنوی محاسن کی بناپر عصر جدید کی نمائندہ نعت ہے، درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

(۱) جوش عقیدت اور خلوص جذبات (۲) تاریخ اسلام کے صحیح اور موثر واقعات کی تلمیح اور شاعرانہ پیرایہ میں مستند احادیث و روایات کا ترجمہ یا ان کی تفسیر (۳) توحید و رسالت کا صحیح اسلامی شعور (۴) جناب رسالت مآبؐ کے فضل و بشریت کا اس طرح ذکر کہ اس سے دوسرے انبیاء کی عظمت و شرف میں سرمو فرق نہ آئے (۵) صنف غزل کے وہ رموز و علامات، جو آنحضرت کی پیغمبرانہ جلالت شان کے سراسر منافی ہیں، ان سے کلیۃً اجتناب (۶) سیرت پاک کا اس طرح اظہار خیال کہ اسلامی نظریات کی مکمل توضیح ہوجائے (۷) بزم رسالت کے ارکان خاص کے درجہ ومرتبہ کا صحیح تعین اور اس کے لحاظ سے ان کے فضائل وکمالات کا تجزیہ (۸) نعت ومنقبت کے ضمن میں فلسفہ وحکمت کے بہت سے راز

ہائے سربستہ کی عقدہ کشائی (۹) شاعرانہ محاسن کی آمیزش مگر اس درجہ نہیں کہ جذبہ کی شدت اور خیال کی قوت میں کوئی کمی واقع ہو (۱۰) تخیل اور حقیقت میں کامل ہم آہنگی۔

پاکستان کی عصر جدید کی مذکورہ بالا خصوصیات نعت کے پس منظر میں اردو نعت کے عصر حاضر کے آغاز سفر کا جائزہ لیں، تو اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ عصر حاضر کی نعت گوئی کو اساس عصر جدید ہی نے فراہم کی، مولانا ظفر علی خاں کی نعتوں اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کی گونج میں مولانا حسرت موہانی، اختر شیرازی، م حسن لطفی کے نعتیہ اشعار کی ہلکی مگر موثر آواز بھی شامل تھی۔ حسرت موہانی کے لہجہ میں التجا نمایاں ہے۔ اختر شیرازی کی رومان پسند طبع نعتوں پر بھی اثر انداز ہوئی، ان کے ہیئت کے تجربے، صبا کے ذریعے آنحضرت تک پیام رسانی، مدینے کی کھجوروں کا ذکر، ان کے اسی میلان فکر کا نتیجہ ہے، لطفی کی روضۂ رحمۃ للعالمین میں ملت مسلمہ کی ابتری کا حال اور التماس ودعا کا انداز نمایاں ہے۔

قیام پاکستان کے وقت متعدد ایسے شاعر تھے جو نہ صرف یہ کہ نعت کا اعلیٰ ذوق وشغف رکھتے تھے بلکہ نعت گو کی حیثیت سے معروف بھی تھے، ان میں ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی اور ماہر القادری کے علاوہ وہ شمسی مینائی، درد کاکوروی، محمد ذکی کیفی، میر افق کاظمی امروہوی، راجہ محمد عبداللہ نیاز، اثر صہبائی اور اسد ملتانی وغیرہ متعدد ایسے شاعر ہیں جنھوں نے نعت کے فروغ وارتقاء میں حسب مقدور حصہ لیا۔ پاکستان کی عصر حاضر کی نعت گوئی کا دور اول انہی شاعروں پر مشتمل ہے۔ دوسرا دور جو جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے کچھ قبل ''فارقلیط'' (عبدالعزیز خالد مطبوعہ ۶۴ء) کی اشاعت سے شروع ہوا، پہلے دور سے وقیع ہے۔ اس میں عبدالعزیز خالد، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، راسخ عرفانی اور متعدد دوسرے نعت گو شاعر ملتے ہیں جنھوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے نعت کے موضوع وفن اور ہیئت واسلوب میں وسعت اور تنوع پیدا کیا یہ پورا دور فنی تجربہ اور ادبی رفعت کا دور ہے، جس کے سب سے اعلیٰ نمونے اس دور کی نعت گوئی میں ملتے ہیں۔

عصر حاضر پاکستانی نعت کے لیے کافی اہم اور مبارک ثابت ہوا، نعت کی ترتیب اور تخلیق و تحقیق وغیرہ سے متعلق جو کام اس دور میں ہوا، اس کی مثال پہلے کی ادبی تاریخ میں نظر نہیں آتی اس عہد کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں مستند شخصیات شعر وادب نے نعت کی طرف توجہ دی اور اسے ایک باقاعدہ صنف سخن کا درجہ دینے میں نمایاں طور پر سرگرمی کا مظاہرہ کیا، عصر حاضر سے

قبل اردو نعت کو جو شاعرانِ کرام میسر ہوئے وہ تخلیقی صلاحیتوں کے سبب کار نعت میں معروف تو رہے، مگر ادبی سطح پر ان کی پذیرائی نہ ہو سکی، اصناف سخن میں چونکہ نعت کا مقام اور اس صنف کے خدو خال کا جداگانہ تشخص نہ ہوا تھا، اس لیے شعرا جو نعت کا شغف رکھتے تھے، مقدار و معیار کے لحاظ سے نمایاں کارکردگی کے باجود تاریخ شعر وادب میں وہ مقام نہ پا سکے جس کے وہ بجا طور پر اہل تھے ،نعت کی گزشتہ ادوار کی صورت حال کچھ یوں ہے کہ وہ شاعر جنھوں نے نعت میں باقاعدہ دیوان مرتب کیے، تاریخ ادب میں غیر معروف رہے، مثلاً احمد رضا خاں صاحب، مولانا لطف بریلوی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا مفتی سرور لاہوری وغیرہ وغیرہ کی شاعرانہ استعداد اور کارکردگی مسلم ہے لیکن اس کے باوجود ادب کے تذکرے اور تاریخیں ان کے ذکر سے خالی ہیں، اگر ان کا تذکرہ کسی جگہ موجود بھی ہے تو سرسری انداز میں چند جملوں سے زیادہ نہیں، اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں جن میں سب سے بڑی وجہ نعت کی بحیثیت صنف سخن ناقدری رہی اور اسے اعلیٰ تخلیقی و معیاری ادب کے بجائے مسجد و خانقاہ سے وابستگان کے وعظ و نصیحت کا ایک انداز سمجھ لیا گیا، اول اول اسے ایک علاحدہ صنف ہی نہیں سمجھا گیا۔ (زیادہ سے زیادہ ایک موضوع کے طور پر مذہبی شاعری کے ذیل میں اس کی نشاندہی کی جاتی رہی) بعد میں جب باقاعدہ ادبی و شعری تاریخ نگاری کا دور شروع ہوا تو کار پردازان شعر وادب کے نزدیک نعت گوئی مذہبی شاعری یا پروپگنڈا سمجھ کر نظر انداز کر دی گئی ،نکات الشعرا (میر تقی میر) آب حیات (محمد حسین آزاد) سے لے کر تاریخ ادب اردو (رام بابو سکسینہ) اور ہسٹری آف اردو لٹریچر مصنف محمد صادق نیز تاریخ ادب اردو مصنف ڈاکٹر جمیل جالبی تک نعت گو شاعروں کے ساتھ ادبی تذکرہ و تاریخ نگاروں کا یہی رویہ رہا، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے باب میں نعتیہ شاعری کا ذکر ضرور ہوا، مگر دوسرے سیکڑوں نعت گو شعرا (جن میں ادبی وفنی معیارات کے لحاظ سے بعض نعت گو ممتاز حیثیت کے مالک تھے) شعر وادب کے ارتقا و تاریخ کے تذکرے میں چند جملوں سے بھی محروم رہے۔

دوسری طرف وہ شعرا جن کی ادبی حیثیت ہر دور میں مسلم رہی اور جن کا ذکر تاریخ وادب کے لیے ناگزیر رہا، انھوں نے نعت گوئی کی طرف توجہ ہی کم دی، ان میں ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، سے لے کر نظیرؔ اکبرآبادی، غالبؔ و داغؔ تک کے نام ملتے ہیں جنھوں نے متنوع موضوعات اور اصناف میں طبع آزمائی کی مگر ان کا نعتیہ سرمایہ چند اشعار یا چند غزلوں اور قصیدوں سے زیادہ نہیں عصر جدید میں حالی

،اقبال اور ظفر علی خاں نے اپنی استعداد وشاعری سے اردو نعت کی روایت کو آگے بڑھایا مگر مقدار کے لحاظ سے ان بڑے شاعروں کی نعتیہ تخلیقات بھی چند منظومات سے زیادہ نہیں ان میں سے کسی ایک شاعر نے بھی اس مقدار میں نعتیں نہیں لکھیں کہ ان کا علاحدہ مجموعہ نعت مرتب ہو سکے۔

اب تک کی معروضات کا ماحصل یہ ہے کہ عصر حاضر سے پہلے وہ شاعر جنھوں نے نعتیہ دیوان مرتب کیے ادبی سطح پر مشہور نہ ہو سکے اور وہ شاعر جو ادبی مقام، رتبہ کے حال ٹھہرے، انھوں نے مقدار میں نعت کم لکھیں، نعت کا عصر حاضر اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس نے ادبی سطح پر مقدار و معیار اور استمد اد شہرت میں حائل خلیج کو پاٹ دیا نعت گوئی کو نہ صرف وہ ادبی مرتبہ ومقام حاصل ہو جس کی وہ اہل تھی بلکہ روز بروز اسے دیگر اصناف سخن سے زیادہ نمایاں حیثیت مل رہی ہے۔ ان شاعروں نے جو ادب میں مستند معیار و مرتبہ رکھتے ہیں، نعت کی طرف توجہ دی اور نعت میں باقاعدہ مجموعے مرتب کیے، ان میں بہزادؔ لکھنوی، عبدالعزیز خالد، احسان دانش، قیوم نظر، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، سیف زلفی سے لے کر ساغر صدیقی اور شکیل بدایونی تک بیسوں ایسے شاعر ہیں جنھوں نے دیگر تصنیفات شعر کے ساتھ ساتھ نعت میں جداگانہ تصنیفات مرتب کیں۔

عصر حاضر میں نعت کا مرکزی موضوع تو مدح رسولؐ کا اظہار ہی رہا مگر اس بڑے دھارے میں مضامین وخیالات کے وہ چھوٹے چھوٹے سوتے آ کر ملتے ہیں جو بدلتے ہوئے عصری رجحانات ومیلانات اور احوال وتحریکات کے بطن سے پھوٹتے رہے قیام پاکستان سے اب تک جن ملی و مذہبی اور قومی وسیاسی تحریکوں نے نعت گوشعرا کو متاثر کیا ان میں تحریک نبوت ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۷۴ء) جنگ ستمبر ۱۹۶۰ء سقوط ڈھاکہ اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء زیادہ اہم ہیں، ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ تاریخ وسیاست کے مختلف حالات وواقعات نے بھی اردو نعت پر اثرات ڈالے ان میں عرب اسرائیل جنگ، مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کا سقوط، مختلف اسلامی ممالک میں یگانگت و یک جہتی کا رجحان اسلامی سربراہی کانفرنسوں کا انعقاد شامل ہیں۔ افغانستان میں روسی جارحیت اور اس سے پیدا ہونے والے مصائب، رنگ ونسل کے تعصّبات، مغرب کی شہ پر رشدی جیسے ادیبوں اور شاعروں کی منفی اور توہین آمیز نگارشات اور اس کے ردعمل کے طور پر ایک مرکز پر جمع ہونے کی آرزو اور عالمی نیز اپنے تمام وسائل جمع کر کے نشاۃ ثانیہ اور سیاسی ومادی ترقی کے ساتھ روحانی واخلاقی اقدار کی بازیابی کے خیالات بھی نعت کے موضوعات ہیں، عالم اسلام میں

پیدا ہونے والے ارتعاشات خصوصاً پاکستان میں نعت مسلمہ کو درپیش مسائل کا تذکرہ، عصر حاضر کی نعت گوئی کا خاص موضوع ہے، اس میں داخلی احساسات و کیفیات کے ساتھ ساتھ ملکی و ملی آشوب، نالہ و فریاد اور نبی امیؐ سے استمداد و استغاثہ کے عناصر نے نعت کے دائرے کو خاصا وسیع کر دیا۔ انسان کی مادی ترقی کے ساتھ اس کی مذہبی و روحانی ارتقا کے بڑھتے ہوئے خلا کو پر کرنے کے لیے جس تصور، طاقت اور سہارے کی ضرورت ہے، اس کی واحد مثال رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات اور آپ کی تعلیمات میں نظر آتی ہے۔ ذات و پیام نبویؐ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے اثرات مسلم ممالک کے علاوہ غیر مسلم معاشروں میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں، اسلام سے دشمنی کا رویہ ترک کر کے اسے ایک مقصد حیات کے طور پر سمجھنے کی سنجیدہ کوششوں نے غیر مسلموں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے مطالعے کا ایک نیا باب کھول دیا ہے، عصر حاضر میں رینے گینون، مارٹن لنگز، مثنون اور برک ہارت ایسے متصوف ذہنوں کے قبول اسلام نے جہاں ایک طرف اسلام کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے، وہاں حضور اکرمؐ کی ذات اور پیغام کے بارے میں غور و فکر کے نئے زاویے بھی سمجھائے ہیں، سرمایہ داری اور اشتراکیت کی آویزش کے مقابلے میں اسلام کا اعتدال و توازن بھی جدید سیاست و اقتصادیات میں خصوصی توجہ و مطالعہ کا متقاضی ہے یہ تمام خیالات اور یہ ساری سوچیں بھی عصر حاضر کی اردو نعت میں جھلکتی ہیں، ذیل میں مرقومہ بالا رجحانات و تحریکات سے پیدا ہونے والے احساسات پر مشتمل نعتیہ شاعری کی کچھ مثالیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں، جن سے اس صنف کی وسعت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، پاکستانی نعت میں ملکی سیاست اور ملت، اسلامیہ کو درپیش مصائب کی ایک جھلک دیکھیے:

تیرگی ہے کہ اُمڈتی ہی چلی آتی ہے
میرے ہادی کوئی پیدا ہو سحر کی صورت
(عابد نظامی۔ جسارت، کراچی)

جو انبیا کے قدم سے تھی مقتدر وہ زمیں　　ہوئی ہے قوتِ باطل کے آج زیر قدم
وہ ارض پاک ہے صیہونیت کے قبضے میں　　غبار راہ میں ہے شور نالۂ و ماتم
حضور آج ہے مسلم پہ کفر کی یلغار　　حضورؐ مذلت میں گر چکے ہیں ہم
گزر گئی ہے قیامت ترے غلاموں پر　　عدو نے ڈھائے ہیں افغانیوں پہ ایسے ستم

نہتے لڑتے ہیں کفار کے عساکر سے — بڑھی ہے فوج عدو ان کی سمت صورت یم
کوئی ہو غیب سے امداد اے شہِ بطحا — ترے ہی نام سے قائم ہے عاصیوں کا بھرم

(حافظ لدھیانوی)

نظم معنون ''دہائی'' سے دو شعر ملاحظہ ہوں:

بھائی کا بھائی نے خون ہنس کے بہایا کیسے — گوشت انسان کا انسان نے کھایا کیسے
کب ترے ساتھ اسے پیار کا ڈھنگ آئے گا — تیرا دریائے کرم جوش پہ کب آئے گا

نظم ''خیر کی بھیک'' سے چند اشعار ہدیہ قارئین ہیں:

تیرے کہلائیں غیروں کی بیعت کریں — رہنما سازشوں کی قیادت کریں
خواہشیں ہیں پنپنے کی پروان کی — جڑ مسلمان کاٹنے مسلمان کی
ہر طرف وسوسے روشنی کو ڈسے
عار تیرہ شبی یا نبی یا نبیؐ

(مظفر وارثی)

فریاد ہے اے گنبدِ خضرا کے محافظ — امت ترے محبوب کی اس وقت حزیں ہے
پھر جانب حرمین ہیں اغیار کی نظریں — پھر خطرے میں یا رب تیرے محبوب کا دیں ہے

(عابد نظامی)

ریاضؔ اپنے وطن کی خاک کے آنسو بھی لایا ہے — رسولؐ محترم کیجیے کرم اپنی عطاؤں کے

(ریاض حسین چودھری)

مسلسل ہو رہی ہے جانے کیوں امت کی رسوائی — دعاؤں میں یہ افلاس اثر دیکھا نہیں جاتا

(احسانؔ دانش)

اس قیادت کی کشمکش میں حضورؐ — ہو نہ جائے کہیں چمن برباد
برق و صرصر کی دہشت انگیزی — ہے گریزاں گلوں سے بادِ مراد
اے رسولؐ کریم شاہ زمن — اب توجہ کا منتظر ہے چمن

(عبدالکریم ثمرؔ)

اس عصر کی ملی نظموں میں بھی حضور اکرمؐ کا ذکر اور نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں، قومی و ملی

موضوعات پر لکھنے والے شاعروں کے یہاں یہ نعتیہ حوالے بکثرت نظر آتے ہیں مشہور نعت گو عبدالعزیز خالد کے ہاں ملی منظومات میں بھی نعت کی جھلک نظر آتی ہے یہ شعر دیکھیے:

یہ کشور دولخت ، پاکستان کی یہ سر زمیں　　یا رحمۃ للعالمیں، یا رحمۃ للعالمیں

(عبدالعزیز خالد)

اس کے علاوہ ''ہم حزب محمد ہیں'' جی میں آتا ہے فلسطین چلیں'' ''دیار پاک'' اور قوم کے مجاہدوں کو'' عنوان کی نعتیہ نظمیں جو عبدالعزیز خالد نے ملی موضوعات پر لکھیں، اگرچہ نعتیں نہیں مگر ان میں آنحضرت کے حوالے سے نعتیہ عناصر در آئے ہیں اور اسی انداز کے دوسرے مسائل و مصائب نمایاں ہیں، ان نظموں میں:

جاںنثاران رسول ہاشمی نام وناموس محمد کے امین　　صف بہ صف حزب محمد کے اراکین چلیں

پھر دل میں ہوا تازہ غم مسجد اقصیٰ

(عبدالعزیز خالد)

اس قسم کے مصرعے اور اشعار خالد کی ملی شاعری میں نعت ہی کے عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں، رد قادیانیت میں یہ شعر دیکھیے:

اب آمدِ نبیؐ کا لطیفہ غلط غلط　　قرآں کے بعد کوئی صحیفہ غلط غلط　　(واسخ عرفانی)

ذکر جب احمد مرسلؐ کا زبان پر آیا　　منکر ختم نبوت کو کئی تیر لگے　　(عبدالکریم ثمر)

نسبت ہمیں ہے احمد مختارؐ سے اسد　　ہم احمدی تو ہیں پہ غلام احمدی نہیں　　(اسد ملتانی)

پاکستان میں سوئے اتفاق سے ایک ایسا دور بھی آیا جب کچھ نام نہاد رہنماؤں کی گمراہ کن کوششوں سے پاکستان کے بعض ناپختہ ذہن نوجوانوں نے اسلام کے مقابلے میں بعض ملحدانہ اور کافرانہ ازموں کی اشاعت شروع کی، پاکستانی نعت نگاروں نے اس محاذ پر بھی اپنی آوازیں بلند کیں۔

مطلوب نہیں ہم کو سٹالین وڑومین　　کونین کا سردارؐ ہے سردارؐ ہمارا　　(اثر صہبائی)

اشتراکیت کے حامی کچھ تو رسوا ہوگئے　　کچھ وہ اس توہین کا بھگتیں گے خمیازہ ابھی

آج ہو بزمی نظام مصطفیٰ پر گر عمل　　کفر و باطل کا اتر جائے گا سب غازہ ابھی　　(خالد بزمی)

لندن و پیرس کی ضوء ریزی سے اس کو کیا غرض　　جو گلستان حرم کا بے خود و سرمست ہے

اس کو بزمی لینن و ماؤ سے کیا وابستگی　　جس کا دل اس محسن کونین سے پیوست ہے　　(خالد بزمی)

پاکستان کے ممتاز شہروں میں اردو نعت

(الف) بلوچستان میں اردو نعت

بلوچستان میں ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ لورالائی میں مشاعروں کا آغاز ہوا، ان مشاعروں میں شرکت کرنے والوں کے نام یہ ہیں، سردار محمد یوسف خاں پوپلزئی، مولوی عبدالحنان احقؔر، عنایت اللہ خاں ایاغؔ، خان بہادر نبی بخش خاں اسدؔ، چراغ الدین چراغؔ، محمود خاں محمود، نانک سنگھ نانک، فتح جنید نسیمؔ، عابد شاہ عابد عنایت علی عنایت، ہرکرن داس ہرکرنؔ، پنڈت جیون سنگھ مسکینؔ سردار غازی خاں، شیخ محمد عبدالحق وغیرہ۔ ۷/جون ۱۹۱۵ء کو لورالائی میں مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس کے سکریٹری سردار محمد یوسف خاں یوسفؔ تھے، مصرع اس طرح تھا۔

وہ شبنم ہوں پہنچ سکتا نہیں دیوارِ گلشن تک

اس مشاعرہ میں بعض شعرا نے نعتیہ اشعار بھی پڑھے تھے جیسے مولوی عبدالحنان احقؔر عرائض نویس درجہ اول لورالائی:

تمنا ہے کروں میں صاف گلیاں اپنی پلکوں سے
شہ یثرب اگر پہنچائے قسمت تیرے مسکن تک

بابو عنایت اللہ خاں ایاغؔ

بہ قولِ حق کسی نے تو پسارے ہاتھ ہی ہوں گے
تمھارے واسطے میں نے تو پھیلایا ہے دامن تک

جناب نبی بخش اسدؔ نائب تحصیلدار لورالائی:

رسائی ہو کہیں یارب شہ یثرب کے مدفن تک
کہ گلخن سا، جدائی سے ، ہوا جاتا ہے گلشن تک

سردار محمد یوسف پوپلزئی تحصیلدار لورالائی:

شفیع المذنبینؐ ہے رحمۃ للعالمیں ہے تو
میں چھوڑوں کس طرح داماں ترا محشر کے دامن تک

عابد شاہ بلوچستانی نے اپنا ایک مختصر کلام ''گلزار عابدؔ'' کے نام سے ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ بمطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں مطبع قاسمی واقع دیوبند سے چھپوایا تھا۔اس کے کل صفحات ۴۸ ہیں۔

محمد صادق شاؔہ بلوچستان

محمد صادق شاہ بلوچستان کے مشہور و معروف شاعر اور ادیب تھے، جنھوں نے یہاں علمی و ادبی سرگرمیوں کو عام کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی ۱۹۲۹ء میں ایک انجمن خدام المسلمین کوئٹہ کی داغ بیل بھی ڈالی جو ۱۹۳۵ء تک قائم رہی۔ یہ اصلاحی انجمن تھی، مولانا ثناء اللہ کے ساتھ مل کر نماز کمیٹیاں بھی بنائیں تھیں۔اردو کے اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو بیدار کرتے تھے جیسے:

اے محمدؐ کی آنکھوں کے تاروں اٹھو رات غفلت میں تم نے گزاری اٹھو

ڈاکٹر محمدؐ اسحاق صدیقی ناشؔط:

ادیب، شاعر، متواضع، مہمان نواز، شاہ خرچ اور بڑے دوست نواز انسان تھے، آپ نے زندگی کے ایام بلوچستان کے مختلف مقامات میں گزارے، بیشتر وقت موسیٰ خیل، پوسٹ سنڈیمن، مسلم باغ اور مہی میں گزارا، ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کو فورٹ سنڈیمن میں حسب فرمائش مولوی غلام نقش بند خاں حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو گلہائے عقیدت پیش کیے تھے ان میں سے تین شعر یہ ہیں۔

سچ ہے لطف زندگانی اس کو حاصل ہوگیا جو نبیؐ کے نام لیواؤں میں شامل ہوگیا
بالیقیں دنیا و ما فیہا سے مستغنی ہے وہ سرور کونین کے در کا جو سائل ہوگیا
ذرۂ حبِّ نبیؐ ناشؔط ہے جس کے قلب میں جنت الفردوس میں وہ شخص داخل ہوگیا

عزیزؔ مگسی:

بلوچستان کے مرد مجاہد اور مرد قلندر نواب زادہ یوسف علی خاں عزیزؔ مگسی المتوفی ۱۹۳۵ء اپنے بعض شعروں میں آنحضرت کا ذکر مبارک اس طرح کرتے تھے:

گاندھی و مالوی کے وعظ دھرے رہ جائیں میں اگر قول محمدؐ کو نمایاں کردوں

بس یہی آرزو ہے اسلام پہ مروں ناموسِ مصطفیٰؐ کے بڑے نام پہ مروں
قسم ہے امّی بطحا کے ایثار و شجاعت کی شکم پر سنگ خارا باندھنے والی سخاوت کی

وہ زیب عرب، وہ فخر عجم روتا ہے تمھاری غفلت پر
اٹھ تھام لے باگیں دنیا کی، غازی کلا اٹھ ہمت کر

میر محمد حسین عنقاؔ:

عنقاؔ کا مجموعہ کلام ۱۹۳۴ء میں کراچی سے ''رحیل کوہ'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا جو سرورق سمیت ایک سو صفحات پر مشتمل ہے''فریاد'' (پیارے نبیؐ کی پیاری جناب میں) شاعر کہتا ہے:

اے کہ نبیوں کے نگیں تجھ کو نبوت کی قسم شافع امت عاصی ہے شفاعت کی قسم
جن مسلمانوں نے اسپین میں ترا گاڑا علم ان کی اس جان سپاری و صداقت کی قسم
کر دعا بہر خدا حق میں بلوچستان کے اس پر ارزاں ہوں تالطف و کرم یزدان کے

سید اصغر حسین انبالوی:

۱۹۲۸ء میں لاہور سے کوئٹہ آ گئے، بلوچستان بھر کے مختلف مقامات میں سالہا سال بسلسلۂ ملازمت مقیم رہے۔ آپ کا مجموعہ کلام ''دستِ سبو'' کے نام سے چھپا دو تین نعتیہ شعر سماعت فرمائیں۔

اٹھائیں آنکھ ہم کس طرح سوئے روضۂ رضواں کلیم اللہ بنا کوئی خلیل اللہ بنا کوئی
کہ اپنی آنکھ میں روضہ ہے محبوبؐ الٰہی کا لقب شاید ترے ہی واسطے ہے مصطفائیؐ کا
دل اصغر بہت بیتاب ہے دردِ جدائی سے کرم کیجیے خدارا، وقت ہے مشکل کشائی کا

محمد صبغت اللہ صدیقی:

تخلص ارشاد بلوچستان کے معروف شاعر تھے۔ ۱۹۱۸ء میں کوئٹہ آئے۔ آپ نے ہر صنف میں خامہ فرسائی کی، ہدیہ نعت ملاحظہ ہو۔

آئے نظر جو مجھ کو مدینے کے بام و در سجدے تڑپ کے آئے جبیں سے نگاہ میں
اللہ رے یہ درس مساوات مصطفیٰؐ کچھ فرق ہی نہیں ہے غلام اور شاہ میں

غلام محمد جمیل:

کے قلمی دیوان کا نام ''نقش جمیل'' ہے، کہتے ہیں:

اللہ رے یہ ساقیِ کوثر کا تصور سر پر مرے مستانہ گھٹا چھائی ہوئی ہے

پروفیسر آغا صادق:

۱۹۴۳ء میں کوئٹہ آ گئے تھے ''چشمہ کوثر'' نعت ومنقبت کا مجموعہ ہے رموز نام محمدؐ کا ایک بند دیکھیے، کیا بات پیدا کی ہے:

میم سے کاش مسلماں بھی مسلماں ہوجائے ح سے الحمد کی قندیل فروزاں ہوجائے
میم سے مرکز اسلام کا ساماں ہوجائے دال سے دہر کی تقدیر درخشاں ہوجائے
چاند بھی دیکھ کے اس نور کو شرماتا ہے کوئی نقطہ نہیں ہے بے داغ نظر آتا ہے

نبی بخش اسد:

۱۹۳۴ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوکر سابقہ ریاست لس بیلہ کے وزیر بنے تھے۔ ان کے کلام پر مبنی ایک پمفلٹ چھپا تھا جو ''اسلام والتجا'' بحضور سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔

باعث ایجاد عالم، نور یزداں کو سلام سید اولاد آدم، ظل سبحاں کو سلام
دستگیر عاجزاں، پشت و پناہِ بے کساں دلنواز عاشقاں، خستہ حالاں کو سلام

قیام پاکستان کے بعد اردو کے ارتقا کی رفتار بہت تیز ہوگئی، اب تک تقریباً ۱۰۰ مجموعہ ہائے نعت منظر عام پر آ چکے ہیں، ان میں سے ایک ''فخر کونینؐ'' تین حصوں پر مشتمل ہے، جو وادی بولان کے ایک عظیم صاحب دل شاعر جناب محشر رسول نگری کا ایک علمی وادبی شاہکار ہے۔ یہ کتاب حسن وحقیقت کا ایک نادر امتزاج ہے اس سے ادبیات سیرت، میں ایک گراں بہا اضافہ ہوا ہے اس تخلیق پر ''وادی بولان'' اگر مست وطمانیت سے جھوم اٹھے تو بجا ہے بالکل بجا ہے۔ اس کے پہلے حصے کا ترجمہ انگریزی میں بھی چھپا ہے۔

''فخر کونینؐ'' میں جس قسم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اسی کی مناسبت سے اظہار میں شکوہ، دبدبہ، لچک، حلاوت اور شیرینی پائی جاتی ہے، میدانِ کارزار کا ذکر کرتے ہیں، تو رزمیہ انداز ہے، جناب سیدہؓ کے مثالی عقد کا تذکرہ آتا ہے تو لہجہ اور ہے، سرورکونینؐ بیٹی کو جہیز میں کیا دیتے ہیں، محشر کے الفاظ میں سنیے:

میکے سے لے چلی ہے مشقت جہیز میں پائی ہے اس نے چادر عفتِ جہیز میں

دی ہے نبیؐ نے فقر کی دولت جہیز میں حضرت سے لے گئی ہے وہ جنت جہیز میں
بیٹی کوئی نہ باپ سے دولت یہ پاسکی اخلاق حق سے یوں نہ گھر اپنا سجا سکی

آنحضرتؐ کی شخصیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ہیبت سے کانپتا تھا جو ملتا تھا پہلی بار ہوتا تھا جب قریب تو بنتا تھا جاں نثار

محشرؔ صاحب نے نعتیں بھی کہی ہیں۔ اکثر ریڈیو پاکستان سے نشر بھی ہوئی ہیں، مثلاً دو تین شعر سنیے:

مدینے کے وہ بام و در اللہ اللہ کہاں جاکے ٹھہری نظر اللہ اللہ
یہاں قدر ہوتی ہے اخلاص دل کی یہاں آپ جھکتا ہے سر اللہ اللہ
نگاہوں کی جنبش بھی سوئے ادب ہے یہ آئین اہل نظر اللہ اللہ

قیوم راشدؔ:

مجموعہ کلام ''بربط ناہید'' ۱۹۴۸ء میں کوئٹہ میں سرکار دوعالم کے حضور گویا ہیں:

کھلی جس سے ہم پر خدا کی حقیقت محمدؐ وہ درسِ خودی لے کے آئے
ہمیں ہیں کہ اب اس کو ٹھکرا رہے ہیں خدا سے جو اپنے نبیؐ لے کے آئے

ڈاکٹر عبدالمجید کاکڑ:

مجموعہ کلام شائع ہوچکا ہے، کہتے ہیں:

دو عالم پر تو ہے قبضہ تمھارا یا رسول اللہ کہیں کیوں کر کہ ہم ہیں بے سہارا یا رسول اللہ

علامہ عیشؔ فیروز پوری فرماتے ہیں:

خط رخسار احمد تو ہے تفسیر قرآں کی جناب عیشؔ اس مصرع پر مصرع لگ نہیں سکتا
کلام اللہ ہے یا ہے رخِ زیبا محمدؐ کا نہین محتاج سایے کا قدِ بالا محمدؐ کا

بقول رشید ناشرؔ

اے ہادئ کل تاجور بزم دو عالم اب تیرے سوا کوئی نگہدار نہیں ہے

صادقؔ نسیم:

۲؍جون ۱۹۵۸ء سے ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۵ء تک کوئٹہ میں مقیم رہے۔ آپ نے کوئٹہ میں کئی کل پاکستانی مشاعروں کا انعقاد کرایا۔ آپ کا کلام پاکستان کے بلند پایہ اور معیاری رسائل

جیسے نقوش، فنون اوراق وغیرہ میں چھپتا ہے، چند نعتیہ اشعار حسب ذیل ہیں:

کیوں کہتی ہے دنیا کہ ہیں یثرب کے مکیں آپؐ　　جھانکا ہے جو دل میں تو ہیں موجود یہیں آپؐ
توصیف ہو مقصود تو الفاظ نہیں ہیں　　کونین کی ہر شے سے جمیل آپؐ حسیں آپؐ
ہر علم ہوا آپ کے پرتو سے منور　　امی کہوں کیسے کہ ہیں قرآنِ مبیں آپؐ

افسر بہزاد گویا ہوئے ہیں:

میسر ہے جن کو حضوریؐ کا عالم　　وہی عاشقوں میں ہیں خیر الوریٰؐ کے

عیاض محمد عیاضؔ کی آواز آئی ہے:

لگا لیتے ہیں لو جو احمدِ مختارؐ سے ہمدم　　سنا ایسے ہی لوگوں سے خدا کو پیار ہوتا ہے

ملک محمد رمضانؔ بلوچ کہتے ہیں:

درد چمکا رہی ہے تری یاد　　پھول برسا رہی ہے تری یاد

نور محمد ہمدم ۱۹۴۳ء سے کوئٹہ میں اقامت گزیں ہیں۔ غزل، نعت، نظم اور اقبال و خسروؔ کے کلام پر خمسے لکھے ہیں، دو تین نعتیہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

فرصت ہے کہاں خوفِ خورشید قیامت کی　　ہر آن تصور میں دامانِ محمدؐ ہے
عصیاں کا خوف ہے نہ عبادت پہ ناز ہے　　اس ظرف بے کنار کی عادت پہ ناز ہے

سید عابد رضوی کو ادب کا شوق ورثہ میں ملا، آپ نے با قاعدہ کچھ نعتیہ قصیدے روایتی انداز میں کہے ہیں، دو نعتیہ شعر ؎

اے فخر بشر کعبۂ دیں بشریت　　تو ہی ہے مسجود ملائک کی حقیقت
تری نعت سے ہے توقیر عبادت قائم　　ترے دامن سے ہے وابستہ دو علم کی امانت

ظفر خاں نیازی کا ہدیہ نعت ملاحظہ ہو:

آنکھ ہیں بے نور وہ جس میں نہیں ہیں تیرے خواب　　دل وہ پتھر ہے جو تیری یاد میں دھڑکا نہیں

ماہر فغانی گویا ہوتے ہیں:

اللہ نے پیدا کیے جتنے بھی پیغمبر　　ایک ایک ہے آئینہ افکار محمدؐ

سرور رسوائی کہتے ہیں:

یہ روح آدم خاکی اسی نظر سے ہے　　ورنہ ہم ہیں کہیں اور کہیں محمدؐ ہیں

خورشید افروز

سارا علم تیرگی کو روشنی کہتا ہے کیوں بھولتی جاتی ہے دنیا تیرے سچے اصول

سعید گوہر

سینہ فاراں بھی ہوجاتا ہے جس سے چاک چاک گفتگو میں وہ اثر دے یا محمد مصطفیٰؐ

رب نواز سائل:

وقعت ہزار لفظ کی بڑھ جائے کیا سے کیا ہاں سامنے جو ہو وہی گفتار محمدؐ

قاضی محمد عالم ضمیر:

کیوں نار جہنم سے ضمیر آئے اسے خوف حاصل ہو جسے سایہ دیوار مدینہ

اخگر سہارنپوری حضرت احمد سہارنپوری کے شاگرد رشید ہیں، نعت اور غزل دونوں رنگ میں خوب کہتے ہیں۔

مجھے دولت عشق احمدؐ ملی ہے مری زندگی ایک حسیں زندگی ہے

اٹھاکر بحر رحمت میں بخشش کا طوفاں مری آنکھ جس وقت گریاں ہوئی ہے

اثر جلیلی، جلیل مانکپوری، جسنش، امیر مینائی کے شاگرد ہیں آپ باقاعدہ طویل نعتیہ قصیدے کہتے ہیں جن میں روایت رچی بسی ہوئی ہے:

اے خوشا رائے رحمۃ للعالمیںؐ عرش بھی ہے زیر پائے رحمۃ للعالمیںؐ

دولت قارون ہو یا حشمت پرویز ہو ہیچ ہے سب سوائے رحمۃ للعالمیںؐ

دولت دنیا بھی ہے سرمایا عقبیٰ بھی ہے اے اثر ذوق ولائے رحمۃ للعالمیںؐ

بلوچستان میں اس کاروان عقیدت میں اور بھی کئی حضرات شامل ہیں جیسے عطا شاہ، سلطان نیازی، سید جعفر طاہر مرحوم، حافظ محمد ابراہیم اور چودھری فضل حق وغیرہ۔

روضہ مقدسہ پر حاضر ہوکر جناب محشر رسول نگری نے تو دور حاضر کی تمام آزمائشیں، مصیبتیں اور آفتیں ایک ایک کرکے بیان کی ہیں، جو اس وقت اسلامی ملکوں پر تاریک گھٹاؤں کی مانند چھائی ہوئی ہیں، آخر میں کروڑوں بے تاب اور بے قرار دلوں میں مچلتی ہوئی اور تڑپتی ہوئی آرزو کو یوں پیش کرتے ہیں۔

شاہا دلوں کو ولولۂ انقلاب دے ہر نوجواں کو جوش دل بوتراب دے

فیض نظر سے گوہر ملت کو آب دے امت کی تیرہ شب کو نیا آفتاب دے
سوئے وطن یہ تحفۂ سرکار لے کے جاؤں در سے ترے مراد دل زار لے کے جاؤں

(ب) سندھ میں اردو نعتیہ شاعری

یہ کہنا مشکل ہے کہ سندھ میں نعت کا سب سے پہلا شاعر کون ہے؟ یا یہ کہ سندھ میں نعتیہ شاعری کی ابتدا کب اور کس عہد میں ہوئی۔ بلاشبہ یہ امر تحقیق طلب ہے اور اس کی جستجو جاری رہنی چاہیے، لیکن اس تاریخ کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے آخر اور بارہویں صدی ہجری کے اوئل میں جب دکن اور شمالی ہند کے شعرا محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۵ء۔۱۶۱۱ء) ولّی گجراتی ۱۱۱۹ھ مصحفی امروہوی (م ۱۲۴۰ھ) ذوق دہلوی ۱۲۷۱ھ اور مرزا غالب ۱۲۸۵ھ کے گلہائے نعت کی خوشبوؤں سے ہند کا گوشہ گوشہ معمور ہورہا تھا، اسی زمانے میں وادی مہران کے چپہ چپہ میں عاشقان رسول کی یہ آواز گونج رہی تھی۔

کہہ دو کہ فلک گوش بر آواز رہے مداح پیغمبرؐ کی زباں کھلتی ہے

چنانچہ گیارہویں صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک جو شعرائے سندھ آنحضرت ﷺ کے حضور رطب اللسان ہوئے اور جن کی نعتوں نے رسالتؐ کی تجلیوں سے دلوں کو منور اور ذہنوں کو روشن کیا، ان میں کامل ٹھٹھوی، سچّل سرمست، مائل ٹھٹھوی، فقیر یوسف، نانک، غلام اللہ شاہ لغاری، فتح دین شاہ، حمل فقیر لغاری، مرزا فتح علی بیگ، اللہ داد خاں لغاری وغیرہ کے نام اردو نعتیہ شاعری کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔ ان کی مادری زبان اردو نہیں سندھی ہے، انھوں نے سندھ کی تہذیب وتمدن، ثقافت ومعاشرت کے گہوارے میں آنکھ کھولی، دینی وروحانی ماحول میں پرورش پائی اور گلزار ریگزار کی آغوش میں پیوست رحمت ہوئے۔

میر حیدرالدین کمل ٹھٹھوی (۱۱۰۰۔۱۱۶۴ھ)

ایک جید عالم، یکتائے روزگار، سخنور وسخن سنج اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے، سندھی، فارسی، اردو میں شعر کہتے تھے، تینوں زبانوں میں علاحدہ علاحدہ دیوان مرتب کیے، ان کا

زمانہ وہ زمانہ تھا، جب سلطنت مغلیہ کا آفتاب زوال کے بادل میں روپوش ہوا اور سندھ میں کلھوڑوں کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ ٹھٹھ علم و ثقافت، شعرو ادب کا مرکز تھا۔ اس دور میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اردو کے شعرا بھی سندھ کے اس مرکزی شہر میں جمع ہوئے۔ بہت سوں نے سکونت اختیار کی، کامل ٹھٹھوی کا اردو کا کلام متنوع موضوعات اور رنگا رنگ خیالات کا دلکش مرقع ہے، انھیں تصوف و معرفت سے خاص شغف تھا۔ان کے کلام کا بیشتر حصہ صوفیانہ نظریات اور عارفانہ خیالات کا آئینہ دار ہے ان کے افکار و معارف فلسفۂ توحید و رسالتؐ، نظریہ حال و قال اور ہمہ اوست کے نکات سے معمور ہیں۔ مثلاً

ترے واصل ہیں دوجی بات نہیں سب ہوا پھول ایک پات نہیں
عشق کی آگ جگمگاتی ہے یہ دیا، تیل ، بات ، پاتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور اتباع رسول کریم ﷺ ان کی زندگی کا نصب العین تھا، سرور کائنات رحمت دو عالم ﷺ سے ان کی والہانہ محبت وعقیدت ان کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے عیاں ہے:

دے مجھے ساز بخشش سا مانم رحم کن رحم از غلامانم
انبیاء تو ہے اصفیا تو ہے ثم باللہ شہ طیبا تو ہے
پا شکستہ فتادہ ام در چاہ میں برا ہوں مجھے اٹھا پاشاہؐ
صد ہزاروں درود سو تسلیم اسد از من بہ تو بعد تعظیم

سچل سرمست (۱۱۵۲۔۱۲۴۲ھ

ضلع خیر پور کے شہر درازہ میں پیدا ہوئے ان کی وفات کے بعد وہ مقام مرکز روحانیت اور مرجع خاص و عام ہے، سچل نے دو حکومتوں کے عروج و زوال دیکھے۔ کلھواڑا حکومت کا اختتام اور عہد تالپور کا آغاز، شاہ عبدالطیف بھٹائی اور لعل شہباز قلندر جیسے عظیم المرتبت اولیائے کرام کی تعلیمات نے سچل کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے بہت قریب کر دیا:

بہتر ہے ایسی زندگی ، بن عشق ہے شرمندگی بن عشق ہے شرمندگی بہتر ہے ایسی زندگی
آخر یہ مطلب پالیا مرشد نے ہر اک سے کہا بن عشق دلبرؐ کے سچل، کیا عشق کیا اسلام ہے

سچل کا کلام اردو نعتوں سمیت عربی ، سندھی ، سرائیکی (ملتانی) فارسی ، ہندی ، پنجابی

میں موجود ہے، اس دور کے اکثر شعرا کے سندھی اردو کلام پر سرائیکی یا ملتانی اور پنجابی کا اثر پایا جاتا ہے، ان زبانوں کے الفاظ، محاورات اور تراکیب کے اشتراک و اختلاط سے اردو زبان کو فروغ ہوا سچلؔ کی بعض نعتوں کا بھی یہی حال ہے ''شرسی دبلا دلی'' میں ایک نعت کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کل نبیاں وا سرتاج محمدؐ　بحر عرب، امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ　شرف سب معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے　جیں دی تیکوں لاج محمدؐ

اب سچلؔ کی اردو نعت کا یہ رنگ دیکھیے:

مری آنکھوں نے اک دلبر عجب اسرار دیکھا تھا　میان البر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا
یا طورِ سینا کو تھا جس نور تجلی نے　ترے کوچے میں اس انوار کا اظہار دیکھا
مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے　اسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا

میر غلام مائلؔ ٹھٹھوی (۱۱۸۱۔۱۲۵۱ھ)

عہد تالپور میں فارسی اور اردو کے نہایت پرگو شاعر گزرے ہیں۔ سندھ کے نامور مورخ میر علی شیر قانعؔ کے صاحبزادے اہل دیوان شاعرا میر ضیاء الدین ضیاء کے بھتیجے اور میر عظیم الدین عظیمؔ کے چچازاد بھائی تھے۔ مائلؔ ٹھٹھوی کا کلام بیشتر اصناف سخن غزلیات، منظومات، سلام، مناقب، رباعیات، قطعات اور قصائد پر مشتمل ہے۔

ذیل کا نعتیہ سلام ''کلیات مائل'' (ص۔ ۵۲۸۔۵۳۰) مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۰ء سے نقل کیا جاتا ہے۔

اے صبا در مصطفیٰ کوں کہہ سلام　اس سراپا نور ذات کبریا کوں کہہ سلام
آفتاب اوج دیں بدرالدجیٰ کوں کہہ سلام　نور محفل حضرت نور الہدیٰ کوں کہہ سلام
اے صبا پھر جناب چادر معصوم پاک　از دل مائل کو غم میں ہے انوں کے سینہ چاک
بہر دفع زخم ہائے سینہ آں دردناک　ایک اک معصوم آل مصطفیٰؐ کوں کہہ سلام

قاضی فقیر یوسف نانکؔ (۱۱۹۲۔۱۲۲۹ھ)

نانکؔ کا آبائی وطن شہر جمل ریاست خیر پور میرس تھا۔ ان کے والد مولوی قاضی محمد

ہاشم اپنے وقت کے جید عالم دین اور درویش صفت بزرگ تھے، یوسف نانک کی شعری تخلیقات بلوچی، عربی، فارسی، سنسکرت، سرائیکی، ہندی اور اردو میں مختلف اصناف پر حاوی ہیں، اردونعت کے دواشعار ہدیہ قارئین ہیں۔

یار یوسف یار ہے ہادی ہم دیدار ہے
ہے ہر جا حکم تمھارا سن ہادیؐ حال ہمارا

غلام اللہ شاہ لغاری (۱۲۱۲۔۱۲۷۸ھ)

آپ سندھ کے نامور عالی منصب عالم دین و ادبی شخصیت غلام محمد خاں نگار کے پوتے، غلام اللہ شاہ اولیٰ فقیر لغاری کے صاحب زادے اور نواب علی محمد خاں لغاری کے بھتیجے تھے، غلام اللہ شاہ ایک صاحب سلوک بزرگ بلند پایہ نگار خوش فکر، سخن سنج اور ماہر طب تھے، میراں پور (جھوک شریف) کے شیخ المشائخ حضرت فضل اللہ شاہ قلندر (المتوفی ۱۲۴۳ھ) سے بیعت تھے۔ سندھی، سرائیکی، فارسی، ریختہ اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ ان کے کلام میں نظریۂ حیات، عارفانہ خیالات، اسلامی رجحانات اور فلسفہ توحید وتصوف کی جھلکیاں ملتی ہیں، ریختہ میں ان کی کافیوں کی ضخیم بیاضوں کا پتہ چلتا ہے، ''کافی ریختہ روپ دے گندھار'' کے زیرعنوان ایک نعت کے چنداشعار نذر قارئین ہیں:

مورے من کا ادھار، پاکیزہ پروردگار تو ہی ستار — آپ رب عرب ہے آیا، نور نبیؐ بنایا
بیچوں اپن اپار، رب غفار
ذکر صاحب کا روح کی راحت، نام نورانی عجب نعت — کاٹے کفر اندھار درد آزار
غلام شاہ کو من تمھاری، روز شباں موں کو تا زاری — کرم کیجیے کلتار، سریجنؐ یار

فتح الدین شاہ فتح تانیان پوٹہ (۱۲۰۵۔۱۲۹۱ھ)

برصغیر کے مشہور ولی اللہ حضرت مخدوم جلال الدین جہانیان، جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے، حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ فضل اللہ قلندر کے مرید تھے۔ فتح الدین فارسی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا شعری اسلوب سادہ دلکش معنی آفریں ہے، خیالات وجذبات میں پاکیزگی، صفائی روانی ہے:

ہویا مخمور مستی میں، کہ ہادی حق بنایا ہے — ملامت کون سلامت کر، آپس آپئے چھایا ہے

محمد شرف رندانی ، الست ، اسرار آیا ہے — دونوں جگ میں برف بن کر ابر رحمت برسایا ہے
ہوائے بے خودی آئے ، خودی کی دھول اڑ جائے — صدق کو سینہ کو اپنا عجب گو ہر چھپایا ہے
جلال جوش کے جذبے، جسم کوں خود جلایا ہے — فتح ہے دین کی ہر دم، کفر کو مر مٹایا ہے

حمل فقیر لغاریؔ (۱۲۲۵ھ۔۱۲۹۶ھ)

ریاست خیر پور کے ایک گوٹھ میں پیدا ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ سرائیکی، پنجابی، ہندی اور اردو میں ان کی مثنویاں، کافیاں، بیت، غزلیات، مناقب، قصائد اور نعتیں بہت مقبول ہوئیں۔

ذات احمد دی سمجھ خدا — باطن ظاہر وجود
اول آخر نور شہود — تینوں اسماء صفات جمال
خواہ جمال خواہ جلال — اصل سمجھ حقیقت احمدؐ جاں
نور بہم وجود آہی ظاہر نور — اول آخر نور قدیم
آہے احمدؐ بلا میم — عالم مطلق موجود جمالی
موجود اول آہے احمدؐ عالی

مرزا فتح علی بیگ فتحؔ (۱۲۱۵۔۱۳۳۰ھ)

بیگ کا مولد مسکن مدفن شہر حیدرآباد سندھ ہے، سندھی و اردو میں ان کی رباعیات، نوحے، سلام، مرثیے، قصیدے اور نعتوں نے امیران سندھ کی مجلسوں اور محفلوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی ان کی نعتوں میں بڑا طنطنہ اور سوز وگداز ہے۔ ان کی نعت کے ایک ایک شعر سے زور بیان، لطف زبان اور رحمت دو عالمؐ سے والہانہ شیفتگی آشکارا ہے۔

کس درجہ یہ ہوشیار ہیں رندان محمدؐ — پیتے ہیں فقط بادۂ عرفان محمدؐ
کیا نشہ ہے واللہ مئے حبِ نبیؐ کا — پی کر ہوئے ذی ہوش یہ مستان محمدؐ
مقدر کہاں کہ لکھوں میں نعتِ محمدؐ — خلاق محمدؐ ہے ثنا خوان محمدؐ

نواب اللہ داد خاں صوفیؔ لغاری (۱۲۳۸۔۱۳۰۰ھ)

جن کی ولادت بمقام حیدرآباد سندھ اور وفات بمقام کوٹ لاشاری (سہون شریف) ہوئی۔ نواب ولی لغاری جیسے عظمی المرتبت باپ کے فائق بیٹے تھے۔ ہوش سنبھالا تو

امیر والد کی فقیرانہ زندگی اور صوفیانہ طرز عمل کے سائے میں تربیت پائی۔ نواب اللہ دادا پنے نام کے ساتھ ''نواب'' کے بجائے ''فقیر'' لکھتے تھے۔ صوفیؔ تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں ایک دیوان کے علاوہ مثنوی، مسکین مثنوی اصغر، قصہ تسکین رشیدان کی یادگار شعری تصانیف ہیں، سندھی، سرائیکی اور اردو میں طبع آزمائی کی اردو کلام غزلوں کے علاوہ نعت پر بھی مشتمل ہے۔

پہلے کہوں نام خدا، جو ہے خدا سب سے بڑا
شب و روز ہے جس کی ثنا میری بان سے ماجرا
مجھے کوں خود و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا
والشمس ہے رو کی قسم واللیل گیسو کی قسم
مسکیں اس سو کی قسم مجھ کوں وہ ابرو کی قسم
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ
ہیں دو جہاں میں آسرا

مخدوم انیسؔ ہالائی (۱۲۵۴ھ-۱۳۰۳ھ)

مشیر بالا ضلع حیدر آباد میں متولد ہوئے، اور وہیں ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے ان کا مجموعۂ منظومات ''کلیات انیس'' مرتبہ پروفیسر محبوب علی چند سندھی ادبی بورڈ جامشورو کی جانب سے شائع ہو چکا ہے، ''کلیات انیس'' کی نگارشات منظوم، سندھی، فارسی، سرائیکی اور اردو پر مشتمل ہے، مخدوم انیس ہالائی کو نعت گوئی سے خاص شغف تھا، ان کی نعتیں اردو میں بھی موجود ہیں، ان کی غزلوں میں خصوصاً غزلوں کے مقطعوں میں والہانہ شیفتگی کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً

ہر دم انیسؔ میری شفاعت پر محمدؐ
گرد میں زمانہ کی لٹا کون سکے گا

کافی میں نعتیہ کلام کو اپنانا مخدوم انیس کا کمال ہے ایک نعتیہ کافی کے یہ بول دیکھیے:

ادنیٰ کال تجھ عہد میں آیا
وحدت جا تن ورق دریا
قریب قرابت رمز بجھایا
پیر برت محمدؐ دعا پایا

ترجمہ: میں ایک ادنیٰ عبادت کی طرف راغب ہوا جب وحدت کے ورق الٹے اس کی قربت و رمز سے آشنا ہوا، پھر میرا اقدم عشق محمدؐ کی طرف بڑھتا گیا۔

حسن بخش شاہؔ قادری (۱۲۶۲ھ-۱۳۱۸ھ)

گاؤں ڈندھی تعلقہ شہوار پور میں پیدا ہوئے۔ سندھی اور سرائیکی، ہندی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے، سندھی اور سرائیکی میں ان کی کافیاں بہت مشہور ہیں، حسن بخش شاہ کا مجموعہ کلام ''کلام حسن بخش'' مرتبہ عارف المولیٰ ۱۹۵۷ء میں سندھ میں ادبی بورڈ جام شورو کی

جانب سے منظر عام پر آچکا ہے۔اس مجموعے میں ان کی سندھی سرائیکی، ڈوھیڑوں، منقبت، مرثیہ بیت اور نعت شامل ہیں، آخری چند صفحات اردو اور ہندی کلام پر مشتمل ہیں۔

اردو کے اشعار ملاحظہ ہوں:

محبت جام پر مجھ کو پلا دے یا رسولؐ اللہ ۔۔۔ شراب مست مدہوش پلا دے یا رسول اللہ
طمع دنیا ترک کرکے، چھڑا دے شرک شیطانی ۔۔۔ ندوا سے نفس کار یا جلا دے یا رسولؐ اللہ
سید مفتی، صفاتی، ذاتی ہے ذکر خدا ۔۔۔ حسن بخش کو ہر دم تو ہلا دے یا رسولؐ اللہ

غلام محمد شاہ گدا قادری (۱۲۵۳ھ۔۱۳۲۲ھ)

نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر صوفی، عالم اور استاد سخن تھے۔ حیدرآباد سندھ جائے پیدائش و جائے وفات ہے۔شاعری میں گدا محمد روشن حیدرآبادی کے شاگرد تھے، دہلی کے علاوہ ہندوستان کے بعض دیگر شہروں کے مشاعروں میں شرکت کی، فارسی، سندھی، اور اردو میں ان کا خاصہ کلام ضخیم ''کلیات گدا'' مرتبہ رشید احمد لاشاری مرحوم مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ جاموشورو ۱۹۵۷ء میں محفوظ ہیں۔ان کے کلام میں عشق حقیقی کا عنصر زیادہ کارفرما ہے۔ان کی نعتیں والہانہ و بے ساختہ ہیں۔ان کے فن پر ان کی ماہرانہ نکتہ سنجی اور استادانہ پختگی مسلم ہے، ان کی ایک نعت جو ''مخمس داستان، رسولؐ بر تضمین قدسی'' کے عنوان سے ''کلیات گدا'' (ص۔۳۳۵۔۳۳۶) میں شامل ہے۔اس کا ایک بند نذر قارئین ہے۔

ذات اطہر سے شفا خواہ ہیں سب پیرو نبیؐ ۔۔۔ ہے شفاعت کی قبا، جسم مطہر پہ پھبی
مثل قدسی کے ہے کہتا یہ گدا تشنہ لبی ۔۔۔ سیدی انت حبیبی و طیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

مخدوم اللہ بخش عاصی وفات (۱۳۳۵ھ)

کلہڑا ریاست خیر پور کے مشہور ولی اللہ مخدوم عبدالرحمٰن شہید کی اولاد میں سے تھے، مخدوم عاصی ایک باکمال انشاء پرداز بلند پایہ مقرر و خطیب اور جلیل القدر عالم دین تھے، عربی فارسی سندھی اور اردو ان چاروں زبانوں میں قادرالکلامی سے شعر کہتے تھے، ان کی ایک عدیم المثال اور معرکہ آرا نعت اس خصوصیت کی بنا پر منفرد ہے کہ بیک وقت چار زبانوں میں کہی گئی ہے، نعت کا یہ منفرد انداز نہ صرف ان کی جدت طبع کا مظہر ہے بلکہ ان کی عالمانہ و شاعرانہ بصیرت و عظمت کی دلیل بھی۔:

نو بر اوج فلک چو گذشتی شہا — سب چرن ملائک صلی اللہ
کیا خوب چلے ہیں محبوب خدا — من مکہ الی الملاء الاعلیٰ
ز صفائی جبین خورشید خجل — رخ روشن تان قربان قمر
تیری زلف سیاہ کا بیان ہے مگر — واللیل از النبشی البطحا

مولانا عبدالغفور مفتون ہمایونی (۱۲۶۱ـ۱۳۳۹ھ)

کی ولادت تعلقہ شکار پور کے ایک گاؤں ہمایوں میں ہوئی، ہمایوں میں ایک دینی مدرسہ کے بانی تھے۔ ان کے شاگردوں نے سندھ اور بلوچستان میں دور دور تک علم و دانش کی روشنی پھیلائی۔ ان کی نعت کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

مصطفیٰ و مجتبیٰ و محتشمؐ — صاحب عز و علائی جملہ امم
اولین کائنات و آخرین ممکنات — مالک حوض و شفاعت صاحب تاج و قلم
آں محمدؐ سرورِ کونین ، ختم المرسلیں — حاکم جن و بشر، فرماندۂ عرب و عجم
آں حبیبِ ایزد و سالار جملہ انبیاء — دستگیر مستثنیاں ، درمیان موج و غم

شمس الدین بلبلؔ (۱۲۷۷ـ۱۳۴۷ھ)

بلبلؔ کا مولد و مسکن و مدفن تعلقہ میرٹھ ضلع دادو ہے، ایک صاحبِ دین عالم، مفکر اسلام اور شاعر عوام تھے، قومی، ملی، علمی ادبی وصحافتی خدمات کے لیے وقف تھے، سندھ کے سرسید خان بہادر حسن علی آفندی بانی سندھ مدرستہ الاسلام کراچی (۱۸۸۵ء) کے دست راست تھے۔ شمس الدین بلبلؔ نے خود بھی میہڑ ضلع دادو میں مدرستہ الاسلام کے نام سے مدرسہ قائم کیا، شمس الدین بلبلؔ نے اردو، فارسی، سندھی نظم ونثر میں درجنوں کتابیں لکھیں۔

''گنجینۂ معرفت'' و مدح سرورؐ ان کے دو شعری مجموعے ہیں۔

ہے مرے دل کی تمنا کہ مدینہ دیکھوں — خاتم ختم رسالتؐ کا نگینہ دیکھوں
در پہ سگ ہائے حرم ساتھ زمیں پر سو کر — جیتے جی رفع سماوات کا زینہ دیکھوں
کنکریاں آنکھ کی پلکوں سے رکھوں چن چن کر — خاکروبی سے خدائی کا خزانہ دیکھوں

میر علی نواز علوی:

(۱۲۷۰ـ۱۳۳۸ھ) میں شکار پور میں پیدا ہوئے اور وہی ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔

سندھ کی برگزیدہ علمی وادبی شخصیات میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ عربی، فارسی، سندھی میں ان کی بلند پایہ تصانیف موجود ہیں، ''کلیات علوی'' سنہ ترتیب (۱۹۱۶ء) فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو کلام پر مشتمل ہے، مدح رسولؐ میں ان کا والہانہ انداز و مستانہ کیفیت ان کی نعت گوئی کا طرۂ امتیاز ہے، شیخ سعدیؒ کی مشہور نعت ''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' کی تضمین علوی نے سندھی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کی ہیں۔ ہر زبان کی نعت سے جہاں آپ کو سرکار مدینہ رحمت للعالمین حضرت محمد رسول مقبول ﷺ سے بے پناہ شیفتگی، دینی رجحانات، مذہبی عقائد کا بخوبی اندازہ ہوگا، وہاں روایتی طبع، زور بیان، مہارت فن اور محاسن شعری کا بھی لطف آئے گا۔

کیا پیار تھا اس شاہ سے کل رات بے حد چاہ سے
مرسل صلی اللہ ہے بلغ العلیٰ بکمالہ
اللہ کا منظور تھا منظور حق مشہور تھا
خالص خدا کا نور تھا کشف الدجیٰ بجمالہ
طالب تھا اور مطلوب تھا اللہ اور محبوب تھا
کیا خلق ان کا خوب تھا حسنت جمیع خصالہ
ان کا زباں پہ ذکر ہے صلو علیہ و آلہ

مرزا قلیچ بیگ ((۱۲۷۰۔۱۳۴۸ھ)

حیدرآباد سندھ کی ایک نواحی بستی پھیلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پیوند خاک ہیں۔ وادئ مہران کے نامور ہفت زبان شاعر ادیب، مصنف، مورخ، محقق، نقاد، افسانہ نویس، ناول نگار اور ڈرامہ نویس تھے۔ شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ سندھی، عربی، فارسی، بلوچی، پشتو، انگریزی اور اردو کی چار سو کتابوں کے مصنف، مولف، مرتب اور مترجم تھے۔ ان کا عارفانہ کلام سراسر اتباع رسول اور عشق محمدیؐ سے سرشاری کا آئینہ دار ہے۔ اپنے خالق کون و مکان سرور دو جہاں سے مخاطب ہو کر عالم بے خودی میں کہتے ہیں۔

ترے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں محبت تری جابجا چاہتا ہوں
نہ شاہی، وزیری سے مطلب ہے میرا ترے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں
نسیم بہشتی نہ بھائی ہے دل کو میں تیری گلی کی ہوا چاہتا ہوں

مراد خان چانڈیؔ (۱۳۲۸ـ۱۳۷۳ھ)

گوٹھ احمد خاں چانڈی نامی گاؤں (متصل کندی) میں پید ہوئے عالم باعمل اور عارف باللہ تھے، عرب ان کی عربی دانی کے معترف تھے، عربی کے علاوہ سندھی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے، ان چاروں زبانوں میں مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن ان کی فکر تخیل کا محور عشق رسولؐ تھا، ان کا دل خدا اور حبیبؐ خدا کی بے پناہ محبتوں سے سرشار تھا، اس لیے ان کی حمد و نعت کا انداز انتہائی والہانہ ہے، ان کے کلام کے اکثر بند بظاہر عربی کے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تمام الفاظ و تراکیب اور طرز شاعری اردو میں رائج ہو چکی ہے، اس لیے ان شعروں کو اردو نعتیہ شاعری کا جز قرار دینا نامناسب نہ ہوگا۔

قرآن کی ایک سورہ "**انا اعطینٰك الكوثر فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر**" کی تضمین کا یہ نیا اور جدت آفریں تجربہ دیکھیے؛

الصلوٰۃ اے صاحب خلق عظیم
الصلوٰۃ اے مخزن لطف عمیم
الصلوٰۃ اے صاحب شق القمر
الصلوٰۃ اے بادشاہ بحر و بر
الصلوٰۃ اے صاحب ام الکتاب
الصلوٰۃ اے شافع یوم الحساب
الصلوٰۃ اے سرور عالی جناب
الصلوٰۃ اے "**انا اعطيناك الكوثر**"
الصلوٰۃ اے منبع جود سخا
الصلوٰۃ اے مخزن فضل و عطا
الصلوٰۃ اے پیشوائے انبیاء
الصلوٰۃ اے مقتدائے اولیا
الصلوٰۃ اے "**فصل لربك وانحر**"
الصلوٰۃ اے نور حق صلی علیٰ

الصلوٰۃ اے چشمۂ آب بقا
الصلوٰۃ اے گمرہان رہ نما
الصلوٰۃ اے زیب بستان ھدیٰ
الصلوٰۃ اے "ان شانئك هو الابتر"

خلیفہ غلام اللہ کلہوڑا (۱۲۶۶۔۱۳۷۶ھ)

تعلقہ واراچودرودو، شریف نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، سندھی، فارسی اوراردو میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ نثر ونظم کی کئی کتابوں کے مصنف تھے، خلیفہ غلام اللہ قصیدہ گوئی میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، منظوم داستان طرازی میں بھی کمال تھا، ذکراور مدح رسولؐ، خلیفہ صاحب کی زندگی کا نصب العین تھا، اس نعت میں ان کا خاصا رنگ نمایاں ہے۔

احمد عرب عزیز اللہ، وارث، یدولی اللہ، لا الٰہ الا اللہ
انور نور نبی اللہ، حضرت میر حبیب اللہ، لا الٰہ الا اللہ
سرور سید صفی اللہ، کامل قرب کلیم اللہ، لا الٰہ الا اللہ
رحمت رب رسول اللہ، اعلیٰ اتم امین اللہ، لا الٰہ الا اللہ
احسن رب رسول اللہ، نائب نورِ نبی اللہ، لا الٰہ الا اللہ
الف صلوٰۃ سلام اللہ، علیہ غلام غلام اللہ، لا الٰہ الا اللہ

بابائے اردوسندھ ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیلؔ ۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء

نامور بزرگ، ادیب نقاد، محقق، افسانہ نگاراوراستادِسخن تھے ان کی زندگی اتباع رسولؐ اورترویج علم وادب کے لئے وقف تھی۔ کراچی ان کا مولد، حیدرآباد ان کا مسکن ومدفن ہے۔ شیخ ابراہیم خلیلؔ علامہ اقبال اورشاہ عبداللطیف بھٹائی کے افکار ومعارف پر گہری نظر رکھتے تھے۔''اقبال ،حیات وافکار''اقبال اکیڈمی سے شائع ہوچکی ہے یہ سندھی زبان میں اقبالیات سے متعلق پہلی مربوط جامع کتاب ہے۔اردو کے مشہور نعت گوشعراء میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

صبا یہ کیا آج لائی مژدہ کہ غنچہ غنچہ چٹک رہا ہے
کہیں پہ لہرا ہے لالہ، کہیں پہ سبزہ مہک رہا ہے

کہیں سبحان ربنا ہے کہیں پہ صلی علیٰ کے نعرے
طیور تسبیح خواں کہیں ہیں، کہیں پہ بلبل چہک رہا ہے
کہیں ہے طٰہٰ کہیں ہے یٰسین، کہیں مزمل کہیں مدثر
تمام قرآں میں مثل خورشید، نام احمد چمک رہا ہے
کمال احسان مجھ پہ ہوگا، اگر بلالو مدینے آقاؐ
تمھاری فرقت میں رات دن اب ''خلیلؔ'' خستہ بلک رہا ہے

سرور علی سرور (۱۹۰۹ء):

کراچی میں پیدا ہوئے چند سال پیشتر حیدرآباد میں وفات پائی، بزم خلیل کے بانی سکریٹری، انجمن ترقی اردو شاخ کراچی کے بانی رکن، معتمد اعزازی جمعیت شعرائے سندھ اور دیگر سندھی اور اردو اداروں کے سرگرم رکن رہے، ان کی ساری زندگی شعر و ادب کی بے لوث و بے غرض خدمت میں گذری، سرور علی سرورؔ کی متعدد تصانیف سندھی اور اردو میں موجود ہیں۔ پہلے قاتلؔ لکھنوی بعد میں شیخ ابراہیم خلیلؔ سے مشورہ کیا۔ ان کے نعتیہ کلام کے دو شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

اک جلوۂ کمالِ محبت حضورؐ ہیں — قلب حزیں کا چین اور آنکھوں کا نور ہیں
اس میکدے کے آپؐ ہی کیف و سرور ہیں — ملتی ہے میکشوں کو جہاں بادۂ الست

مرزا افضل بیگ:

سندھ کے نامور علماء و ادبی شخصیت شمس العلماء مرزا قلیج بیگ کے فرزند تھے، ۱۲۳۵ء۔ ۱۹۱۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے چند سال پہلے انتقال کیا۔ مرزا افضل بیگ مولانا اشرف علی تھانویؔ کے مرید تھے حیدرآباد کے مشہور عالم و خطیب اور کئی دینی مدارس کے بانی تھے۔ ان کی شاعری تبلیغ اسلام اور اصلاح ماحول و معاشرہ کے لیے وقف تھی حمد و نعت زیادہ کہتے تھے۔

تعریف خلائق جہاں اور مالکِ کون و مکاں — اک شمہ ہو کس سے بیاں بیشک وہ عالی شان ہے
اور نعتِ شاہ اصفیاء بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ — کیا ہو سکے ہم سے ادا جس طرح شایاں شان ہے
عاصی ہیں رب العلا تو بخش دے ساری خطا — بہرِ نبیؐ مصطفیٰؐ جو شافع عصیان ہے

مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ:

ولادت (۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء) بمقام ضلع حیدرآباد سجادہ نشین درگارہ شریف بالا،

سرزمین سندھ کے اس خاندان عالی وقار کے چشم و چراغ ہیں جس کا سرچشمۂ علم و عرفان وادیٔ مہران میں سترہ پشتوں سے آج تک جاری ہے۔۱۲ سال کی عمر سے شعر کہتے تھے۔ شیخ الطریقت ہونے کے ناطے نعت گوئی کا شغف فطری اور موروثی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

خدایا دکھا دے دیدار مدینہ　　کہ ہوں عندلیبِ بہار مدینہ
یہی راستہ بس ہے میرے لیے تو　　راہ میں ہوجاؤں غبار مدینہ
بچاؤ، گناہوں نے ہے آن گھیرا　　صدا سن لو یا تاجدار مدینہ

حکیم پیر محمد سلیم جان مجددی سرہندی:

سندھ کے عظیم المرتبت علمی و دینی شخصیت حضرت خواجہ محمد جان سرہندی کے نواسے تھے، ۱۳۲۷/ ۱۹۰۷ء کو ٹنڈو سائی داد حیدرآباد میں پیدا ہوئے، ماتلی میں وفات پائی، فارسی و سندھی کے علاوہ اردو میں عمدہ شعر کہتے تھے۔ ﷺ کے عنوان سے ۱۵۹ شعرا کی اردو نعتوں کا ایک روح پرور مجموعہ مرتبہ راز کاشمیری مرحوم راقم کے نجی کتب خانہ میں محفوظ ہے، اب وادیٔ مہران کے شاعر پیر سلیم جان سرہندی کی ایک نعت کے یہ چند اشعار دیکھیے جن کی مادری زبان سندھی ہے لیکن فارسی اور اردو زبانوں پر کس درجہ قدرت حاصل ہے، ان کی یہ نعت کیف و کم، وجد و جذب اور روانی برجستگی کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع ہے:

سید سرور، اشرف اور، ساقیٔ کوثر، شافع محشر　　افضل اجمل، اکمل اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم
بحر کرامت، مخزن حکمت، گنج شرافت، آیۂ رحمت　　فخر رسالت، عزت آدم، صلی اللہ علیہ وسلم

(ج) حیدرآباد میں اردو نعت

اس تذکرہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ان شعرا کا ذکر موجود ہے جو اب ہم میں موجود نہیں ہیں، دوسرے حصے میں جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہم میں بحمد للہ موجود ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو سرکار ابد اقرار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔

نیّر حامدی:

مفتی سید محمد ریاض الحسن نیّر حامدی رضوی جیلانی چودھری (مرحوم) ۱۹۱۴ء میں

ریاست جودھ پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ نعت میں نیؔر حامدی تخلص کرتے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے نانا سید راحت علی راحت اور مولانا بے دلؔ بدایونی سے حاصل کی۔ بعد میں آپ کے والد مفتی سید عنایت علی جیلانی نے انھیں جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری بریلوی کے سپرد کیا، جامعہ رضویہ منظر اسلام سے تعلیم مکمل کر کے جب جانے لگے تو حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب نے اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ قیام پاکستان کے بعد شہر حیدرآباد کے نواحی بستی امریکن کوارٹر میں مستقل آباد ہو گئے، آپ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۹۷۰ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، نعتِ رسول کے موضوع پر ''نعتِ نیر'' کے نام سے ایک غیر مطبوعہ دیوان بطور یادگار چھوڑا ہے نیر حامدی جودھ پوری کی نعت کا انداز ملاحظہ ہو۔

حد ہے کہ تھک کے، طائر سدرہ بھی رہ گیا — قاصر مگر ہوئی نہ، عزیمت رسولؐ کی
محسوس سے مبرہ ہے، معقول سے ہے پاک — ادراک سے ورا ہے، حقیقت رسولؐ کی
ہوتا دم زدن میں، وہ عاصی خطا سے پاک — حاصل ہو یونہی کاش، زیارت رسولؐ کی

اخترؔ الحامدی:

اخترؔ الحامدی کا شمار نعت گو شعرا میں چوٹی کے اساتذہ میں ہوتا تھا، اور پاک و ہند میں نعت گوئی کے حوالے سے آپ کو یکساں شہرت و مقبولیت حاصل ہے اختر الحامدی کا تاریخی نام ''محمد مرغوب'' (۱۳۴۰ھ) ہے آپ کی پیدائش اپنے ننہال جودھ پور مارواڑ (بھارت) میں ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء جمعۃ المبارک کے دن ہوئی آپ نسبتاً سید مسلکاً سنی حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ ہجرت کے بعد مستقل سکونت حیدرآباد میں اختیار کی اور آخری وقت تک شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ رہے، حضرت خلشؔ اجمیری کے شاگرد رشید تھے اور خلشؔ اجمیری کو مومن خاں مومنؔ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، موصوف نے سب سے پہلے بیدلؔ بدایونی کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کیا، اختر الحامدی کا تعلق نعت گوئی کے اس دبستان سے ہے جسے ''دبستان رضا'' کہا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مشہور سلام ''مصطفیؐ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی مشہور تضمین نے آپ کی شہرت کو بام عروج پر پہنچایا اس تضمین کا ایک بند دیکھیے:

جس کی عظمت پہ صدقے وقار حرم — جس کی زلفوں پہ قرباں بہار حرم

نوشۂ بزمِ پروردگار حرم شہرِ یار ارم، تاجدار حرم
''نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام''

بہار عقیدت، جمال رسولؐ، کمال رسولؐ نعت محل، امام نعت گویاں، وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں، ان کا وصال یکم رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ، ۴؍جولائی ۱۹۸۱ء کو حیدر آباد میں ہوا۔

خلیلؔ ماہروی:

حیدر آباد سندھ کی معروف مذہبی شخصیات میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا، آپ کی وسیع اور اصلاحی خدمات کو ہر دور میں یاد رکھا جائے گا، مفتی محمد خلیل خاں القادریؔ، برکاتی، خلیل مارہروی کا پیدائشی نام محمد خلیل خان لودھی تھا، موضع کھریر ریاست دادوں ضلع علی گڑھ یوپی (بھارت) میں ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق جولائی ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، قیام پاکستان کے بعد میر پور خاص، کراچی اور پھر حیدر آباد سندھ کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔ بے شمار مذہبی کتب کے مصنف تھے۔ نعت گوئی میں آپ کو مولانا امین الدین سے شرف تلمذ حاصل تھا، ''جمال خلیلؔ'' ان کے غزلیہ اور نعتیہ کلام کا اولین مجموعہ ہے۔ چند شعر بطور نمونہ دیکھیے:

یہ دولت اصل سرمایہ ہے انساں کی عقیدت کا غلامی شاہِ والا کی شرف ہے آدمیت کا
شفاعت ڈھونڈھ لائی خود سیہ کارانِ امت کو سہارا ڈوبتوں کو مل گیا اشک ندامت کا
یقیناً ہے یہ گیسوئے نبیؐ کی جلوہ سامانی کہ چہرہ فق ہوا جاتا ہے خورشیدِ قیامت کا
یاد شہہ کوثر میں یوں دل ہے طرب آگیں جیسے کہیں بجتی ہو فردوس میں شہنائی
رحمت نے ''خلیلؔ'' ان کے دامن میں اماں بخشی جب بھی مرے عصیاں نے چاہی مری رسوائی

دردؔ اسعدی

دردؔ اسعدی (مرحوم) ایک باکمال اور پختہ کار شاعر تھے، یہ مولانا صدیق احسن اسعدؔ شاہ جہانپوری کے شاگردانِ خاص میں شمار کیے جاتے تھے، مرتضٰی علی خان درد اسعدی کی پیدائش ۱۲؍جون ۱۹۱۹ء میں بھارت میں ہوئی وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے، جن کی شہرت حیدر آباد ہی میں نہیں بلکہ پورے پاکستان میں ایک کہنہ مشق صاحبِ طرز اور بے باک شاعر کے حوالے سے تھی، دردؔ اسعدی نے یوں تو غزلوں کی کئی کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں، مگر جو شہرت انھیں ۷۷ شعرا کے کلام پر مشتمل انتخاب ''ثنائے خواجہ کونین'' (شوال ۱۴۰۴ھ)

کے شائع کرنے سے ہوئی اس کا تو عالم ہی کچھ اور ہے پھر اس کے بعد ''حمد'' کے نام سے بھی ربیع الاول ۱۴۰۶ھ میں ایک حمدیہ انتخاب ترتیب دیا جس نے ان کی شہرت اور مقبولیت میں اور بھی چار چاند لگا دیے، ۲۸ / دسمبر ۱۹۹۰ء کو درد اسعدی کا حیدرآباد سندھ میں انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہیں۔ ''ہمہ رنگ'' درد اسعدی کے مختلف النوع کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ۱۹۸۱ء میں بزم شعر و ادب حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں دیوانہ ہوں اس روئے مبیں کا جو ہے محبوب رب العالمیں کا
محمدؐ یا محمدؐ یا محمدؐ وظیفہ ہے دل اندوہ گیں کا
نظر رہتی ہے میری سوئے بطحا سفر در پیش ہو چاہے کہیں کا
چراغ زیست جب گل ہو رہا ہو نگاہوں میں شبیہِ مصطفیٰؐ ہو
وہ کیوں الفاظ کو کاغذ پہ لائے جو خود نعت بن کر رہ گیا ہو
وہ دل جس میں عشقِ رسولؐ خدا ہے بہت محترم ہے بڑے کام کا ہے
کبھی دردؔ کو آپ اپنا کہیں گے اسی آرزو میں وہ زندہ رہا ہے

بسملؔ آغائی:

حیدرآباد کے صاحب دیوان نعت گو شعرا میں بسملؔ آغائی (مرحوم) کا نام حاجی عبدالرحمٰن خان تھا۔ ۱۷/ اگست ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت عارف اکبرآبادی کے تلامذہ میں سے تھے، ان کی نعتوں اور غزلوں کا دیوان ''سلسلۂ خواب'' ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ ۱۹۸۰ء میں مجلس مصنّفین حیدرآباد نے شائع کیا تھا۔ بحیثیت نعت گو انھیں بہت شہرت حاصل ہوئی، بسملؔ آغائی کا انتقال پچھلے دنوں ہوا، حیدرآباد (سندھ) میں مدفون ہیں، ان کے چند معروف نعتوں کے منتخب اشعار حاضر ہیں۔

گر طلب سے بھی کچھ ماسوا چاہیے ان کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے
ان کے در سے تو سب کچھ ملے گا مگر اپنا کردار بھی دیکھنا چاہیے
سامنے سرورؐ دو جہاں آگئے حشر میں اور بسملؔ کو کیا چاہیے
دل درد آشنا محروم جلوہ ہو نہیں سکتا شہ دیں بھول جائیں ہم کو ایسا ہو نہیں سکتا
نظر سے دور انؐ کا روئے زیبا ہو نہیں سکتا یہ آئینہ کسی صورت میں دھندلا ہو نہیں سکتا

دل کو تسکین ملی روح کو آرام ملا جب مجھے شاہؐ عرب کا کوئی پیغام ملا
اپنی قسمت پہ نہ کیوں ناز کرے وہ امت جس کو قرآن ملا، وہ ملے ، اسلام ملا
راہ طیبہ میں مزہ پھول کا کانٹوں نے دیا مختصر یہ ہے کہ آرام ہی آرام ملا

حبیبؔ نقشبندی:

سید حبیب احمد حبیب نقشبندی محسنی تلہری ۱۹۰۱ء میں قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور (بھارت) میں پیدا ہوئے، نقشبندی سلسلہ میں بیعت واجازت کا شرف حاصل تھا، حبیبؔ نقشبندی حیدرآباد کے جید اور باعمل علمائے کرام اور پیرانِ طریقت وشریعت میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کی شاعری سے متعلق ان کے بارے میں بہت سے لوگ واقف تھے، حبیب نقشبندی نے ۹۱ سال کی عمر پائی تھی۔ ۲۹راگست ۱۹۹۲ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ''نذرِ حبیب'' ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ حبیبؔ نقشبندی کا سب سے پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ہے جسے رضوی کتب خانہ اردو بازار لاہور نے ۱۳۹۸ھ میں شائع کیا تھا۔ ''نعت رسولؐ'' کے نام سے ایک اور مجموعۂ کلام حیدرآباد سے شائع ہوا، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

عرفات اور منیٰ میں لبیک کہنے والو جنت کے کھل گئے ہیں سب بند تم پہ تالے
کیوں راہ میں نہ ان کی آنکھیں بچھائیں ہم سب ہیں مہربان ان پر آقاؐ مدینے والے

تہورؔ زیدی:

تہور علی نام اور زیدی تخلص تھا، حکمت کی وجہ سے حکیم بھی کہلاتے تھے، زیدیؔ مرحوم کا نعت اور غزل پر مشتمل مجموعۂ کلام ''نمود صبح'' کے نام سے ۱۹۸۸ء میں حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے، حکیم تہور علی زیدی حیدرآبادی کے غزل گوشعرا میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی نعت سے چند اشعار دیکھیے۔

شمیم گلستاں تم ہو بہار جاوداں تم ہو حقیقت میں جہان رنگ و بو کی داستاں تم ہو
خدا شاہد گماں کی بھی رسائی ہو نہیں سکتی وہ منزل ماورائے عقل و دانش ہے جہاں تم ہو
سوئے منزل بحمد للہ مرا ہر گام منزل ہے میں ہوں آسودۂ منزل کہ میر کارواں تم ہو
زمانہ اس معمے کو نہ سمجھے ہے تمھارا راز داں وہ ہے؟ کہ اس کے راز داں تم ہو؟

آبادؔ محمدی احسانی:

آبادؔ محمدی احسانی کا پیدائشی نام عبدالرحمٰن ہے۔ ۱۸۹۲ء میں بیاور شہر ضلع اجمیر شریف

سے ہجرت کے بعد حیدرآباد سندھ کو اپنا مسکن بنایا۔ اعجاز حسین احسانی سے تلمذ حاصل تھا۔ آبادمحمدی شاعری کے حوالے سے اپنے کو احسان دانش اور حفیظ جالندھری مرحوم کا پوتا کہتے تھے۔ ان کا شمار حیدرآباد کے قدیم شعرا میں ہوتا تھا، یہ واحد شاعر ہیں جو ہر جلسہ گاہ میں دیکھے جاتے تھے۔ ''ایوانِ نعت'' آبادمحمدی کا ۱۶ صفحات پر مشتمل پہلا کتابچہ ہے، اس کے آٹھ سال بعد ''ایوانِ نعت وسلام'' کی اشاعت ہوئی۔ اس میں کل ۳۲ صفحات ہیں۔

حقیقت ہے نگاہ لطف جب اللہ کی ہوگی ۔۔۔ میں دیکھوں گا مدینہ مجھ کو دنیا دیکھتی ہوگی
نہ حوروں پر نہ غلماں پر نظر اس کی جمی ہوگی ۔۔۔ وہ جس نے روئے احمدؐ کی تجلی دیکھ لی ہوگی
مجھے عشق نبیؐ میری طلب سے بھی سوا دے ۔۔۔ خزانے میں تری رحمت کے یارب کیا کمی ہوگی

خادمؔی اجمیری:

نعت گوشعرا کی جب بھی تاریخ لکھی جائے گی تو نعتیہ ادب لکھنے والا مورخ خادمی اجمیری کو حیدرآباد کے نعت گوشعرا کی صف اول میں شامل کرے گا، خادمی اجمیری کا پیدائشی نام محمد حسین ہے، اجمیر شریف کی سرزمین سے رشتہ ہے۔ ۱۹۲۵ء کو دیارغریب نوازؒ کے کوچے میں آنکھ کھولی۔ تعلیم واجبی سی ہونے کے باوجود شعروشاعری میں کافی نام پیدا کیا۔ فن شاعری کی ہر ہیئت میں لکھا ہے، مگر خادمی اجمیری کی محبوب ومرغوب صنف نعتیہ شاعری ہے، تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے اور مولانا ضیاالقادری بدایونی (مرحوم) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے پھر مولانا کے ایما سے مولانا محمد انوارالحق نہال اجمیری (حیدرآباد کو اپنی نعتیں دکھانا شروع کردیں اور پھر ان کا شمار نہالؔ اجمیری (مرحوم) کے لائق وفائق شاگردوں میں ہونے لگا۔ ''نکہت ونور'' خادمؔی اجمیری کا نعت ومنقبت پر مشتمل مجموعہ کلام ہے جسے بزم فروغ ادب حیدرآباد نے نومبر ۱۹۸۵ء میں شائع کیا تھا، یہ کتاب ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ عالم بے مثال بھی ہے، یہ عالم بے مثال کیسا! ۔۔۔ ادھر حرم ہے ادھر مدینہ جمال بھی اور جمال کیسا!
حرم کی محراب جھومتی ہے، دھنک بھی کعبہ میں گھومتی ہے ۔۔۔ نبیؐ کے ابرو کی جنبشوں میں چمک رہا ہے ہلال کیسا!
حرف مدثّر ہو یا لفظ مزمل کی بات ۔۔۔ بن گئی قرآں کی صورت آپؐ کی آواز بھی
''برگ'' کہتے ہیں جسے نعت نبیؐ اہل قلم ۔۔۔ میرے دل کا سوز بھی ہے ساز بھی آواز بھی

بدر ساگری:

مبین محمد شعر و ادب کے چمنستان میں بدر ساگری کے نام سے مقبول ہیں بدر ساگری ۱۹۳۹ء میں ضلع ساگر، صوبہ سی پی (بھارت) میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام نیاز محمد تھا، بدر ساگری کا شمار حیدر آباد کے معروف نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ موصوف ایک طویل عرصے سے حمد، نعت، غزل، نظم اور گیت وغیرہ کے ذریعے اردو ادب کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، فن شاعری میں درد اسعدی (مرحوم) سے اصلاح سخن لیتے تھے، ''القلم'' بدر ساگری کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۸۵ء میں حیدر آباد سے شائع ہوا، صفحات کی تعداد ۱۱۲ ہے، ان کی نعتوں کے مختلف اشعار پیش خدمت ہیں۔

کون تعریفِ اسمِ محمدؐ کرے — حمد کی حمد ہے، نعت کی نعت ہے
کوئی مانے یا نہ مانے بدر بے حب رسول — بندگی بھی باعثِ شرمندگی ہوجائے گی
تاروں کو حسن، پھولوں کو خوشبو، سحر کو نور — کس کو مرے حضورؐ کا صدقہ نہیں ملا

پیکر اکبر آبادی:

پیکر اکبر آبادی کا اصل نام منیر خان ہے۔ اکبر آباد آگرہ (بھارت) میں پیدا ہوئے، حیدر آباد کے نعت کہنے والوں میں شامل ہیں پیکر اکبر آبادی، صبا اکبر آبادی (مرحوم) کے تلامذہ میں شامل ہیں، ان کے صاحبزادے اختر ندیم حیدر آباد کے نوجوان نعت گو شعرا میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں اور ہر دلعزیز نقیب محفل کے حوالے سے بہت معروف ہیں، ''خیر الوریٰ''، پیکر اکبر آبادی کی نعتوں کا مجموعہ ہے جو کتابت شدہ ہے۔

جب میں نے اپنی جان نبیؐ پر نثار کی — نازل ہوئی ہیں رحمتیں پروردگار کی
اتنے گنہ کیے ہیں کہ جن کا نہیں شمار — رکھ لینا لاج حشر میں اس شرمسار کی
بہار اولیں تم ہو جمال دلنشیں تم ہو — کہ آغاز دو عالم اور ختم المرسلیں تم ہو
تمھاری شان و شوکت کا بیان پیکر سے کیا ہوگا — غلام ادنیٰ ہے جس کا طائر سدرہ نشیں تم ہو

ضامن حسنی:

سید ضامن علی حسنی حیدر آباد کے چیدہ نعت گو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں، یکم مئی ۱۹۳۰ء کو نارنول ریاست پٹیالہ (بھارت) میں پیدا ہوئے ان کے والد مرحوم سید صادق علی

حسنی نہایت منکسر المزاج، خوش الحان نعت خواں اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ ضامن حسنی تقسیم کے بعد حیدرآباد سندھ چلے گئے اور درس و تدریس کے پیشے کو اختیار کیا، ضامن، محمد انوار الحق نہال اجمیری (مرحوم) کے تلامذہ میں شامل ہیں ''ضامنِ حقیقت'' ضامن حسنی کی نعتوں اور مناقب پر مشتمل مجموعہ کلام ہے جسے بزم فروغ ادب حیدرآباد نے نومبر ۱۹۸۶ء میں شائع کیا، ضامن حسنی کی نعتوں کے اشعار حاضر خدمت ہے۔

تمھارے حسن سے ہیں بام و در، رخشندہ رخشندہ — مکان و لامکاں شام و سحر، رخشندہ رخشندہ
طفیل سرور کونین مانگی جب دعا میں نے — تو فوراً ہوگیا ظاہر اثر ، رخشندہ رخشندہ
ثنائے الفت کونین کے حسن تعارف سے — مرے اشعار ہیں ''ضامنؔ'' مگر رخشندہ رخشندہ

مقبول شارب:

مقبولؔ شارب کا اصل نام مقبول حسین ہے۔ یہ مولوی سید ذاکر حسین کے فرزند ہیں۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو نارنول ریاست پٹیالہ (بھارت) میں پیدا ہوئے، ستمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور حیدرآباد سندھ کو اپنا مسکن بنایا۔ اپریل ۱۹۶۴ء میں شاعری کا آغاز کیا، حشمتؔ نارنولی، خادمؔ اجمیری اور نہالؔ (مرحوم) سے بالترتیب شرف تلمذ حاصل رہا۔ ''انداز چمن'' مقبول شارب کی ۹۹ غزلوں پر محیط مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، ''مہر جہاں تاب'' مقبول شاربؔ کی نعت و منقبت کا مجموعہ ہے جس کو بزم ادب اردو حیدرآباد نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا تھا۔

جھونکا تو اک آیا ہے مدینے کی پون کا — گلزار ہوا جاتا ہے صحرا مرے من کا
وہ جان تمنا ہیں وہی زیست کا حاصل — رشتہ انھیں سے ہے تو مری روح کا من کا
کیسے نہیں کرتا میں دل و جان تصدق — عالم ہی عجب ہے شہؐ والا کی پھبن کا
ملتی ہے مجھے جس کے تصور سے بھی تسکین — وہ سایہ ہے دامانِ شہنشاہ زمن کا

شبیرؔ انصاری:

شبیرؔ حسن انصاری حیدرآباد کے نوجوان شعرا میں شامل ہیں، مختلف اصناف سخن میں شعر گوئی کا درک حاصل ہے۔ شبیرؔ انصاری، برگؔ یوسفی سے مشورہ سخن لیتے ہیں، ان کی نعتوں کا مجموعہ ۱۹۸۵ء میں ''یاد نبیؐ میں'' کے نام سے بزم قرطاس و قلم حیدرآباد نے شائع کیا تھا۔

پہلے ذات نبیؐ حق نے تخلیق کی — پھر وہ بنیاد لوح و قلم ہوگئی

جس پہ ان کی نگاہ کرم ہوگئی اس کی تقدیر رشک ارم ہوگئی
یہ سامانِ روز جزا کررہا ہوں ثنائے حبیبؐ خدا کررہا ہوں
سر بزم نعتِ محمدؐ سنا کر ادا سنت، انبیاء کررہا ہوں

احمدؔ میاں برکاتی:

غلام محی الدین خاں پیدائشی نام ہے اور احمد میاں برکاتی کے نام سے معروف ہیں، ''حافظ'' تخلص کرتے ہیں، مفتی محمد خلیل خاں برکاتی کے بڑے فرزند ہیں، ۲۹ر ستمبر ۱۹۵۳ء میں میر پور خاص (سندھ) میں پیدا ہوئے، احمدؔ میاں برکاتی، قاری حافظ القرآن، فاضل عربی، فاضل علوم شرعیہ، درس نظامی، ایم اے اسلامیات غرض کہ دینی و دنیاوی دونوں تعلیمات سے بہرہ ور ہیں۔ حضرت اخترؔ الحامدی (مرحوم) کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ''برکات محل'' ان کی نعتوں کا مجموعہ ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔

سید کونین سے جو لو لگائے جائیں گے وہ خدا کو باخدا نزدیک پاتے جائیں گے
خود بخود چومیں گی آ کر منزلیں ان کے قدم ان کے نقشِ پا پہ جو سر کو جھکائے جائیں گے
کوئی بھی ہوگا نہ پرساں حشر میں حافظؔ مگر میرے آقا عاصیوں کو بخشواتے جائیں گے
دوستو! ان کی طلب میں جسے موت آئی ہے بخدا اس نے حیاتِ ابدی پائی ہے
میرے عصیاں مجھے لے آئے ہیں آقاؐ کے حضور ساتھیو! کتنی مبارک مری رسوائی ہے

خان اختر ندیم:

خان اخترؔ ندیم حیدرآباد کے نوجوان نعت گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں ان کے والد محترم صوفی ماسٹر منیر خان، پیکر اکبرآبادی بھی نعت گو شاعر ہیں، ''خزینۂ نعت'' اخترؔ ندیم کی مرتب کردہ نعتوں کا ایک عمدہ انتخاب ہے جسے ''بزم سرکار دو عالمؐ'' حیدرآباد نے ستمبر ۱۹۹۲ء میں شائع کیا، موصوف ''میلاد حسانؓ'' کے نام سے ایک میلادنامہ بھی ترتیب دے چکے ہیں، یہ میلادنامہ تکمیل کے مراحل میں داخل ہے، خان اخترؔ ندیم کی نعت دیکھیے۔

جب بھی نازک مقام آتا ہے آپؐ کا نام کام آتا ہے
آپؐ کے در کی حاضری کے لیے دیکھیں کب یہ غلام آتا ہے
صرف نامِ حضورؐ ہی ہے ''ندیمؔ'' جو مصیبت میں کام آتا ہے

صابرؔ بن ذوقی:

حضرت حکیم حافظ عبدالغفار ذوق مصطفائی الٰہ آبادی کے فرزند صابر بن ذوقی ۱۹۴۶ء میں الٰہ آباد یوپی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام غلام محی الدین صابر ہے مگر شاعری کے شوق نے انھیں صابر بن ذوقی بنادیا۔ ''دھوپ کا سائبان'' ان کی غزلوں کا مطبوعہ ہے۔ صابرؔ بن ذوقی نعتیں بھی کہتے ہیں، ان کی نعتیں مختلف نعتوں کے مجموعے کے علاوہ ان کی مذکورہ کتاب میں بھی موجود ہیں غزل کے شاعر ہیں مگر نعت میں بھی اپنی جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ چند شعر دیکھیے۔

ابتدا تم ہو، انتہا تم ہو کیا کہا جائے اب، کہ کیا تم ہو
دستِ قدرت کو ناز ہے تم پر دستِ قدرت کا آئینہ تم ہو
دلِ صابرؔ یہ کہہ رہا ہے حضورؐ چارۂ درد لا دوا تم ہو

بیگم قمرؔ القادری:

بیگم قمرؔ القادری کا پہلا مجموعہ کام ''لمعات قمر'' ہے جس میں حمد ونعت اور منقبت کے علاوہ نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں۔ بیگم قمرؔ القادری ایک دیندار خاتون ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ایمان کا جز وقرار دیتی ہیں، یہ تعلیم نسواں کے ساتھ تربیت نسواں کی بھی مبلغ ہیں، بیگم قمرؔ القادری کے شعر دیکھیے۔

مدینے کا سفر ہے، اور میں ہوں مرے آقاؐ کا در ہے، اور میں ہوں
نبیؐ کے حسن کی ہے بارش نور سمندر موج پر ہے اور میں ہوں
مری آنکھوں کا عالم کچھ نہ پوچھو غبارِ خاکِ در ہے اور میں ہوں

۴۔ لاڑکانہ میں نعتیہ شاعری

لاڑکانہ اپنی گوناں گوں خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف پاکستان میں ایک اہم شہر کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ بعض شخصیات کی بنا پر اسے عالمی شہرت بھی حاصل ہے، پاکستان کے دو وزرائے اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو کا تعلق اسی شہر سے ہے، سیاست

کے علاوہ لاڑکانہ، علمی، ادبی، معاشرتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھی کسی سے پیچھے نہیں، یہ پانچ ہزار سال قدیم کی انسانی تہذیب کا حامل ہے جس کے آثار موہن جودڑو کی صورت میں اب بھی دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

لاڑکانہ میں پرورش لوح و قلم کے لیے بھی متعدد ادارے موجود ہیں اور یہاں کثرت سے ادبی اجتماع ہوتے رہتے ہیں، جن میں اردو سندھی دونوں طرح کی نشستیں شامل ہیں، بعض اوقات اردو سندھی مشترکہ ادبی اجتماع ہوتے ہیں، اب اردو بولنے والے افراد کی بڑے پیمانے پر نقل مکانی کی وجہ سے اردو زبان کے کئی ادبی ادارے ختم ہو چکے ہیں جن میں حلقۂ ادب، ادارۂ فکر جدید، ارباب قلم اور بزم ادب شامل ہیں، لے دے کے اب ایک انجمن اردو رہ گئی ہے، وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لیے کہ اردو کے شعرا اور ادباء کی اکثریت یہاں سے نقل مکانی کرگئی ہے، یہ سب بڑے پیمانے پر ہونے والے لسانی ہنگاموں کا شاخسانہ ہے، چنانچہ شعر و ادب کی اب وہ پہلے جیسی سرگرمیاں نہیں رہیں، ورنہ شروع میں یہاں کثرت سے بین الصوبائی اور ملک گیر سطح پر مشاعرے ہوتے رہتے تھے، جن میں وطن عزیز کے نامور شعرا شرکت کرتے تھے، اب تو یہ باتیں خواب و خیال ہو چکی ہیں، تاہم کچھ ادبی ادارے ابھی مشاعروں اور ادبی اجتماعات کی روایات کو جیسے تیسے برقرار رکھے ہوئے ہیں، جن میں ''سچل ادبی و ثقافتی سوسائٹی'' (سچل ادبی مرکز) نمایاں ہے۔

عشق رسول ﷺ کا دم بھرنے والوں کی ایک خاصی تعداد لاڑکانہ سے متعلق شہر میں بھی پائی جاتی ہے، یہاں بھی نعتیہ مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے اور فضا نعتِ رسول ﷺ کے زمزموں سے جھومتی ہے، وہ شعرا جو نعت کہتے ہیں اور اردو شعرا کی نقل مکانی کے باوجود لاڑکانہ میں نعت گوئی کی روایت برقرار رکھے ہوئے ہیں، ان میں حاجی علی بخش جمالی، ڈاکٹر پروفیسر بشیر احمد شاد، ناظم چانڈیو، ڈاکٹر ظاہر نوازی، پروفیسر ادریس آزاد، مولانا غلام مجتبیٰ سندیلوی، غلام مصطفیٰ، مشتاق میمن نمایاں ہیں، مگر یہاں ایک شخصیت ایسی بھی ہے جس نے عشق رسول مقبول ﷺ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا، اس شاعر باکمال کا موضوع خاص نعت رسول ﷺ تھا، یہ مرحوم مولوی عبداللہ اثر ہیں، جن کا نعتیہ دیوان ''ذکر حبیب ﷺ'' کے نام سے چھپ چکا ہے، جو سندھی زبان میں پہلا نعتیہ دیوان ہے، انجمن ترقی اردو کے مجلّے ''نگارشات'' میں مرحوم

عبداللہ اثر کے بارے میں درج ہے کہ:

"وہ شریف الطبع، شریف النفس، منکسر المزاج، ملنسار، صاحب علم، نام ونمود سے بے نیاز، شعری وادبی محفلوں کی جان، خوش گفتار وخوش اطوار تھے۔"

وہ واقعی ایک ایسی ہی من موہنی شخصیت تھے، جن کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی (تمغۂ امتیاز) رقم طراز ہیں:

"عبداللہ اثر مرحوم ایک عاشق رسول ﷺ تھے، انھوں نے انتہائی محبت اور دل کی گہرائی سے آنحضورؐ کی صفت وثنا میں لاتعداد شعر کہے تھے۔ ان کا نعتیہ دیوان ان کا بڑا کارنامہ اور عظیم ادبی شہکار ہے جس پر ہزاروں دیوان قربان، سندھی زبان میں یہ پہلا نعتیہ دیوان ہے۔ نعت گوئی نہایت ہی مشکل فن ہے، اس لیے کہ ہر بات میں شرعی حدوں کی پابندی کرنا پڑتی ہے اور ہر قدم پر احتیاط کا دامن تھامے رکھنا پڑتا ہے۔ اثرؔ مرحوم نے نعت گوئی کے تمام لوازمات کا خیال رکھا ہے۔"

ان کے نعت گوئی کے شغف سے ظاہر ہے کہ انھوں نے ایک نعتیہ دیوان کے علاوہ عربی قصائد "بانت سعاد" اور "قصیدہ بردہ" کا بھی سندھی میں منظوم ترجمہ کیا ہے اور کئی نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں، ان کے فرزند ناظم چانڈیو نے ان کی نعت گوئی کے بارے میں یوں تبصرہ کیا ہے:

"نعت کہنا کوئی معمولی بات نہیں، بقول عرفیؔ تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جسے توفیق ایزدی میسر ہو، اور جسے عشق رسول ﷺ کی سرشاری اور سرمستی کے ساتھ ساتھ زبان وبیان پر بھی غیر معمولی قدرت حاصل ہو، والد بزرگوار کی نعتیہ شاعری اس معیار پر پوری اترتی ہے۔"

ناظم چانڈیو کے بیان کی روشنی میں اور عرفی کے قول کے بموجب لاڑکانہ کے شعرا میں سے بہت کم نے "تلوار کی دھار" پر چلنے کی ہمت کی ہے، بہرحال متذکرہ بالا چند ایسے

شاعر ضرور ہیں، جنھوں نے آں حضور ﷺ سے اظہار عقیدت اور زادِ راہ آخرت کے لیے نعتیں لکھی ہیں ان میں اردو اور سندھی دونوں زبانوں کے شعرا شامل ہیں، جن میں سے بعض کا مختصر تعارف ذیل میں دیا جاتا ہے:

فقیر حاجی بخش جمالیؔ:

سندھی زبان کے انتہائی معتبر شاعر ہیں، کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود گہرا شعری ذوق رکھتے ہیں، آپ سندھی روزمرہ اور سکۂ بند زبان استعمال کرتے ہیں، ان کے کلام میں سلاست اور بے انتہا روانی کے ساتھ ساتھ کلاسیکی رنگ اتنا غالب ہے کہ ہم انھیں سندھ کا نظیرؔ اکبر آبادی کہہ سکتے ہیں، حاجی صاحب نے نعت گوئی کی طرف بھی توجہ دی ہے اور ان کا کلام پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ عشق رسول ﷺ سے ان کا دل گداز اور سینہ روشن ہے۔ عمر کے آخری پیٹے میں ہیں۔ لاڑکانہ میں ان کا گھر ''جمالی منزل'' شعری و ادبی سرگرمیوں کا مرکز ہے، ان کے کلام میں انسان دوستی، خدا ترسی اور عشق رسول ﷺ کے ساتھ انسانیت کے اعلیٰ اخلاق کا بھرپور پرچار پایا جاتا ہے۔ جمالیؔ ''بزم اثرؔ'' لاڑکانہ کے صدر ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد شاد:

شادؔ معروف سندھی ادیب اور شاعر ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں شاہ لطیفؔ بھٹائی پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان کے کلام و فلسفہ کے بڑے معتبر شارح سمجھے جاتے ہیں، مقامی کالج (گورنمنٹ ڈگری کالج لاڑکانہ) میں سندھی زبان کے استاد ہیں، لاڑکانہ کے سب سے بڑے سندھی ادبی ادارے ''سچل ادبی وثقافتی سوسائٹی'' (سچل ادبی مرکز) کے گزشتہ کئی سالوں سے صدر چلے آرہے ہیں۔ صاحب دیوان شاعر ہیں اور نعت بھی کثرت سے کہتے ہیں، اردو میں بھی شعر کہتے ہیں۔

ڈاکٹر فتح محمد طاہریؔ نوری:

طاہرؔ نوری کا شمار ایک طرف لاڑکانہ کے اچھے اور مقبول ڈاکٹروں میں ہوتا ہے تو دوسری طرف ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں، دریں حالت کہ اردو شعرا کی اکثریت لاڑکانہ سے نقل مکانی کر گئی ہے، ان کا یہاں رہنا بسنا غنیمت ہے۔ وہ اچھی غزلوں کے ساتھ ساتھ نعت بھی بڑی اچھی کہتے ہیں، شعری نشستوں میں انھیں بڑے

شوق سے سنا جاتا ہے، ان کا تعلق اب انجمن ترقی اردو سے ہے۔

دیگر شعرا جو اکثر و بیشتر لاڑکانہ کے نعتیہ مشاعروں میں اپنی نعتیں پڑھتے ہیں ان میں وفاؔ صدیقی، انیس گل عباسی، پروفیسر ادریسؔ آزاد، مولانا غلام مجتبیٰ سندیلیوی، بزم لطیف لاڑکانہ کے بانی چیرمین شامل ہیں، جب کہ نظیر شاہجہانپوری، اظہارؔ قریشی، طاہر فہمی، بسملؔ اور رشید تبسمؔ جیسے شعرا لاڑکانہ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

اختتام کلام کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ لاڑکانہ کی فضاؤں میں بھی نعت گو شعرا ثنائے مصطفیٰ میں ڈوبے ہوئے زمزموں میں ترنم ریز رہتے ہیں اور قحط الرجال کے اس دور میں بھی یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو عشق نبی ﷺ سے سرشار و سرمست ہیں۔

۴۔ کراچی میں نعت رسول ﷺ

کراچی میں یہ تذکرہ اولیت کا حامل ہے۔ اس میں زیادہ تر وہ شعرائے کرام شامل ہیں جو نعت گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور دنیائے نعت ان کی خدمات سے رخشندہ ہے۔ کراچی کے نعت گو شعرا کے اس تذکرے میں بہت سے ایسے شاعر بھی نظر آئیں گے جو بنیادی طور پر غزل کے نمائندہ شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں مگر ان کی باقاعدہ نعتیہ تصانیف ہونے کی وجہ سے انھیں نعت گو شعرا کے صف میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ ان شعرا کی مستقل توجہ شعبۂ نعت کی جانب ہے اور وہ اس میں گرانقدر اضافہ بھی کر رہے ہیں۔ اس تذکرہ میں چند ایسے نو جوان نعت گو شعر کو بھی جگہ دی گئی ہے جو کسی نہ کسی طور پر فروغ حمد و نعت کے لیے موثر ثابت ہو رہے ہیں۔

اکبر وارثی میرٹھی:

اردو نعت گو شعرا میں اکبر وارثی میرٹھی کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے بلالی و سرمدی نغمات سے برصغیر پاک و ہند کا چپہ چپہ گونج رہا ہے دور حاضر کے نعت گو شعرا میں اکبرؔ وارثی میرٹھی نے نمایاں شہرت حاصل کی ہے۔ نمایاں اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دلنشیں نعتیہ کلام کے بے شمار اشعار بلا تخصیص و امتیاز بچوں، نو جوانوں اور بوڑھوں کے علاوہ عورتوں کو ازبر ہیں۔

''میلادِ اکبر''اکبر وارثی کی تصنیف لطیف ہے جس کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ یہ عام میلاد ناموں کی بہ نسبت زیادہ مقبول و معروف ہے اور سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

اکبر وارثی میرٹھی قلمی نام اور خواجہ محمد اکبر خاں پیدائشی نام ہے موضع بجالی، تھانا کھر کھروا، تحصیل ہاپڑ ضلع میرٹھ (بھارت) میں پیدا ہوئے آپ کا وصال بروز بدھ ۶؍رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۰؍مئی ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ہوا اور کراچی کے سب سے بڑے قبرستان میوہ شاہ میں مدفون ہیں۔ اکبر وارثی میرٹھی کے نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ثانی ترا کونین کے کشور میں نہیں ہے ۔۔۔ بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے
ہو جلوۂ محبوب کے کیا ماہِ مقابل ۔۔۔ اس چاند کا دھبہ رخِ انورؐ میں نہیں ہے
تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمدؐ ۔۔۔ کیا نام ہے اے صلِ علیٰ نام محمدؐ

اکبر وارثی کے اس سلام کو بہت شہرت ملی ہے۔

رحمتوں کے تاج والے ۔۔۔ دو جہاں کے راج والے
عرش کی معراج والے ۔۔۔ عاصیوں کی لاج والے

ضیاء القادری بدیونی:

مولانا ضیاء القادری بدایونی کا پیدائشی نام محمد یعقوب حسین تھا۔ ۲۲؍رجب ۱۳۰۰ھ بمطابق ۲؍جون ۱۸۸۳ء میں بدایوں (بھارت) کے مشہور و ممتاز زملا خاندان میں پیدا ہوئے۔ ضیاء القادری سات سال کی عمر میں والدہ اور والد گرامی کے سایہ شفقت و محبت سے محروم ہوگئے، مولانا ضیاء القادری نے بے شمار نعتیں کہی ہیں، سیکڑوں طویل اور مختصر نظمیں سپرد قلم کیں بے حساب مناقب لکھے، مولانا ابتدائی عمر سے برصغیر کے ممتاز دینی رسائل اور جرائد خصوصاً رسالہ ''مولوی'' اور ''پیشوا'' میں مذہبی نوعیت کے تحقیقی و علمی مقالے اور مضامین لکھتے رہے، برصغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی ایسا ماہنامہ ہوگا جس میں مولانا کی حمد، نعت اور منقبت شائع نہ ہوتی رہی ہو، ماہنامہ ''آستانہ'' دہلی میں مولانا کے نام کے علاوہ ''شاعر آستانہ'' یا ''شاعر خصوصی آستانہ'' کے نام سے برسوں ان کا کلام چھپتا رہا، ۱۳؍اگست ۱۹۷۰ء کو اذان فجر کے وقت مولانا اپنے معبود حق کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور کراچی کے کنٹری کلب روڈ کے قبرستان میں مدفون ہیں ''خزینہ بہشت'' ضیاء القادری بدایونی کا ایک ضخیم نعتیہ

دیوان ہے جو ۱۳۷۹ھ۔۱۹۵۹ء میں بزم ضیاء جوہر آباد فیڈرل بی ایریا کراچی سے شائع ہوا ہے، ''خزینۂ بہشت'' مولانا کا تیسرا نعتیہ دیوان ہے۔ اس سے پہلے ضیاء القادری کے کئی دواوین زیور طباعت سے ہم کنار ہو چکے تھے، ''تاج مضامین'' پہلا دیوان ہے جو عثمانی پریس بدایوں سے ۱۳۴۵ھ میں اور دوسرا دیوان ''تجلیات نعت'' آستانہ بک ڈپو دہلی سے، ۱۳۶۴ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ ''آثار بے خودی'' ۱۳۳۴ھ، ''مرقع شہادت'' (کربلا کے منظوم واقعات) ۱۳۵۸ھ ''نغمہ ربانی'' (میلادیہ مثنوی) ۱۹۵۷ء ''جوار غوث الوریٰ'' (بغداد و دیگر مقامات مقدسہ کا نظم و نثر میں منظوم سفر نامہ) ۱۳۷۳ھ ''نغمہ ہائے مبارک'' (سلاموں کا مجموعہ) ۱۳۶۹ھ، ''چراغ صبح جمال'' (قصائد نورانی) ۱۳۷۸ھ، ''دیار نبی'' (حج کا منظوم سفر نامی ۱۹۵۰ھ آئینہ انور'' ۱۹۶۷ء اور ''ستارہ چشت'' ۱۹۵۱ھ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا ضیاء القادری کی نثر میں بھی کئی نایاب اور اہم کتب موجود ہیں۔ ضیاء القادری بدایونی کی پوری زندگی حمد و نعت کے لیے وقف تھی جس کا اظہار ان کے اشعار میں موجود ہے۔ ضیاء القادری نے امت کی زبوں حالی و آشفتہ سامانی کا ذکر بارگاہ رسالتؐ میں اس استغاثہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔

تیز تر ہے گردش دوراں، اغثنی یا رسولؐ — زندگی ہے اب وبال جاں، اغثنی یا رسولؐ
سیرت اقدسؐ کا اپنوں میں نہیں کوئی خیال — طاق نسیاں میں ہے اب قرآں، اغثنی یا رسولؐ
دین کی تجدید اور احیا ملت کے لیے — کچھ نظر آتے نہیں ساماں، اغثنی یا رسولؐ
آپؐ ہی سے التجا ہے امت ناشاد کی — آپؐ ہیں مجموعۂ احساں، اغثنی یا رسولؐ

بہزاد لکھنوی:

دورِ جدید کے نعت گو شعرا میں بہزاد لکھنوی کو بہت نمایاں مقام حاصل ہے اور ان کا شمار ان خوش قسمت نعت گو شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی ہی میں شہرت حاصل کر لی تھی۔ بہزاد لکھنوی کی نعت گوئی اور ان کے نعت پڑھنے کے دلنشیں انداز نے پورے ملک میں گہرے اثرات مرتب کیے ہیں جس کی وجہ سے فروغ حمد و نعت میں خاطر خواہ اضافے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ان کی نعتیہ خدمات کو یاد رکھا جائے گا اور ہر آنے والا مورخ ان کی نعتیہ شاعری کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر کے اپنے نعتیہ مقالے کو تقویت پہنچاتا رہے گا۔ بہزاد لکھنوی کا پیدائشی نام سردار احمد خاں تھا۔ ان کی رہائش لکھنؤ کے وسطی

محلّہ امین آباد میں تھی۔ ان کا سال پیدائش ۱۹۰۴ء اور جائے پیدائش لکھنؤ (بھارت) ہے۔ بہزاد لکھنوی کا تعلق خانقاہ نیازیہ بریلی (بھارت) سے تھا۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد تقی عرف حضرت عزیز میاں کی نظر کیمیا اثر کا یہ فیضان تھا کہ آپ کا دل ہمیشہ عشق رسولؐ میں سرشار رہتا تھا۔ مسلسل دینی و مذہبی زندگی بسر کرنے کے بعد سرشت میں داخل اور خمیر میں گندھے ہوئے عشقِ رسول ﷺ نے کہیں بھی چین نہ لینے دیا اور بالآخر بہزادؔ لکھنوی نعت کے لیے وقف ہو کر رہ گئے، تب کہیں ان کی بے قراریوں کو قرار اور بے ثباتیوں کو ثبات آیا۔ بہزادؔ لکھنوی نے آخری سانسوں تک نعت گوئی و نعت خوانی کو حرز جان بنائے رکھا اور آخر ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کو حمد و نعت کے نغمے بکھیرنے والا یہ عظیم نعت گو کراچی میں خاموش ہو گیا۔ سخی حسن (کراچی) کا قبرستان اس عاشق رسول ﷺ کی آخری آرام گاہ ہے۔ بہزادؔ لکھنوی کے متعدد نعتیہ مجموعہ کلام شائع ہوئے جس میں ''آہِ ناتمام''، ''ثنائے حبیبؐ''، ''کفر و ایماں''، ''مصحف بہزادؔ''، ''نقش بہزادؔ''، ''کیف و سرور''، ''موج طور'' وغیرہ کافی مقبول ہوئے جب کہ ''کفر و ایمان'' ۱۹۴۸ء میں لاہور سے اور ''درمانِ غم''، ''ذکر حضورؐ''، نغمۂ روح'' اور ''کرم بالائے کرم'' کراچی سے شائع ہوئے بہزادؔ کے نعتیہ کلام کے چند اشعار دیکھیے :

مدینہ دل و روح و جاں، لے کے جاؤں ... محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں
جو سرگرم رہتی ہے ان کی ثناء میں ... وہ فکرِ سخن، وہ زباں لے کے جاؤں
''محمدؐ محمدؐ'' ہو ، ہونٹوں پہ میرے ... میں ایماں کی گل کاریاں، لے کے جاؤں
جو تڑپا رہا ہے مری زندگی کو ... وہی دل کا درد نہاں لے کے جاؤں

منور بدایونی:

خاک بدایوں سے منور بدایونی کو پیدائشی نسبت کا شرف حاصل ہے ان کا پیدائشی نام ثقلین احمد تھا، منور بدایونی، صدیقی رحمانی کے والد حکیم حسین احمد مورخ بدایونی، معروف شاعر اور فن تاریخ گوئی میں بہت شہرت کے حامل تھے، موصوف نے شعر و ادب کے گہوارے میں آنکھ کھولی، حضرت امیر مینائی علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ میں ایک نمایاں نام عیش مینائی بدایونی کا بھی آتا ہے، ان سے منور بدایونی کی نسبت تلمذ حاصل تھا بعد میں عبدالجامع

جامیؔ بدایونی سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کے بعد کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی، آخری وقت تک شعبۂ نعت سے منسلک رہے، ۱۶؍اپریل ۱۹۸۴ء کو کراچی میں وصال ہوا، پہلے غزلیں بھی لکھیں مگر بعد میں اپنے کو حمد ونعت، سلام ومنقبت کے لیے وقف کر دیا تھا، ''منور نعتیں'' منور بدایونی کا نعتیہ کلام ہے ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کوئی قریب کی بات ہے
جسے چاہے اس کو نواز دے یہ درِ حبیبؐ کی بات ہے
جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
وہؐ خدا نہیں بہ خدا نہیں وہ، مگر خدا سے جدا نہیں
وہؐ ہیں کیا؟ مگر وہ ہیں کیا نہیں؟ یہ محبّ حبیبؐ کی بات ہے

ماہر القادری:

محمد معشوق علی ظریفؔ کے صاحبزادے کا پیدائشی نام منظور حسین ہے جب کہ وہ شعری دنیا میں مولانا ماہر القادری کے حوالے سے مقبول ہیں، منظور حسین کے تاریخی عدد ۱۳۲۶ھ ہوتے ہیں اور یہی ماہر القادری کا سنہ پیدائش ہے، جب کہ جائے پیدائش کیسر کلاں ضلع بلند شہر (بھارت) ہے اور یہی ان کا آبائی وطن تھا، ماہر القادری اہم نعت گو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آزادیٔ ہند کے بعد یکم نومبر ۱۹۴۷ء میں کراچی کو اپنا مستقر بنایا، ماہر القادری کی گھٹی میں نعت رسولؐ کا ذوق وشوق شامل تھا۔ ان کے والد مرحوم ''ظریف'' تخلص کرتے تھے۔ ابتدا میں عاشقانہ غزلیں کہیں مگر پھر آخری عمر تک حمد ونعت کہتے رہے۔ ماہر القادری نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہ حمد ونعت سے آراستہ تھا، ماہر القادری نے اپنی شاعری کا آغاز حمد ونعت سے کیا۔ عاشقانہ غزلیں بھی کہیں، فلمی دنیا سے بھی تعلق رہا، مگر اصل رشتہ ان کا حمد ونعت سے ہی رہا، ۱۹۵۴ء میں روضۂ مبارک پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا، ماہر القادری ۱۲؍مئی ۱۹۷۸ء کو سعودی عرب جدہ مشاعرے میں شریک تھے کہ انھیں دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ رہ سکے، جنت معلیٰ میں ان کا مدفن ہے۔ مولانا ماہر القادری کے کئی مجموعے ''کلام فردوس''، ''نغمات ماہر'' شائع ہو چکے ہیں جس میں چند نعتوں کے علاوہ غزلیں، رباعیاں اور نظمیں شامل ہیں، جب کہ

''ظہور قدسی'' کے نام سے ان کی میلادیہ نظم التوحید کراچی سے شائع ہو چکی ہے، ''ذکر جمیل'' ماہر القادری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جو سب سے پہلے اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن سے ۱۲۸ صفحات پر مشمول شائع ہوا بعد ازاں ''ذکر جمیل'' ۱۹۸۹ء میں لاہور سے بھی شائع ہو چکا ہے، مولانا کی نعتوں کے علاوہ مولانا کے لکھے ہوئے سلام کو بھی بہت شہرت حاصل ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت تھی
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت تھی

ستاؔر وارثی بریلی:

ستار وارثی کا نام عبدالستار خاں تھا، ۱۹۲۴ء میں روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی (بھارت) میں جمعۃ المبارکہ کے روز پیدا ہوئے۔ وارث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے خادم اور فقیر کامل حضرت فیضو شاہ وارثی کے توسط سے ستاؔر وارثی کو بھی نسبت سرکار وارثیہ حاصل ہے۔ ان کے والد حضرت عبدالغفار خان ''دیوانہ شاہ وارثی'' کا شمار سلسلہ وارثیہ کے صاحب کشف وکرامات بزرگوں میں ہوتا ہے۔ اسلامی تقویم کے حساب سے عمر کے ۶۳ ویں برس ان کا وصال ۱۵/ جمادی الثانی بروز جمعۃ المبارک مطابق ۸/ مارچ ۱۹۸۵ء کو بعد نماز عصر ہوا، کراچی کی قومی شاہراہ کے کنارے شاہ فیصل کالونی کے قبرستان میں مدفون ہیں ''آیۂ رحمت'' ستار وارثی کا سلسلہ اشاعت کے اعتبار سے پہلا نعتیہ شعری مجموعہ ہے ''معطر معطر'' (دوسرا نعتیہ مجموعہ کلام ۱۹۸۶ء ''عرفان وارث'' (حاجی وارثؒ کے مناقب) ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکے ہیں، جب کہ شہزاد احمد نے ''منتخب نعتیں'' کے عنوان سے ستار وارثی کا ایک نعتیہ انتخاب ترتیب دیا ہے جس میں ان کی مقبول ومعروف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نعتیں شامل

ہیں ستار وارثی بریلوی کی نعت کے اشعار دیکھیے۔

تم نے چمکا دیا قسمت کا ستارا آقاؐ — سارا عالم مجھے کہتا ہے تمھارا آقاؐ
مل گیا جب سے غم عشق تمھارا آقاؐ — ہو گیا میرا ہر اک غم سے کنارا آقاؐ
ناز جتنا بھی نہ ہو کم ہے مجھے قسمت پر — لطف فرما ہے جو ستاؔر وہ پیارا آقاؐ

عارفؔ اکبرآبادی:

حافظ محمد یوسف خاں المعروف عارفؔ رئیسی اکبرآبادی (مرحوم) ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تحصیل جلیسر ضلع ایٹہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ بعد میں آپ کے اہل خانہ نے اکبرآباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کرلی، عارف اکبرآبادی سن بلوغ کی دہلیز پر بھی نہیں پہنچے تھے کہ ایک ناگہانی و دائمی مصیبت چیچک نے آپ کی بینائی کو آنکھوں سے ہمیشہ کے لیے دور کردیا۔ تقریباً تین سال جنونی انداز میں گزرے، جب آپ کے حواس درست ہوئے تو آپ نے حضرت مولوی محمد نعمان سے باقاعدہ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اسی دوران قرآن کریم کو بھی اپنے سینے میں محفوظ کرلیا، علم الحکمت آپ کی عبادت اور ذریعہ معاش تھا جس سے ہمیشہ خلق خدا کی بلاتخصیص و امتیاز خدمت کی، عارف اکبرآبادی نے ۱۷/اگست ۱۹۸۷ء میں بعارضہ فالج اپنی جان مالک حقیقی و ابدی کے سپرد کردی، اور حیدرآباد سندھ میں ہمیشہ کے لیے پیوند خاک ہوگئے۔ ''فردوس آرزو'' عارفؔ اکبرآبادی کا مجموعہ کلام۔ جو ستمبر ۱۹۹۱ء میں بزم جمیل (عارفی قبیلہ) حیدرآباد اور ''حرا'' ایجوکیشنل اکیڈمی کراچی کے تعاون سے شائع ہوا ہے اس کے کل ۹۶ صفحات ہیں۔ عارفؔ اکبرآبادی کی نعت کے چند شعر دیکھیے۔

نبیؐ کی یاد میں یوں رت جگا ہوا — زباں خاموش ہو، دل بولتا ہوا
زباں پر ذکر محبوبؐ خدا ہو — یہ دریا ہو، مگر ٹھہرا ہوا ہو!
علاج اس درد کے مارے کا کیا ہو؟ — جو جنت میں مدینہ ڈھونڈتا ہو!
عطا کر مجھ کو اے ساقئ کوثر — وہ اک قطرہ جو قلزم آشنا ہو!

شفیقؔ اکبرآبادی:

شفیقؔ اکبرآبادی ۸/اکتوبر ۱۹۰۹ء میں آگرہ یوپی) بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان

کے والد حافظ امیر بخش ابوالعلائی مشہور صنعت کار ہونے کے علاوہ علم دوست اور صوفی منش انسان تھے۔ان کی تربیت نے شفیقؔ کو بھی اسم بامسمی بنا دیا۔

اکبر آباد کے مشہور بزرگ اور صوفی شاعر حضرت نثارؔ اکبر آبادی سے شفیقؔ اکبر آبادی بہت متاثر تھے۔لہٰذا ان کے ایک شاگرد رشیدؔ اکبر آبادی سے فیض تلمذ حاصل کیا اور اصناف سخن میں اپنی روانیٔ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ان کی نعت کا انداز دیکھیے۔

مجھے دنیا پکار اٹھی ہے دیوانہ محمدؐ کا	اسی عالم میں دل بن جائے کاشانہ محمدؐ کا
کہیں بن کر اویس آئے کہیں بن کر بلالؓ آئے	خوشا قسمت جسے مل جائے میخانہ محمدؐ کا
پیادہ حج بیت اللہ کو جانا تو آساں ہے	مدینہ سر کے بل جاتا ہے دیوانہ محمدؐ کا
شفیقؔ اپنے مرشد کی ہستی درسِ عبرت ہے	خدا سے باخبر رہتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

تابشؔ دہلوی:

اصل نام سید مسعود الحسن ہے۔شعری دنیا میں تابشؔ دہلوی کے نام سے مقبول ہیں۔۹ر نومبر ۱۹۱۱ء میں دہلی (بھارت) میں پیدا ہوئے، تعلیم بی اے ہے، آل انڈیا ریڈیو پاکستان سے منسلک رہے۔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اب تک غزل کے تین مجموعہ کلام اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔تابش دہلوی کے اشعار دیکھیے۔

شوق طیبہ میں جو گھر سے چلیے	پاؤں تھک جائیں، تو سر سے چلیے
شوق کا ہے یہ تقاضہ کہ یہاں	روح کے جذب و اثر سے چلیے
یہ زمیں کوئے نبیؐ ہے ''تابشؔ''	اس جگہ پائے نظر سے چلیے
صبح کعبہ کے لیے اے ''تابشؔ''	نعت پڑھتے ہوئے گھر سے چلیے

اقبالؔ عظیم:

اقبالؔ عظیم کی پیدائش ۸ر جولائی ۱۹۱۳ کو میرٹھ یوپی (بھارت) میں ہوئی جب کہ ان کا آبائی وطن ایٹہ ضلع سہارنپور ہے۔لکھنؤ اور اودھ کی گلیاں تربیتی ماحول کا حصہ تھیں درس و تدریس کے شعبہ سے تعلق رہا۔''قاب قوسین'' اقبالؔ عظیم کی نعتوں کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ اپریل ۱۹۸۴ء میں اس کی اشاعت دوم ہوئی تھی، ''لب کشا'' ۱۹۸۷ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔اقبالؔ عظیم بصارت سے محروم ہیں جس کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں موجود

ہے۔ان کی نعتوں کے اشعار دیکھیے ۔

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ ، نم دیدہ
جبیں، افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

مدینے جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

بصارت کھوگئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ ہم نے دیکھا ہے، مگر نادیدہ نادیدہ

اقبال صفی پوری:

شاہ جمال احمد خلیلی کے فرزند کو شعر و سخن کے دبستان میں اقبال صفی پوری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ان کا پیدائشی نام اقبال احمد خلیلی ہے ۔ یہ ۱۹۱۶ء میں قصبہ صفی پور، ضلع اناؤ، یوپی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔اقبال صفی پوری کے نعتیہ مجموعہ کلام کا نام ''رحمت لقب'' ہے ان کی نعتوں کے شعر دیکھیے ۔

ادھر ڈھونڈتی ہے، ادھر ڈھونڈتی ہے
مدینے کو میری نظر ڈھونڈتی ہے

وہ ہے خواب گاہ شہِ ہر دو عالم
دعا کو جہاں خود اثر ڈھونڈتی ہے

بلائیں گے اقبال اک دن وہ در پر
جنھیں مدتوں سے نظر ڈھونڈتی ہے

فدا خالدی دہلوی:

فدا خالدی دہلوی کا شمار معروف استادوں میں ہوتا ہے۔فدؔا خالدی نواب مرزا داغ دہلوی کے تلمیذ ارشد حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔رباعیات،غزلیات اور نظموں کا ایک ایک دیوان طبع ہو چکا ہے۔''م'' فدا خالدی کا نعتیہ مجموعۂ کام ہے۔فدا خالدی کا نعتیہ انداز دیکھیے ۔

غم عشقِ نبیؐ ہے اور میں ہوں
حیات دائمی ہے اور میں ہوں

نظر محو جمالِ مصطفیٰ ہے
مسلسل بے خودی ہے اور میں ہوں

نظر ہے ساقئ کوثر کی جانب
مکمل آگہی ہے اور میں ہوں

''فدا'' ہیں گنبدِ خضرا پہ نظریں
تجلی طور کی ہے اور میں ہوں

راغبؔ مرادآبادی:

اصل نام سید اصغر حسین اور راغبؔ مرادآبادی قلمی نام ہے ۲۷/ مارچ ۱۹۱۸ء کو دہلی

(بھارت) میں پیدا ہوئے آبائی وطن ضلع مراد آباد، یوپی (بھارت) ہے۔اسی وجہ سے اپنے تخلص راغبؔ کے ساتھ مراد آبادی لکھتے ہیں، ''خیر البشرؐ'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں پہلا نعتیہ مجموعہ شائع ہوا، اس کتاب میں نواب مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی غزلوں کی زمینوں میں ۶۳ نعتیں، ۴ رباعیات اور ایک قطعہ موجود ہے۔نعتیہ اشعار ''مدحت خیر البشرؐ'' ۱۹۷۶ء ''بدر الدجیٰ'' ۱۹۹۱ء میں شائع ہو چکے ہیں ہم صرف ''مدحت خیر البشرؐ'' سے چند اشعار بطور نمونہ پیش کررہے ہیں ان اشعار سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ غالبؔ کی جدت پسندی اور ندرت آفرینی کو کس طرح راغبؔ مراد آبادی کی فکر جدت طبع نے نعت کا جامہ پہنایا ہے۔

مدحتِ خیر البشرؐ اعجاز ہے تحریر کا　　یہ بھی اک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا
جو بہر انداز ہوں شایانِ شان مصطفیٰؐ　　لفظ ایسے ڈھونڈنا، لانا ہے جوئے شیر کا
دل میں حبّ سرورکون ومکاں کا در کھلا　　زندگی کا راز سربستہ تو اب مجھ پر کھلا

جمیلؔ عظیم آبادی:

جمیلؔ عظیم آبادی کا پیدائشی نام جمیل احسن اور قلمی نام جمیلؔ عظیم آبادی ہے۔ جائے پیدائش عظیم آباد، بہار (بھارت) اور سال پیدائش ۱۹۲۴ء ہے۔تعلیم پٹنہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن سے ۱۹۸۴ء میں ریٹائرمنٹ لیا، غزل کے شاعر ہیں، ''وحدت ومدحت'' جمیلؔ عظیم آبادی کا حمدیہ ونعتیہ کلام ہے۔جمیلؔ عظیم آبادی کی نعت کے چند شعر دیکھیے۔

یہ قمر یہ شمس یہ کہکشاں، یہ نسیم صبح ، یہ گلستاں
ہیں تراشے جس نے یہ آئینے، اسی شیشہ گر کی تلاش ہے
مجھے بات اس کی بتا سکے، مجھے راہ اس کی دکھا سکے
مجھے اپنی منزل شوق میں اسی راہبر کی تلاش ہے
ہے جمیلؔ ہر سو وہ بے گماں، مری آنکھ سے ہے مگر نہاں
اسے دیکھ لے جو حجاب میں، مجھے اس نظر کی تلاش ہے

حنیفؔ اسعدی:

حنیفؔ اسعدی کا اصل نام حنیف اسعدی ہے۔ ان کی ولادت یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو

شاہجہاپور یوپی (بھارت) میں ہوئی۔ حنیف اسعدی کو شاعری وراثت میں ملی ہے، ان کی شاعری کا آغاز غزل سے ہوا، نیوی میں ملازم تھے، وہاں سے ریٹائر ہوئے تو ہومیو پیتھک کے مسیحا بن کر دوا کے ساتھ دعا بھی تقسیم کر رہے ہیں۔ حنیف اسعدی نعتیہ شاعری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''تو، تم اور تیرا'' کو ناپسند کرتے ہیں۔ ''ذکر خیر الانامؐ'' ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا، حنیف اسعدی کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

گماں تھے ایسے کہ آثار تک یقیں کے نہ تھے
حضورؐ آپ نہ ہوتے تو ہم کہیں کے نہ تھے

کوئی نبیؐ نہیں میرے نبیؐ کا ہم پایہ
تمام عہد کسی بھی صد آفریں کے نہ تھے

خدا سے بندے کا رشتہ ہے، پیروی ان کی
جو اس حصار سے نکلے وہ پھر کہیں کے نہ تھے

سکندر لکھنوی:

سکندر لکھنوی ایک زود گو شاعر ہیں، عرصہ دراز سے نعت گوئی کے باب میں اضافے کر رہے ہیں۔ نعتوں کے کئی مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں۔ کراچی کے نعت گو شعرا میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، چند مطبوعہ مجموعوں میں ''تسکینِ روح''، ''سحاب رحمت''، ''ممدوح کائنات''، ''سفینۂ دل''، ''سراجاً''، ''منیرا''، ''قاسم خلد''، ''امام القبلتین''، ''سید المرسلینؐ''، ''نعت حبیبؐ''، ''گلستان ثنا''، ''مختار کونین'' شامل ہیں۔ سکندر لکھنوی کی نعتوں کے چند اشعار لاحظہ ہوں۔

جو عشق نبیؐ کے جلووں کو سینوں میں بسایا کرتے ہیں
اللہ کی رحمت کے بادل ان لوگوں پہ سایا کرتے ہیں
جب اپنے غلاموں کی آقاؐ تقدیر بنایا کرتے ہیں
جنت کی سند دینے کے لیے روضے پہ بلایا کرتے ہیں
مخلوق کی بگڑی بنتی ہے خالق کو بھی پیار آجاتا ہے
جب بہر دعا محبوب خدا ہاتھوں کو اٹھایا کرتے ہیں
ہے شغل ہمارا شام و سحر اور ناز سکندر قسمت پر
محفل میں رسول اکرمؐ کے ہم نعت سنایا کرتے ہیں

لطیف اثر:

لطیف اثر ۱۵/دسمبر ۱۹۲۲ء کو کانپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ لطیف اثر کا تعلق لکھنؤ

اور قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی، یوپی (بھارت) سے ہے۔ لیکن ان کے والد بغرض ملازمت کانپور آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۳۶ء سے باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز کیا۔ حضرت شاہ ابو محمد علامہ ثاقبؔ کانپوری سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ''صحیفۂ حمد'' لطیفؔ اثر کے حمدیہ کلام کا مجموعہ ہے جس میں انھوں نے اللہ رب العزت کے ۹۹ صفاتی اسمائے حسنیٰ کو شعری آہنگ دیا ہے۔ لطیفؔ اثر کی دیگر کتب حمد و نعت اشاعت پذیر ہو چکی ہیں، جن میں ''صحیفۂ نعت'' (نعتیہ کلام) صحیفۂ ذات (حمدیہ کلام) اور ''صحیفۂ نور'' ۱۹۹۲ء شامل ہیں۔ ان کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

گلشن زیست جن پہ ناز کرے — سو بہاروں کی وہ بہار بشیر
خوف ہو کیوں ''اثرؔ'' کو محشر کا — آپؐ کا جب ہو آسرا عاقب

محشرؔ بدایونی:

فاروق احمد کو شعر و سخن کے میدان میں محشرؔ بدایونی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ۴؍ مئی ۱۹۲۶ء کو بدایوں (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ پیشہ ملازمت ہے، بنیادی طور پر غزل کہتے ہیں کئی غزلیہ مجموعہ کلام طبع ہو چکے ہیں ''حروفِ ثنا'' محشرؔ بدایونی کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے جس میں حمد و نعت، نعتیہ نظمیں، نعتیہ مسدس اور مناقب شامل ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جو درِ شاہؐ دیں سے ملتا ہے — وہ سکوں کب کہیں سے ملتا ہے
کوئی بھی جستجو ہو، کوئی لگن — ذوقِ منزل وہیں سے ملتا ہے
دل کو عرفان ذات ختم رسلؐ — انتہائے یقیں سے ملتا ہے
کیا کہیں کس قدر سکوں محشرؔ — ذکرِ سلطانِؐ دیں سے ملتا ہے

سرشارؔ صدیقی:

سرشار صدیقی دسمبر ۱۹۲۶ء کو کانپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مئی ۱۹۵۰ء میں ترک وطن کر کے کراچی میں آباد ہو گئے۔ تصنیف و تالیف شعر گوئی اور اشتہار سازی کی مصروفیات میں زندگی گزری۔ موصوف بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ''اساس'' سرشار صدیقی کے نعتیہ شعری مجموعے کا نام ہے۔ ''اساس'' میں حمد و نعت، مناقب سب کچھ موجود ہے۔ اس میں زیادہ تر آزاد نظمیں شامل ہیں۔

جمالِ گنبدِ خضرا ہے میرے پیش نظر — دعائیں مانگ کے بیٹھا ہوں میں طواف کے بعد

مدینے والے سے سب کچھ بتا دیا میں نے — بہت سکون ہے گناہوں کے اعتراف کے بعد

قمرؔ انجم:

قمرالدین احمد نام اور قمر انجم قلمی نام ہے۔ ۱۹۲۶ء میں ہجرت کے بعد کراچی کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔ فن شاعری میں وقار صدیقی اجمیری (مرحوم) کے شاگرد ہیں۔ ''حسنت جمیع خصالہ'' قمرؔ انجم کے نعتیہ مجموعہ کا نام ہے، ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' یہ دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے۔ ابھی تک غیر طبع ہے۔ قمر انجم کی نعتوں کے کچھ شعر دیکھیے۔

جبیں میری ہو، سنگ در تمھارا یا رسول اللہ یہی ہے اک جینے کا سہارا یا رسولؐ

ندامت ہے خطاؤں پر مگر نازاں ہوں قسمت پر، مرے ہاتھوں میں ہے دامن تمھارا یا رسولؐ

ادیب رائے پوری:

حکیم سید یعقوب علی کے چھوٹے پسر کو ''ادیب رائے پوری کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ ان کا پیدائشی نام سید حسین علی ہے ۱۹۲۸ میں رائے پور ایم پی (بھارت) میں پیدا ہوئے ۱۳/اگست ۱۹۴۷ء کی رات ہندستان سے کراچی پہنچے اور پہلے جشن آزادی میں شرکت کی۔ ''اس قدم کے نشان'' ادیبؔ رائے پوری کا سب سے پہلا نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے، ''تصویر کمال محبت'' دوسرا مجموعۂ کلام ہے جب کہ ''مدارج النعت'' کے نام سے ۱۹۸۶ء میں ان کی ایک فکری تصنیف شائع ہو چکی ہے۔ ''مشکوٰۃ النعت'' کے نام سے بھی عربی نعتیہ شاعری پر ایک کتاب رقم کی ہے۔ یہ کتاب اور ''تنویر جمال خدائی'' (تیسرا نعتیہ مجموعہ کلام) ابھی تشنۂ طبع ہے۔

سو آپؐ کے ذکر سے آغاز کیا ہے میں نے — آپؐ کا ذکر ہوا انجام رسول عربیؐ

خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفیٰ نہ کرے — ہمارے منہ میں ہو ایسی زبان خدا نہ کرے

در رسولؐ پہ ایسا کبھی نہیں دیکھا — کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے

مسرورؔ کیفی:

حاجی عبدالرحمٰن زکریا کے صاحبزادے صالح محمد کو ''مسرورؔ کیفی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کراچی میں ۲۸/فروری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے، ۱۹۴۸ء سے ادبی زندگی کا آغاز بچوں کی نظمیں لکھ کر کیا۔ ''چراغ حرا''، ''جمالِ حرام''، ''مولائے کل''، ''نور یزداں''، ''میزاب رحمت''

''ہالۂ نور''، ''سید الکونین''، ''مرحبا''، ''سجدۂ حرف''، ''ہالۂ نور مرحبا'' دو علاحدہ کتابچے ہیں جو بسبب حاضری ترتیب دیے گئے تھے، ''چراغِ حرا'' مسرورؔ کیفی کا سب سے پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ہے، مسرورؔ کیفی کی نعتوں کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

مہکائے ہوئے دل میں گلستانِ محمدؐ — رہتے ہیں سدا شاد فدایان محمدؐ
کیا کیا نہ تراشے گئے الفاظ کے پیکر — ہوتی ہے مگر کس سے بیاں شان محمدؐ
ہم پر حضور! یوں ہی نظر آپ کی رہے — جیسے بنی ہوئی ہے ہماری بنی رہے
سیراب ہو نہ جاؤں میں جلووں سے آپ کے — جب تک مری حیات رہے تشنگی رہے

سہیلؔ غازی پوری:

نام سہیل احمد خاں، تخلص سہیلؔ مولد غازی پور یوپی (بھارت) اور تاریخ پیدائش ۳۰ر جون ۱۹۳۴ء تعلیم بی اے ہے اور پاکستان کسٹم کراچی سے منسلک ہیں۔ غزلوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، تیسرا مجموعہ کلام ''شہر علم'' نعتیہ ہے، سہیلؔ غازی پوری کے نعتیہ شعر دیکھیے۔

جب کبھی شہر مدینہ سے گزرنا چاہوں — ہو کے تحلیل فضاؤں میں بکھرنا چاہوں
جن کی خوشبو سے معطر ہو گلستانِ حیات — اپنے دامن کو انھیں پھولوں سے بھرنا چاہوں
ذہن میں رکھ کے اسی خضرِ دو عالم کے نقوش — میں بھی اک نقشِ کف پا سا ابھرنا چاہوں

اعجاز رحمانی:

سید اعجاز رحمانی المعروف ''اعجاز رحمانی'' ۱۶ر فروری ۱۹۳۶ء کو علی گڑھ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں ہجرت کے بعد میر پور خاص کو عارضی مسکن بنایا، بعد ازاں کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ غزلیں بھی کہتے ہیں۔ استاد قمر جلالوی سے تلمذ حاصل تھا، ''اعجاز مصطفیٰ'' رحمانی کا پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ ''پہلی کرن، آخری روشنی'' اعجاز رحمانی کا دوسرا نعتیہ مجموعہ کلام ہے، جو ۱۹۸۲ء میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۷ء میں اعجاز رحمانی کا ''افکار کی خوشبو'' بھی شائع ہو چکا ہے، جس میں احادیث کو منظوم کیا گیا ہے۔ چند شعر دیکھیے۔

اس بزم ہست و بود کا حاصل حضورؐ ہیں — یہ کائنات جسم ہے اور دل حضورؐ ہیں
ہوتی رہے گی بارشِ انوار دہر پر — اس انجمن میں رونق محفل حضورؐ ہیں

سچائیوں کی آخری منزل حضورؐ ہیں ہیں منسلک انھیں سے بھلائی کے راستے
یہ جان کر بھی رحمت، کامل حضورؐ ہیں اعجاز لازمی ہے عمل کا محاسبہ

ریاض سہروردی:

مفتی سید محمد جلال الدین چشتی سراجی کاشمیری کے فرزند کو مولانا سید ریاض الدین سہروردی کے نام سے جانا جاتا ہے، جب کہ شاعری میں ریاضؔ تخلص کرتے ہیں۔ ابتدا میں اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے، بعد میں ماسٹر روش دین علی (مرحوم) ایم اے او کالج امرتسر سے تلمذ حاصل رہا ہے۔ دیوان ریاض سہروردی کا نعتیہ دیوان ہے، چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

جو بھکاری ہے آپؐ کے در کا وہ شہنشاہ ہے مقدر کا
عرش والے طواف کرتے ہیں سیدؐ کائنات کے گھر کا

ہیں حضور مظہر ذات حق یہ بڑے کمال کی بات ہے
وہ بھی نور ہے، یہ بھی نور ہے، یہ عجب جمال کی بات ہے
ملی جس کو نسبت مصطفیؐ تو درود اس پر پڑھا گیا
یہ ہے اک حقیقت نما یہ حق نبیؐ کے آل کی بات ہے

خالدؔ محمود نقشبندی:

خالد محمود مجددی کا شمار نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ''قدم قدم سجدے'' خالدؔ محمود نقشبندی کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے، واضح رہے کہ خالدؔ محمود کا پہلا نعتیہ مجموعہ ''قرار جاں'' کے نام سے ۱۹۷۴ء میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اس کی تمام تر نعتیں بھی ''قدم قدم سجدے'' میں موجود ہیں، ان کی نعتوں کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا، نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
کسی کا احسان کیوں اٹھائیں، کسی کو حالات کیوں بتائیں
تمھیں سے مانگیں گے، تم ہی دو گے، تمھارے در سے ہی لو لگی ہے
تجلیوں کے کفیل تم ہو، مرادِ قلبِ خلیل تم ہو
خدا کی روشن دلیل تم ہو، یہ سب تمھاری ہی روشنی ہے

کلاؔم رضوی:

رفیق احمد کا تخلص ''کلاؔم'' ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کے سلسلۂ رضویہ میں مفتی محمد حسین قادری رضوی (شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ غوثیہ رضویہ سکھر) سے بیعت ہونے کی وجہ سے کلاؔم رضوی کہلاتے ہیں۔ رفیق احمد کلاؔم رضوی قیام پاکستان سے قبل ایک ناخواندہ خاندان (بھارت) میں یوپی کے ضلع پیلی بھیت کے قصبہ بیسل پور میں پیدا ہوئے، شاعری میں اولاً ان کو ابوالعظمت منشی رحمت بریلوی مرحوم اور بعد میں رئیس امروہوی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا، ''یارسولؐ'' رفیق احمد کلاؔم رضوی کا نعتیہ کلام ہے۔ نعت کے دو بند دیکھیے۔

ابر لطف و عنایت پہ لاکھوں سلام　　منبع نورِ نکہت پہ لاکھوں سلام
دافع رنج و آفت پہ لاکھوں سلام　　''مصطفیٰؐ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام''

ختم ہو نفسی نفسی کا جب سلسلہ　　جب ہو پیشِ نظر جلوۂ مصطفیٰؐ
کاش ہو یہ کلاؔم حرم ہم نوا　　جب کہ خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
''مصطفیٰؐ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''

سعیؔد وارثی:

محمد سعیؔد وارثی ادب میں سعیؔد وارثی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے والد حضرت ستاؔر وارثی بریلوی کراچی کے معروف نعت گوشعرا میں شامل ہیں۔ سعید وارثی کی پیدائش ۲۴ر جنوری ۱۹۴۶ء اور جائے پیدائش گلاب نگر، بریلی (بھارت) ہے۔

سعیؔد وارثی اپنے والد گرامی کے اصلاح یافتہ ہیں۔ نعت گوئی سعید وارثی کا ''ورثہ'' ہے جب کہ غزل بھی خوب کہتے ہیں۔ ''ورثہ'' یہ سعیؔد وارثی کا نعتیہ دیوان ہے۔ سعیؔد وارثی کے نعتیہ آہنگ کو ملاحظہ کیجیے۔

دولتِ دید میں بن جائیں نہ پتھر آنکھیں　　وارؔثی مدحتِ سرکارؐ مرا ورثہ ہے
نظر ہے سوئے حرم دل آرزوئے رسولؐ　　کہاں سے کیجیے آغاز جستجوئے رسولؐ
جبیں پہ اپنی سجالوں تو آسماں جھک جائے　　خدا کرے مجھے مل جائے خاکِ کوئے رسولؐ

قمر وارثی:

ارشاد حسین نام اور قمر وارثی تخلص ہے ۵؍جنوری ۱۹۵۰ء کو فرخ آباد، یوپی (بھارت) میں وارثیوں کے گھر میں آنکھ کھولی۔ ۱۹۵۲ء میں ہجرت کر کے کراچی، سکھر اور پھر کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ ۱۹۶۵ء میں قومی نغمے لکھ کر شاعری کا آغاز کیا۔ پہلے رئیس امروہوی (مرحوم) اور بعد میں رشید انجم سے شرف تلمذ حاصل کیا، غزل بھی کہتے ہیں۔ مگر وارثی ہونے کے ناطے اپنے طرۂ خاص یعنی ''نعت گوئی'' کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ''شمس الضحیٰ'' قمر وارثی کا نعتیہ کلام ہے۔ ان کے نعتیہ شعر دیکھیے۔

حضورؐ اپنے غلاموں کو یاد رکھتے ہیں اس اعتقاد پہ ہم اعتماد رکھتے ہیں
یہ آرزو ہے کہ جا کر در نبیؐ پہ کھلے کہ میرے قلب و نظر کیا مراد رکھتے ہیں
ہزار غم ہوں، مگر دل کو شاد رکھتے ہیں عجیب غم ہے غم مصطفیؐ کہ ہم جیسے

یامین وارثی:

محمد یامین وارثی نام، یامین تخلص اور نسبت وارثی ہے۔ یامین وارثی نے محفل سماع اور درود وسلام کی گونج میں آنکھ کھولی۔ ان کی جائے پیدائش لانڈھی (کراچی) ہے اور سال پیدائش ۱۹۶۳ء ہے، ڈاکٹر بیتاب نظیری مظفرنگری (مرحوم) سے اصلاح لیتے تھے۔ یامین وارثی کے مرتب کردہ متعدد نعتیہ انتخاب بہت شہرت کے حامل ہیں۔ جن کے صرف نام اور سال اشاعت درج کیے جا رہے ہیں، واضح رہے کہ ''یامین وارثی'' ''امی لقب'' کے نام سے اپنا نیا نعتیہ مجموعہ کلام بھی ترتیب دے رہے ہیں۔ یامین وارثی کے مرتب کردہ نعتیہ انتخاب ''نعت مصطفیؐ''، ''تنویر مصطفیؐ''، ''شان مصطفیؐ''، ''نور مصطفیؐ''، ''عشق مصطفیؐ'' کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں ''منبع انوار'' یامین وارثی کے نعتیہ کلام کا نام ہے، نعت کے چند اشعار دیکھیے:

تیرا ذکر ہے عبادت تری یاد بندگی ہے تو متاع زندگی ہے مرے دل کو کیا کمی ہے
ہے کرم سبھی پہ تیرا تری بندہ پروری ہے تو ہی مرشد یگانہ تو ہی نازش زمانہ
اسی در کو دیکھتا ہوں اسی در سے لو لگی ہے میری آرزو یہی ہے اسی در پہ جاؤں ''یامین''

صبیح رحمانی:

نام سید صبیح الدین اور صبیح رحمانی تخلص ہے، ۲۷؍جون ۱۹۶۵ء کو فردوس کالونی، کراچی میں

پیدا ہوئے، آپ نے محافل نعت میں بحیثیت نعت خواں اپنے ذوق وشوق کا آغاز کیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن سے وابستہ ہیں۔ ''ماہ طیبہ'' صبیح رحمانی کے نعتیہ دیوان کا نام ہے۔

حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہوجائے سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے
میں صرف دیکھ لوں اک بار صبحِ طیبہ کو بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہوجائے

پنجاب میں اردو نعت

پنجاب، نعتیہ شاعری میں، سدا سے امتیازی مقام کا حامل رہا ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ پنجاب پر حملہ آور مسلمانوں میں سے اکثر کا مقصد ہندوستان میں اسلامی اقتدار کو مستحکم کرنا تھا۔ مسلم فاتحوں کے ساتھ ساتھ مسلم صوفیاء کا بھی پنجابی زبان کے استحکام میں خاصا ہاتھ رہا ہے۔ پنجابی زبان کی ترویج میں صوفیائے کرام وعلمائے عظام کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس دور میں بابا فریدالدین گنج شکر، حاجی بابا رتن، گرونانک، عبدی کودھن، عبداللہ لاہوری، شاہ حسین، نوشہ گنج بخش، حافظ برخوردار، سلطان باہو، پیر محمد کاسی اور شاہ مراد کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، جن کا تھوڑا بہت کلام دستبرد زمانہ سے محفوظ رہا ہے۔

بابا فریدالدین تیرہویں صدی کے بزرگ ہیں، جب کہ پیر محمد کلبی کا سال وفات ۱۶۸۱ء ہے اسی طرح یہ سلسلہ پانچ چھ سو سال کے عرصے کو محیط ہے، پنجابی ادب کے سیاق وسباق میں اس دور کے کافی، اشلوک اور بیت ہی دستیاب ہیں۔ اس دور میں موضوع کے اعتبار سے تصوف کے ساتھ ساتھ فقہ کے ایسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔ بابا فرید کی تعلیمات میں فکر رسالتمآبؐ کی جھلکیاں نمایاں ہیں۔ عبدی کودھن اور عبداللہ لاہوری، فقہی حوالے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ نوشہ گنج بخش اور سلطان باہو تصوف کے خنک وشیریں جام لنڈھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کے ہاں نعت کا تصور زیادہ وسیع پیمانے میں نظر آتا ہے۔

اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء سے لے کر پنجاب میں انگریزوں کے تسلط تک کے دور کو دو ادوار، مغل حکومت کا زوال (۱۷۰۷ءتا۱۷۹۹ء) اور پنجاب پر سکھوں کی حکومت ۱۷۹۹ءتا۱۸۴۹ء)

میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔اس دور کے شعرا میں محمد صدیق لائی، چراغ اعوان، علی حیدر بلّھے شاہ، غلام قادر بٹالوی، حافظ برخوردار رانجھا، لطف علی بھاول پوری، وارث شاہ، سچل سرمست، حامد شاہ عباسی، احمد یار مرالوی، غلام محی الدین قصوری اور قادر یار وہ اہم شاعر ہیں، جو پنجابی زبان کے ماہر اور قادر الکلام شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان تمام شعرا نے نعتیں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔اسی دور میں تعلیمات نبوی ؐ کو عام کرنے کے سلسلے میں احادیث کے منظوم ترجمے کی روایت بھی آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔غزوات نویسی کا رجحان بھی عام ہوتا ہوا نظر آتا ہے، میلادنامے، نورنامے اور وفات نامے بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔غزوات نامے اور معجزات نامے بھی اسی زمانے میں بکثرت لکھے گئے، یہ دور چونکہ ابتلاء و مصائب کا دور تھا، اسی لیے وہ استغاثوں اور آشوبِ عصر کے لیے بھی موزوں عہد تھا۔اس سلسلے میں علی حیدر اور صدیق لالی کے اشعار بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔

اس دور میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ ہیئات میں بھی رنگارنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس دور میں نعتیں، مثنوی، کافی اور دوہرہ کی شکل میں دکھائی پڑتی ہیں، مجموعی طور سے اس دور میں مضامین نعت میں تنوع کے علاوہ علامتی رنگ بھی نظر آتا ہے۔ یہ دور نعت کا سنہرا دور کہا جا سکتا ہے

دلّی کے لال قلعہ پر انگریزی پرچم ۱۸۵۷ء میں لہراتا ہوا، دکھائی پڑتا ہے لیکن پنجاب میں سکھوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے انگریزوں کا اقتدار ۱۸۴۹ء میں ہو گیا تھا، ۱۸۵۷ء متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں اہم سن ہے، کیونکہ اسی سال متحدہ ہندوستان کے جانبازوں نے انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، اس جنگ آزادی نے جسے انگریزوں اور ان کے حاشیہ نشینوں نے غدر کا نام دیا تھا، یہاں کے لوگوں کو انگریزوں سے مستقل نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوتیں ضرور دیں، جس کے باعث یہاں کے ہندو اور مسلمان قومیں ۱۹۴۷ء میں انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ چنانچہ اس دور میں پنجابی زبان کے شاعروں نے جہاں تحریک آزادی کے لیے بہت کچھ کیا، وہیں مسلمانوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت و تعلیمات سے آگاہ رکھنے کی کوششیں بھی کیں اور پنجابی شاعروں نے نعت کے حوالے سے بھی خاطر خواہ کام انجام دیا۔

انگریزی دور کے نعت لکھنے والے اہم شعرا میں مولوی غلام رسول غلاؔم، مولوی محمد مسلم، حکیم غلام احمد، فضل شاہ نواں کوٹی، غلام رسول عالم پوری، خواجہ غلام فرید، مولوی حمید الدین،

میاں محمد بخش، مولوی عبدالستار، امام الدین، حکیم ہزاروی، مولوی روشن دین، غلام نبی لانوری، میاں ہدایت اللہ، غلام رسول غلام عادل گڑھی، محمد بوٹا گجراتی، حاجی محمد دین گجراتی، پیر نیک عالم، سائیں مولانا شاہ، مولوی عمر دین، مولوی احمد دین بھگوی، منشی غلام حسین، دلپذیر بھیروی، ملکھی رام، غلام فرید عارف، نور بیگم، عبدالطیف عارف، اسد جالندھری، مزینہ لاہوری، دین محمد سودائی، عنایت محمد صوفی، راقب قصوری، حافظ جھنڈا، سائیں احمد علی، پیر مہر علی، شاہ محمد بخش فرشی، نبی بخش حلوائی، محمد یار فریدی، محمد اسماعیل عشق مہر، سر شہاب الدین، سید ظہور شاہ، حبیب اللہ نعمانی، مولا بخش کشتہ، غلام محمد جلوآنوی، فضل حسن صابر، میلا رام، عبدالکریم قریشی، استاد کرم امرتسری، محمد شفیع عاشق، محمد اسماعیل حنفی، مولوی محبوب عالم، چندن ملتانی اور حافظ چنّن دین شامل ہیں۔ ان حضرات نے آزادی حاصل کرنے کی مہم میں نعت شریف کو ایک ذریعہ بنایا۔

نعت کے موضوع میں تنوع اور رنگ رنگی کے ساتھ ساتھ، ادوار سابقہ میں لکھی گئی نعتوں کے عام موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی گئی۔ اس دور میں خواتین شاعرات کی نعتیہ شاعری بھی پروان چڑھی اور غیر مسلم نعت گو شعرا نے بھی نعت لکھنے میں کسی قسم کا کوئی باک محسوس نہیں کیا، علمائے دین نے بھی نعت کے میدان میں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ حصہ لیا بلکہ کافی بلند پایہ کا نعتیہ ذخیرہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اس دور میں موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے بھی کافی اچھی اور خاصی معیاری نعتیں لکھی گئیں۔ نظم اور غزل کے ساتھ ساتھ سہ حرفی، دوہرہ، گلزار، بارہ ماسہ، اٹھوارہ، سٹوواڑہ، مسدس، مخمس اور ڈھولک میں بھی بکثرت نعتیں لکھی گئیں۔ انگریزی دور، مجموعی طور سے نعت کا عہد زرّیں کہا جاسکتا ہے۔

پنجابی نعتوں کے حوالے سے پاکستان بننے کے بعد جو شعرا ابھر کر سامنے آئے، ان میں جوہر جالندھری، حشمت شاہ، عبدالحق صابر محمد بشیر بٹ، عبدالکریم عباسی، مولوی محبوب عالم، صادق امرتسری، حکیم صمصام، پیر فضل گجراتی، چراغ دین جونکیے، امام دین مجاہد، فقیر محمد فقیر، حافظ برکت علی، ابر وارثی، دائم اقبال، محمد اسماعیل شعری، حامد الوارثی، فقیر قادر، محمد حیات، محمد حیات پسروی، عارف عبدالمتین، غلام حسین صوفی، مسلم اویسی، صدف جالندھری، مکرم لدھیانوی، حفیظ تائب، اعظم چشتی، محمد علی ظہوری، صائم چشتی، حافظ محمد حسین، محمد بخش رنگیلا، نذیر احمد، منظور بٹ، عبدالستار نیازی، راجا رشید محمود، تنویر

بخاری، عبدالمجید شفیقی، محمد یوسف علی نگینہ، محمد شفیع مجبور، زیارت حسین جمیل، بشیر قادری، نجم نعمانی، عبدالکریم ثمر، شیر افضل جعفری، قمر یزدای، ریاض مجید، یونس احقر، منصور احمد خالد، محمد اکرم رضا، کلیم شہزاد، اور محمد آسی خاص ہیں۔

پنجابی نعت کے حوالے سے نعت پر خاطر خواہ کام ہوا ہے، مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ پنجابی نعت میں معراج ناموں، حلیہ شریف، نور ناموں، گلزار، مثنوی، قصیدہ، غزل، نظم، مخمس، مسدس، ترجیع بند، دوہا، سوہلے، سہ حرفی، کافی، فرد، بولی، ماہیا، پٹّاا اور گیت میں اطمینان بخش کام ہوا ہے۔

۵۔قیام پاکستان سے لمحات حاضرہ تک کے ممتاز اردو نعت گو شعراء

(از ۱ تا ۱۰۱)

اوران کے امتیازی خصائص نعت

(۱)آثر صہبانی

خواجہ عبدالسمیع پال جو آثر صہبانی کے نام سے متعارف ہیں۔ ۱۸/ دسمبر ۱۹۰۱ء کو مولانا احمد دین پال کے گھر پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔انھوں نے فلسفہ میں ایم۔اے کیا اور ایل۔ایل۔بی کی ڈگری بھی حاصل کی وہ ایک قانون داں کی حیثیت سے پیشہ ورانہ خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کو داتا گنج بخش سے خصوصی عقیدت تھی اور آپ کے مرقد پر اکثر و بیشتر حاضر ہوا کرتے تھے۔

۶/فروری ۱۹۵۸ء کو آپ مری کے مکس پوری ہوٹل میں مقیم تھے کہ آپ کو سرکار مدینہؐ کی زیارت خواب میں ہوئی اور اسی تاریخ سے آپ نعتیں کہنے لگے ''بحضور سرور کائنات'' آپ کا نعتیہ مجموعہ ہے جو ایک صاحب نظر اور قادر الکلام شاعر کا ہدیۂ عقیدت ہے۔۱۹۶۲ء میں یہ مداحِ رسولؐ اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔لاہور میں مدفون ہیں۔

نمونۂ کلام

دو عالم میں ہے احترام محمدؐ — بلند آسماں سے مقام محمدؐ
ہر اک بام سے ہے پرے نخلِ طوبیٰ — پرے نخلِ طوبیٰ سے بامِ محمدؐ

فلک جھک رہا ہے مرے آستاں پر　　آثر میں بھی ہوں اک غلام محمدؐ

(۲) احسان دانش

احسان دانش کاندھلا (یوپی) میں غالباً شاعر انقلاب، شاعر عوام اور شاعر مزدور کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ احسان دانش ایک عہد ساز شخصیت کا نام ہے جس نے جہد مسلسل سے اپنی دنیا آپ بنائی۔ کاندھلہ (یوپی) میں غالباً ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔

احسان بن دانش ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک اردو شاعر کی حیثیت سے پورے برصغیر میں مشہور ہو چکے تھے۔ احسان دانش نے ہر زمانے میں اپنی مثال آپ قائم کی وہ کسی سے مرعوب ہونے والے انسان نہ تھے۔ ''جہانِ دانش'' ایک ایسے فرد کی خودنوشت ہے۔ جو سچائیوں اور فروغِ علم کے لئے تمام عمر کوشاں رہا۔ نثر و نظم میں انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔

دانش کی نعتیہ شاعری میں ایک نیا انداز نمایاں نظر آتا ہے۔ نبیؐ سے محبت و عقیدت کی ایسی کیفیت ان کی نعتوں میں موجود ہے جو سرشاری کی لہر رگ و پے میں دوڑا دیتی ہے۔ ''دارین'' آپ کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ زمانہ ایک صاحب طرز نعت گو سے ۱۹۸۲ء میں محروم ہوگیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ لاہور میں ہے۔

نمونۂ کلام

بتوں سے بھر گیا دل اب اُدھر دیکھا نہیں جاتا
درِ مولیٰ پہ ہوں اور سوئے در دیکھا نہیں جاتا
رخِ خیر البشرؐ تو پھر رخِ خیر البشرؐ ٹھہرا
ان آنکھوں سے درِ خیر البشرؐ دیکھا نہیں جاتا
اسی کوچہ پہ بیٹھا ہوں یہیں سے مر کے اٹھوں گا
گدا بیشک ہوں لیکن اور دَر دیکھا نہیں جاتا
مسلسل ہورہی ہے جانے کیوں امت کی رسوائی
دعاؤں میں یہ افلاس اثر دیکھا نہیں جاتا
دل تو کہتا ہے کہ تیری شان کے شایاں ہو نعت
نطق کو یارا نہیں ہے رحمۃ للعالمین

(۳) احسانؔ فاروقی

ریاست جے پور (بھارت) میں پیرزادہ احسان الحق فاروقی پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن جھونجنوں ہے۔ والد اور دادا کے انتقال کے بعد آپ کے تایا مولوی فخر الدین نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور جے پور بلوالیا۔ یہیں سے ایم۔ اے پاس کر کے محکمہ زراعت میں ملازمت اختیار کر لی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان چلے آئے اور وائر بورڈ کے محکمہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ کئی بڑے عہدوں پر فائز رہ کر ۵۷ سال کی عمر میں ملازمت سے سبک دوش ہو گئے۔ کراچی میں مقیم ہیں۔

احسانؔ فاروقی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے مضامین، غزلیں، نعتیں، پاکستانی رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ شعر و سخن میں مولانا منظور علی کوثرؔ کاکوروی اور حضرت مائل دہلوی جیسے استادان فن سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

احسانؔ کا کلام عام فہم اور سادہ ہے۔ جس سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے۔ آپ کے نعتیہ مجموعۂ کلام کا نام ''نور الہدیٰ'' ہے۔

نمونۂ کلام

سفینہ ساحل بحر عرب تک پہنچ جاتا   مگر تجھ سے نہ کوئی کام اپنا چشم تر نکلا

جینا بھی انہیں کا جینا ہے مرنا بھی انہیں کا مرنا ہے
جو ان سے جدا ہوتے ہی نہیں دنیا سے جدا ہو جاتے ہیں
کیوں دست طلب پھیلاتے ہو یہ سوئے ادب ہے اے احساںؔ
جو در پہ پہنچ جائیں ان کے پھر ہاتھ کہیں پھیلاتے ہیں

(۴) اخترؔ الحامدی

سید مرغوب احمد اخترؔ الحامدی ریاست جودھپور میں ۱۹۲۰ء میں عالم وجود میں آئے۔ ان کے والد کا نام مولانا ایوب منش مودودی کو شعری ذوق حاصل تھا۔ اخترؔ الحامدی کی پرورش ننھیال میں ہوئی تھی۔ مولانا مفتی سید راحت علی راحت، علامہ عبدالمصطفیٰ الاعظمی، علامہ غلام یزدانی اعظمی اور مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی سے دینی علوم شرقیہ کی تحصیل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں نعت کہی۔ آپ کی شعری اٹھان دیکھ کر آپ کے ماموں

حکیم سید علی اصغر رضوی حامدی استاد الشعراء علامہ بیدلؔ بدایونی کی خدمت میں آپ کو لے گئے، انھوں نے شرف تلمّذ سے نوازا۔

علامہ کے انتقال کے بعد ضیاء القادری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ نعت کے علاوہ دوسری اصناف سخن کی طرف طبیعت مائل نہ ہوئی محبت اور لگن سے اخترؔ آگے بڑھتے گئے۔ اخترؔ کو مولانا حامد رضا خاں صاحب قادری بریلوی سے نسبت بیعت حاصل تھی۔ اسی بناء پر وہ اختر سے الحامدی ہو گئے۔

دورِ حاضر کے نعت گو شعراء میں ان کو بلند مقام حاصل ہے۔ ان کے مجموعہ کلام کا نام ''نعت محل'' ہے ۱۹۸۱ء میں حیدر آباد سندھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

نمونۂ کلام :-

غنچوں کو ملا ہے لحن داؤد ہے ورد زباں درود مسعود
ہے نور زمیں سے آسماں تک جلوے ہیں مکاں سے لا مکاں تک
پر نور مکاں ہے آمنہ کا گھر رشک جہاں ہے آمنہ کا

(۵) اخترؔ لکھنوی

محمود الحسن اخترؔ لکھنوی محمد حسین کے گھر ۱۹۳۵ء میں محلّہ نرہی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم والد محترم سے حاصل کی اور اس کے بعد دنیاوی علوم کا سفر شروع ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں مشرقی پاکستان میں وارد ہوئے۔ ایک عرصے تک انجمن ترقی اردو سے وابستہ رہے اس کے بعد روز نامہ انقلاب اور دیگر اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔ ریڈیو پاکستان سے ۱۹۶۲ء میں منسلک ہوئے ڈھاکہ سے ایک ادبی رسالہ ''فنکار'' کا اجراء بھی کیا۔ یہ رسالہ ایک سال تک نکلتا رہا پورے مشرقی پاکستان کی ادبی تاریخ میں ایسے رسالے کم نظر آتے ہیں۔

اخترؔ صحافی، ادیب اور شاعر ہیں جو چیز انھیں مشرقی پاکستان کے شعرائیں ممتاز کرتی ہے وہ ان کی کتاب ''دیدۂ تر'' ہے جو ایک لحاظ سے سانحۂ شکستِ مشرقی پاکستان کی منظوم تاریخ ہے۔ ''دیدہ تر'' کی غزلوں میں اس عظیم المیہ کا تمام کرب سمٹ کر آ گیا ہے۔

اخترؔ لکھنوی کو نعت گوئی کا اعلیٰ ذوق بھی حاصل ہے۔ ''حضور'' ان کا نذرانۂ عقیدت ہے۔ انہیں کئی بار عمرہ کرنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اور اس کے برکات و

ثمرات ان کے نعتیہ کلام میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

راستوں کی ہوا رہنما بن گئی، سارباں بن گئی
جب چراغ ان کی چاہت کا لے کر چلے ہاتھ پر رکھ کے ہم
جس کی تقدیر میں فرق کوئی نہیں، شام کوئی نہیں
نور کے شہر سے لائے ہیں، چشم میں وہ سحر رکھ کے ہم
اپنی ہر رات رکھتے ہیں روشن بہت اور معطر بہت
اک چراغ وفا ان کی یادوں بھرے طاق پر رکھ کے ہم

ذکر سرکار ہوا جب سے ترانا دل کا ہر زمانہ ہے دھنک رنگ زمانا دل کا
ہم نے دیکھے ہیں، پہلو دل شوریدہ کے ہم نے دیکھے ہیں، پہلو دل شوریدہ کے
قابلِ دید بھی، بے مثل بھی یکتا بھی تھا سبز گنبد کے نظاروں میں نہانا دل کا
سچ تو یہ ہے، ہمیں اچھا نہ لگا اے اختر ہم سے آگے درِ سرکارؐ پہ جانا دل کا

(۶) ادیب رائے پوری

ادیب رائے پوری کا اصل نام سید حسین علی اور والد مرحوم کا نام حکیم سید یعقوب علی ہے۔ تعلیم ایم۔اے (اردو) ہے۔ آپ کے والد خاندانی طبیب تھے، آپ کے دادا حکیم سید محمد علی بھی اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے۔ ان کے خاندان کے افراد افغانستان سے شملہ آ کر آباد ہوئے۔

ادیب رائے پوری ۱۹۲۸ء میں مدھیہ پردیش کے شہر رائے پور میں پیدا ہوئے اور ۱۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے۔ آپ نے اپنی تعلیم مختلف ملازمتوں کے دوران مکمل کی۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے نعت گوئی کا آغاز کیا۔ آپ کے دو نعتیہ مجموعے ''اس قدم کے نشاں'' اور ''تصویر کمالِ محبت'' شائع ہو چکے ہیں۔

فروغِ نعت میں آپ کے ۲۵ سال گزر چکے ہیں۔ آپ کل پاکستان گولڈ میڈل ایوارڈ محفل حمد و نعت کے بانی ہیں۔ پہلی انٹرنیشنل نعت کانفرنس ۱۹۸۲ء کے روح رواں اور برطانیہ میں عالمی کانفرنس کے بھی روح رواں ہیں۔ جو ۱۹۸۴ء میں برمنگھم اور بریڈفورڈ

مانچسٹر میں ہوئیں۔

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ نہ کرے ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے
کہا خدا نے کہ بخشش کی بات محشر میں میرا حبیبؐ کرے کوئی دوسرا نہ کرے
مدینہ جاکے نکلنا نہ شہر سے باہر خدا نخواستہ یہ زندگی وفا نہ کرے
شعورِ نعت بھی اور زبان بھی ہو ادیب وہ آدمی نہیں جو ان کا حق ادا نہ کرے

(۷) ارماؔن اکبرآبادی

۱۹۰۱ء میں اکبرآباد (آگرہ) کے مردم خیز خطے میں پیدا ہوئے۔ پروفیسر ارماؔن اکبرآبادی کو سیماؔب اکبرآبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ علم عروض پر عبور رکھتے تھے۔ ان کی شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ملک کے اخبار و جرائد میں ان کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا تھا۔

ارماؔن اکبرآبادی کی شاعری نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعے کا نام ''سروشِ سدرہ'' ہے۔ وہ مخصوص رنگ میں نعت گوئی کرتے تھے۔ ان میں ہادیٔ جہاں سرورِ دو عالمؐ سے عقیدت و محبت کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ یہ مداحِ رسولؐ ۲۱؍جون ۱۹۸۵ء کو اپنے چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر خالقِ دوجہاں سے جاملا۔

نمونہ کلام ؎

در در تو بہت پھر چکے اے رحمتِ عالم
اب دیر سے بیٹھے ترا در دیکھ رہے ہیں
وہ قرب وہ خلوت وہ تکلم شبِ اسریٰ
حیرت سے ملک شانِ بشر دیکھ رہے ہیں
اظہار کی حاجت نہیں وہ رحمت عالم
خود شوق سے ارماؔں کی نظر دیکھ رہے ہیں

(۸) اسراؔر احمد سہاروی

خان اسرار احمد خاں شروانی جولائی ۱۹۲۱ء میں پرتاپ گڑھ راجپوتانہ میں پیدا ہوئے۔ تاہم سرکاری کاغذات میں قصبہ سہارو ضلع ایٹہ (یوپی) تحریر ہے۔

اسرار احمد سہاروی نے کئی مضامین میں ایم۔اے کیا ہے۔۱۹۵۳ء سے ۱۹۸۱ء تک اسلامیہ کالج گوجرنوالہ میں فارسی کے استاد کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔

اسرار احمد سہاروی کا شمار ان اساتذہ میں ہوتا ہے جو بھرپور انداز میں علمی و ادبی اور تحقیقی عمل میں مصروف رہتے ہیں۔نثر نگاری ہو یا شعر وشاعری ہر میدان میں آپ کا مطمح نظر اسلامی تشخص کا احیاء رہا ہے۔آپ کی نعتیہ شاعری میں حسن ادب کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔آپ کا نعتیہ مجموعہ ''اعجاز بیان'' میں حمد ونعت میں شعوری طور پر حد فاصل نظر آتا ہے اور فکری کجروی نہیں پائی جاتی۔یہ نعتیں محبت وعقیدت کے انمول شہ پارے ہیں۔آپ کا تعلق سیاسی میدان میں جماعت اسلامی سے ہے۔

نمونۂ کلام

طوق بدبختی کے کاٹے آپؐ نے باعث توقیر نسواں آپؐ ہیں

☆☆☆☆

مدت سے آرزو ہے کہ مہلت ملے اگر
روداد زندگی کی بیاں روبرو کریں
قدرت اگر زباں کو ملے ان کے وصف کی
شرح جمالِ نور ازل ہو بہ ہو کریں
توفیق فن کو اتنی تو رحمت عطا کرے
ذکرِ جمیل ختم رسلؐ چار سو کریں
اسراؔر اس طرف سے اشارہ ملے اگر
مدحِ کمالِ لطف وکرم کو بہ کو کریں

(۹) اسماعیل انیسؔ

اسماعیل انیسؔ بھارت کے مشہور تاریخی شہر جھانسی میں ۴؍جنوری ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔انہوں نے نواب احمد نوابؔ مرحوم سے اکتساب فیض کیا۔

اسماعیل انیسؔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔اس وقت موصوف کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔اور استفادہ کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے نعتیہ مجموعہ ''چراغ عالمین'' ایک ایسے فرد کی

تخلیق ہے جو شعوری طور پر اسلامی نظریۂ حیات سے وابستگی رکھتا ہے۔
انہوں نے نعت کی توسیع و ترقی میں اپنی فکری صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔
اہل بصیرت کے لئے ''چراغ عالمین'' ایک تحفے سے کم نہیں۔ موصوف کراچی میں آباد ہیں۔
نمونۂ کلام:-

کہاں وہ نور مجسم کہاں گلاب کا رنگ
جو دیکھ پائے تو اڑ جائے آفتاب کا رنگ
ملے تو اس کو بنالیں حیات کا مرکز
وہ نقش پائے محمدؐ وہ آب و تاب کا رنگ
میں اس مقام محبت پہ آ گیا ہوں انیسؔ
یہ نعت بھی ہے عقیدت کے ایک باب کا رنگ

☆☆☆☆

اٹھا کر رکھ دیا ہے طاق پر قرآن بھی ہم نے
ہوئے کیوں خوار ہم یہ تجزیہ کرنے کا وقت آیا

(۱۰) اعجازؔ رحمانی

سید اعجاز علی اعجازؔ رحمانی سید ایوب علی کے گھر ۱۳؍فروری ۱۹۳۶ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اردو فاضل تک آپ کی تعلیم ہے ''اعجاز مصطفےٰ'' اور ''پہلی کرن آخری روشنی'' آپ کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں۔ ان کی نعتوں میں اسلامی تحریک کے مقاصد نمایاں نظر آتے ہیں۔ اعجاز رحمانی غزل کے بھی اچھے شاعر ہیں۔ مگر ان کی پہچان نعتیہ شاعری ہے۔ خوش فکر، خوش گو اور خوشنوا شاعر ہیں۔
نمونۂ کلام:-

پوچھو نہ فرشتوں سے نہ انسان سے پوچھو
عظمت شہہؐ ابرار کی قرآن سے پوچھو
اے حلقہ بگوشانِ شہہ یثرب و بطحا
کیا لطف غلامی ہے یہ سلمانؓ سے پوچھو

مدحت کا ہے انداز کہ معراج تخیل
عرفان پیمبرؐ دل حسانؓ سے پوچھو

☆☆☆

مصطفےٰ کے سوا کسے اعجاز وجہ تزئین کائنات لکھوں

(۱۱)اعظم چشتی

محمد اعظم چشتی ولد مولوی محمد دین چشتی ۱۵/مارچ ۱۹۲۱ء کوموضع برج چک نمبر ۱۰۲۔ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔موصوف درس نظامی کی تعلیم سے آراستہ ہیں۔آج کل پنڈ میاں میر، میں اقامت پذیر ہیں۔

محمد اعظم چشتی کی نعتیہ شاعری نصف صدی پر محیط ہے۔اور آپ سرور کائناتؐ کی تعریف میں مگن ہیں۔مخصوص انداز میں پڑھتے ہیں۔آپ کا نعتیہ مجموعہ ''غذائے روح'' حبیبؐ کبریا سے محبت کرنے والوں کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

نمونۂ کلام :-

آخر کہیں تو کس سے کہیں داستانِ غم
دنیا میں اب ہے کون ہمارا ترے بغیر
کتنا بڑا ہے مجھ پہ یہ احسانِ مصطفےٰ
کہتے ہیں لوگ مجھ کو ثناء خوانِ مصطفےٰ
جبرئیل سے مجھے بھی ہے نسبت قریب کی
وہ بھی ہے اور میں بھی ہوں دربانِ مصطفےٰ
یارب ! مجھے بھی دیدۂ حسانؓ ہو عطا
حاصل ہو اس گدا کو بھی عرفانِ مصطفےٰ

(۱۲)اُفقؔ کاظمی امروہوی

علامہ حبیب احمد اُفقؔ کاظمی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔وہ ایک ممتاز دینی عالم تھے۔انہوں نے ترجمہ وتصنیف وتالیف میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔لیکن ان کی علمی شخصیت کے مقابلے میں شاعرانہ پہلو زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آیا۔

میر افق کاظمی امروہوی مرحوم نے حمد و نعت کی صورت میں جو کچھ لکھا ۱۹۶۶ء میں ''فروغ محامد'' کے نام سے منظر عام پر آ گیا تھا۔ ''فروغ محامد'' میں اس کے پرتو نظر آتے ہیں۔

نمونۂ کلام:-

ہوئی معراج میری فکر کو عرش معانی تک
زباں کو مل رہا ہے ذوق اذکار شب اسریٰ
افق افسوس گنجائش نہیں کچھ ان قوافی میں
کروں کس طرح شرحِ سیار شب اسریٰ

(۱۳) اقبال صفی پوری

اقبال احمد خلیلی جو ادبی دنیا میں اقبال صفی پوری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں صفی پور ضلع اناؤ (یوپی۔ بھارت) میں شاہ جمال خلیلی کے گھر پیدا ہوئے۔

اقبال صفی پوری کی نعتیں تصوف آمیز فکر کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں موصوف کے نانا عزیز صفی پوری فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے ہم عصروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ والدہ کی طرف سے آنے والی علمی قوت نے شعری شعور کے چراغ روشن کر دیئے۔

نعتیہ شاعری میں موصوف کی کتاب ''رحمت لقب'' لوازم نعت سے مزین ہے۔ اور ایک طالب صادق کی سحر انگیز فکر کی آئینہ دار ہے۔ کراچی کے بزرگ شعرائ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ صفی ہاؤس ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:-

آپؐ کا اعزاز و منصب مرحبا صل علیٰ
آپؐ کی تو منتظر ہے لامکاں کی روشنی
یہ بھی ہے اعجاز قدرت یہ بھی ہے شانِ خدا
آئی ایک غار حرا میں دو جہاں کی روشنی
میرے لب پر ہے جو اے اقبال نعتِ مصطفٰےؐ
کتنی دل آویز ہے لفظ و بیاں کی روشنی

☆☆☆

جسے ہے دیدِ تجلی مصطفےٰؐ کی طلب
وہ آنکھ دیدِ تجلی کا ظرف بھی مانگے
یہ راہ مدحت ممدوح رب ہے اے اقبال
کہے جو نعت وہ کہنے کا اِذن بھی مانگے

(۱۴)اقبالؔ عظیم

آپ کی پیدائش ۸؍جولائی ۱۹۱۳ء کو میرٹھ (یوپی) بھارت میں ہوئی۔ جب کہ آپ کا آبائی وطن انبیہ ضلع سہارنپور ہے۔ لکھنؤ اور اودھ کی گلیاں تربیتی ماحول کا حصہ ٹھہریں۔ درس وتدریس کے شعبہ سے تعلق رہا۔

''قاب قوسین''اقبالؔ عظیم کی نعتوں کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ اپریل ۱۹۸۴ء میں اس کی دوسری اشاعت ہوئی اس کے ناشر پنجاب بک ہاؤس اردو بازار کراچی ہیں۔ اس کے صفحات ۱۴۴ ہیں ''لب کشا'' ۱۹۸۷ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

اقبالؔ عظیم بصارت سے محروم ہیں جس کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں موجود ہے بطور نمونہ چند اشعار ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں۔

مدینہ کا سفر ہے اور میں غم دیدہ دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ
چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ
مدینے جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ فضا سنجیدہ سنجیدہ
بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ

☆☆☆

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے

نور کا نام نہ تھا عالم امکاں میں کہیں
جلوۂ صاحب لولاک لما سے پہلے
میری آنکھیں مرا رستہ جو نہ روکیں اقبال
میں مدینے میں ملوں راہ نما سے پہلے

(۱۵) انجم وزیر آبادی

جان محمد انجم وزیر آبادی ۱۹۱۱ء میں ماسٹر نبی بخش لکھورا کے گھر گوجرانولہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک ہے۔ آپ ادبی دنیا میں انجم وزیر آبادی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

''جام کوثر''، ''مینائے کوثر'' آپ کے نعتیہ مجموعے ہیں جو اپنے دامن میں محبت وعقیدت کا گلدستہ سجائے ہوئے ہیں۔ انجم وزیر آبادی کا شمار بزرگ شعرائ میں ہوتا ہے۔ آپ کی نعتوں میں محبت وعقیدت کا ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ دل بے اختیار اس کے سحر میں ڈوب جاتا ہے۔

نمونۂ کلام:-

جس نے کیا ہے محرم یزداں تمہیں تو ہو
جس سے بڑھی ہے عظمتِ انساں تمہیں تو ہو
آسان جن کے نام سے ہوتی ہیں مشکلیں
سارے جہاں کے درد کا درماں تمہیں تو ہو
کس کی ضیاء سے روشنی پھیلی جہان میں
شمس و قمر میں کون ہے رخشاں تمہیں تو ہو
انجم سے کیا بیاں ہوں تمہاری فضیلتیں
ہر اک بلند شان کے شایاں تمہیں تو ہو

یا شہ ﷺ دنیا و دیں رحمۃ للعالمین
آپ سا کوئی نہیں آپ ہیں سب کے امام

الصلوٰۃ والسلام

(۱۶) انورؔ جمال

قیام پاکستان کے بعد جو نئی پود تیار ہوئی اسی سے انور جمال کا تعلق ہے۔ انہیں اس نسل کا نمائندہ نعت گو کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ قیام پاکستان سے چار ماہ قبل اپریل ۱۹۴۷ء کو انور جمال شہر ملتان میں پیدا ہوئے جو علمی اور ادبی گہوارہ، تصوف کا مرکز اور رشد و ہدایت کا منبع بھی رہا ہے۔ اسی شہر میں انورؔ جمال درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ وہ گورنمنٹ کالج سول لائن ملتان میں اردو کے لیکچرار ہیں ان کا تحقیقی عمل بھی جاری ہے۔ ''لولاک لما'' انورؔ جمال کا نعتیہ مسدس ہے۔ اس میں محسن انسانیت کی سیرت و کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔

نمونۂ کلام:-

شہر نبی کو جب بھی کوئی جانے لگتا ہے
میں دل کو اور دل مجھ بہلانے لگتا ہے
دست عطا کوئی ایسا نہیں جو اپنے سائل پر
عرض طلب سے قبل کرم فرمانے لگتا ہے
نعت کا شاعر ذکر نبیؐ کی ٹھنڈی چھاؤں میں
غم زمانہ سے تھک کر ستانے لگتا ہے

☆☆☆

اس مکاں کے بام و در کے ذرے ذرے پر درود
جس مکاں میں سید والا کی پیدائش ہوئی
پڑھنے والا آ گیا چہروں کی چپ تحریر کو
بول اٹھی خامشی جذبوں کی پیمائش ہوئی
دیکھتا ہی رہ گیا میں روئے انورؔ کا جمال
حشر کے میداں میں جب نعتوں کی فرمائش ہوئی

(۱۷) بدرؔ فاروقی

کراچی کے گوشہ نشین بزرگ شاعر شاہ محمد زبیر فاروقی کا تخلص بدرؔ ہے۔ ۱۶ر جون

۱۹۲۴ء کو منڈیاہو ضلع جونپور (بھارت) میں پیدا ہوئے ۔آپ کے شعری شعور کو پروان چڑھانے اور نکھارنے میں جناب شفقت حسین خیالؔ اور شفیق جونپوری کا بڑا حصہ ہے۔ بدر فاروقی راسخ العقیدہ مسلمان اور مشرقی تہذیب ورواداری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

بدرؔ فاروقی کا نعتیہ مجموعہ ''اشک فروزاں'' ان کے پاکیزہ جذبات واحساسات کا آئینہ دار ہے۔

نمونۂ کلام :-

سرکار مری سمت بھی اک چشم کرم ہو سجدہ ہو مرا اور در باب حرم ہو
اے بدرؔ ! لکھو نعتِ محمدؐ پہ سنبھل کر ہو شانِ محمدؐ جو وہی تم سے رقم ہو

☆☆☆

ہر دفتر تخیل بھی دم سادھ چکا ہے ہر نقشِ فراست ہے کہ جو زیر اثر ہے

(۱۸) بہزادؔ لکھنوی

سردار احمد خان جو بہزاد لکھنوی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے غزل گو شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں خاصے مقبول تھے ان کی غزلوں کو چار چاند لگانے اور شہرت دوام بخشنے میں مشہور مغنیہ اختر بائیؔ فیض آبادی کی سریلی آواز کو بڑا دخل ہے ان کا ہر دور میں ذرائع ابلاغ سے قریبی تعلق رہا ہے۔

سردار احمد خان کے آباء واجداد کا تعلق آفریدی نسل سے ہے۔ ان کے بزرگ رام پور میں رہائش پذیر تھے۔ سردار احمد خان ۱۹۰۰ء سرزمین لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور حصول تعلیم کے بعد ایسٹ انڈیا ریلوے میں ملازمت اختیار کر لی۔ مگر اختلاج قلب کی وجہ سے زیادہ دنوں تک ملازمت جاری نہ رہ سکی۔ ۱۹۳۲ء میں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء میں لاہور کی ایک فلم کمپنی میں ملازمت ملی۔ مگر جلد ہی لکھنؤ واپس آ گئے۔

قیام پاکستان کے وقت آپ کی عمر ۴۷ سال تھی۔ وہاں جانے کے بعد ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے ریڈیو پاکستان سے روزانہ وہ اپنی نعت دلکش آواز میں پیش کیا کرتے تھے جسے برصغیر کے لوگ دلچسپی سے سنا کرتے تھے اور آخر عمر تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ نعتیہ شاعری کے کئی مجموعہ چھپ چکے ہیں۔ ''نغمہ نور، کیف وسرور، چراغ ظہور، کفر وایمان،

نعتِ حضور ﷺ معراج طہور اور کرم بالائے کرم'' وغیرہ۔

بہزاد لکھنوی کی نعتیں محبتِ رسول کی آئینہ دار ہیں۔ نعتوں میں ایک صوفی باصفا کا پرتو واضح طور پر نظر آتا ہے۔ موصوف کا انتقال ۱۹۷۴ء میں ہوا آخری آرام گاہ کراچی ہے۔

نمونۂ کلام:۔

ہم مدینے سے اللہ کیوں آ گئے قلب حیراں کی تسکیں وہیں رہ گئی
دل وہیں رہ گیا جاں وہیں رہ گئی خم اسی در پر اپنی جبیں رہ گئی
پڑھ کے ''نصر من اللہ وفتح قریب'' ہم رواں جب ہوئے سوئے کوئے حبیبؐ
برکتیں رحمتیں ساتھ چلنے لگیں بے بسی زندگی کی یہیں رہ گئی
زندگانی وہیں کاش ہوتی بسر کاش بہزاد آتے نہ ہم لوٹ کر
اور پوری ہوئی ہر تمنا مگر یہ تمنائے قلبِ حزیں رہ گئی
میں کیا پیش شاہ جہاں لے کے جاؤں نہیں لائقِ نذر بہزاد کچھ بھی

(۱۹) بیتاب نظیری

عبدالوہاب خان بیتاب ۱۷؍اپریل ۱۹۱۴ء کو مظفر نگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ بظاہر تعلیم میٹرک تک ہے۔ لیکن کئی زبانوں پر قدرت حاصل ہے حضرت مولانا نظیر الحسن نظیر کھتولوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ تقریباً ۵۰ سال سے مشق سخن جاری ہے۔ آپ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء تک انجمن ترقی اردو مظفر نگر کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ ''نغمہ بیتاب'' موصوف کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ آپ کی نعتوں میں محبت کی ندیاں رواں ہیں۔ عقیدت واحترام کو ہمہ وقت سامنے رکھا گیا ہے۔ قیام کورنگی کراچی میں ہے۔ شاعر کو ہومیوپیتھی کا ایوارڈ ملا۔ اپنے استاد کی نسبت سے نظیری لکھتے ہیں۔ آپ علم عروض، علم نجوم اور علم اعداد کے علاوہ روحانی معالج بھی ہیں۔

نمونۂ کلام:۔

انداز سے خوشبو سے لطافت سے ادا سے
احساس ہوا ہے آپؐ کی آمد کا صبا سے
کرتی ہے زباں مدحتِ سلطانِؐ مدینہ
مل جاتا ہے جب وقت مجھے حمدِ خدا سے

اک ماہ دو ہالے ہیں اک صبح دو شامیں
یا زلف ہے رخشاں رخِ زیبا کی ضیاء سے

(۲۰) تابشؔ دہلوی

مسعود الحسن تابشؔ ۹ رنومبر ۱۹۱۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم بی۔اے تک ہے۔ تابشؔ دہلوی کا ننھیالی خاندان محتاج تعارف نہیں۔ شمس العلماء منشی ذکاءاللہ کے گھرانے سے ہر صاحبِ علم واقف ہے۔ ''تاریخ ہند'' جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے ان ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور اسی خانوادے میں جناب عنایت اللہ کا نام آتا ہے جو ''تاریخ اندلس'' کے مترجم ہیں۔ ان کا دادھیالی خاندان مولوی نظام الدین کا گھرانہ ہے جو فارسی ادبیات میں اہم مقام رکھتا ہے۔ ایسے ماحول میں مسعود الحسن تابشؔ دہلوی کی پرورش ہوئی۔ تابشؔ بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔

''نیم روز'' اور ''چراغ صحرا'' غزلوں کے مجموعے ہیں اور ''غبار انجم'' نظموں کا مجموعہ ہے۔

ملازمت آل انڈیا ریڈیو سے شروع ہوئی اور ریڈیو پاکستان پر ختم ہوئی۔ کراچی میں مقیم ہیں اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال کے قریب ہے ''تقدیس ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔

نمونۂ کلام :-

کرم اے مصدر جود و سخاوت سوالی در بدر کا ہوگیا ہوں
نہ دے آواز دنیا مجھ کو تابشؔ میں احمد مجتبیٰؐ کا ہوگیا ہوں
شہرہ ہے جس کی مصطفائیؐ کا وہی ممدوحِ قدسیاں یعنی
بے نظیری میں خود نظیر اپنا بے مثالی کا خود نشاں یعنی

(۲۱) جعفرؔ بلوچ

پروفیسر غلام جعفر بلوچ ۲۷ رجنوری ۱۹۴۷ء کو بمقام لیّہ، ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لیّہ سے انٹر پاس کیا۔ اور باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز کیا۔ جناب نسیم سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔

ایف۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد تلاش معاش میں سرگرداں رہے، قسمت نے یاوری کی

بالآخر محکمۂ انسداد ملیریا میں ملازمت حاصل کرلی۔ اسی دوران بی۔اے پاس کرلیا ۱۹۶۸ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی۔ایڈ کیا۔ بعدازاں ایم۔اے اردو کی سند حاصل کرکے اپنے ہی ضلع میں دوسال تک انگلش ٹیچر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۷۵ء میں لیکچرار شب ملی۔ سائنس کالج لاہور میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ان کی نعتوں میں سیرت پاک کی جلوہ گری نمایاں ہے۔ان کا مجموعۂ نعت ''بیعت'' اہل نظر کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔

نمونۂ کلام :۔

آقاؐ ہیں مرے فخر رسل مرجع لولاک مازاغ شرف جان رفعنا لک ذکرک

ادب شرط ہے یہ سخن عامیانہ نہیں ہے یہ ہے نعت کوئی غزل یا فسانہ نہیں ہے

بھلا عام کیسے ہو خلق عظیم پیمبرؐ کہ واعظ کی تبلیغ ہی دلبرانہ نہیں ہے

(۲۲) جمیلؔ عظیم آبادی

جمیلؔ احسن ۷؍جنوری ۱۹۲۷ء کو مولوی محمد یوسف کے گھر ایک ایسے ادبی اور تحریکی مرکز میں پیدا ہوئے جس نے ان کی فکری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جمیلؔ عظیم آبادی کی مروّجہ تعلیم بی۔کام ہے ایک عرصہ تک مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں مقیم رہے۔ بحیثیت اکاؤنٹس افسر محکمہ تار وٹیلی فون میں خدمات انجام دیتے رہے۔ سانحۂ سقوط پاکستان کے بعد آپ کراچی آگئے۔آپ کی کتاب ''دل کی کتاب'' میں اس عظیم المیہ کا احساس کرب بھی دکھائی دیتا ہے۔

جمیلؔ عظیم آبادی کی شخصیت نعتیہ شاعری کے حوالہ سے محتاج تعارف نہیں ہر ماہ باقاعدہ طرحی مشاعرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ کثیر تعداد میں شعراُحضرات شریک ہوکر فروغ نعت کے عمل کو آگے بڑھانے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ موصوف کی نعتیں جذبۂ سرشاری سے پر ہیں۔''وحدت ومدحت'' نعتیہ سرمایۂ ادب میں اچھا اضافہ ہے نارتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام :۔

بہر عرفانِ خدا لازم ہے عرفان نبی

یا الٰہی! ہو عطا مجھ کو بھی وجدان نبیؐ

فرض ہے ایمان رکھنا ہر حدیث پاک پر
مستند ہے ، معتبر ہے جو ہے فرمانِ نبیؐ
ایک کمبل ، اک چٹائی ایک جوڑا پیرہن
یہ تھی شانِ فقر فخری یہ تھے سامانِ نبیؐ
نسبت خیرالوریٰ سے ہم ہوئے خیرالامم
امت عاصی پہ کیا کم ہے یہ احسان نبیؐ
نعت جس نے بھی کہی اس پر خدا کی رحمتیں
وہ جمیلؔ بے نوا ہو یا ہوں حسانؓ نبیؐ

(۲۳)حافظ افضل فقیرؔ

حافظ محمد افضل کا نعتیہ شاعری میں منفرد مقام ہے موصوف فارسی زبان میں گولڈ میڈلسٹ ہیں اور عرصہ دراز تک درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک رہے مذہبی علوم سے لگاؤ نے قوت عمل کو تیزی اور فکر کو جلا بخشی ہے۔ لڑکپن ہی سے دینی میلان کے حامل ہیں۔ سرکار مدینہؐ کی ذات گرامی سے ولی محبت وعقیدت کا اظہار ہی نہیں کرتے بلکہ عملی زندگی میں اس پر عمل پیرا بھی نظر آتے ہیں۔

فنی محاسن کے علاوہ جذبات وکیفیات کی ایک دنیا ان کی نعتوں میں آباد ہے۔ ''جان جہاں'' موصوف کے لئے باعث افتخار ہے۔ نمونۂ کلام:-

امین اور صادق ہیں القاب ان کے
ہے کیا شانِ خیر الانام اللہ اللہ
وہ نوریں در و بام خیر الوریٰ کے
وہ شوقِ درود و سلام اللہ اللہ
تنویر نبیؐ آئینہ دل میں اگر ہو
پھر ظلمت آفاق سے کیا خوف و خطر ہو
سرشار رہے دل جو پیمبرؐ کی ولا سے
کس لطف سے پھر زیست کا ہر لمحہ بسر ہو

(۲۴) حافظ عبدالغفار

حافظ عبدالغفار نے ۱۹۴۸ء میں کھنڈوہ صوبہ مدھیہ پردیش، بھارت میں آنکھ کھولی۔ تغیر زمانہ کے سبب ۱۹۵۵ء میں ہجرت کی اور مستقل سکونت کراچی میں اختیار کی۔ حافظ نے ۱۹۷۰ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی۔کام کی ڈگری حاصل کی اور شہر کراچی میں تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ مولانا احمد سعید صاحب کاظمی (سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ولپور) سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ان کو غافل اکبرآبادی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کو سنوارنے میں ان کے استاد کا بڑا دخل ہے۔

حافظ کو بیعت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان کی مادری زبان اردو نہیں مارواڑی ہے۔ تاہم روشنیوں کے شہر کراچی کے تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں ان کی شاعری پروان چڑھی اور وہ اہل زبان کی طرح لکھتے پڑھتے ہیں۔ ان کی نعتیں ایک خاص اندازِ فکر کی ترجمانی کرتی ہیں۔ نعتیہ دیوان ''ارمغانِ حافظ'' موصوف کی شناخت ہے۔ موصوف کی سکونت کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:-

راحت دل سکون جگر کے لئے — لب کھلے نعتِ خیرالبشرؐ کے لئے
دل میں یادِ نبیؐ لب پہ نام خدا کے لئے — بس یہ کافی ہے زادِ سفر کے لئے
آنکھ والے ہی دیکھیں گے روئے نبیؐ — یہ نظارہ نہیں کم نظر کے لئے
جس دعا میں نہ شامل ہو نذرِ درود — در بدر پھرتی ہے وہ اثر کے لئے

☆☆☆

جو گدائے درِ پیمبرؐ تھا — ذات میں اپنی وہ سکندر تھا
شاہِ امّی لقب کی ہر اک بات — جیسے کوزے میں اک سمندر تھا

(۲۵) حافظ لدھیانوی

حافظ لدھیانوی ۱۹۲۱ء میں لدھیانہ کی مشہور و معروف شخصیت حافظ محمد عظیم کے گھر عالم وجود میں آئے اور وہیں تعلیم و تربیت کے مدارج طے کئے۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ کالج لدھیانہ سے بی۔اے پاس کیا۔

آج کل آپ قومی بچت کے محکمہ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۷۰ء تک بحیثیت غزل گو جانے پہچانے جاتے تھے۔ غزل کو خیرآباد کہہ کر نعت نبیؐ کی طرف آئے اور جلد ہی اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔ دوران حج موصوف نے ''جمال حرم'' کے عنوان سے ایک تذکرہ مرتب کیا جو قابل ذکر مقامات کا تفصیلی جائزہ ہے۔

حافظؔ لدھیانوی نے آسان اور شگفتہ انداز میں نعتیں کہی ہیں۔ ان کی نعتوں میں ختمی مرتبتؐ سے بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ ''ثنائے خواجہ''، ''کیف مسلسل'' اور ''نعتیہ قطعات'' اہل نظر کے لئے کحلِ بصیرت ہیں۔

نمونۂ کلام:-

سرکارؐ کی مدحت ہو موضوع سخن میرا
تفسیر دل و جاں ہو آئینۂ فن میرا
اس نام گرامی سے شاداب و درخشاں
یہ جان حزیں میری یہ رنگ سخن میرا
کس طرح بیاں حافظؔ توصیف پیمبرؐ ہو
عاجز ہے زباں میری قاصر ہے ذہن میرا

☆☆☆

اپنے دامن میں لئے لعل و گہر آتے ہیں
وہ جو دربار میں با دیدۂ تر آتے ہیں
میرے ہر شعر میں قندیل حرم ہے روشن
میرے ہر شعر میں انوار اتر آتے ہیں

(۲۶) حافظؔ مستقیم

صوفی عبدالغفور کا گھرانہ قیام پاکستان کے وقت اکبرآباد سے ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہوا۔ ۲۸/اگست ۱۹۵۷ء کو بمقام ناظم آباد حافظؔ مستقیم پیدا ہوئے۔ موصوف درس نظامی کے فارغ شدہ عالم اور سیاسیات میں ایم۔اے ہیں۔ پاکستان کے

بحری افواج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حافظ مستقیم ابتدا میں اپنے والد محترم کے ساتھ ایسی محفلوں میں شریک ہوتے رہے جن میں ہادئ برحق سے محبت کا اظہار کثرت سے کیا جاتا تھا۔ اسی محبت کا فیض ہے کہ حافظ نے نعت نبی کو اپنی فکری کاوشوں کا مرکز بنایا۔ شاہ انصار الہٰ آبادی کے روحانی فیض نے نعت گوئی سے رغبت پیدا کی اور ان ہی کا فیضان ہے کہ موصوف کی شناخت نعتیہ شاعری بنی۔

حافظ صاحب نے بشیر احمد واصل دہلوی مرحوم سے شعری رموز سیکھے اور ان سے استفادۂ فن کرتے رہے۔ موصوف کا نعتیہ مجموعہ کلام ''معراج سخن'' اور ''تاجِ سخن'' نعتیہ ادب میں ایک اچھا اضافہ کہا جا سکتا ہے۔

نمونۂ کلام:-

آدمیّت کو شرح و بیاں مل گئے — وہ ملے کیا کہ دونوں جہاں مل گئے
شب اسریٰ چمکے نہ کیوں! — عرش پر آج وہ رازداں مل گئے
انہیں کی نعت والا ہے انہیں کی نذر ہوتی ہے — کسی کو کیا سناؤں مستقیم خوش بیاں ہوکر

(۲۷) حافظ مظہر الدین

حافظ مظہر الدین گرداسپور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ ان کے والد پاکیزہ فطرت اور صوفی انسان تھے۔ ان کا گھریلو ماحول شروع ہی سے صوفیانہ طرز معاشرت کا آئینہ دار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب میں بھی وہی رنگ غالب ہے۔

الحاج حافظ مظہر الدین دورِ حاضر کے نعت گو شعرأ میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وہ شاعر ہی نہیں بلکہ ایک عالم اور ادیب کے طور پر بھی پہچانے جاتے ہیں وہ اسلامی افکار اور اخلاقی اقدار کے زندگی بھر علمبردار رہے۔

''باب جبریل۔ تجلّیات، جلوہ گاہ میزاب زر'' ان کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ ان مجموعوں سے ان کی قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ۲۵/مئی ۱۹۹۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

نمونۂ کلام:-

اب مرے اشکوں کی قیمت کوئی مجھ سے پوچھے
یہ گہر شاہؐ کے دربار تک آپہنچے ہیں

للہ الحمد ملا اذن حضوری مظہرؔ
للہ الحمد کہ سرکار تک آپہنچے ہیں

☆☆☆

لذت عجیب مدح شہہؐ بحر و بر میں ہے
اک کیف مستقل مرے قلب و جگر میں ہے
اب بھی فضائے شہر مدینہ نظر میں ہے
سوزِ بلالؓ اب بھی اذانِ سحر میں ہے
لائے گا کیا شہانِ جہاں کو نگاہ میں
مظہرؔ کہ ان کے حلقہ بگوشانِ در میں ہے

(۲۸) حبیب اللہ حبیبؔ

سید حبیب اللہ ۱۹۳۷ء میں بمقام کلیانی ضلع گلبرگہ میں سید کلیم اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ قاری حبیب اللہ، قاری، حافظ، مولوی، عالم اور مفسر قرآن ہیں۔ درس وتدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔ علمی وادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جامع مسجد عمر فاروق سیکٹر ۶ر ڈی نارتھ کراچی کے خطیب اور اپواء گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول میں اردو، عربی اسلامیات کے مدرس ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ احباب ملت کا قیام ہے جس نے فروغ نعت کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اس کا باقاعدہ طرحی مشاعرہ ہوتا ہے۔

قاری حبیب اللہ کی نعتیہ شاعری حدِ اعتدال میں ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان کو خوش الحانی کی نعمت سے بھی نوازا ہے۔ ''ثنائے حبیبؐ'' موصوف کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ نارتھ کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:-

جس پر رسولِ پاکؐ کا فیضان ہوگیا — وہ اک گدا سے حاکم و سلطان ہوگیا
اعمالِ خیر سے تو تہی دست تھا مگر — ذکر نبیؐ نجات کا سامان ہوگیا
رکھا جو میں نے اسوۂ سرکارؐ سامنے — ہر اک عمل حیات کا آسان ہوگیا
تیرے صدقے متاعِ غم مصطفیٰؐ — مٹ گئے سارے غم اور کیا چاہیے

آپؐ کی زندگی آپ کا مرتبہ رب نے کھائی قسم اور کیا چاہیے
لکھ رہا ہے مسلسل ثنائے نبیؐ اعتبار قلم اور کیا چاہیے
عشق میں مصطفےٰؐ کے میسر تو ہے سوزِ دل چشم نم اور کیا چاہیے

(۲۹) حفیظ تائبؔ

عبدالحفیظ تائبؔ، حاجی چراغ الدین قادری سہروردی کے گھر ۱۴؍فروری ۱۹۳۱ء کو احمد نگر ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ موصوف پنجابی ادب میں ایم۔اے اور درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ تائبؔ پورے انہماک سے ایک توانا اسلامی ادب تخلیق کرنے اور اسے پروان چڑھانے میں مصروف ہیں۔

تائبؔ شاعر شیریں مقال، خوش گفتار اور شعائر اسلامی سے وابستہ انسان ہیں۔ سرور دو جہاںؐ سے محبت وعقیدت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ ''صلو علیہ وآلہٖ'' اور ''سلمو اتسلیما'' تائبؔ کے نعتیہ مجموعے ہیں۔

نمونۂ کلام:-

صداقت، محبت، وفا کا اجالا، کراں تا کراں ساری دنیا میں پھیلا
ہوئی جب نمودار صبح سعادت زمیں جگمگائی فلک جگمگایا
مساوات وانصاف کا ابر برسا ہوا دامن زندگی دھل کے اجلا
فضا سے چھٹا ہر غبار جہالت زمیں جگمگائی فلک جگمگایا

☆☆☆

نام پاک ان کا ہو لبوں سے ادا شہد گویا ٹپک ٹپک جائے

(۳۰) حفیظ جالندھری

محمد حفیظؔ جالندھری ۱۹۰۰ء میں جالندھر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ موصوف کی زندگی جدو جہد سے پر ہے۔ کسب معاش کی فکر دامن گیر رہی۔ اور اسی سبب سے وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ ملک الشعرا جناب شیخ غلام قادری گرامی جیسے جید اساتذۂ وقت سے استفادۂ سخن کیا۔

حفیظؔ جالندھری کو دوسری جنگ عظیم کے دوران حکومت برطانیہ نے ہندوستان

میں جنگی مقاصد کے ابلاغی شعبہ کے لئے افسر اعلیٰ مقرر کیا اور کئی القابات سے نوازا۔ خان صاحب اور خان بہادر کا خطاب ملا۔ تخلیق پاکستان کے لئے ان کا قلم گوہر فشاں رہا۔ اسلامی تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے، جس کی آئینہ دار ''شاہ نامۂ اسلام'' کی نظمیں ہیں۔ موصوف خوش قسمت انسان واقع ہوئے تھے کہ انہوں نے ترانۂ پاکستان تخلیق کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۸۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

''شاہ نامۂ اسلام'' اگرچہ مکمل نعت کا کوئی مجموعہ نہیں، تاہم اس میں نعتیہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔ اس نظم میں محبت اور دارفتگی کی ایک خاص کیفیت موجود ہے جو حسن عقیدت کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے۔

نمونۂ کلام:-

سلام اے ظل رحمانی سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی
سلام اے صاحب خلق عظیم انساں کو سکھلائے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی
اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرّ کسرائی و خاقانی

(۳۱) حنیفؔ اسعدی

حنیفؔ اسعدی ۱۹۱۹ء میں شاہ جہانپور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ انہیں اپنے والد محترم مولانا اسعدؔ شاہ جہاں پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ والد کی نسبت سے اسعدی کہلائے۔

حنیفؔ اسعدی کو دور حاضر کے نعت گو شعرائ میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ ان کی نعتوں میں فکری پاکیزگی اور بلند پردازی پائی جاتی ہے۔ نعت لکھنے کے لئے بنیادی شرط والہانہ پن ہے اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو تو صحیح معنوں میں نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

حنیفؔ اسعدی ایک باعمل اور متشرع انسان ہیں۔ ذات ختمی مرتبت سے عقیدت ومحبت نے قوت اظہار کو پروان چڑھایا اور نعت کی زمین پر گلہائے رنگارنگ کھلائے۔ ایک

راسخ العقیدہ مومن کی شب وروز کی آرزوئیں اورتمنائیں شعری قالب میں خود بخود ڈھل گئیں۔ان کی نعتوں کا مجموعہ ’’ذکر خیرالانام‘‘ سرور جہاںؐ سے محبت کرنے والوں کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:-

سب کو بقدر ظرف ملا ہے شعور ذات — امّی لقبؐ پہ ختم ہوئی آ گہی تمام
بے قید وقت بھیجے گا ان پر خدا درود — یہ سلسلہ ہوا ہے نہ ہوگا کبھی تمام

☆☆☆

کیا ہے آپؐ نے ایسے بتوں کو بھی پامال
جو نیتوں میں چھپے تھے جو آستیں کے نہ تھے
حنیفؔ قیصر وکسریٰ کی تمکنت ہے گواہ
غلام ایسے کسی بوریا نشیں کے نہ تھے

(۳۲) حیرتؔ الٰہ آبادی

سید مہدی حسن حیرت الٰہ آبادی ۱۹۲۶ء میں قصبہ ہیبت پور یو۔پی کے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کی شاعری نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے ان کی کتاب ’’مینارِ نور‘‘ نعتیہ شاعری میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔کراچی میں مقیم ہیں۔

حیرتؔ متشرع انسان ہیں۔انہوں نے اپنے تخلیقی عمل میں بھی اس بات کو مدّ نظر رکھا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو فکری کجروی کی طرف لے جائے یا شریعت مطہرہ اور احکام خداوندی سے متصادم ہو۔یہی فکر ان کی شاعری کا خاصہ ہے اور یہی چیز انہیں نعت گوئی میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔کچھ سالوں پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام:-

شام سے بیٹھا جو لکھنے تا سحر لکھتا رہا
میں ثنائے سیرتِ خیرالبشرؐ لکھتا رہا
لکھ نہ پایا کچھ بھی میں شایان مصطفےٰؐ
مدحتِ سرکارؐ یوں تو عمر بھر لکھتا رہا

میری یا میرے قلم کی ہے بھلا اوقات کیا
آپؐ کا رتبہ میں کیا جانوں مگر لکھتا رہا
مل ہی جائے گی سند فردوس کی اک دن ضرور
روز و شب نعتِ نبیؐ حیرتؔ اگر لکھتا رہا

☆☆☆

ملی جسے خاک پائے احمدؐ چمک گئی سمجھو اس کی قسمت
بھلا ہو کیوں اس کو خوف محشر جو آپ کے انتخاب میں ہے
گنہ کی گٹھری لدی ہے سر پر لرز رہا ہے بدن بھی تھر تھر
نبیؐ کا صدقہ خدا کرم کر یہ تیرا بندہ عذاب میں ہے

(۳۳) خالد بزمیؔ

خالد بزمیؔ ۱۲/مارچ ۱۹۳۳ء کو امرتسر میں عبدالعزیز صاحب کے گھر پیدا ہوئے خالد بزمیؔ نے تین مضامین میں ایم۔اے کیا ہے۔آپ وسیع مطالعہ کے حامل ہیں اور کئی دینی اور غیر درسی کتابوں کے مصنف ہیں۔ بیعت اللہ شریف اور دیار حبیبؐ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔شعر گوئی میں پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔خالد بزمیؔ کی نعتیں عربی نعت گو شعرأ کے اثرات اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں رسالتمآب ﷺ کا بھرپور اور عملی اور تحریکی ذکر ملتا ہے اور وہ تمام مسائل کا حل سرکار دو عالم ﷺ کی پیروی میں موجود پاتے ہیں۔ بزمیؔ کو اپنی نعت گوئی پر کوئی فخر نہیں وہ اسے خدا کا عطیہ تصور کرتے ہیں۔لاہور میں سکونت ہے۔آپ کے نعتیہ مجموعہ کا نام ''نسیم حجاز'' ہے۔

خدا نے ان کو دنیا کے لئے مبعوث فرمایا
وہیؐ بس اس سعادت کے امیں ہیں میرا ایماں ہے
زمانے کے مفکر فلسفی نقاد دانش ور
محمد مصطفٰےؐ کے خوشہ چیں ہیں میرا ایمان ہے
ازل کی صبح سے لے کر ابد کی شام تک بزمیؔ
محمدؐ رحمۃ للعالمین ہیں میرا ایمان ہے

(۳۴) خورشیدؔ ایلچ پوری

قاضی سید خورشید الدین خورشید ایلچ پوری ۱۹۱۸ء کو سید فخر الدین قاضی کے گھر سابق سی۔پی برار کے قدیم شہر ایلچ پور میں پیدا ہوئے۔

خورشید نے ۱۹۳۸ء میں میٹرک پاس کیا اور اپنے بزرگوں سے عربی و فارسی سیکھی۔ مولوی محمد انوارالحق مرحوم کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور ان ہی سے فن عروض کی تکمیل کی۔ خورشیدؔ ایلچ پوری کی قابل قدر تصنیفات ''نسب نامہ'' (نثر میں) ''جنون خرد'' ''تانے بانے'' (نظم میں) ''ایک آئینہ چار عکس'' اور ''خورشید رسالت ؐ'' (نعت میں) ہیں۔

نمونۂ کلام

دیار نبیؐ کی فضاؤں میں جاکر — مقدر بنانے کو جی چاہتا ہے
جہاں پر نقوش قدم آپؐ کے ہیں — وہاں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے
در پاک احمدؐ پہ خورشید جاکر — قصیدہ سنانے کو جی چاہتا ہے
ذکر سن کر پڑھو درود ان پر — یہ وظیفہ قبول ہوتا ہے
سرورؐ دو جہاں کی رحمتؔ سے — دل کا کانٹا بھی پھول ہوتا ہے

(۳۵) دردؔ کاکوروی

میر نذر علی دردؔ کاکوروی ۱۳۱۰ء میں بمقام اٹاوہ پیدا ہوئے مگر پرورش اپنے آبائی علاقے قصبہ کاکوری، ضلع لکھنؤ میں پائی۔ ان کے ایام طفلی ایسے ماحول میں گزرے جہاں ہر طرف شعر و سخن کا چرچا تھا۔ ان کے والد اور بھائی بھی شاعر تھے۔ نعتیہ حوالہ سے اگر دیکھا جائے تو اس خاندان کے اہم رکن محسنؔ کاکوروی کا فکری ورثہ ان کے سامنے تھا جو ان کے عم محترم تھے۔

دردؔ کاکوروی بسلسلۂ ملازمت ۳۰ رسال تک حیدر آباد دکن میں مقیم رہے۔ آپ کی ادبی تخلیقات برصغیر کے ممتاز رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہیں۔ دردؔ کاکوروی لاہور میں بھی کافی عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور اس کے بعد کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ دردؔ کی عمر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خالد بزمیؔ نے تقریباً سو سال لکھی ہے۔ اور صابر برادری نے اپنی کتاب میں سن وفات ۲۶ رجون ۱۹۷۲ء لکھی ہے۔ آپ خلیق اور ملنسار آدمی تھے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''جام کوثر'' قاری کو عمل کی راہ دکھاتا ہے۔

نمونۂ کلام ؎

حیات کچھ بھی نہیں مدحت نبیؐ کے بغیر
کہاں ہے چین مجھے ایسی شاعری کے بغیر
ترے بغیر خدا ہم سے ہے کہاں راضی
نہیں خدا کی مشیت تری خوشی کے بغیر
لگا لو ظاہر و باطن کی آنکھ میں سرمہ
بصیرتیں نہیں خاکِ درِ نبیؐ کے بغیر

(۳۶) ذکیؔ کیفی

محمد ذکیؔ کیفی مرحوم ایک ایسے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔ برصغیر کے علمی و مذہبی اور سیاسی حلقے ان کے والد حضرت مفتی محمد شفیع مرحوم کے قدرداں ہیں۔ ''معارف القرآن'' ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

ذکیؔ مرحوم ۱۹۲۳ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ۲۳/جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''کیفیات'' ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ اور بے پناہ عقیدت و محبت کا ترجمان ہے۔ آپ کی نعتیں آئندہ شاعری کی فکری رہنمائی ثابت ہوسکتی ہیں۔ نعت گوئی میں وہ حالیؔ اور مولانا ظفرؔ علی خاں کے پیروکار ہیں۔

نمونۂ کلام:

مجھ کو بھی جانب گلزار لے چلو — اے رہروان کوچۂ دلدار لے چلو
آئے گا جوش شان کریمی کو دیکھ کر — نیکو! تم اپنے ساتھ گنہگار لے چلو

ایک دوسری نعت کا مطلع ملاحظہ ہو:-

پھر سوئے حرم یہ دل شوریدہ رواں ہے
پھر ہر غم مستی سے حفاظت ہے اماں ہے

(۳۷) ذوقیؔ مظفرنگری

حافظ محمود الحسن صدیقی ذوقیؔ مظفرنگری ۱۵/جنوری ۱۹۲۱ء کو حافظ محمد عمر صدیقی کے

گھر بمقام مظفر نگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ محترمہ ہما نساء بیگم ابراہیم ذوقؔ کی نواسی تھیں۔ اسی مناسبت سے اپنا تخلص ذوقیؔ رکھا۔

ذوقیؔ حافظ قرآن، فاضل قرأت اور ادیب کامل ہیں۔ لاہور میں درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔ علمی وابستگی نے تخلیقی عمل کو پروان چڑھایا۔ اور ورثہ میں آنے والی فکر نے رہنمائی کی۔ غزلوں کا مجموعہ ''تنویر فن'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

''نجم السحر''، نعتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں سیرت النبیؐ ایوارڈ حاصل کر چکی ہے۔ ان کی نعتوں میں ہادئ جہاںؐ سے بے پناہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے۔ لاہور میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام ؎

ظلمتوں کا قفل ٹوٹا روشنی کی ضرب سے
شب کدوں میں صبح خنداں کے دریچے کھل گئے

لب پہ سبحان ربی الاعلیٰ دل میں عشق نبیؐ دھڑکتا ہے
جو ہے سلطان ہر زماں کا غلام اس کے سر پر ہما چہکتا ہے

(۳۸) ذہینؔ شاہ تاجیؒ

حضرت بابا ذہینؔ شاہ تاجی کا اسم گرامی محمد طاسین فاروقی ہے۔ ادبی و روحانی دنیا کے لوگ ذہین شاہ کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ ۱۹۰۲ء میں ضلع شیخا ڈالی ریاست جے پور (راجستھان) میں ایک ایسے خانوادے میں پیدا ہوئے جو تقویٰ و پرہیز گاری، علم و فضل اور دین و دانش کا سرچشمہ رہا ہے۔

ذہینؔ شاہ کو کئی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ اردو کے صاحب طرز غزل گو شاعر تھے۔ آپ نے کراچی سے ماہنامہ ''تاب'' جاری کیا۔ جو دینی وادبی رسائل و جرائد میں اہمیت کا حامل ہے۔ کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ ''آیات جمال'' اردو غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ''جمال آیات'' فارسی کلام پر مبنی ہے۔ ''لمحات جمال'' مذہبی شاعری کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے شیخ اکبر کی کتاب ''فصوص الحکیم'' کا ترجمہ کیا۔

بابا یوسف شاہ تاجی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنے سانحۂ ارتحال سے تقریباً آٹھ سال قبل اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ ہر مکتب فکر کے لوگ آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ ۱۹۷۸ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ خانقاہ تاجیہ میں مدفون ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ محبت وعقیدت کا ایسا شاہکار ہے جسے دینی حلقوں میں برسوں یاد کیا جائے گا۔

نمونۂ کلام:

پستیوں میں بھی نمایاں رفعتوں کی شان ہے
وقت سجدہ عرش تھا زیر جبین مصطفےٰؐ
ظلم کے بدلے میں ملتی ہے ہدایت کی دعا
درس ہے اخلاق کا تعلیم دین مصطفےٰؐ
قلب مومن جو خدا کا گھر خدا کا عرش ہے
غور سے دیکھا تو نکلا سرزمین مصطفےٰؐ

☆☆

یہ وسعت کونین میری طرح ذہین آج
حاضر ہے تہ گوشۂ دامان محمدؐ

(۳۹) راجہ رشید محمود

راجہ رشید محمود ۲۳/اگست ۱۹۳۹ء کوڈسلہ، ضلع سیالکوٹ میں راجہ غلام محمد مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ راجہ رشید کی تعلیم ایم۔اے ہے۔

ہر تخلیق کار کا ایک مقصد زندگی ہوتا ہے۔ جس کی ترویج واشاعت کے لئے وہ کوشاں رہتا ہے۔ راجہ رشید محمود کا محور زندگی نعت رسول ﷺ ہے۔ جس کی اشاعت میں آپ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں ''ماہنامہ نعت'' کا اجراء اور نعت لائبریری کا قیام ان کی کاوشوں کا مظہر ہے۔ ان کی کوششوں کو سرکاری طور پر بھی سراہا گیا اور تمغہ حسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔

محمود کی نعتیہ شاعری میں ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کا درس ملتا ہے۔ ''حدیث شوق'' اور "ورفعنا لك ذكرك" ان کے مجموعے ہیں۔ مستقل رہائش لاہور میں ہے۔

نمونۂ کلام ؎

بند ہو رنج و غم کا ہر روزن
وہؐ جو کھولیں کرم کا دروازہ
محبوبؐ کبریاء کا درِ پاک چھوڑ کر
اللہ تک کسی کی رسائی ہو کس طرح
قرآن میں جن کی شان بیاں خود خدا کرے
بندے سے ان کی مدح سرائی ہو کس طرح

(۴۰) راجہ محمد عبداللہ نیاز

راجہ محمد عبداللہ نیاز ۱۸۹۵ء میں لیہ، ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں انٹر پاس کیا اور ۱۹۱۸ء میں انگلش ٹیچر ہو گئے۔ دوران ملازمت سلسلۂ تعلیم جاری رہا اور پھر ایم۔اے فارسی گولڈ میڈلسٹ ہوئے۔ اضلاع مظفر گڑھ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولوں میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

۱۵/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ۷۶ سال کی عمر میں تار ہستی ٹوٹ گیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ لیہ میں دفن ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''یہ ہیں کارنامے رسول ﷺ خدا کے'' محبت رسولؐ کا آئینہ دار ہے۔

نمونۂ کلام ؎

خدا نے آپ کو معمور کرکے دنیا میں
جو رحمتیں تھیں ابھی خاص ان کو عام کیا

سرلوح عالم ابھرتے رہیں گے ابد تک نقوش دوام محمدؐ
عرب اور عجم تا قیامت رہیں گے تماشہ گہ احتشام محمدؐ

(۴۱) رازؔ کاشمیری

خواجہ عبدالمنان رازؔ کاشمیری ابن عبدالغنی یکم مارچ ۱۹۳۲ء کو حاجی پورہ (گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔ ایم۔اے، بی۔ایڈ کرنے کے بعد اصلاح معاشرہ ہائی اسکول شاد باغ میں ہیڈ ماسٹری سے ملازمت کا آغاز کیا۔ نئی نسل کے لئے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ بچوں کے لئے بے

شمار نظمیں کہیں۔ پاکیزہ اور نکھرا ہوا مذاق سخن رکھتے ہیں۔

رازؔ کو نعت سے بھی دلچسپی ہے۔ ان کی نعتوں میں سرشاری کی کیفیت موجود ہے ’’لوح بھی تو قلم بھی تو‘‘ موصوف کا سرور کائناتؐ کے حضور ہدیۂ عقیدت ہے۔

نمونۂ کلام:-

اپنی خاطر کرلیا میں نے مدینہ انتخاب
اور دنیا کے لئے سارا جہاں رہنے دیا

ڈھل سکی لفظ و بیاں میں جب نہ عرض دعا
آنسوؤں کو اپنے دل کا ترجماں رہنے دیا

شافع محشرؐ نے میری نعت گوئی کے طفیل
میرے سر پہ رحمتوں کا سائباں رہنے دیا

دیکھ کر آیا ہوں جب سے رازؔ طیبہ کا جمال
شعر کو شائستہ شاہِ شہاں رہنے دیا

☆☆☆

جو چند لمحے گزارے ریاض جنت میں
انہی کی ضو سے فروزاں ہے زندگی اپنی

(۴۲) راسخؔ عرفانی

عبدالواحد راسخؔ عرفانی مولانا نور حسین کرجاکھی کے گھر ۱۲؍ دسمبر ۱۹۱۲ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم فارسی ادب میں ہوئی۔

راسخؔ عرفانی جمعیت اہل حدیث گوجرانوالہ کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ تمام عمر اسلامی اقدار کے احیا میں مصروف رہے۔ ۷۰ برس کی عمر میں گوجرانوالہ میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے، مرحوم انسان دوست، ولی صفت آدمی تھے۔ ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن کے نام ہیں ’’ذکر خیر، ارمغان حرم، نسیم منیٰ، حدیث جاں‘‘ ان کی تمام کتابوں میں حمدیہ اشعار موجود ہیں۔

راسخؔ عرفانی مدینۃ النبیؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں اور ان تجلیوں کو

اپنے قلب ونظر میں سمو چکے ہیں جس کا اظہار وہ بار بار اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ نبی کریمؐ سے محبت کا اظہار ایسے انداز میں کرتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود اس منظر کا حصہ بن گئے ہیں۔ وہ نعتِ نبیؐ کو انسانیت کی رہنمائی کا وسیلہ جانتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں فکر کی گہرائی و گیرائی موجود ہے۔

نمونۂ کلام:

آپؐ کے فیض سے مٹی کو بھی اعزاز ملا　　چومتے دھرتی کو گردوں کے کنارے دیکھے
ان کی طاعت ہی میں پوشیدہ ہے مقصود سجود　　ورنہ بے سود سا ہے شغل جبیں سائی بھی
میں تو ناچیز سے ذرے کے سوا کچھ بھی نہیں　　آپؐ کا فیض مرا فن بھی ہے گویائی بھی
للہ الحمد یہ توصیف نبیؐ کی خوشبو　　مہکی ہے راسخؔ بے مایا کی انگنائی بھی

(۴۳) راغبؔ مرادآبادی:

اصغر حسین ادبی دنیا میں راغبؔ مرادآبادی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۷/ مارچ ۱۹۱۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا واجداد مرادآباد کے رہنے والے تھے۔

راغبؔ کی مروجہ تعلیم بی اے، ادیب فاضل اور منشی فاضل ہے۔ ظفرؔ علی خاں، جوشؔ ملیح آبادی اور صفیؔ لکھنوی سے استفادۂ فن کیا۔ قیام پاکستان کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی، آغاز ملازمت جنرل ہیڈ کوارٹر دہلی سے ہوا اور پاکستان بننے کے بعد وزارتِ صنعت میں ملازمت کی۔

راغبؔ مرادآبادی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے عصر حاضر میں ممتاز اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ کثیر التصانیف شاعر ہیں۔ نعتیہ شاعری کے آٹھ مجموعے، غزلیہ شاعری کے دو مجموعے، دینی اور عقیدت کی شاعری کے چھ مجموعے اور نثری کتاب ''مکالمات جوشؔ و راغبؔ'' چھپ کر عوام وخواص سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

راغبؔ مرادآبادی کا شمار اس وقت اساتذۂ سخن میں ہوتا ہے۔ رباعی موصوف کی پسندیدہ صنف ہے۔ نعتیہ مجموعہ ''مدح رسولؐ'' صنعت غیر منقوطہ میں ان کی فنی مہارت اور قادر الکلامی کا آئینہ دار ہے۔ راغبؔ کی نعتوں میں سرور کائناتؐ سے محبت وعقیدت کا درس نمایاں نظر آتا ہے۔ فیڈرل بی ایریا کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:

رہو محو مدح، رسولؐ دو عالم — ہو ہر لمحہ کار اہم ، اللہ اللہ
ہر ذرہ جس کا، خلد بریں درکنار تھا — یادش بخیر، شاہؐ امم کا دیار تھا
اک اک سیاہ کار، سرحشر، ہر نفس — لطفِ شہِ انام کا امیدوار تھا

(۴۴) رحمٰن خاور:

ظل الرحمٰن خان ریاست رام پور کے ادبی گھوارہ میں ۳؍جنوری ۱۹۳۷ء کو مولوی بنّے خان سرخوش شادانی کے گھر پیدا ہوئے۔ ریاست رامپور کی ادبی، ثقافتی اور علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ظل الرحمٰن جو خاور کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، ان کا خمیر اسی مٹی سے اٹھا ہے۔ مروجہ تعلیم ایم اے اردو ہے۔ گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس و کامرس میں مدرس ہیں، مرزا عابد علی بیگ سحر رام پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

۳۸ سال سے شفیع عاصیاں جناب سرور کونین ﷺ کی مدحت سرائی میں مگن ہیں۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی'' موصوف کا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں چیدہ چیدہ نعتیں جمع ہیں۔ آپ کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:

توصیف مصطفیٰ کے لیے لفظ اب کہاں — اس ذات پاک پر ہوئے سارے سخن تمام
میں اور میری کج کلہی دونوں کچھ نہیں — نسبت سے آپؐ کی ہے مرا بانکپن تمام
آئی ہے اس طرف جو مدینے سے کچھ ہوا — خوشبو میں بس گئی ہے فضائے وطن تمام
مدت سے مدینے کے سفر کے ہیں ارادے — تکمیل کی توفیق مجھے میرے خدا دے
کیا بات ہے اس رہبر کامل کی جو خاور — اللہ سے اللہ کے بندوں کو ملا دے

(۴۵) ساغر صدیقی:

نام محمد اختر تخلص ساغر ہے۔ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے قریہ میں جناب حبیب الرحمٰن سے حاصل کی۔ شروع میں طبیعت اخبار نویسی کی طرف مائل تھی، اپنے استاد محترم کے ساتھ امرتسر آ گئے۔

۱۹۴۷ء میں لاہور آ گئے۔ انارکلی میں ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برق کا گھر آماجگاہ رہا۔

''چادرِ صحرا'' اور ''شب آگہی'' مجموعہ کلام کی صورت میں چھپ کر عوام وخواص سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ساغرؔ صدیقی آخری ایام میں مکمل طور پر نعت گوئی کی طرف مائل ہو گئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو نعتِ رسول اکرمؐ کے لیے وقف کر دیا، فدائی رسالت مآب ﷺ نے ۲۰ رجولائی ۱۹۷۴ء کو دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کیا، ''سبز گنبد'' آپ کا نعتیہ مجموعہ ہے جو خاص و عام میں یکساں مقبول رہے گا۔

نمونۂ کلام:

جو غم گسار ہے نادار اور غریبوں کا — وہ قدسیوں میں بھی عالی مقام رہتا ہے
ہمیں ضرورت آب بقا نہیں ساغرؔ — ہمارے سامنے کوثر کا جام رہتا ہے

☆☆☆☆☆

بزم کونین سجانے کے لیے آپؐ آئے — شمعِ توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے

(۴۶) ستارؔ وارثی:

ستارؔ وارثی سلسلہ وارثیہ کے جلیل القدر اور صاحب کشف وکرامات بزرگ سید غفار شاہ وارثی کے گھر ۱۹۲۸ء کو بریلی میں پیدا ہوئے، آپ خلیق، ملنسار اور شگفتہ مزاج آدمی تھے۔

ستارؔ وارثی کا نعتیہ مجموعہ ''معطر، معطر'' ہے۔ آپ کی نعتیں سرورِ دو عالمؐ سے محبت و عقیدت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مارچ ۱۹۸۵ء کو آسمان نعت گوئی کا یہ درخشندہ ستارہ اپنی عمر طبعی گزار کر خالق حقیقی سے جاملا۔ آپ کی آخری آرام گاہ کراچی میں واقع ہے۔ سیرت و کردار میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے، انسان دوستی آپ کا مسلک اور نصب العین تھا۔

اللہ اللہ ارفع و اعلیٰ ہے کیا شانِ رسولؐ — خالق کون و مکان ہے خود ثنا خوانِ رسولؐ
سیرت خیر الوریٰؐ تفسیر ہے قرآن کی — ہے خدائے پاک کا فرمان، فرمانِ رسولؐ
خاک کا بستر، غذا جو اور تکیہ اینٹ کا — یہ متاع زیست تھی اور یہ تھا سامانِ رسولؐ
مجھ سا عاصی بھی ہے نازاں ان کی شان عفو پر — مجھ پہ ہے سایہ فگن ستارؔ دامانِ رسولؐ
دو عالم میں نہیں کوئی تمھارا ثانی و ہمسر — کہ تم ہو نازش خوباں تمھیں سلطانِ بحر و بر
تمھاری ذات اقدس مظہر الفقر فخری ہے — شہنشاہ جہاں ہو کر بندھے ہیں پیٹ پر پتھر

سرِ محشر گنہگاروں کی اپنے لاج رکھ لینا تمھارا ہی سہارا ہے ہمیں اے شافعِ محشرؐ

(۴۷) سرشارؔ صدیقی:

سرشارؔ صدیقی دسمبر ۱۹۲۶ء میں کانپور میں پیدا ہوئے۔اسی کوچۂ ادب میں ان کا بچپن گزرا۔ یہ شہر صنعتی ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی مرکز بھی ہے،۔اسی شہر میں مردآہن مولانا حسرت موہانی کی رہائش گاہ تھی۔سرشار صدیقی کا شمار ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ذریعہ معاش ان کا اشتہار سازی ہے۔قیام پاکستان کے تین سال بعد ترک وطن کرکے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں وارد ہوئے اس وقت ان کی عمر چوبیس سال کے قریب تھی مگر جب سرشارؔ صدیقی نے اپنے روحانی مرکز کی طرف رجوع کیا تو ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جواب اپنی اساس کی تلاش میں سرگرم عمل ہے اوراسی تلاش کے پس منظر میں موصوف کی کتاب ''اساس'' معرض وجود میں آئی۔جن لوگوں نے سرشارؔ کو پہلے دیکھا ہے وہ اب سرشارؔ سے مل کر حیرت زدہ ہوجاتے ہیں۔ایک مدح خوانِ رسولؐ کی ہر وقت آنکھیں نم ہیں۔ ہر سانس میں مدینہ بسا ہے اور ہر ذکر سرکار دو عالمؐ کے دربار سے وابستہ ہے۔شاید روح کی یہی تڑپ آپ کو ہر سال مدینۃ النبیؐ کی گلیوں میں پہنچا دیتی ہے۔

اب تو آئے ہیں زیست کے آداب اب تو جی چاہتا ہے جینے کو
دل میں ہے گنجینۂ ثنائے رسولؐ لیے پھرتا ہوں اس خزینے کو
جس میں تھے سارے زندگی کے گناہ میں ڈبو آیا اس سفینے کو
اشک تھمتے نہیں ہیں اب، جیسے ٹھیس لگ جائے آبگینے کو

معجزۂ شوق ہے مسجد ذوالقبلتین قبلہ بھی ان کے لیے قبلہ نما ہوگیا

(۴۸) سعیدؔ وارثی:

محمد سعید وارثی شعروادب کی محفلوں میں سعیدؔ وارثی کے نام سے متعارف ہیں۔ ایم اے اردو، ایم اے پولیٹکل سائنس، ایل ایل بی، ڈی ایل ایس، ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے تاجر ہیں۔سعید وارثی خوش قسمت مداح رسولؐ واقع ہوئے ہیں کہ ان کے دادا اور والد ستارؔ وارثی مرحوم بھی مدح خوان رسولؐ میں سے تھے،ایسے ماحول میں ان کی تربیت ہوئی جو

ان کی فکری صلاحیتوں کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوئی۔ سعید وارثی اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعر ہیں اور انھوں نے اپنی فکر کا محور ذاتِ رسول ؐ کو بنایا ہے۔

''آوازیں'' مضامین کا مجموعہ، ''خواب خواب چہرہ'' غزلوں کا مجموعہ، ''ناگفتہ'' نظموں کا مجموعہ، ''ورثہ'' نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔

نمونۂ کلام:

به احتیاط محبت به چشم تر، کہنا — صبا حضورؐ سے میرا پیام اگر کہنا
نہ بار، گوش مقدس پہ ہو یہ قصۂ غم — مرے کریمؐ سے ہر بات مختصر کہنا
حضورؐ! آپؐ کے در کا غلام ادنیٰ سعید — بجھا بجھا سا ہے طیبہ کو چھوڑ کر کہنا

مدحتِ شاہِ دو عالمؐ کا سلیقہ دے دے — میرے مالک مجھے جبریل کا لہجہ دے دے
بوسۂ نقشِ کفِ پائے نبیؐ چاہتا ہوں — مجھ کو پستی سے اٹھا اور یہ رتبہ دے دے
سطوت جاہ وحشم ہیچ ہے نظروں میں مری — تو مرے دل کو محبت کو سلیقہ دے دے

(۴۹) سکندر لکھنوی:

سکندر لکھنوی ایک زود گو شاعر ہیں۔ عرصۂ دراز سے نعت گوئی کے باب میں اضافے کر رہے ہیں، نعتوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ کراچی کے نعت گو شعرا میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

''تسکین روح'' سکندر لکھنوی کا پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۶۳ء میں کراچی سے شائع ہوا، یہ مجموعہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ سکندر لکھنوی کی کتابوں کے بعد کئی ایڈیشن بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کتاب کو خلیل بک ڈپو ۳/۳۷ لیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سکندر لکھنوی کے دوسرے نعتیہ مجموعہ کلام جو شائع ہو چکے ہیں، ذیل میں رقم کیے جا رہے ہیں۔

تسکین روح ۱۹۶۳ء، سحاب رحمت ۱۹۶۸ء، ارمغان حرم ۱۹۷۴ء، ممدوح کائنات ۱۹۷۶ء، سفینۂ دل ۱۹۷۹ء، سراجاً منیراً، ۱۹۸۰ء، قاسم خلد ۱۹۸۰ء، امام القبلتین ۱۹۸۱ء، سید المرسلینؐ ۱۹۸۳ء، نعت حبیبؐ، ۱۹۸۵ء گلشن ثنا ۱۹۸۶ء، مختار کونین ۱۹۸۷ء۔

نمونۂ کلام:

بتاؤں کیا نعمتیں ملی ہیں مکین خضرا تری گلی میں
سرور بخشا تری گلی نے سکون پایا تری گلی میں
نگاہ کو روشنی ملی ہے تو دل کو تابندگی ملی ہے
جبیں نے سجدوں میں کیف پایا ، کیا جو سجدہ تری گلی میں
خدا کی مرضی ، خدا کی حکمت ، خدا ہی جانے ، ولیک ہم نے
سروں کا کعبہ حرم میں دیکھا، دلوں کو کعبہ تری گلی میں

☆☆☆☆☆

جو عشق نبیؐ کے جلوؤں کو سینوں میں بسایا کرتے ہیں
اللہ کی رحمت کے بادل ان لوگوں پہ سایہ کرتے ہیں
جب اپنے غلاموں کی آقاؐ تقدیر بنایا کرتے ہیں
جنت کی سند دینے کے لیے روضے پہ بلایا کرتے ہیں
مخلوق کی بگڑی بنتی ہے خالق کو بھی پیار آجاتا ہے
جب بہر دعا محبوب خدا ہاتھوں کو اٹھایا کرتے ہیں
ہے شغل ہمارا شام و سحر اور ناز سکندر قسمت پر
محفل میں رسول اکرمؐ کی ہم نعت سنایا کرتے ہیں

(۵۰) سہیلؔ غازی پوری:

نام سہیل احمد خان، تخلص سہیلؔ ۱۹۳۹ء میں غازی پور (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے، بی اے تک آپ کی تعلیم ہے۔ ملازمت پاکستان کسٹم میں ہے۔ آپ کے چار مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا ''اجالوں کے دریچے'' ۱۹۸۲ء میں، دوسرا ''موسموں کی گرد'' ۱۹۸۵ء میں اور تیسرا ''عکس جان'' ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ چوتھا مجموعہ نعتیہ ہے جو ''شہر علم'' کے نام سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔

سہیل غازی پوری نفیس، خوش فکر اور خوشنوا شاعر ہیں، ان کی نعتوں میں ان کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں جو حبّ نبیؐ سے عبارت ہیں۔ سہیل کی نعتیہ شاعری مدینہ منورہ

کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے، شہر نبیؐ ان کے لہو میں رچ بس گیا ہے۔ آپ کراچی کی ادبی محفلوں کے ایک مقبول شاعر ہیں۔

نمونہ کلام:

محبت ہے تو یوں نعتِ نبیؐ کا حق ادا کیجیے ۔۔۔ لکھا کیجیے، پڑھا کیجیے، کہا کیجیے، سنا کیجیے
انھیں کے نام کی برکت سے تقدیریں بدلتی ہیں ۔۔۔ انھیں کا نام نامی جاگتے سوتے لیا کیجیے
کچھ ایسا لطف آیا آپؐ کی مدحت سرائی میں ۔۔۔ کہ دل کہنے لگا پیہم ثنائے مصطفیٰ کیجیے
شبِ غم ان کی فرقت میں چراغ سوزِ غم بن کر ۔۔۔ جلا کیجیے، بجھا کیجیے، بجھا کیجیے، جلا کیجیے
محمد مصطفیٰؐ صلِ علیٰ کے آستانے پر ۔۔۔ سلیقے سے، ادب کے ساتھ عرض مدعا کیجیے

☆☆☆☆☆

کر عطا مولائے کل مجھ کو بھی عرفانِ نبیؐ ۔۔۔ میں بھی کچھ لکھ لوں بہ طرز نعت حسانؓ نبیؐ
میں بھی کچھ لکھ لوں بہ طرز نعت حسانؓ نبی ۔۔۔ شاید اب ہو جائیں دو اک حرف شایانِ نبیؐ

(۵۱) سید اقبال عظیم:

جنگ آزادی کے حوالے سے میرٹھ کو شہرت دوام حاصل ہے اور یہ شہرادیبوں، عالموں اور مجاہدوں کا مرکز بھی رہا ہے۔ اسی مٹی سے سید اقبال عظیم کا خمیر اٹھا۔ ۸؍جولائی ۱۹۱۳ء کو سید مقبول عظیم عرشؔ کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد قصبہ ایٹہ ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے۔

اقبال عظیم نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے ۳۴ء میں اور آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے ۱۹۴۳ء میں کیا۔ حصول علم کے بعد درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ ۹؍جولائی ۱۹۵۰ء تک یوپی کے کالجوں میں بطور اردو پروفیسر کام کرتے رہے۔ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۰ء کو سابق مشرقی بنگال پہنچے وہاں ڈھاکہ اور چاٹگام کے کالجوں میں پڑھاتے رہے۔

''مشرقی بنگال میں اردو'' ان کی تحقیقی کتاب ہے جو ۵۴ء میں شائع ہوئی۔ ۵۶ء میں دیوان ناطق مرتب کیا۔ ''ماحصل''، کلیات ہے، ''قاب قوسین'' نعتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک قادر الکلام نعت گو شاعر کا ہدیہ بحضور مقبول ﷺ ہے افسوس کہ ایک عرصہ سے آنکھوں سے معذور ہیں، مستقل رہائش کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:

اک مہر جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے — اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں
یہ خوشبو کچھ مجھے مانوس سی محسوس ہوتی ہے — مجھے تو یہ مدینہ کی گلی محسوس ہوتی ہے
مری بے نور آنکھوں نے چراغوں کی جگہ لے لی — مجھے اب روشنی ہی روشنی محسوس ہوتی ہے
یقیناً یہ گزر گاہ شہنشاہ دو عالمؐ ہے — فضا میں کس قدر پاکیزگی محسوس ہوتی ہے

(۵۲) سید عاصم گیلانی:

سید عاصم گیلانی شگفتہ مزاج، بردبار اور نرم خو انسان ہیں۔آپ کی وضع قطع عالمانہ اور صوفیانہ ہے، ان کی شناخت ان کی نعت گوئی کا وہ رنگ ہے جو صوفیانہ روایت کا امین ہے۔شریعت وطریقت کا ایسا امتزاج ان کی نعتوں میں موجود ہے جو اسلامی فکر کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔عمل کی ترغیب ان کی شاعری کا خاصا ہے۔

''وسیلہ'' سید عاصم گیلانی کا نعتیہ مجموعہ ہے،آپ لاہور میں سکونت رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

ان سے نسبت ہو تو پھر کیوں نہ کرے ناز کوئی — اس سے بڑھ کر نہیں کونین میں اعزاز کوئی
کھیل بچوں کا، نظر آئے گی سیر مہتاب — ذہن میں رکھے اگر آپؐ کے اعجاز کوئی
اس کے قدموں سے لپٹ جاتی ہے منزل آ کر — آپؐ کے نام سے جو کرتا ہے آغاز کوئی
پھر ہے خیبر کی طرف یورشِ اغیار آقاؐ — عزم حیدرؓ لیے کب آئے گا جانباز کوئی

☆☆☆☆☆

وہ ایک شخص جو عالم میں انتخاب ہوا — اسی کے نام میری چاہتوں کا باب ہوا

(۵۳) سید فیض الحسن:

صاحبزادہ سید فیض الحسن مرحوم کو برصغیر کے سیاسی وعلمی حلقوں میں جو مقام حاصل رہا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں۔آپ صاحب طرز خطیب، ایک نامور روحانی خاندان کے چشم و چراغ اور سجادہ آلومہار شریف کے امین تھے، انھیں شاہ عطا اللہ بخاری مرحوم کے قافلے کا آخری فرد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے صاحبزادہ صاحب بی اے تھے۔تمام عمر شعر و شاعری

کی محافل سے گریزاں رہے، البتہ نجی محفل میں اگر اصحاب علم و دانش جمع ہو جاتے تو کچھ سنا دیتے تھے۔

صاحبزادہ فیض الحسن کو قدرت نے بے پناہ خوبیاں عطا کی تھیں، وہ ہمیشہ اسلامی اقدار سے وابستہ اور اس کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے، انھوں نے قدم قدم پر شریعت مطہرہ کی نزاکتوں کو مدنظر رکھا۔ ان کے مجموعہ ''ارمغان فیض'' میں علم و حکمت اور عرفان کی ایک دنیا آباد ہے۔

ہے جانِ نگاراں نگار مدینہ ہے روح بہاراں بہار مدینہ
گل سدرہ و میوۂ شاخ طوبیٰ ہیں پروردۂ جوئبار مدینہ

☆☆☆☆☆

کمال سلسلۂ خلق احمد عربی نگاہ منفرد ہاشمی و مطلبی

(۵۴) سیمابؔ اکبرآبادی:

علامہ عاشق حسین سیمابؔ اکبرآبادی کی جائے ولادت سرزمین آگرہ ہے۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے، ان کے آبا و اجداد اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں بخارا سے عازم سفر ہوئے اور ہندوستان آنے کے بعد مستقل رہائش اکبرآباد میں اختیار کی۔ آپ کے والد محمد حسین صدیقی ولد شیخ نبی بخش صدیقی ملازمت پیشہ انسان تھے۔

سیمابؔ نے ابتدائی تعلیم جمال الدین سرحدی، رشید احمد گنگوہیؒ، قمر الدین، عبدالغفور جیسے جید اساتذہ سے حاصل کی۔ شاعری ورثہ میں ملی۔

والد کے انتقال کے بعد ریلوے میں ملازمت اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں داغؔ دہلوی سے اکتساب فیض کیا۔ سیمابؔ اکبرآبادی قادر الکلام اور کہنہ مشق شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ انھوں نے آگرہ میں ''قصر ادب'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تاکہ تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو جاری رکھا جائے۔

۱۹۲۶ء میں سیمابؔ اکبرآبادی وارد ِلاہور ہوئے۔ بارود خانے میں اپنا دفتر قائم کیا اور ماہنامہ ''پیمانہ'' آگرہ سے لاہور لے آئے۔ لیکن وہاں کی فضا راس نہیں آئی اور واپس آگرہ آ گئے۔ ۱۹۳۰ء میں آگرہ سے ''شاعر'' نامی ماہنامہ کا اجرا عمل میں آیا، یہ رسالہ اب بھی

بمبئی سے نکلتا ہے، علامہ مختلف ادوار میں بہت سارے ماہناموں اور ہفت روزوں کے ایڈیٹر رہے، تقریباً ۳۰۰ چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، جن میں ''تیستاں'' کارامروز، کلیم عجم، ساز وآہنگ، سدرۃ المنتہیٰ، عالم آشوب، سیرت النبیؐ اور ساز حجاز، اہم ہیں ''وحی منظوم'' آپ کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ آپ ۳۱/جنوری ۱۹۵۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

''ساز حجاز'' رسول اکرم ﷺ سے عقیدت ومحبت کا بہترین اظہار ہے، آپ کا مزار کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:

کفر کی تاریکیاں بھی جگمگا اٹھیں تمام ۔۔۔ اس طرح پھیلی ضیائے رحمۃ للعالمینؐ
اس جہاں کا حال کیا ہوتا اگر ختمی مآبؐ ۔۔۔ اور کچھ ہوتے بجائے رحمۃ للعالمین

☆☆☆☆☆

الٰہی کوئی تو مل جائے چارہ گر ایسا ۔۔۔ ہمارے درد کی لادے دوا مدینے سے
وداع ہوکے جو مکے سے آئے بعد طواف ۔۔۔ گئے نہ لوٹ کے پھر مصطفیٰؐ مدینے سے
نہ آئیں جاکے وہاں سے یہی تمنا ہے ۔۔۔ مدینے لاکے نہ لائے خدا مدینے سے

(۵۵) شاہد الوری:

بھارت کی ریاست الور میں نذیر محمد انصاری ۲۶/دسمبر ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ ادبی دنیا میں شاہد الوری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں۔ موصوف نے حضرت ارمان اجمیری مرحوم اور راغب مرادآبادی سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، رائٹر گلڈ کے رکن ہیں۔ کئی ادبی اداروں کے نگراں اور سرپرست بھی ہیں۔ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ ''حمد وثنا'' شاہد الوری کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ رہائش کورنگی کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:

غلام شہؐ دوسرا ہوگئے ہم ۔۔۔ حقیقت میں حق آشنا ہوگئے ہم
ملی سرورؐ دیں کی حلقہ بگوشی ۔۔۔ تو مقبول رب، علیٰ ہوگئے ہم
بنی نوع انساں کے اے شاہ بطحیٰؐ ۔۔۔ طفیل آپؐ کے رہنما ہوگئے ہم

نگاہ شہِ دینؐ کا یہ معجزہ ہے گنہ گار تھے پارسا ہوگئے ہم
مگر یہ تو تحدیث نعمت ہے شاہد کہے جایئے ، کیا سے کیا ہوگئے ہم

☆☆☆☆☆

در و بام بطحیٰ کو چھو کر جو آئیں ہوائیں ہوئیں مشک بار اللہ اللہ

(۵۶) شریف امروہوی:

سید شریف حسین رضوی کا تعلق ایک ایسے خانوادۂ طریقت سے ہے جو مشیت الٰہی اور حبّ رسولؐ میں ہمیشہ غرق رہا ہے۔''قندیل عرش'' آپ کا ایک ایسا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں سرکار دو عالمؐ سے بے پناہ محبت وعقیدت کا اظہار ملتا ہے اور جو قاری کو اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ شریف امروہوی باقیات الصالحات میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے میں گزاری۔ موصوف کراچی میں مقیم ہیں۔ آپ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔

نمونۂ کلام:

جب کبھی میں مدینے کی جانب چلا یادِ محبوب رب ہم سفر ہوگئی
ساری دنیا ادھر سے ادھر ہوگئی ان کے در تک رسائی مگر ہوگئی
شانِ محبوبیت تو ذرا دیکھیے ہے فرشتوں سے آگے مقام آپؐ کا
اللہ اللہ رے یہ عروج آپؐ کا سدرۃ المنتہیٰ رہ گزر ہوگئی
آفتاب رسالت چمکنے لگا شب کی تاریکیاں منہ چھپانے لگیں
آگئے نور حق یعنی محبوبؐ رب نور کی جگمگاتی سحر ہوگئی

تھی خبر جس کی توریت و انجیل میں
وہ کتاب آگئی وہ کلام آگیا
اس کو دوزخ جلائے یہ ممکن نہیں
جس کا ان کے غلاموں میں نام آگیا

(۵۷) شمس نظامی:

شمس الحق نظامی ۲۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو بجھرواں ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ نظامی کا سلسلہ نسبت براہ راست حضرت شیخ الشیوخ مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

سے اٹھارویں پشت میں جاملتا ہے۔

شمسؔ نظامی نے دینی تعلیم خانقاہ نیازیہ بریلی شریف میں اپنے ہی خاندان کے سجادگان کی زیر تربیت حاصل کی۔ مولوی فاضل کی باقاعدہ سند حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ادبی زندگی کا آغاز اپنے بڑے بھائی مولانا حامد حسن قادری کے زیر تربیت رہ کر کیا۔ شمسؔ نظامی کی ذات ادبی حوالہ سے محتاج تعارف نہیں۔

شمسؔ نظامی تمام عمر درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ رہے، قناعت کے دامن کو تھامے رہے۔ شمسؔ نظامی کی نعتیں تصوف آمیز فکر کی آئینہ دار ہیں۔ ''طلوع شمس'' نعتیہ ادب سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے ارمغانِ محبت و عقیدت ہے، پروفیسر شمسؔ الحق نظامی کا وصال ۱۲؍مئی ۱۹۷۲ء کو کراچی میں ہوا، آخری آرام گاہ کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:

زبان برگ و گل دھل جائے اول آب کوثر سے ہو پھر عہدہ برآ وصفِ لبِ لعل پیمبرؐ سے
شگفتہ غنچۂ دل آپؐ کی بوئے محبت سے مشام جاں معطر آپؐ کی زلف معنبر سے

☆☆☆☆☆

تمھارے ہی کرم پر جی رہے ہیں شمسؔ سے عاصی کہ روز حشر مولا! عاصیوں کی آبرو تم ہو

(۵۸) شہابؔ دہلوی:

سید مسعود حسن شہابؔ دہلوی ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۲ء کو دہلی میں سید منظور حسن رضوی کے گھر پیدا ہوئے۔ شہابؔ دہلوی اپنے اجداد کی روایت کے امین تھے۔ وہ شاعر بھی تھے، صحافی اور ادیب بھی۔ آپ نے مؤرخ اور محقق کی حیثیت سے بھی بڑا نام پیدا کیا۔ آپ کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔

بہاولپور سے نکلنے والے ادبی سہ ماہی جریدے ''الزبیر'' اور ''الہام'' کے مدیر اور اردو اکادمی بہاولپور کے معتمد عمومی کی حیثیت سے ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

نعتیہ ادب میں بھی شہابؔ دہلوی کی ایک شاہکار یادگار موجود ہے ''موجِ نور'' کی نعتیں محبت و عقیدت کا ایک خوبصورت گلدستہ ہیں۔ شہابؔ دہلوی آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی خدمات ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہیں گی۔ وہ ۲۹؍اگست ۱۹۹۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

نمونۂ کلام:

جذبۂ شوق فراواں ہوتو پھر نعت کہو دل میں گر جوشِ ایماں ہوتو پھر نعت کہو
جس نے کی آپؐ سے الفت تو ہوئی حق کو خوشی واقف رحمت یزداں ہوتو پھر نعت کہو
نعت ہر فکر و تردد کو مٹا دیتی ہے ذہن بیزار و پریشاں ہوتو پھر نعت کہو

(۵۹) شیخ احمد علی ننکانویؔ

شیخ احمد علی ننکانویؔ ۱۹۱۴ء میں ایک ایسے علاقے میں پیدا ہوئے جہاں دور تک کہیں کسی مکتب و مدرسہ کا وجود نہ تھا، تاہم انھوں نے ذاتی شوق اور جذبہ کے تحت نعتیں کہی ہیں اور بڑی حد تک کامیاب نعت گو مانے جاتے ہیں۔

نعتیہ شاعری میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے درمیان امتیاز موجود ہو۔ اگر حدِ فاصل مٹ جائے تو مبالغہ آمیزی شرک کے دروازے کھول دیتی ہے، لیکن شیخ نے افراد وتفریط سے دامن بچائے ہوئے نعتیں بھرپور انداز میں کہی ہیں۔ ان کا مجموعہ ''برق تپاں'' اس کا ثبوت ہے۔

نمونۂ کلام:

آمنہ کی گود میں چمکا جو وہ ماہؐ عرب آسماں پر چاند تاروں کی نظر شرما گئی
اللہ رے! وہ خاک کہ جس خاک سے اٹھ کر اک خاک نشیں عرش پہ مہماں گیا ہے
توحید کا سیلاب جو اٹھا تھا عرب سے بت خانوں کو کرتا ہوا ویران گیا ہے

(۶۰) صابر براری:

احمد مرزا براری ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ایلچ پور ضلع امرواتی برار میں پیدا ہوئے۔ موصوف کی تعلیم بی اے، بی ایڈ ہے۔ اور درس وتدریس کے پیشہ سے وابستہ ہیں، تقریباً ۲۷ سال سے مشق سخن جاری ہے، مولانا شاہ ضیاء القادری سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا، شاہ صاحب کے بعد حضرت عارفؔ اکبرآبادی سے آپ استفادۂ سخن کرتے رہے۔

''تاریخ رفتگاں'' قابل قدر تذکرہ ہے ''فردوس عقیدت، بہشت مناقب، انوار پنجتن اور جام طہور'' صابرؔ براری کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ ان کا کلام نبی آخر الزماںؐ سے محبت و عقیدت کا دلکش نمونہ ہے۔ مستقل رہائش کورنگی، کراچی میں ہے۔

نمونۂ کلام:

گر اذن حضوری ہو، گر طیبہ نگر جاؤں — صد چاک جگر جاؤں، با دیدۂ تر جاؤں
ہاں! اے سرِ شوریدہ، وہ سامنے روضہ ہے — ملحوظ رہے لیکن، حد سے نہ گزر جاؤں

☆☆☆☆☆

صابرؔ ہو مبارک کہ درِ ختم رسلؐ پر — برآئی تری نعت سنانے کی تمنا

(۶۱) محمد ایوب قریشی صابر کاس گنجوی، قصبہ کاس گنج ایٹہ (یوپی) میں اکتوبر ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ اکاؤنٹنٹ جنرل آفس حکومت پاکستان اسلام آباد میں ملازم ہیں۔ ایوب صابرؔ کو شعروشاعری ورثے میں ملی ہے، ان کے والد بزرگوار بھی شاعر تھے۔ اردو ادب میں نعت گو حضرات کی کمی نہیں۔ لیکن ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں اکثر افراط وتفریط کے شکار دکھائی دیتے ہیں مگر صابرؔ کاس گنجوی کا کلام اس عیب سے پاک وصاف ہے۔

صابرؔ کاس گنجوی نعتیہ شاعری میں حالؔی کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں، اسی مکتبِ فکر کے ترجمان ہیں۔ آپؐ نے اپنے استاد محترم کا ذکر کرکے اپنی جس عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اکثر وبیشتر ایسا نہیں ہوتا۔ فکری کج روی کی ظلمت میں آپ کا نعتیہ مجموعہ ''قندیل نور'' ایک منارۂ نور کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ نمونۂ کلام:

عجز و نیاز بندگی کوئی بھی معتبر نہیں — اسوہ، رسولؐ پاک کا پیش نظر اگر نہیں
جس کی جبیں سے کسب کی، شمس وقمر نے روشنی — میرے رسولؐ کے سوا اور کوئی بشر نہیں
نورِ حبیبؐ کبریا جس کا نصیب بن گیا — اس سے زیادہ معتبر اور کوئی نظر نہیں

☆☆☆☆☆

وسیلہ ہے خدا کے قرب کا قربت محمدؐ کی — حدیثیں ہیں کلام اللہ کی تفسیر پُر معنی
بقول عائشہ قرآن ہے سیرت محمدؐ کی — بہم اخلاص ہو انساں کو انساں سے محبت ہو
یہی منشا خدا کا ہے یہی دعوت محمدؐ کی

(۶۲) صابرؔ کوثر:

محمد صابر انصاری کوثرؔ ۱۹۱۲ء میں بھارت کے ضلع ناگپور کے علاقے کامٹی میں عبدالکریم انصاری کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد پارچہ سازی کا کام کرتے تھے۔ معاشی بدحالی کے باوجود

کوثرؔ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا راہیؔ سے عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔
کوثرؔ، شاطرؔ حکیمی سے اصلاح لیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کے اکثر عزیز وا قارب پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں خود بھی پاکستان چلے گئے۔

''لفظوں کا مصور'' غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ''حرا کا چاند'' نعتیہ مجموعہ ہے۔ ان کی شاعری میں رسول اکرمؐ سے محبت کی بعض بڑی والہانہ مثالیں ملتی ہیں۔ آپ کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:

نبیؐ کا ہر عمل قرآن کا منشور ہوتا ہے　　نظام مصطفیٰؐ کا اور کیا دستور ہوتا ہے؟
جو منکر ہے وہی ان کی نظر سے دور ہوتا ہے　　دل مسلم نبیؐ کی یاد سے معمور ہوتا ہے
منافق اور ملحد کی سمجھ میں آ نہیں سکتا　　کہ ان کے ذہن میں انکار کا ناسور ہوتا ہے
کبھی مسند نشیں ہوتا ہے جا کر عرشِ اعظم پر　　وہ کمبل پوش بعض اوقات اک مزدور ہوتا ہے
بغیر ان کے میں اک مصرعہ بھی کہہ سکتا نہیں کوثرؔ　　تصور میں وہ ہوتے ہیں تو دل مجبور ہوتا ہے

☆☆☆☆☆

خدا کی حمد رسولؐ خدا کی نعت لکھوں　　یہی عمل رہے ہر دم تو دم غنیمت ہے
حضورؐ! آپؐ کے اخلاق طیبہ کی قسم　　بغیر دیکھے ہمیں آپؐ سے محبت ہے
تم آج ان کی ضرورت سمجھتے ہو کوثرؔ　　رسولؐ پاک کی ہر دور میں ضرورت ہے

(۶۳)　صباؔ متھراوی:

رفیع احمد صباؔ متھراوی متھرا کے ایک دیندار گھرانے میں ۳۰ رنومبر ۱۹۱۶ء کو مولوی رضی الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم آپ کی مولوی فاضل، ادیب کامل، منشی فاضل تھی۔
صباؔ کو تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا اور اس میں طبع آزمائی کرتے رہتے تھے۔ آپ نے نعتیہ رباعیات اور سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے منظوم حالات زندگی بھی تحریر کیے۔ ''دربار رسالت'' آپ کا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں قادرالکلامی کا جوہر دیکھنے میں آتا ہے، ۷۲ سال کی عمر میں ۴ راکتوبر ۱۹۸۸ء کو کراچی میں واصل بحق ہوئے۔

نمونۂ کلام:

زباں جبریل کی دیدے تو پورا ہو سخن میرا　　کہ بہر نعت یارب کھل رہا ہے اب دہن میرا

یہ کس مہکے ہوئے رنگیں گل کا تذکرہ نکلا — زمیں کہنے لگی، ہے یہ شہنشاہ زمن میرا
مشیت نے صدا دی، رحمۃ للعالمین ہے یہ — کہا حق نے ، یہی تو ہے حبیب خوش سخن میرا
یہی محبوب فطرت ہے یہی مقصود قسمت ہے — صباؔ ہے آج محفل میں جو موضوع سخن میرا

اے گلستان نبوت کے گلاب — اے جہان رحمت حق کے شباب
اے مکمل علم و حکمت کی کتاب — مٹ نہیں سکتا ترا درس و پیام
الصلوٰۃ والصلوٰۃ السلام

اے کہ تو نباض نبض کائنات — اے کہ تیری ہر نظر روح حیات
تیری ٹھوکر میں جہاں کے حادثات — عرش پر تیرے قدم عالی مقام
الصلوٰۃ والصلوٰۃ السلام

(۶۴) صبیح رحمانی:

سید صبیح الدین رحمانی فردوس کالونی کراچی میں سید اسحاق کے گھر ۲۷/ جون ۱۹۶۵ءکو پیدا ہوئے۔ جامعہ کراچی سے بی اے آنرز سیاسیات میں کیا محکمۂ ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف پاکستان سے وابستہ ہیں۔ سید صبیح رحمانی صاحب کے آباء واجداد کا تعلق وانسلاک ہندوستان کے صوبۂ مہاراشٹر کے ضلع بیڑ کے ایک نمایاں سادات خانوادہ سے ہے۔

صبیح نے ابتدا میں اپنا کلام مولانا نیر مدنی مرحوم کو دکھایا اوراس کے بعد حافظ محمد مستقیم سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ صبیح اپنی خداداد ذہانت سے ۲۶ سال کی عمر میں صاحب مجموعہ شعرا کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ کراچی میں فروغ نعت کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ''گل بہار نعت کونسل'' کے روح رواں ہیں۔ ''ماہ طیبہ'' نعتیہ سرمایہ میں ایک اچھا اضافہ کہا جاسکتا ہے۔ جوان کا پہلا مجموعہ ہے۔

نمونہ کلام:

حضور! ایسا کوئی انتظام ہوجائے — سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے
ملے مجھے بھی زبانِ بوصیریؒ و جامیؒ — مرا کلام بھی مقبول عام ہوجائے

مرجان نہ یاقوت نہ لعل یمنی مانگ — اللہ سے جذبات اویس قرنی مانگ
اس سے بڑی نعمت نہیں کونین میں کوئی — سرکارؐ سے سرکار کی تو ہم وطنی مانگ

لطف اور بھی آئے گا صبیحؔ ان کی ثنا کا لطف اور بھی آئے گا صبیحؔ ان کی ثنا کا

حضرت علامہ صبیح الدین رحمانی کی شخصیت، وہ لاجواب شخصیت ہے، جو اعلیٰ صفات کی حامل شخصیت کہی جاسکتی ہے۔ موصوف ایک فرد نہیں بلکہ اپنے میں بہت حد تک لاجواب اور لاثانی اعلیٰ صفات رکھتے ہیں اور اس طرح موصوف ایک انجمن کے خصائص کے مالک ہیں، آپ نے نعت کی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ایسی اور اتنی اعلیٰ درجہ کی خدمت کی ہے جو بظاہر انسانی بساط سے باہر کی بات محسوس ہوتی ہے۔ موصوف اعلیٰ درجہ کی تخلیقات ہی منظر عام پر لاتے ہیں اور نعت کے سلسلے میں دوسروں سے بھی اعلیٰ درجہ کا کام کراتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے ذریعہ، جس کے آپ مدیر اعلیٰ ہیں، اعلیٰ درجہ کا تحقیقی و تنقیدی کام کرنے اور کرانے میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ آپ نے ''نعت رنگ'' کے ذریعہ اعلیٰ پیمانے کی تحقیق و تنقید کی ترویج کی ہے۔

(۶۵) صہبا اختر:

اختر علی رحمت صہبا اختر کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ واحد پاکستانی شاعر ہیں جنھوں نے اہم عالمی واقعات و حادثات اور اہم یادگار شخصیات پر بکثرت نظمیں کہی ہیں۔ صہبا اختر محکمۂ خوراک سے وابستہ ہیں۔ ''سرکشیدہ'' آپ کا پہلا مجموعۂ کلام ہے۔ طویل نظم، مثنوی، داستان اور تمثیل کا مجموعہ ''سمندر'' ہے۔ صہبا اختر کا نعتیہ مجموعہ ''اقراء'' منفرد انداز بیان کا حامل ہے جس میں روایتی نعت گوئی کی ڈگر سے ہٹ کر اسلوب بیان اپنایا گیا۔ آپ کراچی میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:

وہ محمدؐ جس کی خاطر دو جہاں پیدا ہوئے جس کے صدقے میں زمین و آسماں پیدا ہوئے
وہ محمدؐ نور تھا جس کا سراپائے یقیں خلقت آدم تھی جس دم، درمیان ماء و طیں
وہ محمدؐ جس کے خدوخال کی آیات سے وہ محمدؐ جس کے نور پاک کی برکات سے
آپ کو ٹھنڈک ملی تو برق کو حدت ملی اس ہوا کو پر ملے اس خاک کو صورت ملی

☆☆☆☆☆

تفسیر برگ و گل ہے مرے حرف حرف میں دیباچہ بہار ہے میرا سخن سخن

جب بھی فضائے نعت میں ہوتا ہوں میں مگن بجتے ہیں دل کے تار بھی صہبا چھنن چھنن

(٦٦) ضیاءالقادری بدایونی:

محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی ۲؍جون ۱۹۸۲ء کو بروز یکشنبہ بدایوں میں پیدا ہوئے، چار سال کی عمر میں والدین کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے، آپ کی پرورش مولانا علی احمد خاں اسیرؔ بدایونی نے کی۔ اسیرؔ سینٹ جانسن کالج آگرہ میں پروفیسر تھے۔ وہ ضیاءالقادری کے خالو تھے، وہ خود بھی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ ضیاءالقادری بدایونی نے تمام عمر نعت گوئی سے شغف رکھا اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ''تجلیات نعت، خزینہ بہشت، مرقع شہادت، خواجگان چشت'' آپ کے مجموعے ہیں۔ ۸۸ سال کی عمر میں ۱۴؍اگست ۱۹۷۰ء کو خالق حقیقی سے جا ملے، موصوف کی نعتیں محبت رسولؐ کی آئینہ دار ہیں۔

نمونۂ کلام:

''ابوالقاسم'' ہیں سلطان دو عالم غریب و بیکس و نادار ہوں میں
ہوں صدیقؓ و عمرؓ، عثمانؓ کا خادم غلام حیدرؓ کرار ہوں میں
نظر ہے دشت میں سوئے مدینہ ہوں دیوانہ مگر ہشیار ہوں میں

(٦٧) طالقؔ ہمدانی:

موصوف کا نام طالب حسین، تخلص طالقؔ ہمدانی اور کنیت ابن المکرّم ہے۔ ان کے والد پیر کرم علی شاہ کو سلسلۂ قادریہ میں سرگروہ کا خطاب ملا ہوا تھا۔ ان کی جائے پیدائش لدھیانہ ہے۔ ٦؍فروری ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے اسکول کی تعلیم آٹھویں جماعت تک ہے۔ ادیب عالم ہیں۔ شعر گوئی کا شوق بچپن ہی سے ہے۔ علامہ سیمابؔ اکبر آبادی کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے، شعری محاسن و معائب سے آگاہ ہیں۔ ''افکارِ جمیل'' ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ نمونۂ کلام:

یکایک سب اندھیرے چھٹ گئے کفر و ضلالت کے
عطا کی روشنی ذروں کو شمس المرسلیں ہوکر
میں ان کی مدح کیا لکھوں جنھوں نے عرش پر طالقؔ
شرف پایا ہے ممدوح اللہ العالمیں ہوکر

رسولؐ اللہ کی جب سے ہوئی تشریف فرمائی نزول رحمت باری مسلسل ہے مدینے میں

(۶۸) طاؔہر سلطانی:

طاہر حسین ۱۹۵۷ء کو بمقام شہر اٹاوہ (یوپی، بھارت) میں ماسٹر رفیق وارثی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد صوفیانہ مزاج کے حامل تھے، یہی طبیعت ان کو ورثہ میں ملی۔ طاؔہر سلطانی نے یکم جنوری ۱۹۸۷ء کو روحانی ذوق وشوق کی تسکین کی خاطر لیاقت آباد، بی ایریا میں غوثیہ مدرسہ نعت کی بنیاد رکھی۔ آج یہ مدرسہ فروغ نعت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ موصوف کی کتاب ''مدینہ کی مہک'' ان کی پہلی کاوش ہے۔

اصول دولت دنیا کی خاطر مضطرب کیوں ہوں بہ فیض مصطفیؐ تقدیر چمکے گی کبھی اپنی

☆☆☆ ☆

لب پہ ہر دم درودوں کی کلیاں کھلیں زندگی مجھ کو ایسی خدا چاہیے
جن پہ کونین کی سب دعائیں نثار ان لبوں سے مجھے بس دعا چاہیے

(۶۹) ظفؔر علی خان:

ظفر علی خان ۱۸۷۰ء میں مولوی سراج الدین کے گھر کرم آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ جسے ان کے دادا نے آباد کیا تھا، ابتدائی تعلیم مشن اسکول وزیر آباد میں حاصل کی، میٹرک پنجاب یونیورسٹی ریاست پٹیالہ سے پاس کیا ۱۸۹۲ء میں علی گڑھ کالج سے انٹر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۸ء میں علی گڑھ سے بی اے کی سند حاصل کی۔

ظفر علی خان کی علمی خدمات کو ہر دور میں سراہا گیا۔ لارڈ کرزن کی کتاب ''پرشیا'' کا اردو ترجمہ ''خیابان فارس'' کے نام سے کیا اور امریکی سائنس دان ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب کا ترجمہ ''معرکۂ مذہب وسائنس'' کے نام سے کیا اور شبلی نعمانی کی کتاب ''الفاروق'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو علمی دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ظفر علی خان کی زندگی مجاہدانہ جدوجہد سے پر تھی۔ ان کی تمام تحریروں میں وہی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ہر نظم میں ایک مرد مجاہد کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کے منفرد نعت گو تھے۔ انھوں نے نعت گوئی میں منفرد وجدید انداز اختیار کیا۔

ظفر علی خان کی شعری تصانیف میں ''بہارستان''، ''نگارستان'' اور ''چمنستان'' مشہور ہیں، جنگ آزادی کا یہ عظیم سپوت ۲۷/نومبر ۱۹۵۶ء کو ہم سے جدا ہو گیا۔ آپ کی قبر لاہور میں ہے۔

نمونۂ کلام:

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

☆☆☆☆☆

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے — اس نور اولیں کا اجالا تم ہی تو ہو
سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا — سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمھیں تو ہو

(۷۰) عابدؔ نظامی:

عابدؔ نظامی ۱۲؍اگست ۱۹۳۶ء کو محمد حسین نظامی کے گھر شہر لاہور میں پیدا ہوئے، مروجہ تعلیم میٹرک ہے اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں۔شہر لاہور میں آپ کا قیام ہے۔

عابد نظامی دور حاضر کے ان چند نعت گو شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے نعت ہی کو منبع فیض جانا ہے انھوں نے اپنی شاعری میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے مجموعۂ نعت ''فیضان کرم'' میں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں حال ہی میں آپ کا ایک اور مجموعہ ''رؤف الرحیم'' کے نام سے شائع ہوا ہے، عابدؔ نظامی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''درویش'' کی تحریریں ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہیں۔

نمونۂ کلام:

اک تری ذات مقدس کی بدولت ہی تو ہے — دہر میں عظمت انسان رسولؐ عربی

☆☆☆☆☆

دو عالم کے سلطان اور اتنے سادہ — کہ خادم سوار اور خود ہیں پیادہ
ہزاروں سلام ان پہ جن کے تھے ساتھی — علیؓ و بلالؓ و زبیرؓ و عبادہؓ
نبی کی ثنا کچھ انھیں سے ہے ممکن — جو کرتے ہیں قرآن سے استفادہ

(۷۱) عارفؔ عبدالمتین:

عارفؔ عبدالمتین ۱۹۲۳ء میں تاریخی شہر امرتسر (بھارت) کے کوچۂ وکیلاں کٹڑ

جمیل سنگھ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی۔شعر گوئی کا شوق اسکول ہی کے زمانے میں پیدا ہوگیا تھا۔کالج میں جانے کے بعدان کا کلام رسالوں میں چھپنے لگا۔پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہوگئے،ایم اے او کالج لاہور میں بھی پروفیسر رہے۔

عارف کثیر التصانیف واقع ہوئے ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک انجمن ترقی پسند مصنّفین سے منسلک رہے۔ انجمن آزاد خیال مصنّفین ''پاکستان رائٹر گلڈ اور دیگر ادبی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے۔موصوف کی تصنیف ''اگلا واپے مسافر'' کو پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کرلیا گیا ہے۔

عارفؔ عبدالمتین ذہین انسان ہیں اوران کے ذہن رسا نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ اب ترقی پسند ادب چند سالوں کا مہمان ہے۔ غالبًا اسی وجہ سے نعت گوئی کی طرف مائل ہوگئے۔نعتیہ ادب میں موصوف کی کتاب ''بے مثال'' عمدہ اضافہ ہے۔

نمونۂ کلام:

سارا علم تری خوشبو سے مہک اٹھا ہے عود کی طرح سدا خود کو جلایا تو نے
تری عظمت سے ہمیں وسعت کردار ملی ہم کہ قطرہ تھے ہمیں بحر بنایا تو نے
فقر کو رفعت مفہوم ترے گھر سے ملی اپنے دروازہ پر شاہوں کو جھکایا تو نے

☆☆☆☆☆

تری گلی کی ہوا کو صبا کہوں لیکن صبا چمن سے جو آئے اسے صبا نہ کہوں
ترے حضور کروں شرحِ آرزو لیکن ترے بغیر کہیں دل کا مدعا نہ کہوں
ہر ایک گام ہو طائف سا مرحلہ درپیش ستم اٹھاؤں کسی کو مگر برا نہ کہوں
میں اپنی نعت کو اظہار فن قرار نہ دوں میں اس کو عرضِ تمنا کا ایک بہانہ کہوں

(۷۲) عاصی کرنالی:

نام شریف احمد تخلص عاصیؔ ہے۔جائے ولادت کرنال انڈیا ہے۔قیام پاکستان کے بعد سکونت ملتان میں ہے۔موصوف ایم اے اردو ایم اے فارسی ہیں۔معلّمی کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ ملازمت کالج کی پروفیسری سے شروع ہوئی اور پرنسپل کے عہدہ تک پہنچے۔

سرکاری ملازمت کا یہ سفر ۱۹۸۹ء میں اختتام پذیر ہوا۔ ان دنوں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں بطور وزیٹنگ پروفیسر وابستہ ہیں، علمی میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

''رگِ جاں، جنبش خزاں، چمن''، نظم وغزل کے اور ''مدحت، نعتوں کے گلاب، جاوداں'' نعتوں کے مجموعے ہیں، ''نعتوں کے گلاب'' پر پہلا صدارتی ایوارڈ ۱۹۸۶ء میں آپ کو ملا۔

نمونۂ کلام:

فصیل زیست پر بجھتا ہوا دیا ہوں میں
منار نورؐ! ترا عکس چاہتا ہوں میں
میں خاک محض، میں انبار گل میں مشت غبار
تریؐ نگاہ جو پڑ جائے کیمیا ہوں میں
مرے حبیبؐ مری حسرت نگاہ تو دیکھ
مدینہ دیکھنے والوں کو دیکھتا ہوں میں
مرے کریمؐ! تری بارش کرم کو سلام
کہ نارسائی کے شعلوں میں جل رہا ہوں میں
آپؐ کی بعثت سے پہلے تھا، ہر منظر نقش دو عالم
اجڑا اجڑا، پھیکا پھیکا، ہلکا ہلکا، مدھم مدھم
آنکھ کی پتلی سہمی سہمی، دل کی دھڑکن ٹھہری ٹھہری
شوق کا دریا سمٹا سمٹا، جوش جنوں کے طوفاں کم کم

(۷۳) عبدالعزیز خالدؔ

عبدالعزیز خالدؔ ۱۹۲۷ء میں شاہ محمد کے گھر برچیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ایم اے اقتصادیات میں کیا، انکم ٹیکس افسر رہے۔ ریٹائرڈ ہوکر لاہور میں مقیم ہیں۔

خالدؔ نعتیہ شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ قوس قزح کے رنگ ان کے دامن نعت میں موجود ہیں۔ اگر دور جدید کے نعت گو شعرا خالدؔ کی پیروی کریں تو الفاظ کے اعادہ سے قاری ان الفاظ سے مانوس ہوجائے گا، جس سے نعتیہ شاعری کا دامن اب تک

خالی ہے اور بہت ممکن ہے کہ قاری کا مذاق سخن بدل جائے۔

خاؔلد مشکل پسند واقع ہوئے ہیں اور ان کے یہاں الفاظ کا بحر بیکراں دکھائی دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ خاؔلد کی نعتیہ شاعری روایت سے الگ تھلگ ہے۔ عربی، فارسی، عبرانی، ترکی اور کئی قدیم الاسنہ الفاظ کی ان کی شاعری میں بہتات ہے۔ خاؔلد کے نعتیہ مجموعے ''فارقلیط، منحمنا، ماذ ماذ، طاب طاب، عبدہ'' اہل علم حضرات کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

زباں ہر دل کی سمجھے وہ زبان دان ہمہ عالم	لب اظہار مارے بے نواؤں بے زبانوں کا
وقار سکوت اور حسن تکلم	تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے
تو دلجوئی و غمگساری کا پیکر	تو خیر البشر اشرف الانبیاء ہے
تو کرتا ہے توقیر و تکریم مہماں	تو بے برگ و نادار کا آسرا ہے

(۷۴) عبدالکریم ثمؔر:

الحاج حکیم عبدالکریم ثمؔر ۱۹۰۸ء میں حاجی خیر الدین کے گھر اچھرہ لاہور میں پیدا ہوئے آپ فاضل فارسی اور طبیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔

ثمؔر ہمیشہ تحریک اسلامی ے وابستہ رہے اسلامی موضوعات پر بے شمار نظمیں لکھیں، ان کی نعتیہ شاعری نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ وہ نعتیہ شاعری اس وقت سے کر رہے ہیں جب اکثر مدیران رسائل و جرائد نعتیں چھاپنے سے گریزاں نظر آتے تھے۔ ان کی نعتوں میں ایک منفرد انداز ملتا ہے۔

ثمؔر ایک قادر الکلام شاعر اور ادیب تھے۔ انھوں نے نظم و نثر میں متعدد کتابیں لکھیں ''رسولؐ کائنات'' کو جو نثری کتاب ہے، حکومت پاکستان کی طرف سے حسن کارکردگی کے تمغہ سے نوازا گیا، آپ کی کتاب ''سچی سرکار'' ایم اے پنجابی میں بطور نصاب داخل ہے اور یہی کتاب فاضل پنجابی میں پڑھائی جاتی ہے۔

حکیم عبدالکریم ثمؔر ۱۸/ فروری ۱۹۸۹ء کو ۸۱ سال کی عمر میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ آخری آرام گاہ لاہور میں ہے۔

نمونہ کلام:

ہوائیں مدینے کی ہیں عطر بیز معنبر ہیں گلیاں معطر ہیں شام
شب و روز اصلاح امت کی فکر شب و روز جبریل سے ہم کلام

(۷۵) عزیزؔ حاصل پوری:

شہر ملتان کو مدینۃ الاولیاء ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسی مٹی سے عبدالعزیز کا خمیر اٹھا، ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو شیخ کریم بخش کے گھر ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن لاہور ہے۔

موصوف کے پہلے مجموعہ کلام کا نام ''جام نور'' اور دوسرے کا نام ''صحیفۂ نور'' ہے۔ عزیزؔ نے کسی تعلیمی ادارہ سے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی، فطری اور خداداد صلاحیت ان کے اندر موجود ہے۔ شعر گوئی میں ملکہ حاصل ہے لیکن اب نعتوں میں توازن نہیں۔ جوش عقیدت میں کہیں سے کہیں چلے گئے ہیں۔

نمونۂ کلام:

مبارک ہو، انیس بے کساں تشریف لے آئے مبارک ہو، شفیع عاصیاں تشریف لے آئے
سراپا بقعۂ انوار رحمت بن گئی دنیا کہ وہ نور مجسم، نور جاں تشریف لے آئے
جب آمنہ کی آنکھ کا تارا نظر آیا والنجم کا ہر حرف چمکتا نظر آیا
کافور زمانے سے ہوئی کفر کی ظلمت جب نیر اسلام کا جلوہ نظر آیا

(۷۶) ع۔س مسلم:

ابوالامتیاز ع۔س۔ مسلم نے ۱۹۴۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول نکودر جالندھر سے میٹرک پاس کیا۔ موصوف کے والد تجارت کی غرض سے بنارس میں بھی مقیم رہے اور قیام پاکستان کے وقت بنارس سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ابوالامتیاز کی جائے پیدائش دریائے ستلج کے کنارے ایک غیر معروف گاؤں لوبگڑہ ہے۔ یہ علاقہ اب دریا برد ہو چکا ہے۔

ابوالامتیاز مسلم نے ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ ''نیا راہی'' جاری کیا ابوالامتیاز مسلم کی شخصیت متحرک ہے اور وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرنے کے حوصلے سے سرشار رہتے ہیں، آج کل دوبئی میں مقیم ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور نعتیہ سرمایۂ ادب میں بھی گراں قدر اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کی کتابوں کو اہل علم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ''حمد و نعت'' ۱۹۸۴ء

(حمدیں، مناجاتیں، نعتیں) ''کاروانِ حرم'' ۱۹۸۸ء (عکس سفر حرمین الشریفین) ''اللہ و رسول ﷺ'' ۱۹۱۹۱ء (حمدیں، نعتیں، منقبتیں) ''کعبہ وطیبہ'' ۱۹۹۱ء (فریادیں، حمدیں منقبت)

آپ کے یہاں نعت اور حمد میں ایک حد فاصل شعوری طور پر موجود ہے۔ یہی چیز ان کو نعتیہ شاعری میں ممتاز کرتی ہے۔

نمونۂ کلام:

صف انبیاء کا امیر و امام مبشر ، مکرم، مدارالمہام
مکمل ہوا جس پہ دیں کا نظام وہ قرآن ناطق دلیل تمام
کلام محمدؐ ، خدا کا کلام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

وہی محتشم ہے وہی زعیم وہی محور کائنات عظیم
امین صداقت ، حکیم و کریم وہی واقف سر رب علیم
وہی محترم ، واجب الاحترام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

وہ باغ ہدایت کا تازہ گلاب نئی اس کی رنگت نئی آب و تاب
اسی سے چمن کا ہوا انتساب اسی سے کھلے غنچۂ دل کے باب
اسی ہی کی نکہت سے کیف دوام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و لاکھوں سلام

(۷۷) عطارؔ قادری:

محمد الیاس قادری نام اور عطارؔ تخلص ہے۔ وہ ۱۲؍ جولائی ۱۹۵۰ء کو روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی تعلیم و تربیت کے مدارج طے ہوئے۔ ان کے اہل خانہ نے کتیانہ سے ہجرت کی تھی۔ یہ مقام جونا گڑھ میں واقع ہے۔

عطارؔ قادری کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہو چکی ہے۔ ان کی نعتوں میں جذبۂ والہانہ کی سرشاری قدم قدم پر ملتی ہے۔ موصوف کو مولانا ضیاء الدین مدنی سے جو خلیفۂ مجاز مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے، نسبت حاصل ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''سحاب

مدینہ‘‘ ہے جوان کے مخصوص انداز فکر کا آئینہ دار ہے۔

نمونۂ کلام:

ہے کبھی درود و سلام تو، کبھی نعت لب پہ سجی رہی
غم ہجر میں کبھی رو پڑا کبھی حاضری کی خوشی رہی
جو نبیؐ کی یاد میں کھو گیا وہ خدائے پاک کا ہو گیا
دو جہاں اس کے سنور گئے اسے آخرت میں خوشی رہی
میں مدینے تو گیا تھا یہ بڑا کچھ شرف تھا لیکن
وہیں دم جو ٹوٹ جاتا تو کچھ اور بات ہوتی
غم روزگار میں تو مرے اشک بہہ رہے ہیں
ترا غم اگر رلاتا تو کچھ اور بات ہوتی
یہاں قبر میں یقیناً تری دید مجھ کو ہوگی
جو بقیع میں قبر پاتا، تو کچھ اور بات ہوتی

(۷۸) غافلؔ کرنالی:

محمد یٰسین غافلؔ کرنالی تقریباً ۳۸ سال سے شعری دنیا سے وابستہ ہیں۔ ان کی نظمیں، غزلیں اور نعتیہ کلام ملک کے اخبار و جرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔ موصوف کی قومی نظموں کا مجموعہ ’’جہاد قلم‘‘ کے نام سے چھپ کر اہل ہنر سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے، مزید دو مجموعے ’’فتیل سحر‘‘ اور ’’غنچہ و گل‘‘ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

غافلؔ کرنالی ۱۹۳۲ء میں شادی خان کے گھر کرنال بھارت میں پیدا ہوئے۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ’’قندیل حرم‘‘ ہے۔ جو ۱۹۷۴ء میں مظفر گڑھ سے شائع ہوا۔ غافلؔ کرنالی کا دل مدحت سرکار مدینہ سے سرشار ہے۔ ان کے کلام میں والہانہ جذبہ موجود ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے انھیں اپنے حبیبؐ کی مدح سرائی کے لیے منتخب کر لیا ہے۔

نمونۂ کلام:

انہی کا نام ضمانت ہے آدمیت کی انہی کا دہر پہ سایہ دکھائی دیتا ہے

اے کاش پھر سے اذانِ محبت بلند ہو — یہ کائنات بار دگر جھومنے لگے
انساں کو جس نے سوزِ بصیرت عطا کیا — آئی جب اس کی یاد نگر جھومنے لگے

(۷۹) غنیؔ دہلوی:

غنیؔ دہلوی کا شجرۂ نسب ہندوستان کی جری قوم راجپورت سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سنجریؒ کے روحانی تصرف کا نتیجہ ہے کہ یہ قوم حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔
غنیؔ دہلوی کی والدہ دہلی سے اپنے وطن نارنول جارہی تھیں کہ دوران سفر غنیؔ دہلوی کی ولادت ہوئی، سنہ پیدائش ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء ہے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن ساری زندگی اہل علم کی صحبت میں گزاری۔ تقریباً ۳۴ سال کی عمر میں غنیؔ پاکستان آئے۔ وہ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ ''شاخسار، مجموعہ غزل، جوئے بار'' مجموعہ رباعیات وقطعات، ''اذان سحر'' مجموعہ نظم اور ''نسیم حجاز'' مجموعہ نعت ہے۔ غنیؔ دہلوی خوش مزاج وضع دار اور بامروت آدمی ہیں۔

نمونہ کلام:

مدینے کے دیوار و در اللہ اللہ — ہوائیں معطر منور فضائیں
عرب کے چاند کی عظمت نہ پوچھو! — مرے احساس میں جلوہ فگن ہے
نظر کش ہے غنیؔ صحرائے بطحا — ہر اک ذرہ میں سورج کی کرن ہے

(۸۰) فداؔ خالدی:

فدا خالدی کراچی کے ان چند معروف باحیات نعت گو شعرا میں سے ایک ہیں جنھوں نے صنف نعت میں اپنی ایک شناخت بنالی ہے۔ آپ کا شمار معروف استادوں میں ہوتا ہے۔ فداؔ خالدی نواب مرزا داغؔ کے تلمیذ ارشد حضرت بیخودؔ دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ رباعیات، غزلیات اور نظموں کا ایک ایک دیوان طبع ہو چکا ہے۔ ''م۔ص'' خالدی کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے، بزم یوسفیؔ (۳۳) اے بلاک نمبر۔ افیڈریل بی ایریا کراچی نے اس کو ۱۹۸۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس میں کل ۱۶۰ صفحات ہیں۔ فدا خالدی کا نعتیہ انداز ملاحظہ فرمائیں:

اللہ غنی رتبہ عالی شہ دیں کا — ہے عرش معلیٰ پہ قدم خاک نشیں کا
ہشیار کہ چھوٹ جائے نہ دامان محمدؐ — اس راہ میں بھٹکا تو نہ دنیا کا نہ دیں کا

آئینۂ قرآن مبیں ہے تری سیرت رحمت ہے ہر اک لفظ ترے ذکر حسیں کا
غم عشق نبیؐ ہے اور میں ہوں حیات دائمی ہے اور میں ہوں
نظر محو جمال مصطفیؐ ہے مسلسل بے خودی ہے اور میں ہوں
نظر ہے ساقئ کوثر کی جانب مکمل آگہی ہے اور میں ہوں
فدا ہیں گنبد خضرا پہ نظریں تجلی طور کی ہے اور میں ہوں

(۸۱) فضل حق چودھری:

تخلیقی عمل کو پروان چڑھانے میں ماحول اہم کردار ادا کرتا ہے۔ فضل حق چودھری کی پرورش وتربیت ایک دیندار گھرانے میں ہوئی۔ آپ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کو فارسی زبان پر بھی قدرت حاصل ہے، ''نم صحرا ومہر عرب'' آپ کے فارسی نعتیہ مجموعے ہیں۔ اردو میں بھی آپ کا ایک مجموعہ موجود ہے جو'' آہنگ حجاز'' کے نام سے موسوم ہے۔ آپ میں قوت اظہار کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ آپ نے اپنی دنیا آپ پیدا کی۔ آپ کی نعتوں میں ایک خاص قسم کی کیفیت موجود ہے جس کا آپ نے برملا اظہار کیا ہے۔ آپ کو اس میدان میں لانے والی ہستی آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ جنھوں نے ایک پولیس انسپکٹر جنرل کی شاعری کے رخ کو روحانی سمت میں موڑ دیا۔

نمونۂ کلام:

تلخ ہے گردشِ ایام رسول عربیؐ اک نظر سوئے من خام رسول عربیؐ
ان آبلوں سے بات کریں ہم بھی رفیقو! پاؤں کو میسر ہو جو میدان مدینہ
کیا جانیے کب میرے گناہوں کا مقدر ہو درخور ہم پائی یاران مدینہ

(۸۲) قمر انجم:

قمر الدین احمد ۱۹۲۶ء میں صوفی محمد بخش صوفی قادری کے یہاں بمقام اودے پور پیدا ہوئے۔ گھریلو ماحول صوفیانہ طرز معاشرت کا آئینہ دار تھا۔ اس کے اثرات قمر الدین احمد پر بھی مرتب ہونے لگے۔ وہ ابتدائی ادوار میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ایسی محافل میں شریک ہوتے رہے۔ آپ کی آواز سے ایک سماں بندھ جاتا تھا اور لوگ جھوم اٹھتے تھے

۔کسی کو معلوم نہیں تھا کہ دوسرے شعرا کے کلام کو بحضور سرور کائنات ﷺ پیش کرنے والا خود ایک دن نعت گو شعرا کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

سرور دو جہاںؐ کا یہ لطف خاص ہی ہے کہ قمرؔ انجم ایک نعت گو شاعر بن کر ابھرے اور نعت گوئی ان کی شناخت بن گئی۔ "**حسنت جمیع خصاله**" ان کا مجموعہ کلام ہے۔ کراچی میں رہائش ہے۔

نمونۂ کلام:

اتنے مہک رہے ہیں مدینے کے راستے — جیسے بچھے ہوئے ہوں گل تر قدم قدم
جو کیف بندگی کا یہاں ہے کہیں نہیں — سجدے ہیں ان کے نقش قدم پر قدم قدم
انجمؔ یہ بارگاہ رسول کریمؐ ہے — جھکتا ہی جا رہا ہے جہاں سر قدم قدم
مجھ کو حیرت کس لیے ہو محفل سرکارؐ میں — خود اگر جبریل آ جائیں اتر کر سامنے
بندگی کا اک نیا اسلوب انجمؔ مل گیا — نعت کعبہ بن گئی میرے ہنر کے سامنے

(۸۳) قمرؔ میرٹھی:

نام ڈاکٹر قمر الدین احمد، تخلص قمرؔ، جائے ولادت میرٹھ ہے۔ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شمس الشعرا شمس الدین احمد وارثی میرٹھی اپنے دور کے ایک نامور شاعر تھے۔ ان ہی کی ادارت میں رسالہ ''طالب دیدار'' نکلتا تھا۔

ڈاکٹر قمرؔ میرٹھی نے میٹرک پاس کرنے کے بعد دانتوں کے معالج کی سند حاصل کی اور کافی عرصہ تک اس پیشے سے وابستہ رہے۔ ۱۹۳۲ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ۱۹۷۷ء میں انتقال ہوا۔ قبرستان میانی صاحب میں آسودہ خاک ہیں۔ آپ کا مجموعہ ''شمس القمر'' بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیے ظلمت شب میں روشنی کی علامت ہے۔

نمونہ کلام:

آپؐ کے در پہ محبوب رب العلی — لے کے آیا ہوں اک دکھ بھری التجا
آپؐ پر میرے ماں باپ قربان کیا — آپؐ پر ہے متاع دو عالم گدا
یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

(۸۴) قمؔر وارثی:

ارشاد حسین قمر وارثی ۵؍جنوری ۱۹۵۰ء کوفرخ آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ان کے اہل خانہ اٹاوہ کے میاں حاجی محمود شاہؒ صاحب وارثی سے نسبت رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے وارثی کہلائے۔ پاکستان جانے کے وقت ان کی عمر دو سال تھی۔آپ نے ۱۹۶۶ء میں فاران ہائی اسکول سکھر سے میٹرک پاس کیا۔۱۹۶۵ء میں ان کا ذہن شعر گوئی کی طرف مائل ہوا۔قمر وارثی کی نعتوں میں عصری مسائل کا ذکر ملتا ہے۔’’شمس الضحیٰ‘‘ ان کا مجموعۂ نعت ہے،آپ کی غزل کا مجموعہ ’’یم تحریک‘‘ اور سید ظہور احمد شاہؒ کی منقبتوں پر مشتمل ایک کتاب ’’عطائے ظہور‘‘ بھی شائع ہوچکی ہے۔آپ کا شمار کراچی کے معروف شعرا میں ہوتا ہے۔

نمونہ کلام:

وہی ہیں واقف مفہوم اتباع رسولؐ — خلاف نفس جو عزم جہاد رکھتے ہیں
در نبیؐ سے وہ رکھتے ہیں کیوں کرم کی امید — جو قول و فعل میں اپنے تضاد رکھتے ہیں
نعت احمد لکھوں مجھ میں قدرت کہاں — میں کہاں میرے آقاؐ کی مدحت کہاں
سیرت مصطفیؐ کا احاطہ کرے — دامن لفظ میں اتنی وسعت کہاں
کوئی عالم ہو یاد الٰہی میں گم — کرسکا کوئی ایسی عبادت کہاں
عاشق مصطفیؐ کا تعاقب کرے — پائے غم ہائے دوراں میں ہمت کہاں
ہاتھ میں دامن مصطفیؐ ہو قمؔر! — پھر کسی رہنما کی ضرورت کہاں

(۸۵) کاوشؔ اٹاوی:

پروفیسر فیاض احمد خاں کاوشؔ اٹاوی سلسلہ وارثیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے مزاج میں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملنے والی خوبیاں موجود ہیں جو ان کے شعری افکار میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

کاوشؔ کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔نعت گوئی میں آپ کا اپنا ایک رنگ ہے۔’’تقدیم‘‘ اور ’’نورنکہت‘‘ کاوشؔ کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ان کے یہاں مدینہ سے والہانہ لگاؤ اور حاضری کا ذکر کثرت سے پایا جاتا ہے۔

نمونہ کلام:

مجھ کو میری طلب سے سوا مل گیا — جب محمدؐ ملے تو خدا مل گیا
اس کو دنیا نے چاہا خدا کی قسم — جس کو محبوب ''رب العلیٰ'' مل گیا
گلوں کا رنگ، چمن کا نکھار ہے طیبہ — بہار حسن ہے، حسن بہار ہے طیبہ

(۸۶) گوہرؔ اعظمی:

انصار الحق قریشی گوہر اعظمی ۱۹۳۷ء میں اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شبلی نیشنل ہائی اسکول اعظم گڑھ میں حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد ان کا گھرانا کراچی آ گیا۔ علامہ عثمانی ہائی اسکول کراچی سے ۱۹۵۴ء میں میٹرک پاس کیا۔ بیچلر آف انجینئرنگ کی ڈگری این ای ڈی سے حاصل کی۔

گوہرؔ اعظمی کو ۱۹۸۴ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوران حج ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ان کے جذبات شعری قالب میں ڈھلنے لگے۔ ان کا مجموعہ ''ثنائے رسولؐ'' ایک طالب صادق کی فکر خوش آہنگ کا ترجمان ہے۔ آپ کراچی میں آباد ہیں۔ بلدیہ عظمیٰ کراچی کے چیف انجینئر ہیں۔

نمونۂ کلام:

ملے اس کو معراج انسانیت کی — اگر دیکھ لے کوئی سوئے محمدؐ
زبان بشر پر کلام خدا ہے — سنے جائیے گفتگوئے محمدؐ
شفاعت ہے اس کا یقیناً مقدر — نظر جس کو آجائے روئے محمدؐ

(۸۷) گوہرؔ ملسیانی:

میاں طفیل محمد گوہرؔ ملسیانی ۱۵/اگست ۱۹۳۴ء کو چودھری صدرالدین کے گھر ملسیان تحصیل نکودر، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ موصوف اردو اور انگریزی میں ایم اے اور درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ سیاسی اور فکری اعتبار سے تحریک اسلامی سے متاثر ہیں۔ آپ کی کتاب ''مظہر نور'' نعتیہ شاعری میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ ''غم اعلیٰ'' اور ''عصر حاضر کے نعت گو شعرا'' آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

نمونۂ کلام:

کھل جائیں کائنات کے اس پر سبھی رموز — رکھے جو انقلاب مدینہ نگاہ میں

روز حساب کیسے دکھائیں گے منہ تجھے گزری ہے ساری عمر تو کار سیاہ میں
گوہر کو تیرے دامن رحمت کی آس ہے ورنہ حیات اس کی تو گزری گناہ میں

☆☆☆☆☆

زباں پہ جب بھی محمدؐ کا نام ہوتا ہے لبوں پہ میرے درود و سلام ہوتا ہے

(۸۸) لطیف اثر

۱۰ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو لطیف اثر حاجی عیوض علی کے گھر پیدا ہوئے۔ والد کا تعلق ضلع ہردوئی (یوپی، بھارت) سے تھا۔ غزلوں کی زمین میں نت نئے گل بوٹے اگانے والا شاعر اچانک حمدیہ اور نعتیہ شاعری کی طرف آجائے تو اس کے احباب و قاری اس تبدیلی کو ایک خوشگوار واقعہ تصور کریں گے۔

لطیف اثر نے اپنے تخلیقی عمل میں ایک نئی منزل تلاش کی ہے اپنی انفرادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسماء کو ردیف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ جدت نعتیہ شاعری میں قابل قدر ہے۔ آپ پیشے سے انجینئر ہیں اور کراچی میں آباد ہیں۔

نمونہ کلام:

صدائے حق کو بلند ہونا تھا ارض باطل پہ اک نہ اک دن
زمیں پہ اک خوش نگاہ آیا، زمین پہ اک خوش کلام آیا
مدینے والے کے دم سے روشن ہے شمع توحید دو جہاں میں
زباں پہ بعد از خدا جب آیا مدینے والے کا نام آیا

☆☆☆☆☆

بات تو جب ہی بنتی ہے راز تو جب ہی کھلتا ہے
دل بھی ہو جب سرشار محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دی ہیں شکستیں راہ خدا میں خلق سے اپنے دشمن کو
بس ہے یہی تلوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۸۹) ماہر القادری:

منظور حسین ماہر القادری کیسر کلاں ضلع بلند شہر یوپی بھارت میں ۱۹۰۴ء کو محمد معشوق علی

خاں کے گھر پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی تعلیم اپنے والد محمد معشوق علی ظریفؔ سے حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے میٹرک کیا۔ انٹر تک آپ کی مروجہ تعلیم تھی۔

ماہر القادری برصغیر کی تقسیم سے پہلے شاعر شباب کہلاتے تھے۔ کچھ عرصہ بمبئی میں بھی قیام رہا اور فلموں کے لیے بھی نغمے تخلیق کیے۔

ماہرؔ القادری کی نعتیہ شاعری ایک خاص نقطۂ نظر پر مرکوز دکھائی دیتی ہے۔ آپ کا تمام نعتیہ کلام قرآن و حدیث کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ''ذکر جمیل'' آپ کا نعتیہ مجموعہ ہے جو صحت فکر اور مضمون تازہ سے مملو ہے۔ ماہرؔ ایک مشاعرے میں شرکت کے لیے جدہ گئے ہوئے تھے کہ دوران مشاعرہ دل کا دورہ پڑا اور ۱۲ر مئی ۱۹۷۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مکہ میں ''جنت المعلیٰ'' آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

نمونہ کلام:

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ تھا الفقر فخری جس کا سرمایہ
سلام اس پر کہ جس کے جسم اطہر کا نہ تھا سایہ

(۹۰) محشرؔ بدایونی:

۱۹۲۲ء کو فاروق احمد محشرؔ بدایونی حکیم حسین احمد مورخ کے گھر پیدا ہوئے، ارد گرد کی ادبی محفلوں نے شعری حسن کو جلا بخشی اور ان کی تعلیم و تربیت بھی اسی شہر میں ہوئی یہیں سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں ڈائریکٹریٹ جنرل سپلائی اینڈ ڈیولپمنٹ میں ملازمت اختیار کر لی اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان جا کر اسی محکمہ سے منسلک ہوگئے، کراچی بورڈ سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ریڈیو پاکستان کے ''آہنگ'' کے نائب مدیر اور ۱۹۶۶ء میں ترقی کر کے مدیر ہو گئے۔ ۱۹۸۲ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر ساری توجہ اپنی تخلیقی کاوشوں کی طرف مبذول کر دی۔

ان کی غزلوں کے تین مجموعے ''شہر نوا'' ۱۹۶۴ء، ''غزل دریا'' ۱۹۶۸ء کو آدم جی کے ادبی انعام سے نوازا گیا۔ گردش کوزہ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ محشرؔ نے قومی، ملی، دینی اور

تعلیمی موضوعات پر ان گنت نظمیں، گیت اور ترانے سپرد قلم کیے جو ان کی قادر الکلامی کے آئینہ دار ہیں۔

محشرؔ بدایونی کے نعتیہ مجموعہ کلام کا نام ''حرف ثنا'' ہے جس میں ان کے افکار و جذبات کی وہ روداد موجود ہے جو انھوں نے بیدار آنکھوں سے مدینہ میں حاضری کے وقت دیکھی اور ان کے دل نے محسوس کی۔

نمونۂ کلام:

لب کھلے نعت فخرؔ زماں کے لیے	کتنی نازک حدیں ہیں زباں کے لیے
گلشن نعت میں یہ بصیرت بھی ہو	کون سا گل ہے موزوں کہاں کے لیے
آپؐ رحمت ہیں کہنا ہی کیا آپؐ کا	اور رحمت بھی دونوں جہاں کے لیے
مدح سرکار ہے کس کے امکان میں	آپؐ کی مدحتیں تو ہیں قرآن میں
اس کو کہتے ہیں تکمیل انسانیت	ساری اچھائیاں ایک انسان میں
وہ مجسم شریعت ، سراپا یقین	بولتی آیتیں، شکل انسان میں
شہر طیبہ سے دور ایسی ہے زندگی	جیسے تنہا مسافر بیابان میں

(۹۱) محشرؔ رسول نگری:

نثار احمد محشرؔ رسول نگری ۲۹؍ مارچ ۱۹۱۶ء کو رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں میاں الٰہی بخش کے گھر پیدا ہوئے۔ موصوف کی تعلیم میٹرک تک تھی۔ آپ کی استادانہ اور فنکارانہ کاوشوں کا مظہر ''فخر کونین'' تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں اسوۂ حسنہ کے بیان میں تمام اسناد قرآن و حدیث سے حاصل کی گئی ہیں۔ حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامۂ اسلام'' کے بعد ''فخر کونینؐ'' ایک اعلیٰ وارفع طویل نظم ہے۔ جس میں اسلامی تاریخ اور سیرت رسولؐ کی عکاسی بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر نعت کا مجموعہ نہیں۔ تاہم اس میں جا بجا نعت کے بہترین ٹکڑے دیکھنے میں آتے ہیں۔ آپ ایک تاجر پیشہ انسان تھے۔ رہائش کوئٹہ میں تھی۔ آپ کی نعتیں ملک کے اخبار و جرائد میں گاہے گاہے چھپتی رہتی تھیں۔ دسمبر ۱۹۸۴ء میں شہر کوئٹہ میں واصل بحق ہو گئے۔

نمونہ کلام:

ادب کا دامن نہ چھٹنے پائے، بیاں ادھورا بھی رہ نہ پائے
گزر رہی ہے جو ہم پہ کہنا، مگر بصد احترام کہنا

طالب بنا جو تیرا وہ مطلوب ہوگیا
محبوب کا جو ہوگیا محبوب ہوگیا
رحمٰن اور رحیم کی اللہ رے رغبتیں
مرغوب احمد اس کا بھی مرغوب ہوگیا
محشرؔ بجز ثنائے نبیؐ اوج فن کہاں
اپنی غزل کا اب یہی اسلوب ہوگیا

(۹۲) محمد صدیق فتح پوری:

محمد صدیق فتح پوری یکم نومبر ۱۹۳۶ء کو سرزمین گوتم بدھ ضلع گیا، بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم ابتدائی جماعت تک ہے۔ بنگلہ دیش بنتے ہی آپ کراچی آ گئے۔ کراچی میں جمیلؔ عظیم آبادی قاری حبیب اللہ اور مشہور شاعر و ادیب افسرؔ ماہ پوری کی معاونت نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

''اظہار عقیدت'' صدیق فتح پوری کا نذرانۂ عقیدت ہے، تجارت پیشہ ہیں۔ کراچی میں آباد ہیں۔

نمونۂ کلام:

مہرباں مجھ پہ رب العلی ہوگیا ذات اقدس سے جب سلسلہ ہوگیا
مٹ گئیں دہر سے کفر کی ظلمتیں نور احمد جو جلوہ نما ہوگیا
شمع وحدت کے آگے نہ وہ جل سکا سرد فارس کا آتش کدہ ہوگیا
چاند ٹکڑے ہوا، کنکری بول اٹھی اک اشارے سے کیا معجزہ ہوگیا

اب بنا ہے وہی روشنی کا نشاں ظلمتوں نے جمائے تھے ڈیرے جہاں
چھا گئی ہر طرف رحمتوں کی گھٹا چاندنی چاندنی کہکشاں کہکشاں
ذات سے جس کی یزداں کی پہچان ہو عرش اعلیٰ پہ جو رب کا مہمان ہو
کیوں نہ صدیق ہو اس کا مدحت سرا چاندنی چاندنی کہکشاں کہکشاں

(۹۳) محمد طفیل دارآ:

پروفیسر محمد طفیل دارا درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے ہیں، ان کا شعر و ادب سے بھی گہرا لگاؤ ہے "تیشہ فرہاد" اور "جشن ظلمات" کی اشاعت سے ادبی دنیا میں ان کا شاعرانہ تشخص قائم ہو چکا ہے۔

محمد طفیل دارآ کی نعتیہ شاعری کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔نعتیہ شاعری میں ان کا لب ولہجہ اچھوتا ہے۔وہ ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور قرآن وسنت سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ان کے نعتیہ کلام میں فکر کی تازگی اور مطالعہ کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ان کا مجموعہ "المزمل" نعتیہ شاعری میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ نمونہ کلام:

ایمان و ایقان کی مشعل، جس سے دور ہوئی ہر ظلمت
آج وہ ہے بے نور حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم
گھر، مسجد، بازار، مسافت، ظاہر، باطن، عدل، شجاعت
سب مل کر ہیں ایک رسالت، صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

جس جگہ خیر بشر کا ذکر ہوتا ہے وہاں
کوئی مانے یا نہ مانے روح محفل آپؐ ہیں

(۹۴) محمد یامین وارثی:

محمد یامین وارثی ایک ابھرتے ہوئے نعت گو شاعر ہیں یامیؔن وارثی کو ڈاکٹر بیتاب نظیری مظفرنگری سے شرف تلمذ حاصل ہے اور وہ اپنے استاد مکرم کے سب سے کم عمر شاگرد ہیں۔موصوف پرانے اخبار و جرائد و کتب کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں۔کئی نعتیہ مجموعوں کے مرتب بھی ہیں۔جن کے نام "نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" اور تنویر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" ہیں، "منبع انوار" خود یامیؔن وارثی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔

نمونہ کلام:

سرور انبیاء فکر ہر دوسرا آگئے دائمی روشنی کے لیے
نور سے ذرہ ذرہ منور ہوا ہر بشر جھک گیا بندگی کے لیے

اے شہ بحر و بر مالک جان و دل آپؐ ابر کرم آپؐ نور سحر
آپؐ کا نام نامی ہے تسکین جاں ہر جگہ ہر گھڑی ہر کسی کے لیے
بعد رب العلا برگزیدہ ہوتم ایسے بے مثل ہو جس کا ثانی نہیں
ہو محمدؐ بھی حامدؐ بھی ، محمودؐ بھی اور رحمت بھی ہوتم سبھی کے لیے

(۹۵) مسرور کیفی:

موصوف کا نام صالح محمد اور تخلص مسرورؔ ہے، ان کے والد مرحوم کا نام نامی حاجی عبدالرحمٰن زکریا تھا، ۲۶ر فروری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے، ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ہوا، مادری زبان سندھی ہونے کی وجہ سے سندھی کے بھی بڑے اچھے شاعر ہیں۔ دوسری اصناف سخن میں طبع آزمائی کے بعد اچانک نعت گوئی کی دنیا میں آگئے اور نعت گوئی آپ کی پہچان بن گئی۔ ۱۹۷۶ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اب تک ان کے ۸ر نعتیہ مجموعے چھپ چکے ہیں اور آٹھ ہی مرتبہ عمرے کی برکات سے فیضیاب بھی ہوئے۔ ان کی نعتیں سلیس اور دلنشیں انداز میں ہوتی ہیں۔ کراچی میں آباد ہیں۔

نمونہ کلام:

تسکین قلب و جان کا سامان ہوگیا طیبہ مری حیات کا عنوان ہوگیا
انسان تھا عظیم، مگر اس قدر نہ تھا جتنا عظیم آپؐ سے انسان ہوگیا
سلطان کائنات کے روضے کے سائے میں جو بھی فقیر آگیا سلطان ہوگیا

☆☆☆☆☆

یہی شوق ہے حاصل صد حیات اسی شوق میں کیوں نہ مرجایئے
زباں پر درود اور دل میں سلام یہی لے کے رخت سفر جایئے

(۹۶) مظفر وارثی:

مظفر وارثی میرٹھ میں صوفی وارثی کے گھر میں ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے آپ کی تعلیم میٹرک تک ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں ملازم ہیں۔

عصر حاضر کے نعت گو شعرا میں مظفر وارثی کو منفرد مقام حاصل ہے۔ وہ شاعر رسولؐ کہلانے کے حقدار ہیں۔ آپ نے نعت کی ہمہ گیری میں اضافہ کیا اور اس کے حسن کو نکھارنے

اور سنوارنے میں کوشاں رہے۔ اکبر وارثی کے فکری ورثہ کو انھوں نے آگے بڑھایا اور اس میں متعدد تجربے کیے۔ آپ کے نعتیہ مجموعے ''باب حرا''، ''نور ازل'' اور ''کعبۂ عشق'' چھپ کر منظر عام پر آ چکے ہیں، لاہور میں مقیم ہیں۔ حمد پر مشتمل بھی ان کا ایک مجموعہ ہے۔

میری بینائیوں کے پر سے نکل آتے ہیں ۔۔۔ جب خلاؤں میں ترا نقش کف پا دیکھوں
ہر بات اک صحیفہ تھی امی رسولؐ کی ۔۔۔ الفاظ تھے خدا کے، زباں تھی رسولؐ کی
وحدانیت کے پھول کھلے گرم ریت سے ۔۔۔ دی سنگ بے زباں نے گواہی رسولؐ کی
پرچم تھے نقشِ پا کے ستاروں کے ہاتھ میں ۔۔۔ گزری جو کہکشاں سے سواری رسولؐ کی

(۹۷) ممتاز بجنوری:

سرزمین بجنور ہندوستان کا مردم خیز خطہ ہے۔ ممتاز بجنوری کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔ نرم خو، شگفتہ مزاج اور قلندر صفت آدمی تھے۔ ادھر ان کی کتاب ''نگار حرم'' کی رونمائی ہوئی اور ادھر عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۵ر جنوری ۱۹۹۱ء کو موصوف پر دل کا دورہ پڑا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آخری آرام گاہ کراچی میں ہے۔

نمونہ کلام:

نہیں تسلیم کرتا دل سے جو ان کی شریعت کو ۔۔۔ وہ بندہ بالیقیں مجھ کو خدا سے دور لگتا ہے
لپٹ کر ان کے دامن سے جو آتا ہے گلستاں میں ۔۔۔ صبا کا ہر وہ جھونکا کیف سے معمور لگتا ہے

☆☆☆☆☆

کیا جانے کب حضورؐ کا دیدار ہو نصیب ۔۔۔ برسوں سے اک حسیں تخیل نظر میں ہے
کس درجہ مطمئن ہے دماغ رسا مرا ۔۔۔ خوشبو یہ کیسی آج نسیم سحر میں ہے
اہل ہنر سے آپ بھی ممتازؔ یہ کہیں ۔۔۔ دل کو سکون مدحت خیر البشرؐ میں ہے

(۹۸) پروفیسر منظور علی شیخ:

پروفیسر منظور علی شیخ معاشیات کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں، آپ کی نعت گوئی کے آغاز کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ آپ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے بستر پر آنکھیں بند کیے گنگناتے رہے اور نعتیہ اشعار آپ کے لبوں پر آتے رہے اس کے بعد یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آپ نعت گو شعرا کی صف میں شامل ہو گئے۔

پروفیسر منظور علی شیخ کے نعتیہ مجموعے ''حسن رحمت'' میں ہر نعت کے آغاز میں عنوان کے طور پر ایک آیت درج ہے، ان کی نعتیں قرآنی آیتوں کی تفسیر معلوم ہوتی ہیں۔ اسلامی علوم وفنون پر آپ کی گہری نظر ہے۔''حسن رحمت'' نعتیہ تخلیقات میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ جس کا آسان اور شگفتہ انداز بیان قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔

نمونۂ کلام:

سب چاہتوں کے مرکز و محور حضورؐ ہیں　　سب عظمتوں سے ارفع و برتر حضورؐ ہیں
انسان سب خطاؤں کے پتلے ہیں بے گماں　　سارے جہاں میں طیب و اطہر حضورؐ ہیں

☆☆☆☆☆

ورائے تخیل مقام محمدؐ　　حبیبؐ خدا کا نہیں کوئی ہمسر

(۹۹) منیرؔ قصوری:

منیرؔ قصوری میاں رحیم بخش کے گھر ۱۲/دسمبر ۱۹۴۶ء کو قصور میں پیدا ہوئے۔ موصوف عربی میں ایم اے گولڈ میڈلسٹ ہیں اور درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ لاہور میں فروغ نعت کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ غزل کے ساتھ نعت گوئی سے گہرا لگاؤ ہے۔''چادر رحمت'' منیرؔ قصوری کا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں ان کے افکار بلند کے پرتو نظر آتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

ایسا نظارہ سر گنبد خضرا دیکھا　　میں نے ہر شخص کو جذبات میں ڈوبا دیکھا
منظر آیۂ شان رفعنا دیکھا　　سر بہ خم آپؐ کے روضے پہ زمانہ دیکھا
آپؐ پر ختم ہر اک رفعت معراج ہوئی　　آپؐ کے زیر قدم عرش معلیٰ دیکھا
گالیاں سن کے جو دشمن کو دعا دیتا ہو　　آج تک میں نے نہیں کوئی بھی ایسا دیکھا

☆☆☆☆☆

کعبؓ کی طرح قصیدہ لکھیں　　شعر حسانؓ کی صورت کہیے
ہو ہی جائے گا غم دل کا علاج　　آپؐ سے دل کی تو حالت کہیے
میری پہچان یہی ہے کہ مجھے　　شاعر چادر رحمت کہیے
میں کہاں اور کہاں نعت حضورؐ　　یہ تو سب ان کی عنایت کہیے

(۱۰۰) ڈاکٹر نعیم نقوی:

پروفیسر ڈاکٹر نعیم حیدؔر نقوی یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو معاشرتی اعتبار سے جدید وقدیم اقدار کا حامل تھا، ان کے والد کا نام ضیاء مرحوم تھا جو خود بھی نعت کے بہت اچھے شاعر تھے۔ نعیم نقوی کا ادبی کام کئی پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے۔ عربی، فارسی، سندھی اردو اور انگریزی پر دسترس رکھتے تھے، تقریباً ۴۵ کتابوں کے مصنف تھے۔ زیادہ کتابیں تنقید پر لکھیں۔ جن میں تنقید وتجزیہ، تنقید وتعمیر، تنقید وآگہی، سرسید احمد خان اور ان کے معاصرین ومعاونین'' اور تنقید وتناظر'' خصوصیت کی حامل ہیں۔ آپ کی کئی کتابیں سندھی میں بھی ہیں۔

نعتیہ شاعری کا مجموعہ ''بصیرت'' ہے جب کہ شبستان عقیدت'' اور ''بادۂ عرفان'' حمد، ونعت، منقبت، سلام ومرثیہ کے حوالے سے اہم ہیں۔ ''محراب عقیدت'' حمد، نعت، سلام اور منقبت کا شعراکے مختصر تذکرے کے ساتھ انتخاب ہے۔

کراچی یونیورسٹی سے آپ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عزیؔز لکھنوی کی شاعری پر مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ ڈاکٹر نعیؔم نقوی ایک بالغِ نظر صاحب علم انسان تھے، علم پروری کا جذبہ ان میں انکساری کے ساتھ نمایاں نظر آتا تھا۔ آپ زندگی بھر علمی وادبی کاموں میں مصروف رہے۔ آپ ایسے مشفق استاد تھے جنھوں نے اپنے طالب علموں کو بیماری کے حالات میں بھی فیض پہنچایا۔ انتقال کے وقت آپ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کے صدر شعبۂ اردو تھے۔ آپ کا انتقال ۵؍مارچ ۱۹۹۲ء کو ہوا۔ نمونہ کلام:

مل گیا آپؐ کا جس کو درِ مصطفیؐ کیوں نہ ہوجائے وہ معتبر مصطفیؐ
معرفت آپؐ کی جس کو حاصل نہیں ہے خدا سے بھی وہ بے خبر مصطفیؐ
تیرگی سے نہ گھبراؤ، آؤ ادھر! زندگی کی ہیں روشن سحر مصطفیؐ

☆☆☆☆☆

خاک درِ محبوب سے چہرے جو سجے ہیں یہ شمس وقمر ہم سے ضیاء مانگ رہے ہیں

(۱۰۱) نعیؔم صدیقی:

فضل الرحمٰن نعیم صدیقی ۱۹۲۲ء میں چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ان کے

والد محترم حضرت شاہ مراد، پنجابی کے مشہور شاعر کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے۔
نعیم صدیقی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں مولانا مودودی نے جماعت اسلام کی داغ بیل ڈالی تو نعیم صدیقی بھی اس میں شامل ہوگئے۔ قیام پاکستان تک دارالعلوم پٹھان کوٹ میں مقیم رہے۔ ۱۹۳۵ء میں ''تعمیر انسانیت'' ۱۹۴۹ء میں ہفت روزہ ''شہاب'' اور ۱۹۶۲ء میں ماہنامہ ''سیارہ'' جاری کیا۔ ''سیارہ'' نے کئی قابل قدر نمبر نکالے۔ ''نور کی ندیاں رواں'' ایک اعلیٰ درجے کا نعتیہ مجموعہ ہے۔
نمونۂ کلام:

زندگی اپنا ساتھ دے کہ نہ دے تیرگی کا حصار ڈھانے تک
دیکھیے کتنے گھر اجڑتے ہیں ایک دنیا نئی بسانے تک
ایک شب ہے یہ دے گی ساتھ کہاں قصۂ درد دل سنانے تک
ہے باعث فخر، فقر و فاقہ قدموں میں پڑے ہیں سیم و زر بھی
اے روشنیاں لٹانے والے ممکن ہو تو اک نظر ادھر بھی
جب تک ترے نور سے ہے خالی اک ناز ہے علم بھی، ہنر بھی

۶۔ جنرل ضیاء الحق اور فروغ نعت

مرحوم جنرل ضیاء الحق سابق صدر پاکستان، پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد ایسے سربراہ مملکت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ مرحوم نعتیہ کلام بہت پسند کرتے تھے اور شعرا نیز ان حضرات کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو نعتیہ تقاریب منعقد کرنے میں پیش پیش رہتے تھے اور جنھیں نعت نبیؐ سے خصوصی شغف تھا، جنرل ضیاء الحق نے پہلی بار سرکاری تقریبات میں تلاوت کلام پاک کے ساتھ نعت کو شامل کیا۔ ان کے اس عمل نے کافی پذیرائی حاصل کی، مرحوم صدر نعت رسولؐ سن کر انتہائی جذباتی اور آبدیدہ ہوجاتے تھے۔ نعت شریف کے حوالے سے دانشور بالخصوص پاکستانی دانشوروں کی مرحوم جنرل ضیاء الحق کی بابت گراں بہا آرا میں سے چند کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے

تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

''بلاشبہ دورحاضر نعت کا دور ہے اور اس سمت میں مرحوم جنرل ضیاءالحق شہید کا کردار واضح ہے، ورنہ اس سے پہلے ہمارے ذرائع ابلاغ اس صنف کو اتنی اہمیت کب دیتے تھے۔''

(آثر فاصلی، کراچی)

''مرحوم جنرل ضیاءالحق کے زمانے میں نعت کو سرکاری طور پر اہمیت حاصل ہوئی اور نعت کو عظیم شاعری تصور کیا گیا۔''

(طفیل ہوشیار پوری، لاہور)

''دور حاضر واقعی نعت کا دور ہے اور ارتقائی منزل طے کر رہا ہے، اس میں ذرّہ بھر شک نہیں کہ مرحوم جنرل ضیاءالحق کے دور میں نعت کو زیادہ ہی فروغ حاصل ہوا تھا، مرحوم جنرل ضیاءالحق سیاسی طور پر چاہے کچھ بھی تھے، لیکن اسلامی عقائد کی پختگی میں وہ بے مثال تھے، اور ان کی حکومت کی طوالت کے باعث بھی ان کا یہی نظریہ تھا۔''

(سید حسینؔ شاہ فدا، اسلام آباد)

گزشتہ دس پندرہ سال سے اردو شعرا نے نعت گوئی کی طرف خصوصیت سے توجہ دی ہے، اس دوران بلا مبالغہ سیکڑوں نعتیہ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں اور مسلسل آرہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نعتیہ مجموعہ شائع کرنا ایک فیشن بن گیا ہے چنانچہ آج کل کے نومشق شعرا میں جس نے ساٹھ ستر نعتیں کہہ لیں فوراً ایک نعتیہ مجموعہ شائع کر دیا۔ شعرا اپنی کم علمی اور نو مشقی کے باعث ایسے مضامین بھی نظم کر جاتے ہیں جو مقام رسالتؐ کے شایان شان نہیں، اچھے مجموعے شاذ ہی نظر آتے ہیں۔''

(شوکت الہ آبادی، کراچی)

''اس دور میں تو سکہ بند ترقی پسند تک نعت لکھ رہے ہیں اور یہ مرحوم جنرل ضیاء الحق کے رجحان ہی کا پرتو ہے، اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔''

(سید نظیر زیدی، لاہور)

''بے شک موجودہ دور نعت کا دور ہے، قیام پاکستان سے آج تک صدر مرحوم

جنرل ضیاء الحق کے علاوہ سرکاری طور پر کسی نے نعت گوئی کی سرپرستی نہیں کی، ان کے دور صدارت میں نعت کو یقیناً بہت فروغ حاصل ہوا۔''

(ہارون الرشید ارشد، امریکہ)

''یہ صحیح ہے کہ مرحوم جنرل ضیاء الحق سچے عاشق رسولؐ تھے۔ روضہ اقدس کے اندر ان کی جو کیفیت ہوتی تھی وہ دیکھنے والوں کے لیے مثال تھی، اللہ ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے ہر دور میں صلوٰۃ وسلام کے لیے تخت بچھایا جاتا تھا، حضور ﷺ سے عقیدت کا والہانہ اظہار تو ایسا سلسلہ ہے جو ازل سے ابد تک جاری رہے گا، بس انداز بدلتے رہے ہیں۔''

(جمیل نقوی، کراچی)

''نعت ومنقبت کو جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں فروغ ملا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرحوم کے دور میں نعت گو اور نعت خواں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے متعلقہ حضرات آگے بڑھتے رہے اور انعام واکرام پاتے رہے۔ یہاں ایک بات عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا اور یہ بات بڑے کرب کے ساتھ عرض کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اس دور میں صرف وقت کے نبض شناس آگے آئے اور صاحب حق پیچھے رہ گئے۔ کوئی نعت خواں نظامی جیسا آگے نہیں لایا گیا۔

ہمارے ملک میں اچھے اچھے نعت سرا ہیں مگر وہ لوگ ان انعامات سے محروم رہے۔''

(بلال جعفری، ملتان)

''اس میں شک نہیں کہ دور حاضر نعت گوئی کا دور ہے۔ جس کے لیے ضیاء الحق مرحوم کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

(عبدالستار نیازی، فیصل آباد)

''دکنی شعرا سے اب تک اردو نعت گوئی بے شمار منزلیں طے کر کے عروج کو پہنچ گئی ہے اور فارسی نعت گوئی سے کم تر نہیں رہی۔ بے شک ضیاء الحق شہید کے دور میں نعت گوئی اور نعت خوانی کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی ہوئی، اس سے بہت سے نئے نعت گو منصۂ شہود پر آئے۔ موجودہ دور کو نعت کا دور کہا جا سکتا ہے۔ نعت باقاعدہ ایک صنف سخن بن چکی ہے اور

متعدد نعتیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔''

(بشیر ساجد، لاہور)

''یقیناً یہ دور حاضر نعت کا دور ہے اور جنرل ضیاالحق کی حوصلہ افزائی سے بھی نعت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔''

(اصغر نثار قریشی، لاہور)

''صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں واقعی نعت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ جس کی وجہ سے شہید کی اسلام اور حضور کے ساتھ پرخلوص محبت تھی، اس لحاظ سے ان کا دور بجا طور پر نعت کا دور کہلایا۔ ٹی وی اور ریڈیو پر وقتاً فوقتاً نعتیہ مشاعرے، نعت خوانی کی محفلیں ہر سرکاری اجتماع یا جلسے سے قبل، تلاوت قرآن کے بعد باقاعدگی کے ساتھ نعت خوانی، دنیا بھر کے علماء اور فضلا کی شرکت کے ساتھ سالانہ سیرت کانفرنسوں کا انعقاد، کتب سیرت پر متعدد انعامات کی تقسیم اور اسی قسم کے کئی دیگر امور جاری ہو گئے۔ بڑے بڑے اخبارات اور رسائل میں نعتوں کے مستقل کالم قائم ہو گئے اور ملک کے ہر ادبی پرچے میں اس کے مکتب فکر کی نوعیت سے قطع نظر حمدوں اور نعتوں کی اشاعت ایک مستقل روایت بن گئی۔ تاہم یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ ضیاء شہید کے بعد نعتوں کے فروغ میں بتدریج کمی ہوتی جارہی ہے، اور ماہ ربیع الاول کے علاوہ کثیر الاشاعت اخبار و رسائل میں نعتیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ پر متمکن حضرات شعوری یا غیر شعوری طور پر ملکی و غیر ملکی لادینی عناصر کے اس کفریہ منصوبے کی وبا میں پھنستے جارہے ہیں کہ اسلام کو ایک انقلابی قوت کے بجائے محض ایک تقریباتی مذہب بنا کر رکھ دیا جائے، کس قدر عجیب بات ہے کہ جس امت کو خداوند تعالیٰ نے اپنی پنج وقتہ نمازوں میں تقریباً پچاس مرتبہ روزانہ درود حضور ﷺ پر بھیجنے کا حکم دیا ہے، وہ نعتوں کے منظوم درود کے ساتھ سال میں صرف ایک مرتبہ تعلق جوڑنے کو کافی خیال کرنا شروع کردے۔''

(لالہ صحرائی جہانیاں)

''بے شک دور حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے اور واقعی یہ دور نعت کا دور ہے، اس دور میں دوسرے شاعر کے ادوار سے زیادہ نعت کی شاعری ہے، پہلے کوئی کوئی شاعر ایک

آدھ نعت کہتا تھا، لیکن اس دور میں شعرا نے نہ صرف نعت کو شاعری کا اہم حصہ بنایا بلکہ ان کے نعتیہ مجموعے بھی شائع ہوئے اور ایک ایک شاعر کے کئی کئی مجموعے شائع ہوئے۔ نعت کے لیے بڑی بلند پایہ اور منجھی ہوئی شاعری ہوئی۔ یہ دور خاص طور پر ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت کا دور ہے، میں نے خود اس دور میں نعت کی بھرپور شاعری کی، نعتیہ مشاعروں کو جتنا فروغ مرحوم ضیاء الحق کے دور میں ملا وہ اس سے قبل کبھی نہ ملا تھا۔ نعت لکھنے والوں کی مناسب حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور جب شاعر اس طرف مائل ہوئے تو ان کے دلوں میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے جوش مارا۔ انھوں نے اظہار عقیدت کے لیے ذریعۂ اظہار صرف نعت کو سمجھا۔ بعض لوگوں نے غزل کی شاعری کو یکسر فراموش کر کے صرف نعت کی طرف رجوع کیا۔ کیونکہ انھوں نے نعت کو ہی سفر آخرت کے لیے موجب نجات سمجھا، مرحوم ضیاء الحق نے نعت لکھنے والوں کی کما حقہ حوصلہ افزائی کی، نعتوں کے مجموعوں پر کثیر رقم کے انعامات عطا کیے گئے، ملک کی لائبریریوں میں نعتیہ کتب رکھوائی گئیں اور اس طرح یہ دور نعت کا دور کہلایا۔

(جعفر شیرازی، ساہیوال)

''یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ دور نعت کا دور ہے جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں۔ ضیاء الحق کے دور میں نعت کی پذیرائی اس قدر ہوئی کہ ہر شاعر نعت لکھنے کی جانب متوجہ ہو گیا اور اسی وجہ سے جدید نعت سے منسوب شعر لکھے جانے لگے، یہ بھی غنیمت جانیے کہ جن شعرائے کرام نے کبھی نعت نہیں لکھی تھی وہ بھی کچھ نہ کچھ لکھنے لگے، میں تو قدیم زمانے سے کراچی میں مقیم تھا، وہاں بڑے بڑے پنجابی اردو مشاعرے ہوا کرتے تھے جن کا انتظام اکثر اوقات ہمارے ہی ذمہ ہوتا تھا، چند سالوں کی بات ہے میں نے ایک بڑے ہوٹل میں نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کیا، اب وہاں کے ہمارے سب دوست شعرا حضرات کو جب دعوت نامے ملے تو سب پریشان ہو گئے، کیونکہ مشاعرے میں آنا بھی ضروری تھا بمشکل کوئی دو شعر لکھ کر لے آئے، کوئی تین شعر لکھ لائے، یہ ضیاء الحق کا ہی دور تھا۔ اس کے بعد نعت لکھی جانے لگی اور اب تو نعت خاصی لکھی جانے لگی ہے۔''

(مشتاق چغتائی، لاہور)

''میں بلا خوفِ تردید یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ضیاء الحق بے شک ایک خدا ترس سربراہ مملکت تھے، ویسے تو کس کے کردار میں کسی خامی اور کمزوری کا پہلو نہیں ہوتا، لوگ کیڑے نکالنے پر آجائیں تو اچھے اچھوں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیں، بات ساری نیت کی ہے۔ انھوں نے بلاشبہ مذہبی معاملات میں ماضی کے تمام حکمرانوں سے زیادہ دلچسپی لی اور نعت گو اور نعت خواں دونوں ہی کی ہمت افزائی کی۔

(لبث قریشی، کراچی)

''یہ بات بہت حد تک درست ہے کہ دور حاضر نعت کے احیا کا دور ہے اور یہ بھی بہت حد تک درست ہے کہ اس دور میں کثرت کے ساتھ قابل قدر اور اثر انگیز نعتیں لکھی گئی ہیں لیکن ہماری نعت گوئی کی تاریخ میں کوئی دور اس جذبہ سے خالی نہیں رہا، لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملتان میں صدیوں سے نعتیں لکھی جا رہی ہیں، قلمی نسخے بھی موجود ہیں اور سرائیکی شعرا کا کلام قصیدے، دوہرے، کافی وغیرہ کی شکل میں ایک بیش بہا خزانہ موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ خزانہ منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لیے سرائیکی شاعری خصوصاً نعت گوئی کے بارے میں لوگوں کی معلومات محدود ہیں۔

(امید ملتانی، ملتان)

''جنرل ضیاء الحق کے دور میں نعت پر کتب انعام پانے لگیں۔ نعت کے مشاعرے ریڈیو، ٹیلی ویژن پر آئے۔ صلہ وستائش کے ان نئے حالات سے نعت گوئی اور نعت خوانی میں قابل داد اضافے ہوئے یہ کیفیت میرے دل میں بھی بارہا مسلسل پیدا ہوتی ہے، لیکن اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔''

(محمد خاں کلیم، لاہور)

''ضیاء الحق کے دور میں نعت کو بطور سخن نسبتاً زیادہ فروغ ملا کہ وہ خود کو اسلام کے نسبتاً زیادہ داعی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبتاً زیادہ داعی ظاہر کرتے تھے، **"الناس علی دین ملوکھم"** (لوگ بادشاہوں کی راہوں کو اپناتے ہیں) ایسے میں نہ صرف نعت گو شعرا بلکہ نعت خواں حضرات بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے، نقوش کے ''رسول نمبر'' کے باب میں انھوں نے نہ صرف مسرت کا اظہار کیا بلکہ اس کی خصوصی

تقریب میں ذوق وشوق سے آئے۔ ویسے بھی جب ان کے سامنے نعت پڑھی گئی تو وہ آنسو بھر لائے ان کا دور سبز موسم تھا، یہاں تک کہ بعض سرخ نامور ادیب وشاعر بھی موسم کی نبض پہچان کر نعت پر آمادہ ہوئے اور یوں نعت پڑھے لکھے طبقے میں بھی مقبولیت کا وسیلہ بنی اور نئے نئے اسالیب میں اہم موضوعات نعت میں رچ بس گئے اور نعت بطور صنف سخن فروغ پانے لگی، نعتیہ مشاعروں کے اہتمام میں بھی نسبتاً زیادہ فروغ ملا۔اور بعض نعت خواں حضرات نعت گو شاعر بن گئے۔ ذہنی افق کو خوش عقیدگی سے ہم آہنگ کرنے کی شعوری کوششیں بھی ہوئیں اور دانشور طبقے میں قلب ماہیت کا بھی مظاہرہ ہوا مجموعی طور پر یہ عمل خوش آئند ہے۔''

(غلام رسول اظہر)

''دور حاضر بے شک نعت کا دور ہے اور اس کا سبب بھی احیائے اسلام کی وہی کوششیں ہیں جو بنیادی دنیا میں روبہ عمل ہیں۔ضیاء الحق مرحوم کے دور میں نعت کے فروغ میں کراچی کے وہ کل پاکستانی مشاعرے ہیں، جن میں بیس بیس ہزار سامعین ہوتے تھے اور پورے پاکستان سے سارے عمدہ شعرا مدعو ہوتے تھے اور جن کو نہایت معقول نذرانہ دیا جاتا تھا۔ان میں وہ شاعر بھی تھے جنھوں نے کبھی نعت نہیں کہی تھی مگر مشاعرے میں شرکت کی مجبوری کی بنا پر انھوں نے بھی نعتیں کہیں اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔''

(تابش دہلوی، کراچی)

''یہ درست ہے کہ دور حاضر میں نعت کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے،اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ضیاء الحق مرحوم خود محبّ رسول تھے اور انھوں نے بہت سے نعت گو شعرا کی حوصلہ افزائی کی، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی نعت کو فروغ ہوا،لیکن ہمارے خیال میں نعت گو بنیادی طور پر اپنی عقیدت،محبت اور نیاز مندی اور حصول برکت کے لیے نعت لکھتا ہے نہ کہ صلہ وستائش کی تمنا کے لیے، ہاں گر اس کی نعتوں کو قبول عام ملی، تو یہ فطری طور پر اس کے لیے باعث طمانیت قلب بھی ہے اور حوصلہ افزائی کا سبب بھی،اس میں تحدیث نعمت بھی ہے اور تبلیغ دین بھی، حصول ثواب بھی ہے اور مثال ذکر واذکار بھی،تاہم یہ نشر واشاعت مقصود بالذات نہیں ہونی چاہیے۔''

(ع۔س۔مسلم،کراچی)

''پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد اردو شاعری (نعتیہ شاعری) میں اس

قسم کا انقلاب آنا نہ تو غیر متوقع ہے اور نہ ہی اس کو کسی فرد کا کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر اس دور میں بھی پاکستان میں نعت گوئی کو فروغ نہ ملتا تو یہ تعجب کی بات ہوتی اور ہم اسے بد نصیبی تصور کرنے میں یقیناً حق بجانب ہوتے۔ ضیاء الحق مرحوم (سابق صدر) پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد پہلے سربراہ مملکت تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور نعتیہ کلام بھی پسند کرتے تھے، شعرا اور نعتیہ تقاریب منعقد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نعت کے فروغ میں ان کا بھی حصہ تھا، ویسے اسلامی نظام حکومت کا کوئی بھی سربراہ ہوتا، وہ اس صنف سخن نعت گوئی کو نہ تو رد کرسکتا تھا اور نہ ہی اس کی مخالفت کی جرأت کرسکتا تھا۔ آج بھی نعت پاکستان میں ہی عقیدت واحترام سے کہی جارہی ہے۔ یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ گزشتہ پندرہ سال سے عالمی سطح پر ہر جگہ اہل اسلام کو ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، نوعیت وحالات کچھ بھی ہوسکتے ہیں، طریقے جدا ہوسکتے ہیں، لیکن باعتبار مجموعی مسلمان تمام عالم میں پریشان حال ہیں، برصغیر ہندو پاک اور بالخصوص ہندوستان میں عام مسلمان کا رجحان مذہب کی طرف بڑھ رہا ہے، ان حالات میں یہاں نعت گوئی کو فروغ ملنا کوئی غیر متوقع نہیں ہے۔ یہیں بھی یہ رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس کو عملی طور پر یہاں منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، رسائل، اخبارات وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ماہ ربیع الاول تو خاص طور پر سیرت النبی کے جلسوں اور نعتیہ مشاعروں کا مخصوص اور مبارک مہینہ ہے، دور حاضر پر ہم نعت کا دور ہونے کا حکم تو نہیں لگا سکتے البتہ یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں نعت گوئی کو فروغ ضرور ملا ہے بلکہ اغلب گمان ہے کہ مستقبل میں نعت گوئی کو مزید فروغ اور استحکام ملے گا۔''

(ابرار کرپوری، دہلی بھارت)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ضیاء الحق مرحوم ومغفور نے اپنے شاعروں سے نعت لکھوائی ہے جنھوں نے ضیاء الحق کی صدارت سے پہلے کبھی نعت نہیں کہی تھی، انھوں نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر معاوضہ کی صورت میں نعت شریف کے لیے ایک اچھا راستہ دکھلایا۔''

(سرور بدایونی، فیصل آباد)

معروضات بالا کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جنرل ضیاء

الحق کے زمانے میں نعت کو کافی فروغ ملا اور مرحوم جنرل ضیاء نے اپنے دور حکومت میں نعت کو فروغ دینے کے متعدد منصوبے بنائے۔ ان کو عملی جامہ پہنایا۔ اجمل چنڈیانوی نے بالکل درست کہا ہے:

اجمل تو خوش نصیب ہے ، قسمت کا ہے دھنی
تجھ کو ملا وہ دور جو تائب کا دور ہے

مرحوم جنرل کے دور میں کثرت سے نعتیں لکھی گئیں لیکن یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے کہ بعض شاعروں میں وہ خلوص نہ تھا جو اس اہم عبادت کے لیے درکار ہے۔ اگر شعرا خلوص کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتے، تو ایک عظیم معاشرتی انقلاب برپا ہو جاتا۔ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ معاشرہ روز بروز تباہی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، اسمگلنگ اور دہشت گردی میں بھی ملک پاکستان کافی اوپر ہے، اگر معاشرے میں روح نعت اور منبع نعت کا منشا حاوی ہو جاتا تو پاکستان ایک امن کے پیغامبر کی حیثیت سے سامنے آتا۔ اس عہد میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن والوں نے روپے پیسے کا لالچ دے کر شاعروں سے نعتیں لکھوائیں، لیکن ان باتوں سے جنرل ضیاء الحق کے کارناموں پر پانی نہیں پھیرا جا سکتا۔ انھوں ایک مسحور کن نعت سے متاثر ہو کر سرکاری مراسلے کے ذریعے قرآن کریم کے بعد نعت سرائی کو لازم قرار دیا تھا۔ واقعہ کی نوعیت بشیر حسین ناظم اسلام آباد کی زبانی سماعت فرمائیں۔

''۱۹۷۷ء کے اختتام میں حضرت علامہ اقبالؔ کانگریس، فیصل آڈیٹوریم نیو کیمپس پنجاب یونیورسٹی لاہور میں منعقد ہوئی۔ میں نے اس کانفرنس میں اپنی وزارت کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد مجھے کلام اقبالؔ ترنم سے پڑھنے کے لیے اسٹیج پر بلایا گیا۔ ہال پاکستانی اور دیگر ممالک کے مندوبین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، میں نے حضرت علامہ کی معروف غزل

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

نہایت ہی پر اثر انداز میں پڑھی، تمام ملکی و غیر ملکی مندوبین میری خوش الحانی پر جھوم رہے تھے۔ میں نے غزل ختم کی تو جنرل ضیاء الحق مرحوم نے جو اس وقت چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر تھے، مجھے گلے لگا لیا اور نہایت محبت و مؤدت کا اظہار کیا اور اپنی تقریر ختم کرتے

ہوئے انھوں نے کہا

خواتین و حضرات!

چونکہ اس عظیم الشان تقریب کا آغاز بھی کلامِ اقبالؔ سے ہوا تھا میں چاہتا ہوں کہ جناب بشیر حسین ناظم صاحب تقریب کا اختتام بھی کلامِ اقبالؔ سے ہی کریں۔''

چنانچہ میں نہایت بلند آواز اور مسحور کن الحان سے علامہ کی ایک غزل کا یہ شعر پڑھا:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری ہے

تو ہال داد و تحسین کی آوازوں سے گونج اٹھا، جناب ضیاء الحق صاحب نے بعد ازاں مجھ سے ایک دو محفل میں نعت سنی تو ایک سرکاری مراسلے کے ذریعہ قرآن کریم کے بعد نعت سرائی کو لازم قرار دے دیا۔

اس واقعہ سے اس بات کا اندازہ تھا کہ مرحوم جنرل اپنی نیت میں مخلص تھے اور ان کا یہ کارنامہ ستائش کی تمنا میں نہ تھا، رہا انعام و اکرام کا مسئلہ تو منبع نعت نے خود ہی حضرت کعب ابن زہیر کو ان کے مشہور قصیدۂ نعت کے اکیانویں شعر پر بطور انعام چادر مرحمت فرمائی۔ آپؐ نے علامہ بوصیری کو خواب میں چادر مرحمت فرمائی تھی اور ان کو فالج کے موذی مرض سے نجات دلائی تھی۔ آپؐ حضرت حسان کو مسجد نبوی میں عزت و احترام دیتے تھے۔ آپ نے متعدد نعت گو شعرا کو دعاؤں سے نوازا تھا جن میں حضرت عباسؓ، حضرت حسانؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین اہم ہیں۔ اس لیے راقم الحروف اپنے اس فیصلے میں کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں صنف نعت کو بہت فروغ ملا، حق بجانب ہے، جنرل ضیاء الحق مرحوم سچے مسلمان اور سچے عاشق رسولؐ تھے اور صوم و صلوٰۃ کے پابند بھی تھے، نظریاتی اختلافات کے باوجود ہر فرد اس امر کی تائید کرے گا کہ ضیاء الحق کے دور میں نہ صرف یہ کہ اسلام کے وقار کو بلند و بالا کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ نعت کی طرف بھی حکومت مائل رہی، مرحوم جنرل نے بہت سے نعت گو اور نعت خواں حضرات کو انعام و اکرام سے نوازا اور ہزاروں لوگوں کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ انور کی سعادت سے مشرف کیا۔

اگر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک کے تیس سالہ دور کا جائزہ لیا جائے تو اس نتیجہ تک پہنچنا مشکل نہ ہوگا کہ اس عرصہ میں نعت خوانی کی محفلیں اور نعتیہ مشاعرے تبرکاً ہوتے ہیں، لیکن اس دوران کے نعتیہ مجموعوں کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، جب کہ ضیاءالحق مرحوم کے گیارہ بارہ سالہ دور میں نعت خوانی اور نعت گوئی کو پروان چڑھنے کے خوب خوب مواقع ملے۔ نعت خوانی کی محفلیں اور نعتیہ مشاعرے مذہبی وادبی اعتبار سے پاکستانی ثقافت کا خاص حصہ بن گئے، جب کہ نعت کے حوالے سے نظم کے ساتھ ساتھ نثر پر بھی اس قدر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں کہ ان کا شمار کرنا کسی تحقیقی عمل سے کم نہیں۔

پاکستان سے شائع ہوئے نعت نمبر اور جنرل ضیاءالحق

اس سے پیشتر کہ نعت نمبروں کا تعارف کرایا جائے ، یہ جاننا ضروری ہے کہ پاکستان میں نعت کی اشاعت وفروغ کے حوالے سے بعض کتابی سلسلوں کے ساتھ ساتھ باقاعدہ نعت کے موضوع پر ماہنامے بھی شائع ہورہے ہیں، اس سلسلے میں راجہ رشید محمود کی ادارت میں ماہنامہ نعت لاہور سے شائع ہورہا ہے، جس کا ہر شمارہ خاص نمبر ہوتا ہے، ماہنامہ نعت میں بالعموم نعت کے موضوع پر سیر حاصل مضامین ومقالات شائع ہوتے ہیں جب کہ موضوع کے حوالے سے نعتیہ کلام کا انتخاب بھی شامل اشاعت ہوتا ہے۔

نعت نمبروں کی یہ کثرت جنرل ضیاءالحق مرحوم کے دور میں نعت کے حوالے سے انجام پذیر ہونے والے مختلف ترقیاتی منصوبوں میں سے ایک ہے، جس کے مدیر محبّ نعت جناب شہزاد احمد ہیں۔ اس خبرنامے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پرچہ تحقیقی نعت کے ساتھ ساتھ محافل ومجالس کے خبرنامے کے طور پر بھی کام کرتا رہا ہے۔

کراچی سے شائع ہونے والے سہ ماہی ''نوائے نعت'' سید علی حسین ادیب رائے پوری کی ادارت میں شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ بھی نعت کے سلسلہ میں ملا جلا پرچہ ہے۔

ماہنامہ ''حمد نعت اور نوائے نعت'' کے علاوہ کراچی میں فروغ نعت کے سلسلے میں کام کرنے والے ادارے اپنی سالانہ تقریبات کے موقع پر خصوصی مجلّے بھی شائع کررہے ہیں۔ ان مجلوں میں تقریبات کی روئیداد کے علاوہ نعت کے مختلف موضوعات پر مضامین طبع

ہوئے ہیں۔ اس طرح مجلّہ ’’لیلۃ النعت‘‘ مرکزی گل بہار نعت کونسل پاکستان کراچی کی طرف سے شائع ہوتا ہے، جس میں نعت کے حوالے سے مضامین اور نعتیہ کلام طبع ہوتا ہے، حافظ آباد سے عبدالغنی تائبؔ کی ادارت میں بزم نعت کی جانب سے ’’نعت‘‘ اور ’’تنویر نعت‘‘ کے عنوان سے مختصر مجلّے شائع ہوتے ہیں، نعت نمبروں کے سلسلے کی ایک کڑی نعت گو شعرا کے حوالے سے خصوصی شماروں کی اشاعت بھی ہے جس میں کسی ایک نعت پر تفصیلی مواد طبع کیا جاتا رہا ہے، اس سلسلے میں ماہنامہ ’’برقاب‘‘ لاہور نے ’’عندلیب باغ مجاز‘‘ کے عنوان سے حفیظ تائب نمبر شائع کیا تھا جب کہ مرزائیوں کی طرف سے ’’الاصلاح‘‘ کا ایک نعت نمبر بھی شائع ہوا تھا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ان اشعار کو جمع کیا گیا تھا، جن میں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل ملتا ہے۔ نعت گو شعرا کے شخصی مطالعہ و انتخاب کالم پر مشتمل شماروں کی تعداد بھی خاصی ہے۔

پروفیسر منیر قصوری کے زیر اہتمام نعت کے چند شمارے بھی طبع ہوئے ہیں، جس کے مرتب ملک فاروق احمد ہیں۔ یہ شمارے مکتبہ ’’ایوان نعت‘‘ کی جانب سے شائع کیے گئے تھے۔ جن میں نعتیہ کلام کے علاوہ نعت گو شعرا پر مضامین طبع ہوتے رہے ہیں، جب کہ ممتاز نعت خوانوں کے انٹرویوز بھی ان میں شامل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی ’’سیرت مشن پاکستان‘‘ لاہور کے زیر اہتمام مجلّہ گل چیدہ، کی اشاعت تھی۔ جس میں نعت گو شعرا کا تعارف و کلام شائع ہوا ہے۔ یہ مجلّہ حفیظ تائبؔ نے ترتیب دیا تھا، اس مجلّہ کا صرف ایک شمارہ ہی شائع ہوا تھا۔

نور وظہور: اگست۔ ستمبر ۱۹۶۱ء۔

ماہنامہ ’’نور وظہور‘‘ قصور کا نعت نمبر اگست ستمبر ۱۹۶۱ء کے مشترکہ شمارے کے طور پر شائع ہوا جس کے مدیر محمد علی ظہوری اور نگراں اعلیٰ محمد شریف نوری ہیں، نعت نمبر ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

سیر وسفر: اگست ۱۹۶۳ء

ہفت روزہ ’’سیر وسفر‘‘ نے عارفؔ دہلوی کی ادارت میں ۳۰ / اگست ۱۹۶۳ء کو ۱۴۸ صفحات پر مشتمل نعت نمبر شائع کیا، جس میں مولانا مودودی کا پیغام اور عارفؔ دہلوی کا الوداعیہ اداریہ شائع ہوا ہے۔ اس میں اردو نعتیہ شاعری کا انتخاب زمانی ترتیب کے ساتھ

شائع ہوا ہے۔

پگڈنڈی: دسمبر ۱۹۶۴ء

کتاب ''پگڈنڈی'' لاہور کا دوسرا شمارہ نعت شریف نمبر کے نام سے ۱۹۶۴ء میں اختر کشمیری نے ترتیب دیا ہے۔ سرپرست عنایت حسین بھٹی اور سرپرست اعلیٰ مقصود تائب ہیں، یہ نعت نمبر سبز گنبد کے خوبصورت ٹائٹل سے مزین ہے، صفحات کی تعداد ۶۶ ہے۔

صریر خامہ

یہ شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کا علمی وادبی مجلّہ ہے جس کا نعت نمبر حمایت علی شاعر کی ادارت میں رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ وائس چانسلر کی حیثیت سے شیخ ایاز نگراں ہیں۔ یہ مجلّہ ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے، مضمون نگاروں میں شیخ ایاز، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی، ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی اور ڈاکٹر نجم الاسلام شامل ہیں۔ مضامین کے ناموں ہی سے مضامین کی تحقیقی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ شہیدی، محسن اور امیر مینائی کی نعتیہ شاعری پر مضامین کے علاوہ بعض اہم مباحث بھی اس نعت نمبر میں زیر بحث آئے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الحسن کا مضمون ''اردو نعت کے مطالعے'' شمارے کا خاص مضمون ہے، جس میں ۱۹۷۸ء میں نعت کے حوالے سے شائع ہونے والی کتابوں پر سیر حاصل تبصرہ ہے، جب کہ عفت بانو کا مضمون ''نعتیہ مجموعے'' نعت کے مطالعے کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ''صریر خامہ'' کے نعت نمبر کا اہم ترین حصہ حمایت علی شاعر نے اردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال کے زیر عنوان تحریر کیا ہے اس نعت نمبر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ کسی جامعہ کی جانب سے پہلا نعت نمبر ہے۔

اقراء ۱۹۸۰ء

اقراء گورنمنٹ ایم اے او کالج لاہور کا علمی اور ادبی مجلّہ ہے جس نے بعض نہایت وقیع اور یادگار شمارے شائع کیے ہیں، اقراء نے ۱۹۸۰ء میں ایک جامع سیرت نمبر شائع کیا ہے جب کہ اسی سال نعت کے حوالے سے اقراء کا ایک الگ نمبر شمارہ سیرت نمبر کے طور پر بھی شائع ہوا ہے، اس رسالہ کے اردو حصہ کے مدیر پروفیسر حفیظ صدیقی اور پنجابی حصہ کے مدیر پروفیسر محمد یونس احقر ہیں۔ سرپرست پروفیسر میاں محمد شبیر ہیں۔ جب کہ طالب علم مدیران

ادب نواز، ، عنبر تاجور، طارق نذیر، اور انتخاب خاں ہیں، اقراء کے اس شمارے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ پنجاب کے تعلیمی اداروں کی طرف سے شائع ہونے والا پہلا نعت نمبر ہے۔

کارواں ۱۹۸۱ء

گورنمنٹ جھنگ کے علمی و ادبی مجلّے کارواں کا نعت رسول نمبر ۱۹۸۱ء میں پروفیسر عبدالستار چاولہ کی سرپرستی اور پروفیسر محمد حیات خاں سیالؔ مرحوم کی ادارت میں شائع ہوا۔ جس کے معاونین پروفیسر دیوان الیاس نصیب، منظر عباس بخاری اور منظور احمد ہاشمی ہیں۔ حصہ پنجابی کے نگراں پروفیسر سمیع اللہ قریشی، انچارج پروفیسر نور احمد ثاقب اور مدیر ذوالفقار علی اور نائب مدیر ظفر اللہ مرجانہ ہیں۔ یہ مجلّہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

لاہور کے ''شام و سحر'' نے پہلا نعت نمبر جنوری فروری ۱۹۸۱ء کے مشترکہ شمارے کے طور پر چار سو صفحات پر محیط شائع کیا ہے۔ اس کے مدیر اعلیٰ شیخ صفدر علی اور مدیر خالد (اصلی قلمی نام خالد شفیق) ہیں ضخامت کے اعتبار سے یہ شمارہ ۱۹۸۱ء تک شائع ہونے والے نعت نمبروں میں سب سے بڑا ہے، شام و سحر نے اب تک کل ۶ نعت نمبر نکالے ہیں۔

الہام دسمبر ۱۹۸۲ء

ہفت روزہ الہام بھاول پور کا نعت نمبر ۷/دسمبر ۱۹۸۲ء میں مسعود حسن شہابؔ دہلوی کی زیر صدارت شائع ہوا ہے۔ جس سے مدیر کے سوچ کی پاکیزگی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ مطالعۂ نعت کے حوالہ سے یہ ایک جامع شمارہ ہے، جس میں علامہ محمد فیض احمد اویسی، میاں ظاہر شاہ قادری، پروفیسر فیض کاوش، افسر صدیقی امروہوی، سید محمد ریاست علی قادری، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، راجہ رشید محمود، سید نور محمد قادری رحیم بخش شاہین، مسعود حسن شہاب دہلوی اور دیگر معروف اہل قلم کے نعت، مطالعۂ نعت اور مختلف افراد کی نعت کے حوالے سے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

تحریریں: نے پانچ نعت نمبر نکالے ہیں اور پنجابی رسالہ لکھاری نے تین نعت نمبر نکالے ہیں۔

''لفظ ہمارے'' جون ۱۹۸۴ء

''لفظ ہمارے'' کا مبشر وسیم لودھی کا ترتیب دیا ہوا نعت نمبر حلقہ ارباب ذوق لودھی کی جانب سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا، یہ نعت نمبر ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، جس کے ٹائٹل پر مواجہ شریف کی تصویر شائع ہوئی ہے، مرتب نے انتساب اپنے پیر و مرشد سید ولی محمد

شاہ کے نام سے کیا ہے۔

ان رسالوں کے نعت نمبروں کے علاوہ اقلیم مئی ۱۹۸۹ء، محراب و منبر، الرشید لاہور کا نومبر ۱۹۹۲ء کا شمارہ جو دو جلدوں میں ہے اہم ہے۔ یہ نعت نمبر عبدالرشید ارشد کی زیر ادارت شائع ہوا ہے۔ یہ ۱۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس وقت شائع ہونے والے نعت نمبروں میں ضخامت کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ ضخیم نعت نمبر ہے، گورنمنٹ کالج لاہور شاہدرہ کا نعت نمبر بھی دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد میں ۷۲۰ اور دوسری جلد میں ۷۳۶ صفحات ہیں، اس کے مدیر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ہیں، مرحوم کا اصل نام آفتاب احمد نقوی اور والد کا نام یعقوب احمد ندوی ہے، آپ کی ولادت حمد والی چک نمبر ۱۱۱ نزد سانگلہ ہل تحصیل و ضلع شیخ پورہ میں ۹ ستمبر میں اور شہادت ۲۸/ اکتوبر ۱۹۹۵ء لاہور میں ہوئی۔ جی ٹی روڈ لاہور پر صبح نو بجے کے قریب دو نا معلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا، ان کے ہمراہ ان کے دوست مقبول احمد کاوش بھی تھے۔ وہ بھی اس فائرنگ سے جاں بحق ہو گئے۔

آپ نے ''پنجابی نعت گوئی'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، مرحوم نہ صرف ادیب و شاعر تھے بلکہ اساتذہ کے بہت بڑے قائد بھی تھے آپ نے سیرت نگاری پر کتاب لکھی اور تفسیر و حدیث اور اسلامیات کی ببلوگرافیاں بھی تیار کیں، نعت و سیرت پر کئی یادگار مضامین و مقالات بھی آپ کے قلم سے نکلے۔ آپ نے نعت کے فروغ کے سلسلے میں کئی ملکی سفر بھی کیے۔ آپ کو اللہ پاک نے ۱۹۹۴ء میں حج اکبر کی سعادت نصیب فرمائی۔

مرقومہ بالا معروضات سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی تحریک سے پاکستان کے متعدد اداروں نے بہت سے گراں مایہ اور وقیع نعت نمبر نکالے۔

نعت رنگ: یہ رسالہ کراچی پاکستان سے شائع ہونے والا ایک وقیع رسالہ ہے۔ جو اپنے متنوع اور رنگا رنگ وقیع مضامین کی وجہ سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے یہ قابل مدحت مجلّہ کرہ ارض کے تمامی مجلّات میں، اپنے لائق و فائق مدیر اعلیٰ عالی مرتبت سید صبیح الدین رحمانی کی منفرد لیاقت و صلاحیت اور ان کی قابل داد قابلیت و انفرادیت کے باعث مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے، یہ فقید و وقیع مجلّہ، عالمی مجلّات و رسائل کے مطلع پر اپریل ۱۹۹۵ء میں طلوع ہوا تھا اور تب سے بڑی آب و تاب کے ساتھ بہ سے بہتر کا اپنا یہ

سفر بہ حسن وخوبی طے کر رہا ہے، اب تک اس کے ۲۸ شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اس مجلّہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی مختلف حیثیتوں و کیفیتوں پر وقیع ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے جا رہے ہیں، حلیہ سعدیہ منگلوری کا نعت رنگ کی خدمات سے متعلق ایم فل کا مقالہ ۲۰۱۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ عالمی مجلّات و ورسائل کے غائر مطالعہ کی روشنی میں یہ فیصلہ مبنی بر حقیقت ہے کہ جہاں تک اردو نعت میں رسائل و مجلّات کا تعلق ہے، پاکستان میں اس شعبہ میں قابل مدحت کام ہو رہا ہے۔ نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۲۸، ابھی حال میں اشاعت پذیر ہوا ہے ۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اس مجلّہ کو عمر نوحؑ وعمر خضر عطا فرمائے۔

ہندستان سے نعت پر شائع ہونے والے مجلّات میں سے دو اہم ہیں، جن میں سے ایک اسی ماہ مبارک رمضان ۱۴۴۰ھ میں ''جہانِ حمد ونعت'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ دوسرا اہم قابلِ فخر مجلّہ ''دبستانِ نعت'' ہے، جو اپنے دوسرے شمارے ہی سے عالم آشنا ہو گیا تھا اور اس کے تیسرے شمارے نے تو، اسے مجلّات نعت میں گل سر سبد بنا دیا اور اسے یہ شرف و افتخار عالی مرتبت ڈاکٹر سراج احمد قادری مدظلہ العالی کی بے عدیل اور لائق مدحت، معتبر اور مفید ادارت کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔ فی الواقع ڈاکٹر موصوف کی اخّاذ و درّاک یہ جبلّت ، لائق صد ستایش ہے۔ ان کی یہ بے مثال لیاقت واہلیت ''تا نہ بخشد خدائے بخشندہ'' کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ مجلّہ فی الواقع بعمر کہتر بہ منزلت بہتر کا مصداق خارجی ہے۔

چوتھا باب

ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کے خصائص

(الف) تقسیم کے بعد پاکستانی اردو نعت میں نمودار ہونے والے رجحانات

پاکستان کی نعتیہ شاعری وہاں کی ثقافتی اور تہذیبی زندگی کا حصہ ہے اس کی ہمہ جہتی وسعت اور ترقی میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں عوامی سطح پر سالانہ نعتیہ مشاعرے منعقد ہوتے ہیں۔ ان کا بھی علیٰ سبیل التعاقب والتوالی انعقاد پاکستان کے اختصاص میں سے ہے گوکہ نعتیہ مشاعرے کے بانی غیر منقسم، متحد ہندوستان کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر تھے، لیکن اس کو فروغ پاکستان میں حاصل ہوا۔

پاکستان کی نعتوں کا غالب سرمایہ غزل کی ہیئت میں ہے، بات کو صفائی کے ساتھ کہنا، شاعری کا غمناک لہجہ اپنانا، آشنا مضامین میں اضافہ، معانی کی کاوش، یہ سب پہلو پاکستان کے اختصاصات میں ہیں۔ پاکستان نے غزل کے پیکر کو مدحتِ رسول کریمؐ کی قبائے نورعطا کی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ غزل سے پاکستان کی سرزمین کی طبیعت کو کیسی مناسبت ہے۔ بات صرف ہیئت اور تکنیک تک ہی محدود نہیں بلکہ اس سرزمین نے غزل کی علامتوں اور اشاروں سے اپنی نعت گوئی میں کام لیا ہے، معاملہ، سپردگی، آرزو، جستجو، نغمہ، روشنی، سجدہ اور در وغیرہ علامتیں اور اشارے ہیں، لیکن ان علامتوں کا سیاق وسباق ہی نہیں بلکہ منظر اور معنوی سطح کی ہر چیز بدل جاتی ہے۔ جس طرح حضور اکرمؐ کی نظر، دلوں کی دنیا

بدل دیتی ہے اسی طرح پاکستان میں یہ اور اس قبیل کی دیگر علامتیں اور اشارات لفظوں کی سطح اور معانی کو بدل کر نئی بلندیاں حاصل کر لیتے ہیں، یہاں پر یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ شاعر جب بھی محدود سے لامحدود کا، تخصیص سے تعمیم کا سفر کرتا ہے تو وہ حمد ونعت کی صاف وشفاف دنیا میں پہنچ جاتا ہے، جب کسی عام آدمی کی تعریف اس کے احوال وظروف سے زیادہ کی جائے گی، تو وہ اس مدحت کا مصداق نہیں رہے گا اور مدحت شاعر کے ارادے اور شعور کے بغیر دربار رسالت ؐ کا رخ کرے گی، غالبؔ کا ایک مشہور شعر ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

آج ہر پڑھنے والا، سننے والا، حضور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کرنے والا، اس شعر کو نعت کا شعر قرار دیتا ہے اور جاننے والے کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ بظاہر یہ شعر کسی تجمل حسین خاں کے لیے کہا گیا تھا، اسی طرح کا ایک شعر احسان دانشؔ کا ہے، جو کہ خواہ کسی کے لیے کہا گیا ہو، لیکن اس کی مصداق خاص نبی ﷺ کی ذات مقدس ہی ہے، شعر ملاحظہ ہو۔

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں ترا نقش کفِ پا ڈھونڈھنے کو

حضور نبی کریم ﷺ کے حسن جاوداں اور حسن ہمہ جہت کو دیکھنے والوں نے اپنے ظرف کے مطابق دیکھا، جمال حسن یار پر نظر ٹھہرنا آسان کام نہیں۔ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جمال پھول بن جاتا ہے اور کبھی رخسار میں سورج تیرتے نظر آتے ہیں، حسن حجاب نظر بن جاتا ہے مگر اس طرح کہ نیا پہلو سامنے آجاتا ہے، کبھی ہجوم لالہ وگل، کبھی خندۂ برق وکشور، آپ یہاں کی نعتوں میں شمائل مصطفویؐ کا مطالعہ فرمائیں تو یہی عالم نظر آئے گا۔ چودہ سو سالہ دوری اور مسافت پر کھڑے یہاں کے شعرا جلوۂ رسولؐ کو اپنے ذوق، آرزو اور احوال و ظرف کے مطابق دیکھ رہے ہیں۔ یہاں کے اکثر شعرا کے ہاں جلوۂ محمدؐ کی جھلکیاں مختلف عنوان سے نظر آتی ہیں۔ لیکن ذات رسالت مآب کے سلسلے میں ان کا سب سے اہم اشارہ اور علامت نور رہے۔ یہاں کا شاعر نور کی روشنی میں ڈوبنا بھی چاہتا ہے اور زندہ بھی رہنا چاہتا ہے۔ یہی نور زندگی کے راستوں اور قرینوں کو منور کرتا ہے، قرآن پاک میں بھی نبی امیؐ کو نور

قرار دیا گیا ہے۔

قد جاء کم من اللّٰہ نورٌ وکتاب مبین

نور اپنے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ کی زندگی ایک معجزہ اور دلالت نبوت ہے، اس زندگی کا ہر لمحہ ایسا روشن اور واضح ہے کہ اس کی روشنی کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے کسی اور روشنی اور دلیل کی احتیاج نہیں، حضور ﷺ ہماری زندگی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہیں کہ ہم اشیاء کو آپ کے نور میں دیکھتے ہیں اور دوسری جانب اشیا ہمیں آپؐ کے حضور لے جاتی ہیں، چیزوں کو اسی نور سے بہا حاصل ہوتی ہے یا پھر چیزیں اسی کی تلاش میں مصروف ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آں کہ از خاکش بہ دید آرزو
یاز نورِ مصطفیؐ اورا بہا است یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

حضورؐ کا نور ہر شے کا مقام متعین کرتا ہے۔

فروغ حسن سے تیرے ہوگئی ہر شے ادائے اسمِ بلالی و طرز بولہبی

ہندوستان کی نعتیہ شاعری میں نور محمد ﷺ کی ہمہ جہتی کا ایسا بیان آج کی اردو شاعری میں نظر نہیں آتا۔ پاکستان کی نعتیہ شاعری کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ وہاں کا شاعر نور کے ساتھ ساتھ خوشبوئے رسالت کے ادراک سے بھی سرفراز فرمایا گیا ہے اور یہ شعور بھی وہاں کے شعرا کی شاعری میں نظر آتا ہے کہ نبی ﷺ کی ذات پاک ہی ہماری زندگی کا معیار ہے۔ آپ ﷺ ہی وہ ہیں کہ جن کا اسوۂ حسنہ ہمارے اندازِ زیست کے قرینوں کا تعین کرتا ہے:

ہے عجب حسین و دلکش مری زیست کا قرینہ مری آرزو محمدؐ مری جستجو مدینہ

سروری صرف اس ذات بے ہمتا کو زیب دیتی ہے اور مومن کا ہر سجدہ اسی کے لیے مخصوص ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور دربار میں جیسے سر میں ایک سجدہ مچلنے لگتا ہے اور الحمدللہ کہ فرزانگی، توحید اور شریعت کے آداب اس سجدۂ بے تاب کی ادائیگی کو روک کر اس جذبے کو ہماری ذات کی شناخت بنا دیتے ہیں۔ اقبالؔ نے اس مرحلۂ شوق کو کتنے لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

نہ سر سے جدا ہو، نہ کھل کر ادا ہو اک ایسا بھی بے تاب سجدہ ہے سر میں

اور اس سجدہ کی کچھ کچھ ادائیگی یہاں کی نعت گوئی ہے۔

پاکستان کے ایک شاعر کے چند ایسے اشعار ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں جن میں سے نور عشق الٰہی اور روشنی مدحت رسول ﷺ تاباں درخشاں ہے ؎

میری زندگی ہے محکم، مرا عزم ہے مکمل — میں جہاں بھی سر جھکا دوں، وہیں تیرا آستانہ
مری زندگی ترا غم، ترا غم متاع عالم — مرے ساتھ صرف تو ہے، ترے ساتھ ہے زمانہ

اس قدر دل شکستہ ہیں کیوں اہل غم — نسبتِ غم تو خود ہے دلیل کرم
آنسوؤں سے جو دامن ہیں بکھرے الٰہی — ایک دن موتیوں سے بھی بھر جائیں گے ہم

میں ساقی کو دیکھوں کہ دنیا کو دیکھوں — یہ دنیا تو یونہی بدل جائے گی

میں کرلوں ہر تمنا سے کنارا — مجھے مل جائے بس دامن تمھارا

بے سہارا جو کوئی آبلہ پا ہوتا ہے — ہر قدم پر ترا غم راہ نما ہوتا ہے

کمیت کے اعتبار سے پاکستانی نعتیہ سرمایہ قابل تحسین ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں کہیں بھی کہنگی، بے کیفی اور فرسودگی کا احساس نہیں ہوتا، درحقیقت یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اور یہ انتہائی عقیدت و نیاز ہی تو ہے کہ وہ نعت گو شعرا بھی، جن کی نعتیں ایک ناقابل بیان حد تک روحوں کی بالیدگی اور ذہنوں کی تہذیب کا سرچشمہ بنی ہوئی ہیں، یہی عجز بیان، ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کی ایسی عبقری شخصیت نے جن کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا **"انا مدینة العلم و علی بابها"** (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں) نعت کے باب میں اپنے عجز کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

اللّٰہ یعلم شانہ — وھو العلیم بیانہ

اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت و رتبہ جانتا ہے اور وہی بیانِ نعت سے آگاہ ہے۔

یا رب صح سقمه بالفضل دمرجرمه

یا خدا اس نعت کے اسقام درست فرما دیجیے اور اپنے فضل سے اس کے نقائص ختم فرما دیجیے۔

عراقؔی کے ایسے جلیل القدر ایرانی شاعر ایک لطیف نعت لکھتے لکھتے جب اپنے کو شایانِ شان نعت کہنے سے قاصر پاتے ہیں، تو بارگاہ ایزدی کی حمد وثنا کرتے ہوئے، اللہ پاک سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ کچھ سرمایۂ الفاظ عطا کردے تا کہ وہ نعتِ نبیؐ کہہ سکیں۔

چوں شدم عاجز زمدح احمد محمود خلق — باز گر دم بردرِ قدوس اکبر مستجیر

اے مقدس ذات تواز وصف ہر ناپاک پاک — وے منزہ ذات تو از نعتِ ناذان خبیر

غالبؔ جیسے انا پسند اور خودنگر شاعر نے اس میدان میں اعتراف عجز اس طرح کیا ہے

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذر شتیم

کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اس پس منظر میں جب ہم پاکستان کی نعت گوئی پر نظر ڈالتے ہیں تو کسی ابہام کے بغیر واضح طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ دراصل اس ذات والاصفات سے بیکراں عقیدت اور اس بارگاہ میں اس کی مقبولیت ہی ہے جو نعت گوئی کے اس خودرو اور سدا تازہ رہنے والے سرچشمے کو ہر دور میں نئی زندگی، نئی تازگی، نئی وسعت اور نئی والہانہ کیفیت عطا کرتی جارہی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی سعادت بھی ایک مسلمان کی سب سے بڑی خوش بختی ہے اور جسے یہ خوش بختی عطا ہوا سے وہ کیف بھی حاصل ہو جاتا ہے جو لفظوں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ یہی کیف تو تھا جس نے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا۔

شرف گرچہ شدِ جامؔی زلطفش — خدایا، ایں کرم بار دِگر کن

پاکستان کے ہی کتنے شعرا اسی لازوال کیف سے سرشار ہوئے (جنرل ضیاء الحق تو معمولی معمولی باتوں سے خوش ہو کر حج وعمرہ کا انتظام کر دیتے تھے) اور یہی نعت بن کر ان کے لبوں اور ان کے قلم سے رواں ہو گیا ہے، پاکستان میں ایسے شاعروں کی تعداد کافی ہے، جو تمام دوسری اصناف شاعری کو خیر باد کہہ کر صرف صنف نعت کے لیے وقف ہو چکے ہیں،

اس بارگارہ میں حاضر ہونے کے بعد پھر کوئی اور بارگاہ، کوئی اور کیفیت، کوئی اور موضوع نگاہوں میں جچتا ہی نہیں، یہ بہرحال انتہائے عقیدت اور عطائے رب جلیل کی بات ہے۔

زائرین حرم کے زمرے میں مشمول شعرا کی نعتوں میں کیفِ عقیدت، قدرت افکار، حسن بیان اور پختگیٔ فن کا دریا ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ اس قبیل کے اشعار میں سے چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں، یہ اشعار مسرور کیفی کے نعتیہ سرمایہ ''میزاب نعت'' سے لیے گئے ہیں۔

فنا ہے ہمارا مقدر حضور ابد تک مگر جاوداں آپؐ ہیں
اور کچھ ہو یا نہ ہو مجھ سے مگر نعت کہہ کر جھومتا ہوں یا نبیؐ
کیسا ادراک ، آگہی کیسی؟ کوئی گتھی ہو آپ سلجھائیں
ان کا سایہ نہیں مگر ہم کو ان کا سایہ دکھائی دیتا ہے

یہ بات بھی پاکستان کے اختصاصات میں ہے کہ وہاں ان دنوں نعت گوئی ایک کشش کا مرکز بن گئی ہے، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور عام مشاعروں کے لیے، وہ شعرا بھی نعتیں کہہ رہے ہیں، جن کا کوئی ذہنی رشتہ، اسلام اس کی روایات اور ذات اکرم واقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں، ایسے شعرا کے ہجوم میں مقام رسالت کے شناسا اور مرتبہ داں شعرا کا قد و قامت صاف پہچانا جاتا ہے، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، حفیظ تائب اور مسرور کیفی ایسے ہی شعرا ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس فہرست میں چند ناموں کا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے لیکن یہاں راقم الحروف کا مقصد ایک رجحان کی نشان دہی کرنا ہے، پاکستان کے ان شعرا کے کلام میں عقیدت، مرتبہ دانی، ذات محمدی، ادبی خوبیوں اور فنی محاسن کے ساتھ ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں اور مژہ پر چھلکتے ہوئے ان کے آنسو بھی دکھائی دیتے ہیں، ان کی نعتوں میں حضور ﷺ سے عقیدت ومحبت کے اظہار کے علاوہ خاک مدینہ کے ذروں کو چومنے کا جو جذبہ اور دیار مدینہ کی فضا کا حصہ بن جانے کی جو آرزو ہے اس نے وہاں کے اکثر شعرا کو بار بار اس دربار تک پہنچا دیا، جہاں زندگی کے سب سے قیمتی شب وروز گذرتے ہیں وہ شب وروز جو حاصل دین ودنیا ہے۔

اے موجِ صبا، ایک فقط ایک ہی جلوہ ایک روز کبھی گنبد خضرا کو اڑا لا

مدینے جا کے تم معلوم تو کرنا مری ہر ہر گلی سے ہے شناسائی
خواب میں ماہ مبیں دیکھا کروں شہر آقا کی زمیں دیکھا کروں

اس لیے اس قبیل کے شعرا کے نعتیہ اثاثے میں گہرا تجربہ، ذات نبی اکرم ﷺ میں اپنے آپ کو گم کر دینے کی تمنا، حضور ﷺ کی ذات اقدس کو اپنی زندگی کا سائبان بنانے کی آرزو تڑپتی دکھائی دیتی ہے۔

پریشاں حال تو دیکھا نہیں اب تک درِ خیر الوریٰ کا کوئی شیدائی
اسم احمدؐ کا اے جہاں والو سر پہ رکھتے ہیں سائباں ہم لوگ

پاکستانی نعت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں کے شعری اثاثے میں شاعر کے شخصی رشتہ میں حضور ﷺ کی کائنات ساز اور تاریخ ساز شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کا احساس بھی ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، وہاں کے شعرا حضور ﷺ کی نسبت سے مسلمانوں کو جو باتیں یاد دلاتے ہیں، ان میں واعظ کی پیشہ ورانہ سطحیت نہیں، بلکہ شاعرانہ تجربہ کی صداقت اور روح کی بے باکی شامل ہے۔

ذرّے ذرّے کو بنایا آفتاب میرے آقاؐ کی بھلا کیا بات ہے
کونین کے مالک کے غلاموں کو خبر دو کونین کے مالک کی غذا نان جویں ہے
رنگ چمن چمن کے راہ بطحا سے خود بناتے ہیں کہکشاں ہم لوگ
محو خرام کون تھا خوش رنگیوں کے ساتھ قدموں کے میرے دل پہ نشاں رات بھر رہے

تقسیم کے بعد پاکستانی قومیت کے علاحدہ تشخص کی ضرورت نے اور کچھ کشت و خوں ریزی کے بعد (جو انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے) جب ذرا مہلت ملی، دولت کی فراوانی ہوئی، عیش دنیا حاصل ہوا، تو انسان نے محسوس کیا کہ وہ سب کچھ پا کر بھی سکون قلب کی دولت سے محروم ہے، یہ وہی صورت حال تھی جو بڑے پیمانے اور واضح شکل میں مغربی معاشرے کو درپیش ہے، اس صورت حال نے پاکستان کے فن کاروں کا اپنا قبلہ راست کرنے پر مجبور کیا اور ادھر چند سالوں میں نعت گوئی کے رجحان نے قابل رشک ترقی کی، نہ جانے کتنے شعرا کے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے اور نہ جانے کتنی ایسی نعتیں کہی گئیں جن پر اردو ادب بجا طور پر ناز اور فخر کر سکتا ہے، لیکن ادبی دنیا کی یہ ستم ظریفی بھی عام رہی

ہے کہ جب کوئی رجحان مقبولیت حاصل کرتا ہے تو وہ لوگ بھی اس کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، جواس سے کوئی طبعی مناسبت نہیں رکھتے، ترقی پسندی کے عروج نے ہمارے بہت سے رومانی شاعروں کو تباہ و برباد کردیا، نعت گوئی کے معاملے میں بھی یہی ہوا، کہنہ مشقی اور قادرالکلامی کے بل بوتے پر بہت سے لوگ میدان نعت میں اتر آئے، لیکن نعت گوئی محض شاعری نہیں ہے۔ یہ ماورائے شعر بھی بہت کچھ ہے اور وہیں سے یہ صنف وجود میں آتی ہے۔ پاکستان میں ایسے شعرا کی تعداد بھی خاصی ہے جنھیں نعت سے فطری لگاؤ ہے اور جو آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے بھی واقف ہیں اور جنھوں نے کائنات کو آپؐ کے دین سے بھی آگاہ کیا ہے، زندگی اور بندگی کو عظمت آشنا کرنے کے لیے حضور ﷺ نے جو کچھ کیا، اس کی طرف بھی ان کے یہاں اشارے موجود ہیں۔ اس قبیل کے شعرا نے عشق ومحبت کی تمام فتنہ سامانیوں کے باوجود آقا اور غلام کے تعلق کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا۔ اس لیے ان کی نعتوں میں شوخی سے زیادہ احتیاط ہے، طلب ہے تو بکھر جانے کی، وہ بھی آپؐ کے قدموں میں، توفیق نوا کی کہ مقبول بارگاہ ہو۔ یہ حضرات اپنے کلام سے نہ صرف بارگاہ رسالتؐ سے اپنی وابستگی وعقیدت کے جذبات کا اظہار کرکے اپنی قلبی تسکین کا سامان بہم کرتے ہیں بلکہ انھوں نے سامعین وناظرین کے دلوں کو بھی گرمیٔ عشق رسولؐ سے معمور کردیا۔ لوگ ایسے نعتیہ اشعار سن کر مست و بے خود ہوجاتے ہیں اور اپنے اندر ایک وجدانی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔

قیام پاکستان کے وقت پاکستان میں اردو کا صرف ایک بڑا علمی وادبی مرکز تھا، لاہور۔ بیسویں صدی کے شعروادب پر نگاہ ڈالی جائے تو پنجاب بالخصوص لاہور کی ادبی فضا میں بہت تنوع اور رنگارنگی نظر آتی ہے، خاص طور پر یہ مرکز نئے ادبی رجحانات کی آبیاری میں بہت آگے رہا ہے لیکن یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ اس تنوع اور رنگارنگی میں بھی ذکر رسول اکرم ﷺ کی ضیا تابی دوسرے رجحانات سے کم نہ تھی اسی شہر میں اقبالؔ کی آواز گونجی۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے　　دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

انھیں فضاؤں کی تابانیوں میں مولانا ظفرعلی خاں کی نعتوں سے اضافہ ہوا۔

سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا　　سب غایتوں کی غایت اولی تم ہی تو ہو

یہیں حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام جیسی طویل مثنوی لکھی، جس کا بڑا حصہ حضور ﷺ کے ذکر مبارک سے متعلق ہے، لاہور کے علاوہ اس زمانے میں پنجاب اور سرحد کے دوسرے شہروں میں بھی اردو زبان کا چرچا عام تھا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کی حیثیت سے ابھرا لیکن سقوط ڈھاکہ کے بعد مشرقی پاکستان کے ایک الگ مملکت بنگلہ دیش بن جانے سے پھر اس کی حیثیت کم ہوگئی، کراچی اور سندھ میں پاکستان بننے سے پہلے ہی اردو شعر و ادب کا رواج عام تھا۔ اس علاقے میں بھی آزادی کی جنگ اردو زبان کے ذریعہ لڑی گئی۔ پاکستان کے قیام سے پہلے یہاں انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم تھی۔ سالانہ مشاعرے پابندی کے ساتھ ہوتے تھے اور کئی ماہنامے یہاں سے شائع ہوئے تھے، بہر حال اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔

پاکستان بننے کے بعد لاکھوں مہاجروں کے ساتھ اردو کے نامور شعرا بھی کراچی آئے۔ ان کی آمد کا مقصد بزعم خود محض اپنی جان بچانا نہ تھا، بلکہ ملک کی تعمیر میں فکری حصہ لینا بھی بہت سوں کی غایت وغرض تھی، ان شعرا میں حضرت سیماب اکبر آبادی، حضرت آرزو لکھنوی، حضرت بہزاد لکھنوی، جوش ملیح آبادی، ماہر القادری، رئیس امروہوی، نہال سہاروی، قمر جالوی کے ایسے اساتذہ شامل تھے، ان کے علاوہ اس قافلے میں صبا اکبر آبادی، ضیاء القادری، رعنا اکبر آبادی، نازش دہلوی، راز مراد آبادی، محشر بدایونی، نسیم امروہوی، شاہ انصار حسین الہ آبادی، حیرت الہ آبادی، اسعد شاہ جہاں پوری، ارمان اکبر آبادی، ذوالفقار علی بخاری، صبا متھراوی اور اقبال صفی پوری بھی شامل تھے، جن کی آواز کی طرف قیام پاکستان سے پہلے ہی ادبی دنیا متوجہ ہو چکی تھی، حنیف اسعدی، قمر ہاشمی، سرشار صدیقی، ادیب سہارن پوری اور اقبال عظیم وغیرہ کی شعر گوئی بھی قیام پاکستان سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی۔

یہ چند نام مثال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں اور گمان یہی ہے کہ بہت سے اہم نام اس مختصر فہرست میں شامل نہیں ہوں گے لیکن اس سے یہ اندازہ تو ہی جاتا ہے کہ دبستان کراچی کی داغ بیل میں دبستان کراچی کے آغاز میں کتنی بڑی بڑی آوازیں شامل تھیں۔

افسر امروہوی، محمودہ رضویہ، آصف جاہ کاروانی اور محمد علی راشدی یہاں پہلے سے موجود تھے اور اردو وسائل کے ذریعے ادب کی خدمت کر رہے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سندھ

کے وہ نوجوان بھی زیادہ مستعدی کے ساتھ اردو زبان کی خدمت کرنے لگے جو پہلے بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے، مثال کے طور پر قمرؔ شیرانی اور مسرورؔ کیفی، جوں جوں وقت گزرتا گیا اس فہرست میں اضافے ہوتے رہے۔ بڑے بڑے نقاد اور نثر نگار بھی کراچی آ گئے، معتبر ادبی رسائل کے مدیر بھی کراچی آ گئے اور انھوں نے از سر نو اپنے سفر کا آغاز کیا۔ ان مدیروں اور نثر نگاروں میں شاہد احمد دہلوی، مولانا رازق الخیری، پروفیسر احمد علی، اختر حسیب ادیب رائے پوری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، صادق الخیری، سید محمد تقی، اور جلیل قدوائی وغیرہ شامل ہیں، بہت سے نام ذہن میں آ رہے ہیں لیکن راقم السطور ان سے صرف نظر کرتا ہے، کیوں کہ یہاں پر پاکستان کا نہیں بلکہ دبستان پاکستان بالخصوص دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری میں ابھرنے والی تحریکات کا جائزہ لینا منظور ہے، لیکن اس پس منظر میں یہ بات تو واضح ہو ہی جاتی ہے کہ اتنی عظیم شخصیات کے ہوتے ہوئے کراچی کو ایک ادبی دبستان قرار دیا جا سکتا ہے، مزید برآں اس دبستان ادب کے خدوخال کو نمایاں کرنے میں ملی جذبات اور نعت رسول اکرم ﷺ نے بنیادی کردار ادا کیا۔

ہیئت اور صنف

ہیئت کی تعریف اور اس کے دائرۂ کار پر گفتگو کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں چند مستند لغات کی طرف رجوع کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سلسلہ میں ان کا کیا کہنا ہے۔ الحاج مولوی فیروز الدین اپنے مشہور لغت جامع فیروز اللغات میں رقم طراز ہیں۔

> ’’ہیئت (ہے۔ات) ذ ع۔ ا: مث وہ علم جس میں اجرام فلکی زمین کی گردش اور کشش وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ ۲: بناوٹ ساخت۔ ۳: صورت شکل۔ ۴: حالت کیف۔ طور طریق۔
>
> ہیئات : (ع۔ صف) جمع ہیئت صورت شکل، اجرام فلکی کا علم۔

خاں صاحب سید محمد دہلوی۔ ہیئت کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہیئت۔ ع۔ اسم مؤنث: حال۔ حالت۔ کیفیت۔ ڈھنگ۔ طور طریق۔

ہیئت ۔ ع ۔ اسم مؤنث ؛ بنایا جانا ۔ تیار ہونا ۔ تہیہ اسی سے ہے ۔

ا: صورت شکل ۔ چہرہ مہرہ ۔ ۲: ڈول ساخت ۔ بناوٹ ۔ دھج

۳: ایک علم کا نام، جس سے اشکال افلاک و سیاحت کرۂ ارض معلوم کرتے ہیں ۔ اجرام فلکی کا بیان زمین کی گردش اور کشش وغیرہ سب علم ہیئت سے متعلق ہے ۔

ایس ۔ ڈبلو ۔ فیلن نے اپنی لغت اے نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری میں لکھا ہے:

HAI, YAT, HAI,AT, N.F-1. STATE (حال) 2. FACE: ASPECT THE ASPECT OF THE HEAVENS, ASTRONOMY. (CONDITION) HAIAT- 1- MAJMUIN. F. THE GENERAL ASPECTN. ORHAIAT-1- NIKAH, N.F. COVERTORE (P. 1212 U.P. Urdu Academi, luc.)

ہیئت کے لغوی معنی مطلق شکل وصورت کے ہیں ۔ لیکن شعر وشاعری کی اصطلاح میں شعر کی ظاہری شکل وصورت اور اس کی ظاہری ساخت کو ہیئت کہتے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی صنف کے طرز اظہار کا نام ہیئت ہے ۔

اردو کے اقسام شعر کو عموماً محض ہیئت کی بنا پر درجہ بند کیا گیا اور ان سب کو اصناف کا نام دیا گیا ۔ اس تقسیم کے لحاظ سے اردو شاعری کی مندرجہ ذیل قسمیں یا اصناف قرار پاتی ہیں، غزل، قصیدہ، مثنوی، مسمط ، رباعی، ترکیب بند، ترجیع بند، مستزاد ۔ فرد ۔ مسمط کو بند میں مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

مثلث، مربع ۔ مخمس ۔ مسدس، مثمن ۔ متسع ۔ معشر ۔

اقسام شعر کی یہ تقسیم چونکہ محض ہیئت پر مبنی ہے اس لیے اس فہرست میں مرثیہ جیسی شاندار صنف سخن کے علاوہ وہ تمام اصناف جو اپنے مخصوص موضوع یا ہیئت کے ماسوا کسی اور درجہ سے اپنی صنفی شناخت رکھتی ہیں، شامل نہیں ہیں ۔ اس نوع کی فہرستوں میں مرثیے کی عدم شمولیت پر ڈاکٹر احمد عقیل کی شکایت بجا ہے ۔

نباضان ادب نے مرثیہ کو صنف سخن نہیں مانا مگر مواد کے لحاظ سے اگر اصناف کی تقسیم

مانی جائے جو درحقیقت صحیح تقسیم ہونی چاہیے تو مرثیہ ایک صنف سخن ہے۔

ہیئت کی بناپر اصناف سخن کی درجہ بندی کا ایک منطقی جواز ضرور ہے اور وہ یہ کہ اس طرح اصناف کی تعداد محدود اور قابو میں رکھی جاسکتی ہے، موضوعات چونکہ ہیئتوں کے بمقابلہ لامحدود ہوتے ہیں لہٰذا اگر خالصتاً انھیں کو صنفی شناخت کا اصول و معیار قرار دیا گیا تو اس سے اصناف کی تعداد غیر ضروری طور پر بڑھ جانے اور انتشار پیدا ہونے کا خدشہ لاحق ہوسکتا ہے، مگر یہ جواز ان صورتوں میں بہر حال قابل قبول نہیں ہوسکتا جہاں کوئی موضوع ہماری شعری روایت کا ایک مادی رجحان بن چکا ہے اور اس وجہ سے کوئی صنف سخن وجود میں آنے کے بعد اپنی مستقل شناخت بن چکی ہو تو اس معاملے میں جب بھی صنفی شناخت کی گفتگو ہوگی تو اس کے موضوع ہی کو بنائے ترجیح قرار دیا جائے گا۔ مرثیہ، واسوخت، شہرآشوب اس اصول کے تحت ہی آئیں گے۔ اس کے برخلاف جب بھی غزل پر بات ہوگی ہیئت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ غزل کی شناخت کا تمام تر دارمدار اسی پر ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہے کہ صنفی شناخت کے لیے مضبوط و توانا شعری روایت کے پیش نظر موضوع اور ہیئت کو بقدر ضرورت ملحوظ رکھنا ہوگا گویا کچھ اصناف سخن کی شناخت موضوع پر مبنی ہوگی کچھ کی ہیئت پر، بعض کی مساویانہ طور پر موضوع اور ہیئت دونوں پر ہوگی۔ بعض کی موضوع پر ہوگی اور نہ ہیئت پر۔

ہماری دو اصناف سخن ایسی ہیں جو صنف ہونے کے علاوہ دیگر اصناف کے لیے بطور ہیئت بھی مستعمل ہوتی ہیں۔ وہ ہیں غزل اور مثنوی۔ غزل کی ہیئت میں بے شمار نظمیں لکھی گئیں۔ مثنوی کی ہیئت بھی نظموں اور ہجو کے لیے برتی گئی، ان کے علاوہ جو دوسری ہیئتیں مروج ہیں وہ یہ ہیں۔

ترکیب بند، ترجیع بند، مستزاد، قطعہ، مسمط۔

مسمط از خود کوئی علاحدہ ہیئت نہیں ہے بلکہ آٹھ مختلف ہیئتوں کا مجموعی نام ہے۔ وہ آٹھ ہیئتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، متسع۔ معشر۔

(ب) ہندوستان کی نعت گوئی میں ہیئتی تجربے

نعت ایک ایسی صنف سخن ہے جس کی اپنی کوئی متعین ہیئت نہیں ہے۔نعت اصناف کی تقسیم کے اعتبار سے وہ صنف شاعری ہے جس کا تعلق موضوع سے ہے۔اس کا موضوع نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔اس لیے وہ شعری کاوش جس کا انسلاک پیغمبر اسلامؐ سے ہونعت کہلاتی ہے۔ یہ انسلاک آپؐ کی ذات،آپؐ کی صفات اور آپؐ کے افعال واقوال، عادات،اطوار،شمائل،معمولات اور مقامات سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یہ شعری کاوش کسی بھی شاعری میں جتنی بھی شعری ہیئت ہیں ان میں سے ہر ایک میں موجود ہے۔

مرقومہ ذیل سطور میں ذیلی سرخی کے تحت اردونعت کا ہیئتی مطالعہ قدرے تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔

الف: ترکیب بند

اس ہیئت کا نظام قافیہ ومصرع غزل کی ہیئت کے مطابق ہوتا ہے۔شروع کے چند اشعار غزل ہی کی طرح ہوتے ہیں، جن کی کم ازکم تعداد پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی جاتی ہے۔ان اشعار کے بعد ایک شعر جو اسی بحر میں ہوتا ہے، کسی دوسرے قافیہ میں لایا جاتا ہے۔اسی طرح اس ہیئت میں ایک بند تشکیل ہوا، اسی اصول پر باقی تمام بند تعمیر کیے جاتے ہیں۔ بندوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔

فرض کیجیے ایک ترکیب بند جملہ میں تین بند ہیں اور ہر بند میں ٹیپ کے شعر سمیت کل چھ شعر ہیں تو اس کی ہیئتی تشکیل یوں ہوگی۔

بندنمبر۱۔ الف الف ۔ب الف۔ ج الف۔ د الف۔ ہ الف۔ وو

بندنمبر۲۔ زز ح ز ط ز ی ز ک ز ک ز ل ل

بند۳ م م ن م س م ع م ک م ق ق

ملاقات یار۔۔۔۔۔۔۔نظیر اکبرآبادی

اب اصل مثال کے لیے یہ دو بند دیکھیے ۔

(ا) ادھر کو جس گھڑی اے ہم نشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی ، قرار آیا
(ب) اسے جو مہر سے ہے ذرہ پروری منظور
تو پھر ادھر کو جھمکتا وہ مہر دار آیا
(ج) مزاج اس کا جو عاشق نواز ہے ہر دم
تو راہ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
(د) کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا، مبارک ہو
تمھارے پاس ہی وہ نازنیں نگار آیا
(ہ) کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آ کر
بھلا ہوا کہ تمھارا بھی گلعذار آیا
(و) خوشی یہ بولی ''تمھاری میں گرد خاطر ہوں''
(و) ادھر سے عیش پکارا کہ ''میں بھی حاضر ہوں''
(ز) ہمارے دل میں جو فرقت کی بے قراری تھی
تو اس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی (ز)
(ح) کبھی خیال رخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصور مژگاں سے دل فگاری تھی (ز)
(ط) نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جز الم ہجر، ہم کناری تھی (ز)
(ی) یہ اضطراب تھا ہر دم ، یہ اپنی بے تابی
ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی (ز)
(ک) خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے
وہ دن بھی آیا کہ جس کی امید داری تھی (ز)
(ل) جو دیکھی بھر کے نظر ، گلعذار کی صورت
(ل) تو ہر طرف نظر آئی ، بہار کی صورت

ترکیب بند کے تمام بندوں میں اشعار کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔

یہ ترکیب بند کی ایک عام شکل ہے۔ مسمّط کی بعض شکلوں میں مثلاً مسدس، مثّمن، معشّر، وغیرہ میں بھی ترکیب بند کی گنجائش ہوتی ہے، قطعہ میں بھی بند کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے۔ قطعے کے تحت اس کا ذکر ہوگا۔

علمائے بلاغت نے اصناف سخن یا شعری ہیئتوں کے اصول دراصل کلاسیکی اور قدیم شعری نمونوں کو سامنے رکھ کر وضع کیے ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ ترکیب بند کے ہر بند میں کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار ہونا چاہیے یا یہ کہنا کہ ترکیب بند کے تمام بندوں میں اشعار کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔ ہر زمانے کی شاعری پر ان کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ جوں جوں شاعری کی عمر بڑھتی ہے اور شاعروں کو نئے نئے مسائل کا سامنا ہوتا ہے، وہ بہتر سے بہتر اظہار خیال کے لیے شعری سانچوں میں تجربے کرتے رہتے ہیں۔ بعض پرانے سانچوں میں کچھ نئی اختراعات کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر انھیں ترک کر کے نئے سانچے ایجاد کرتے یا کہیں اور سے مستعار لیتے ہیں، چنانچہ جدید شاعری میں جہاں ایک طرف مغرب سے نئی ہیئتیں لی گئیں وہاں ہمارے مروجہ سانچوں میں بھی نئی نئی صورتیں پیدا کی گئیں۔ یہ عمل ترکیب بند پر بھی کیا گیا اور ایک بند میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار یا بند میں اشعار کی یکساں تعداد کی قید کی پابندی نہیں کی گئی اس معاملے میں اقبالؔ نے اپنی نظموں میں ہیئتوں کے بڑے متنوع تجربے کیے ہیں، مثلاً ان کی یہ نظم دیکھیے جو ہے تو ترکیب بند ہی کی ہیئت میں لیکن اس کے پہلے بند میں صرف تین اشعار ہیں۔ دوسرے اور تیسرے بند میں چار چار اشعار۔ حضور رسالت مآبؐ میں:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
قیود شام و سحر میں بسر تو کی لیکن نظام کہنہ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزم رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورؐ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے عندلیب باغ مجاز کلی کلی ہے تری گرمئ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشئ جام ولا دل ہے تیرا فتادگی ہے تری غیرت سجود و نیاز
اڑا جو پستئ دنیا سے تو سر گردوں سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعت پرواز

نکل کے باغ جناں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزار لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ذیل میں بطور نمونہ مزید چند نعتیہ ترکیب بند حوالہ قرطاس کیے جاتے ہیں۔

شادؔ عظیم آبادی:

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیاءؐ کی مدح — محبوب ہے دلوں کی حبیبؐ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عرش ہے خیرالوریٰ کی مدح — اسلام کی نشانی ہے اس پیشوا کی مدح

نعت رسولؐ حق ہے ہماری سرشت میں
امت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

اے اول ربیع اس آمد پہ میں نثار — اس کبریا کی دولتِ سرمد پہ میں نثار
الطاف و فیض و رحمت بیحد پہ میں نثار — دی نعمتِ بہشت محمدؐ پہ میں نثار

دوزخ کا اب نہ خوف، نہ دھڑکے عذاب کے
توحید خود بتائے گی رستے ثواب کے

لکھتا ہو وصف زلف شہنشاہ کائنات — خامہ جو مشک کا ہو تو نافے کی ہو دوات
حقّا کہ اس کے آگے شبِ قدر بھی ہے مات — شاید کہ پھیل کر یہی معراج کی تھی رات

قدرت عیاں ہر اک گرہِ بے بدل سے ہے
رشتہ اسی کے سائے کو شام ازل سے ہے

سروِ جناں بھی ہے اسی قامت سے منفعل — قمری جو ہو خموش تو شمشاد پا بہ گل
قامت سے ساقِ عرش بریں کیوں نہ ہو خجل — اعلا تو اس قدر ہے جو دیکھو تو معتدل

اس قد کے جاں نثار عبادت پسند ہیں
قد قامتِ الصلوٰۃ کے نعرے بلند ہیں

سر محمد اقبالؔ:

(1) نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر
شہید عشق نبیؐ کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں ہر طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر
(۲) ترے ثنا گو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر
کہ اس کے پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر
بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم، یہ گلستان عرب کی بو ہے
مگر نہ اب ہاتھ لا ادھر کو وہیں سے لائی ہے تو اڑا کر
شہید عشق نبیؐ ہوں، میری لحد پہ شمع قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر
(۳) جسے محبت کا درد کہتے ہیں، مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے اس کو دل میں چھپا چھپا کر
اڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو بوئے زلف معنبریں کو
ہمیں سے اچھی نہیں یہ باتیں خدا کی رہ میں بھی کچھ دیا کر
خیال راہِ عدم سے اقبالؔ تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے، صِلا مری نعت کا عطا کر!

منشی درگا سہائے سرورؔ جہان آبادی:

دل بیتاب کو سینے لگا لے آجا — کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے، آجا
پاؤں ہیں طول شبِ غم نے نکالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے لگالے، آجا

بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتا کہ نیا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیاء کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوبؐ خدا

اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے ، آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان کھلے جاتے ہیں خاک پر گر کے دُر اشک رُلے جاتے ہیں
تیری رسوائی پہ کم بخت تلے جاتے ہیں ہوں سیہ کار، مرے عیب کھلے جاتے ہیں

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے ، آجا

ہائے واماندگیٔ وسعتِ دامانِ صراط المدد المدد اے خضر بیابان صراط
ہر قدم پر نگہہ یاس ہے یارانِ صراط دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط

ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے ، آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذرِ نزاکت نے کہا مرحبا پڑھ کے ادھر شاہد وحدت نے کہا
آبلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا پہنچا محبوب تو مشاطہؐ قدرت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے، آجا

نیاؔز فتح پوری:

لفظ مسلم کا کبھی مفہوم تھا یکسر عمل قوتِ عزم و ارادہ اس کی تھی ضرب المثل
نشرِ حق اک فعل تھا مستغنی بانگ و دہل جب ہوئے اسلام میں تحلیل یوں صدہا ملل

بات یہ تھی دیکھ کر عالم جسے حیران تھا
ورنہ یوں تو ابنِ عبداللہ بھی اک انسان تھا

کیوں عرب کی وادیاں لبریز جلوہ ہوگئیں چوٹیاں فاراں کی کیوں کر رشک سینا ہوگئیں
وہ عرب کی وحشتیں ویرانیاں، کیا ہوگئیں اس کی صحرا خیزیاں کیونکر چمن زا ہوگئیں

قوت مافوق فطرت کا یہ جلوہ تو نہ تھا
اک انسان تھا محمدؐ بھی فرشتہ تو نہ تھا

وہ یتیم بے نوا تھا علم سے بیگانہ تھا صاحب جاہ سلیماں و ید بیضا نہ تھا
اس کی آواز حزیں داؤد کا نغمہ نہ تھا کچھ زباں میں اس کی افسوں دم ویسا نہ تھا

بات میں اس کی فقط اک نسخۂ قرآں تھا
دل میں لیکن حوصلہ تھا عزم تھا ایماں تھا

(خاکِ حجاز) نیازؔ فتح پوری

جاذبیت تجھ میں کیوں ہے قدر خاک حجاز — ہے تیری ترکیب میں پنہاں کشش کا کیا وہ راز
آفرینش مبتکال تیری جہاں پامال نیاز — تیرا ہر ذرہ ہجوم سجدہ فرق نیاز
ہے ہوا تیری کہ موج بادہ سرجوش ہے — تیری خاموشی ہے یا اک شور ناؤ نوش ہے
لوگ کہتے ہیں کہ تھی وحشت کدہ تیری زمیں — تیرے رہنے والے جہل و ذہانت سے قریں
تیری ہر وادی تھی قزاقوں کی گویا اک کمیں — نام بھی تہذیب کا اس میں نہ تھا باقی کہیں

نابلد تھے رحم سے فرزند تیری خاک کے
کیوں کہ دلدادہ تھے وہ خونریزیٔ بے باک کے

ناگہاں تیری اسی وحشت نے بدلا اپنا رنگ — دیکھ کر جس کو فراست رہ گئی دنیا کی دنگ
علم نے جہل کی جا، امن نے لی جائے جنگ — فطرتیں جو لنج تھیں سیدھی ہوگئیں مثل خونگ

اضطرار دل معاً راحت کا ساماں ہوگیا
دیکھتے ہی دیکھتے کانٹا گلستاں ہوگیا

چیز کیا تھی وہ کہ جس سے ہوگیا یہ انقلاب — چہرۂ انسانیت کس نے دکھایا بے نقاب
کون تھا جس نے صداقت سے کیا کشفِ حجاب — کھیے بے پردہ ہوا رمز حقیقت انتساب

کردیا کس نے نمایاں جلوہ مستور کو
کس نے زندہ کردیا پھر داستان طور کو

مشعل فطرت کا جب شعلہ ہوا تجھ سے بلند — کفر، یوں غائب ہوا، جس طرح منقل سے سپند
تھی نظر بندی نہ کوئی اور نہ افسوں کی کمند — پھر بھی تھے شاہ و گدا تیرے ہی در کے دردمند

کیوں نہ پھر تو اے عرب! عالم کا سجدہ گاہ ہو
آہ جب تجھ میں ظہور ابن عبداللہؐ ہو

وہ نبیؐ جو لطف و راحت کے سوا اور کچھ نہ تھا — وہ نبیؐ ہاں جو محبت کے سوا اور کچھ نہ تھا
وہ نبیؐ وہ جو عنایت کے سوا اور کچھ نہ تھا — وہ نبیؐ جو رفق و الفت کے سوا اور کچھ نہ تھا

ہے یاں وہی جو سر بسر رحمت تھا عالم کے لیے
ناخدا تھا کشتیٔ اولاد آدمؑ کے لیے

ب: ترجیع بند

ترجیع کے لغوی معنی ہیں ''لوٹانا'' لہٰذا ترجیع بند کی تشکیلی ہیئت ترکیب بند سے صرف اس قدر مختلف ہے کہ ترکیب بند کے ہر بند میں ٹیپ کا شعر مختلف ہوتا ہے جب کہ ترجیع بند میں پہلے بند کا ٹیپ کا شعر باقی تمام بندوں میں اس طرح دوہرایا جاتا ہے کہ وہ معنوی طور پر ہر بند کا فطری جزو معلوم ہو۔ اس کے علاوہ ترکیب بند اور ترجیع بند کی ہیئتوں میں کوئی فرق نہیں۔

ٹیپ کے شعر کے سوا ترجیع بند میں بھی ترکیب بند کی طرح ہر بند کے اشعار غزل کی ہیئت کے طرز پر ہوتے ہیں مسمط کی شکلوں مثلاً مخمس، مثمن وغیرہ میں ''ترجیع'' کی گنجائش ہے۔ اصل ترجیع بند کی ہیئت میں قافیے اور مصرعے کی نوعیت یوں ہوتی ہے۔

بند نمبر ا: الف الف ب الف ج الف والف ہ الف وو

بند۲: زز ح ز ط ز ی ز ک ز وو

بند۳: ل ل م ل ن ل س ل ع ل وو

(یہ تین بند فرض کیے گئے ہیں، اس سے زائد بند بھی ہوتے ہیں۔ ان سب کی تشکیلی ہیئت اسی طرز پر ہوتی ہے۔)

درج بالا طرز پر ترجیع بند کی ہیئت میں ذیل کے دو بند ملاحظہ ہوں۔

ولؔی:

(ا) تیرے دیکھنے کوں اے نرگس نین
چلے چھوڑ آہو دیارِ ختن (ا)
(ب) وہ مانند شمشیر پانی ہوا
جو دیکھا ترے ابروئے تیغ زن (ا)
(ج) تری یاد کرنے سوں اے نونہال
ہوا دل مرا رشک صحن چمن (ا)

(د) کمر بستۂ سوز ہوں جیوں پتنگ
لگی تجھ سوں اے شمع جب سوں لگن (ا)

(ہ) کیا دل نے تیری گلی میں مقام
کہ بلبل کا دائم ہے گلشن وطن (ا)

(و) دیا جی جو تجھ فتنۂ ناز کوں
ہوا صبح محشر سوں اس کا کفن (ا)

(ز) سراپا بدن گھل کے پانی ہوا
ترے غم سوں جیوں شبنم کے گل بدن (ا)

(ح) شتابی خبر لے کہ بے تاب ہوں
ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں (ح)

(ط) ترے ابروؤں کا جو دیکھا کمال
گدائی کا کاسہ لے آیا ہلال (ط)

(ی) ترے گوش میں گوشوارے نہیں
ہوا نجم کا بدر سوں اتصال (ط)

(ک) فراموش دل سوں کیا حور کوں
نظر جس کوں آیا ہے تیرا جمال (ط)

(ل) عجب روز تھا اور عجب وقت تھا
جدائی کا ہرگز نہ تھا احتمال (ط)

(م) نہایت کوں ہوئے گا سیپارہ دل
نہ لے مکھ کے مصحف سوں نکلی ہے فال (ط)

(ن) جو کچھ اس سوں ظاہر ہوا تھا مجھے
ہوا ہے وہی حال اے نو نہال (ط)

(س) تمنا نہیں اور کچھ دل منیں
سدا تجھ سوں میرا یہی ہے سوال (ط)

(ع) شتابی خبر لے کہ بے تاب ہوں
ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں (ح)

ترکیب بند کی طرح ترجیع بند کے بھی ہر بند کے اشعار کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔ ترجیع بند میں (اردو ترکیب بند میں بھی) ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ ٹیپ کے طور پر بیت (یعنی دو مصرعوں) کے بجائے ایک مصروع ہی کی ترجیع باندھی جائے۔ مثلاً اگر ہم مندرجہ بالا دونوں بندوں میں سے ٹیپ کے شعر کا مصرع ثانی ''ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں'' کو حذف کر دیں تب بھی یہ ٹیپ ترجیع بند ہی رہے گی۔

ایران کی نعتیہ شاعری میں سید حسن غزنوی اور جامؔی کے یہاں ترجیع بند کی ہیئت میں نعتیں ملتی ہیں۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں امیر مینائی نے کئی جاندار ترجیع بند کہے ہیں۔ ان کے ایک ترجیع بند میں چار چار مصرعوں کے بعد ترجیع بند کا شعر عربی میں، دوسرے ترجیع بندوں میں ترجیع کا مصرعہ فارسی میں ،تیسرے ترجیع بند میں نو نو شعروں کے بعد ترجیع کا شعر فارسی میں ہے، ان کے نعتیہ دیوان میں کئی ترجیع بند ایسے بھی ہیں جن میں ترجیع کا شعر اردو میں ہے۔ امیر مینائی نے اپنے نعتیہ ترجیع بندوں کا عام انداز مدحیہ رکھا ہے۔ امیر مینائی کے شاگرد جلیل مانکپوری نے معراج پر ایک شاندار ترجیع بند لکھا ہے۔ جنگ بہادر خان تابشؔ اور آرزو سہارنپوری کا مشہور سلام ترجیع بند کی ساخت میں ہے۔

مرقومہ بالا سطور کی وضاحت کے لیے چند نعتیہ بند مثال کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔

الطافؔ احسانی:

رحمت کبریا کی دھوم ہوئی آمد مصطفیؐ کی دھوم ہوئی
لب پہ حمد و ثنا کی دھوم ہوئی مرحبا مرحبا کی دھوم ہوئی
خاتم الانبیاؐ پہ لاکھوں سلام
گوہر آمنہؓ پہ لاکھوں سلام

حق نما آئینۂ رسولؐ اللہ بحر جود و سخا رسولؐ اللہ
مرحبا مرحبا رسولؐ اللہ دین تم سے ملا رسولؐ اللہ
خاتم الانبیاؐ پہ لاکھوں سلام
گوہر آمنہؓ پہ لاکھوں سلام

آئے پیغام حق سنانے کو جلوۂ کبریا دکھانے کو
کفر کی ظلمتیں مٹانے کو دین کی راہ جگمگانے کو
خاتم الانبیاؐ پہ لاکھوں سلام
گوہر آمنہؓ پہ لاکھوں سلام
شاہ ختم الرسلؐ مرے سرکار آپؐ ہیں دو جہاں کے مختارؐ
اپنی امت کے آپؐ ہیں غم خوار پہنچے ہر دم سلام سو سو بار
خاتم الانبیاؐ پہ لاکھوں سلام
گوہر آمنہؓ پہ لاکھوں سلام

شمیم ہمت نگری (بھارت):

تمنا ہے مدینے کے حسیں شام و سحر دیکھوں
فرشتے چومتے ہیں جن کو وہ دیوار و در دیکھوں
مہ و انجم تصدق جس پہ ہیں، وہ رہ گزر دیکھوں
کرم ہو مصطفیٰؐ مجھ کو بلا لیجیے مدینے میں
ہزاروں خواہشیں مدت سے ہیں بے تاب سینے میں
کہوں کیا یا رسول اللہ! میرا حال ابتر ہے
زمانہ در پئے آزار دل سینے میں مضطر ہے
نگاہوں میں بسا سرکارؐ کے روضے کا منظر ہے
کرم ہو مصطفیٰؐ مجھ کو بلا لیجیے مدینے میں
ہزاروں خواہشیں مدت سے ہیں بے تاب سینے میں
نہیں ثانی ترا اللہ کے محبوب پیغمبر
نگاہ لطف ہو مجھ پر مرے آقا مرے سرور
شمیم آنکھوں سے دیکھے روضہ پر نور کا منظر
کرم ہو مصطفیٰؐ مجھ کو بلا لیجیے مدینے میں
ہزاروں خواہشیں مدت سے ہیں بے تاب سینے میں

میر تقی میر:

ہے حرم کی کھو شرمگینی یا رسولؐ
اور خاطر کی حزینی یا رسولؐ
کھینچوں ہوں نقصان دینی یا رسولؐ تیری رحمت
ہے یقینی یا رسولؐ
رحمۃ للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبیی یا رسولؐ

نیک و بد ترے ثنا خوان ہمم
لطف تیرا آرزو بخش امم
ملتفت ہو تو ، تو کاہے کا ، ہے غم
تو رحیم اور مستحق رحم ہم
رحمۃ للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

رووں ہوں شرم گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطرار
زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمۃ للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

ابرار کرتپوری:

رحمت بیکراں حق، مرجع لطف خاص و عام
اے کہ رہے بہ ہر نفس میری زباں پہ ان کا نام
مجھ کوانہی سے ہے غرض، صرف انہی سے ہے مجھ کو کام
ان پہ تہنیت اور درود، ان پر صلوٰۃ اور سلام
صلی علیٰ نبینا صل علیٰ محمدؐ

آئینہ ضیائے دیں، شافع مذنبین ہیں
رونق دو جہاں ہیں جلوہ دل نشین ہیں
مطلع ہر غزل، غزل راحت عاشقین ہیں
حق کو ازل سے ہیں پسند، آپ تو وہ حسین ہیں

صلی علیٰ نبینا صل علیٰ محمدؐ

اے کہ شہ جہاں رنگ، اے کہ شہ سخا وجود　　آپ کی ذات پاک سے اصل حیات کی نمود
جن و ملک بہ احترام پڑھتے ہیں آپؐ پر درود　　زہے درود خواں ہیں مالک ملک ہست بود

صلی علیٰ نبینا صل علیٰ محمدؐ

آثر صہبائی:

ساقیٔ کوثر سلام، شافع محشر سلام　　حسن کے مظہر سلام، عشق کے پیکر سلام
خلق کے رہبر سلام ہادی اکبر سلام　　اے شہِ خیر الوریٰ اے شہ خیر الانام

تجھ پہ ہزاروں درود، تجھ پہ ہزاروں سلام

تجھ سے چمن پر بہار، تجھ سے فلک زر نگار　　تجھ سے درخشاں نجوم، تجھ سے گلوں کا نکھار
تجھ سے نگاہوں کا نور، تجھ سے دلوں کا قرار　　اے شہِ خیر الوریٰ اے شہ خیر الانام

تجھ پہ ہزاروں درود، تجھ پہ ہزاروں سلام

مظہر نور قدم، مخزن لطف عمیم　　عرش بریں کے مکیں، جنت خلق عظیم
ترے گدایان در، رشک مسیحؑ و کلیمؑ　　اے شہِ خیر الوریٰ، اے شہ خیر الانام

تجھ پہ ہزاروں درود، تجھ پہ ہزاروں سلام

☆☆☆☆☆

شافع انس و جاں رحمت عالمینؐ
باعث کن فکاں وجہ خلد بریں
صادق القول، عادل، خلیق و امیں
حرف راز ازل، حسن طبع حسیں
خاتم الانبیاء خاتم المرسلینؐ

وہ نبوت جو تفسیر قرآن ہے
خاتم المرتبت آپؐ کی شان ہے
یہ میرا دین ہے، میرا ایمان ہے
آپؐ کے بعد کوئی پیمبر نہیں

خاتم الانبیاء خاتم المرسلینؐ

شبہ کیا، یہ مشیت ہے اللہ کی
آپ کے بعد ہے ختم پیغمبری
کوئی ظلی نبی یا بروزی نبی
آپؐ کے بعد کیسے ہو مسند نشیں
خاتم الانبیاء خاتم المرسلینؐ

ج۔ مستزاد:

لغوی اعتبار سے ''مستزاد'' کے معنی ہیں ''زیادہ کی گئی چیز'' شعری اصطلاح میں یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو غزل، رباعی یا نظم وغیرہ کے مصرعوں میں بڑھا دیے جاتے ہیں، کسی دوسری ہیئت پر مستزاد کا اضافہ اس طرح ہوتا ہے کہ مصرعے یا شعر کے آخر میں کچھ موزوں فقرے متصل کر دیے جائیں۔

مستزاد کے لیے مثنوی یا رباعی کی طرح مختلف بحروں میں یا کسی ایک بحر کی تخصیص نہیں۔ اس کو ہر بحر میں کہا جا سکتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ جس بحر میں نظم یا غزل ہے، اس کے مصرعوں پر مستزد فقرے، اس بحر میں لائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی سخت اصول نہیں ہے کہ اس سے انحراف کو جائز نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نظم یا غزل کا مصرع کسی اور بحر میں ہے اور مستزاد فقرہ کسی اور بحر میں۔ بعضوں کا خیال یہ بھی ہے کہ مستزاد فقرے کے قافیے نظم یا غزل کے قافیوں کے ہم قافیہ ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ اس معاملے میں بھی کسی اصول پر سختی نہیں برتی گئی۔

مستزاد کی عام صورت یہ ہے کہ نظم یا غزل کے مصرعوں پر ایک یا دو فقروں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسی بھی مثالیں ہیں جہاں پانچ فقرے مستزاد کیے گئے ہیں۔ اس نوع کی مثالیں انشاء کے یہاں مل جاتی ہیں۔

مستزاد عموماً دو قسم کا ہوتا ہے:

ا۔ مستزاد عارض:

اس میں مستزاد فقرہ اصل شعر یا مصرعے کے مضمون و مفہوم سے اس طرح پیوست نہیں

ہوتا کہ اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو کلام معنوی اعتبار سے نامکمل رہ جائے۔

۲۔ مستزادالزام:

اس میں اضافہ کردہ فقرہ (یا فقرے) شعر یا مصرعے کے مضمون و مفہوم کو مکمل اور بامعنی بنانے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

مستزاد فقرے (فقروں) میں کتنے الفاظ ہوں، اس کی بھی کوئی قید نہیں۔لیکن ظاہر ہے کہ مستزاد فقرہ اصل مصرع سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔

مستزاد کی چند مثالیں پیش ہیں:

وؔلی:

۱۔ **غزل مستزاد:**

زخمی ہے شکار کیوں کہ جاوے بسمل ہے یہاں
جب لگ نہ پئے شراب دیدار از جام الست
انکھیاں کا خمار کیوں کہ جاوے بے بوسہ آں
ہے حسن تاس ہمیشہ یکساں در ناز و ادا
جنت سوں بہار کیوں کہ جاوے از باد خزاں
انجوان کی مدد اگر نہ ہو ولے در فرقت تو
مجھ دل کا غبار کیوں کہ جاوے شاہد ہیں انکھیاں
ممکن نہیں اب زکی کا جانا از کوچۂ تو
ہے عاشق زار کیوں کے جاوے کرتا ہے فغاں

یہ مستزاد عارض ہے۔اس لیے کہ مستزاد فقرے متعلقہ مصرعوں کی معنویت کی تکمیل کے لیے ضروری نہیں ہیں ان سب کو حذف کر دیا جائے تو مستزاد غزل معنوی اعتبار سے اپنی جگہ مکمل ہے، دوسری بات اس میں یہ ہے کہ مستزاد فقرے غزل کے نظام قافیہ سے مختلف ہیں۔لہٰذا ان کے حذف کیے جانے سے غزل کے مخصوص ہیئتی نظام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔اس کے برعکس یہ مثال دیکھیے:

میں ہوں عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں کہ ہے غم میری غذا

تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں — کھائے غم تیری بلا
دل و دین تیرے حوالے کیے کرتے ہیں طلب — اور جو کچھ کہا سب
پھر جو بیزار ہے تو مجھ سے بتا اس کا سبب — میری تقصیر ہے کیا
بھیجے خط سیکڑوں لکھ کر تمھیں ہشیاری سے — بڑی دشواری سے
تم نے بھیجا نہ جواب ایک بھی عیاری سے — یہ بھی قسمت کا لکھا
کیا کہوں میں تیرے انداز و ادا کا عالم — ہے ستم ہائے ستم
دیکھ کر ہوش رہیں کیا کہ نکل جائے گا دم — اے بت ہوش ربا

اس مثال میں دو اہم باتیں ہیں۔ اول یہ کہ مستزاد فقرے معنوی طور پر غزل کے مصرعوں سے مربوط نہیں ہیں ان کے بغیر بھی اصل مصرعوں کا مفہوم ہر لحاظ سے مکمل رہتا ہے۔ لہٰذا معنوی نقطۂ نظر سے یہ مستزاد عارض کی مثال ہے لیکن دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر مستزاد مصرعوں کو حذف کر دیا جائے تو باقی مصرعے بہ اعتبار ہیئت غزل کے مصرعے رہتے ہی نہیں۔ ظاہری شکل کے لحاظ سے یہ مثنوی کے اشعار بن جاتے ہیں۔ ان کے وجود ہی سے غزل کی ہیئت برقرار ہے۔ لہٰذا معنوی تکمیل کے لیے نہ سہی ہیئتی تکمیل کے لیے یہ مستزاد الزام کی مثال قرار پائے گی۔

ولیؔ اور طوفان کے نعتیہ مستزاد کافی لطیف اور رواں دواں ہیں۔ اس ہیئت میں نعت لکھنے والے مشاہیر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسدؔ ملتانی	۲۔ احمد رضا بریلوی	۳۔ اصغر علی کوثرؔ
۴۔ حافظ چشتی	۵۔ حافظ لدھیانوی	٦۔ حفیظ اکبرآبادی
۷۔ راز کاشمیری	۸۔ ساغر سیوہاری	۹۔ سیف زلفی
۱۰۔ شورش کاشمیری	۱۱۔ جعفر طاہر	۱۲۔ عبدالکریم ثمر
۱۳۔ عزیز حاصل پوری	۱۴۔ عشرتؔ رحمانی	۱۵۔ ماجد صدیقی
۱٦۔ منظور الحق مخدوم	۱۷۔ وحید خیال	۱۸۔ وجیہ الیما عرفانیؔ

نعتیہ مستزاد کی توضیح کی خاطر چند نمونے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

نعتیہ مستزاد اسدؔ ملتانی:

انسانیت پھر اپنے ہتھیاروں سے خود بسمل ہوئی پھر زندگی مشکل ہوئی
قوموں میں پھر ابھرے ہیں جذبات عناد و بغض و کیں اے رحمۃ للعالمینؐ
یہ انقلاب دم بہ دم اور محو خواب اہل حرم غافل عرب، غافل عجم
باطل کے ہنگاموں کا شور اور اہل حق خلوت گزیں اے رحمۃ للعالمینؐ
اک بار پھر امت تیری آئے قدیمی شان پر کر کے عمل قرآن پر
غالب ہو کل ادیان پر اک بار پھر دین ومبین اے رحمۃ للعالمینؐ

حکیم عبدالکریم ثمرؔ:

اے رحمت دو کون قبا پوش وکلمہ دار ہر مجد د شرف کے لیے ہے تو ہی سزاوار
اے احمدؐ مختار
اے مہبط اسرار خدا ، صاحب الہام تو وسعت آفاق میں اللہ کا پیغام
اے ہادیؐ اسلام
منزل ہے تری غار حرا، سدرہ وقوسین ادراک کی تزئین میں ہے عظمتِ دارین
اے خواجۂ کونینؐ
یہ فقر و غنا اور قدم بر سر افلاک جبریلؑ امیں طائر سربستہ فتراک
اے سید لولاک
تو معنی و النجم ہے، تو شرح مقامات آثار زمیں برق تجلی سے ہیں مشکوات
اے نورؐ سمٰوٰت
انوار کریمانہ سے معمور ہے آفاق اوصاف حمیدہ ہیں نئی فکر کے خلاق
اے صاحبؐ اخلاق
از بسکہ کیا تو نے مہ و مہر کو تاراج دو کون تری رفعت پرواز کے محتاج
اے صاحبؐ معراج

حفیظ اکبرآبادی:

اللہ نے ہم سب کو کیا تیرے حوالے اے گیسوؤں والے

خادم در اقدس کا ہمیں شاہ بنا لے اۓ گیسوؤں والے
بلوا کے تجھے شان سے پھر پاس بٹھا کر محبوب بنا کر
بس دونوں جہاں حق نے کیے تیرے حوالے اۓ گیسوؤں والے
کس شان سے آتا ہے وہ محبوب خدا اب دیکھیں گے چلو سب
بڑھتے ہی چلے آتے ہیں غلماں کے رسالے اۓ گیسوؤں والے
ہے یوم جزا شمس سوا نیزے پہ آیا اب دھوپ نے مارا
بس دامن رحمت میں نبیؐ ہم کو چھپا لے اۓ گیسوؤں والے
کرتا ہوں گذارش میں شہا روضہ پہ جا کر اۓ شافع محشر
تو دونوں جہاں کے غم و کلفت سے چھڑا لے اۓ گیسوؤں والے
معراج میں اللہ نے جب تجھ کو بلایا کیا کیا نہ دکھایا
وحدت کے خزانے کیے سب تیرے حوالے اۓ گیسوؤں والے
کیا لطف حفیظؔ! ہو کہ کیوں میں سر محشر اۓ ساقئ کوثر
بھر بھر کے پلا دے مجھے کوثر کے تو پیالے اۓ گیسوؤں والے

راز کشمیری:

اۓ سرور کونین
اۓ سرور کونین
سینے سے لگاۓ ہوۓ غم ہاۓ نہاں کو
آیا ہوں ترے شہر میں ٹھکرا کے جہاں کو
تو دل کا مرے چین
اۓ سرور کونینؐ
تو ابر کرم، بحر سخا ، صبح سعادت
تو رحت عالم ہے تو عالم رحمت
تو دولت دارین
اۓ سرور کونینؐ

دنیا تھی مساوات و مواخات سے خالی
ایثار و اخوت کی بنا تو نے ہی ڈالی
انسانوں کے مابین
اے سرور کونینؐ

سیفؔ زلفی:

وہ جس نے انساں کو جگایا عظیم ہے وہ
جو صبح ادراک لے کے آیا عظیم ہے وہ
وہ جس نے بخشی ادائے مستی صدائے ہستی
جو بے نواؤں کے کام آیا عظیم ہے وہ
خودی کی راہوں کو نور بخشا شعور بخشا
وہ جس نے ذہنوں کو جگمگایا عظیم ہے وہ
جو خشک دریا کو دے روانی وہ زندہ پانی
جو اوسر بنجر زمیں پہ چھایا عظیم ہے وہ
جہاں میں زلفیؔ وہ نور حق ہے ظہور حق ہے
زمیں پہ جس کا پڑا نہ سایہ عظیم ہے وہ

عشرتؔ رحمانی:

ساقی مجھے وہ بادۂ جاں بخش چکھا دے ہستی جو بھلا دے
کچھ ہوش بھی باقی رہے، بیخود بھی بنا دے ''وہ'' خدا دے
کوثر سے منگا دے مجھے کوثر سے منگا دے
اک جام پلا دے
اب دل نہیں اس راز خودی کا متحمل بگڑی ہے یہ محفل
کشتی ہے تلاطم میں مگر دور ہے ساحل آوارۂ منزل
اے خضر طریقت اسے اب راہ دکھا دے
اک جام پلا دے

معمور ترے فیض سے میخانۂ ملت پیمانۂ ملت
سن لے کہ مٹا جاتا ہے افسانۂ ملت کاشانۂ ملت
اے ساقی تقدیس! مئے ہوش ربا دے
اک جام پلا دے
حسرت ہے کہ چھائی ہوئی رحمت کی گھٹا ہو سر مست فضا ہو
جب کیفیت کسل سے دل ٹوٹ رہا ہو یہ لب پہ صدا ہو
اس وقت تو احساس تغافل کو مٹا دے
اک جام پلا دے

منظور الحق مخدومؔ

چھایا ہے ابر رحمت اُمڈی ہوئی گھٹا ہے ماحول خوشنما ہے
اے ساکنان عالم مژدہ یہ جانفزا ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
تسبیح خواں ہے شبنم ، ہر پھول با وضو ہے اک سیل رنگ و بو ہے
نغمہ سرائے مدحت ہر موجۂ صبا ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
واللیل کی وضاحت ہیں مشک بو ہوائیں مہکی ہوئی فضائیں
ہر چار سو اجالا تشریح والضحیٰ ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
ٹوٹا ہے آج قصر نو شیرواں کا کنگرہ طاری ہوا ہے لرزہ
آتش کدہ جو روشن تھا آج بجھ گیا ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
گونجے ہیں کاخ وکو میں صلوات کے ترانے آئے سمے سہانے
جلوہ طراز عالم وہ جان مدعا ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
اب مٹ گیا ہے کفر و الحاد کا اندھیرا پیدا ہوا سویرا
بشریٰ لکم طلوع خورشید حق نما ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
وہ امن و آشتی کا پیغام لے کے آیا اسلام لے کے آیا
اسلام ہی ہمارے ہر درد کی دوا ہے ''میلاد مصطفیٰؐ ہے''
بعد از خدائے برتر، برتر مقام اس کا پاکیزہ نام اس کا

تسکین جاں کا باعث ہے، روح کی غذا ''میلاد مصطفیؐ ہے''
کوئی اس کی عظمتوں سے ہے آشنا تو رب ہے وہ لائق ادب ہے
مخدومؔ کے قلم کا سجدے میں سر جھکا ہے ''میلاد مصطفیؐ ہے''

قطعہ:

۱۔ موضوعاتی سطح پر ہم قطعہ کو صنف سخن نہیں کہہ سکتے اس کی ہیئت بھی کوئی بہت زیادہ منفرد نوعیت نہیں رکھتی۔ اس کی ہیئت غزل کی ہیئت کی طرح ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ غزل کی ہیئت کی مانند اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ تمام اشعار غزل کی طرح ہوتے ہیں اس میں قافیائی نظام کا تعین پہلے شعر کے مصرع ثانی سے ہوتا ہے۔

اس طرح: الف ب، ج ب، د ب، ہ ب

۲۔ اشعار کی اس یکساں تنظیم کے باوجود قطعہ غزل سے مختلف چیز ہے کیوں کہ غزل کے تمام شعر مفہوم اور مضمون کے اعتبار سے منتشر اور اپنے آپ میں مکمل ہوتے ہیں لیکن قطعہ کے تمام اشعار معنوی لحاظ سے مسلسل ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں، تمام اشعار کا متحد المعنی ہونا اور تمام مصرعوں میں خیال کا تسلسل قطعہ کو دراصل ایک نظم بنا دیتا ہے اور یوں یہ چیز صنف نہیں بن پاتی غزل سے معمولی فرق کے ساتھ محض ایک ہیئت رہ جاتی ہے۔ ایک ایسی ہیئت جو مطلع نہ ہونے کے سوا اور کوئی انفرادی شناخت نہیں رکھتی، لیکن وہ قطعہ جن میں شاعروں نے مطلع کا بھی اہتمام کر ڈالا ہے انھیں ہیئتاً غزل سے کسی طرح الگ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں غزل کی شکل میں کہی گئی نظم ہی کہنا چاہیے۔ قطعہ کی عموماً تین صورتیں نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ اس میں زیادہ سے زیادہ اشعار کی چونکہ کوئی قید نہیں اس لیے ایسا قطعہ جو دو شعروں سے زائد ہے اور اس کے تمام مصرعے اور اشعار ایک دوسرے سے مربوط ہیں وہ نظم ہے، ایسا قطعہ الگ سے لکھا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک قطعے میں کم از کم دو شعر ہونا لازمی ہیں چنانچہ وہ دو شعر (خواہ ان میں مطلع موجود ہو) جو رباعی کے کسی مخصوص وزن میں نہیں ہیں، وہ اصطلاحاً قطعہ کہلاتے ہیں۔ رباعی نہیں۔ دونوں شعر مل کر خیال کی تکمیل کرتے ہیں، اور یہ بھی الگ ہو جاتے ہیں، قطعے کی تیسری شکل خاص غزل کی صنف کے اندر پائی جاتی ہے۔ غزل کا ہر شعر چونکہ خیال کے اعتبار سے

ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اس لیے کبھی کبھی غزل گو شاعر کے سامنے یہ دقت آ جاتی ہے کہ کوئی خیال دو مصرعوں میں نہیں سما پاتا تو وہ اس کی تکمیل ایک سے زائد اشعار میں کر دیتا ہے۔ چنانچہ غزل کے اندر ایسے اشعار جن میں ایک خیال ایک شعر سے دوسرے یا تیسرے یا اس سے زائد اشعار میں منتقل ہوا ہے وہ اصطلاحاً قطعہ بند اشعار کہلاتے ہیں، ایسا قطعہ علاحدہ وجود نہیں رکھتا، غزل کا حصہ ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت حسانؓ ابن ثابت کے دیوانوں میں نعتیہ قطعات موجود ہیں۔ حضرت حسانؓ کی مشہور نعت جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے، قطعہ کی ساخت میں ہے۔

اغر علیہ للنبوۃ خاتم من اللّٰہ مشھود، یلوح ویشھد

اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے یہاں بھی نعتیہ قطعات ہیں۔ عصر حاضر میں نعتیہ قطعات نے رواج لیا ہے۔ شعرائے نعت مشاعروں میں نعت خوانی سے پیشتر نعتیہ قطعات پیش کرتے ہیں۔

بیکلؔ اتساہی نے نعتیہ قطعات اچھی خاصی تعداد میں کہے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان کا ایک نعتیہ قطعہ ملاحظہ ہو:

کوئی طیبہ میں مسکرایا ہے دونوں عالم پہ نور چھایا ہے
ائے صبا میں انھیں کا ہوں بیکلؔ کیا انھوں نے مجھے بلایا ہے

اس ہیئت میں نعت کہنے والے مشاہیر شعراء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آثرؔ صہبائی ۲۔ اخترؔ لکھنوی ۳۔ اعجاز رحمانی ۴۔ اسلمؔ کولری
۵۔ اقبالؔ عظیم ۶۔ اکبرؔ الہ آبادی ۷۔ انجمؔ جعفری ۸۔ افضال احمد انورؔ
۹۔ انیسہ ہارون شروانیہ ۱۰۔ امین علی نقوی ۱۱۔ اکرم کلیم ۱۲۔ بے چین راجپوری
۱۳۔ بیدلؔ فاروقی ۱۴۔ بیکلؔ اتساہی ۱۵۔ تابش ہمدانی ۱۶۔ تلوک چند محروم
۱۷۔ ثمر مانچوی ۱۸۔ جعفر بلوچ ۱۹۔ جمالؔ سویرا ۲۰۔ جمیلؔ عظیم آبادی
۲۱۔ جمیل نقوی ۲۲۔ چرن سرن نازؔ مانک پوری ۲۳۔ حسن عسکری
۲۴۔ حشمت یوسفی ۲۵۔ حیرتؔ الہ آبادی ۲۶۔ حافظ لدھیانوی ۲۷۔ حافظ محمد مستقیم
۲۸۔ خالدؔ محمود نقشبندی ۲۹۔ خسرویؔ ۳۰۔ خیالؔ امروہی ۳۱۔ خادمیؔ اجمیری

۳۲۔خالدعرفانی ۳۳۔رازکاشمیری ۳۴۔ریاض حسین چودھری ۳۷۔راجہ رشید محمود
۳۸۔رفیع الدین ذکی قریشی ۳۹۔رشید کاملؔ ۴۰۔ساحرہ صدیقی
۴۱۔ساغرصدیقی ۴۲۔ساقیؔ گجراتی ۴۳۔سجادمرزا ۴۴۔سیداکبرسلیم
۴۵سروربدایونی ۴۶۔سورج نراج نرائن ادبؔ ۴۷۔سلامت علی خاں
۴۸۔شباب کیرانوی ۴۹۔صفدرسلیم سیال ۵۰۔صابرؔآفاقی ۵۱۔ع س مسلم
۵۲۔عابدنظامی ۵۳۔عظیم مرتضٰی ۵۴۔عبدالعزیز خالد ۵۵۔علامہ محمداقبال
۵۶۔فداحسینؔ ۵۷۔فضابن فیضی ۵۸۔فضاکوثری ۵۹۔قمرجلال آبادی
۶۰۔قمرسلیمانی ۶۱۔قمریزدانی ۶۲۔قمررضاشہزاد ۶۳۔قمرانجم
۶۴۔قاسم جلالؔ ۶۵۔قیوم احسانؔ ۶۶۔گہرا عظمی ۶۷۔مظفروارثی
۶۸۔منظورسعیداحمد ۶۹۔منیرکمالؔ ۷۰۔ماہرالقادری ۷۱۔مسعودرضاخاکیؔ
۷۲۔معین نظامی ۷۳۔محمدممتازراشدؔ ۷۴۔ماجدادیب بریلوی
۷۵۔نظرؔزیدی ۷۶۔نیراسعدی ۷۷۔نازش پرتاپ گڑھی ۷۸۔نسیم مستوی
۷۹۔نعیم صدیقی ۸۰۔نفیس فتح پوری ۸۱۔وصی تیموری ۸۲۔ہلال جعفری
۸۳۔یزدانی جالندھری

چندنعتیہ قطعات بطورنمونہ منقول ہیں۔

نعتیہ قطعات:

آثرؔ صہبائی:

ازل سے پہلے بھی تو اورابد کے بعدبھی تو ۔۔۔ خدانہیں ہے، خدا سے مگر جدا بھی نہیں
آثرؔ کی خواہش دیدار اےئ شہہ کونین! ۔۔۔ روانہیں ہے تو کچھ اتنی ناروا بھی نہیں
شان میں عرش کا مکیں ہے تو ۔۔۔ خلق میں بوئے یاسمین ہے تو
کیا لکھوں نعت، مختصر یہ ہے ۔۔۔ خاتم دہر کا نگیں ہے تو

نوٹ:اس میں ''ازل سے پہلے بھی تو'' فقرہ معرضِ اعتراض ہے۔

قیوم احسانؔ:

شمع سے روشن نقش ہے اس کا ہالہ اس کی افشاں ۔۔۔ روشن روشن جگمگ جگمگ چہرہ اس کا تاباں

سورج کی ہیں آنکھیں خیرہ، کیسے اس کو دیکھے نور مجسم آمنہؓ جایا، چاند سے بڑھ کر رخشاں

سورج نرائن ادب سیتاپوری:

محمدؐ ایک فرقے کے نہیں ہیں محمدؐ سب کے ہیں اور بالیقیں ہیں
ادب لائے نہ کیوں ایمان ان پر محمدؐ رحمۃ للعالمیں ہیں

ماجد ادیب بریلوی:

بادۂ کوثر و تسنیم کا پینا سیکھو بام رفعت پہ پہنچنے کا قرینہ سیکھو
راہ یزداں میں بھی قربانئ جاں دینا مگر پہلے تم عشق محمدؐ میں تو جینا سیکھو

ادیب رائے پوری:

اے کہ ترے ذکر کے دربار میں داخل ہوں جب فکر کا سر خم رہے اور فہم کو حد ادب
نطق کو حسن سخن آرائی کا جامہ ہو زیب جانچ لیں الفاظ کا اچھی طرح پہلے نسب
کیا پوچھتے ہو ان اشکوں کا، یوں ہی تو نہیں ہم روتے ہیں مصروف ثنا دل، آنکھوں میں محبوب دو عالم ہوتے ہیں
اک رسم ہے غسل کعبہ کی، اک غسل ہے دل کے کعبہ کا اک گرد کو زمزم دھوتی ہے، اک میل کو آنسو دھوتے ہیں

علامہ محمد اقبال

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

اقبال عظیم:

لوگ نازاں ہیں کہ وہ حد یقیں تک پہنچے یعنی ارباب خرد ماہ مبیں تک پہنچے
لیکن اس دور کرامات سے صدیوں پہلے میرے آقاؐ کے قدم عرش بریں تک پہنچے

اکبر الہ آبادی:

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا دل کو روشن کردیا، آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے رہبر بن گئے کیا نظر تھی، جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

قمر انجم:

ہے سر پر سایۂ دامان رحمت مبارک ہو ہمیں یہ خوش مقامی
قیامت تک رہے گا جلوہ فرما رسول اللہ کا عہد گرامی

سید انجم جعفری:

شرط ہے سرور عالم سے محبت انجم — میرے خالق نے یہ فرمایا کہ "ہم تیرے ہیں"
سیرت احمدؐ مرسل کو بنا راہ عمل — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
ظلمت کدوں میں شمع جلائی ہے آپؐ نے — تاریکیوں میں راہ دکھائی ہے آپؐ نے
انسانیت کو درس مساوات کا دیا — تفریق رنگ و نسل مٹائی ہے آپؐ نے
لاریب لا جواب ہے خطبہ حضورؐ کا — عالم میں انتخاب ہے خطبہ حضورؐ کا
منعم کو دے رہا ہے مساوات کا سبق — پیغام انقلاب ہے خطبہ حضورؐ کا

بیدلؔ فاروقی:

عظمت سے محمدؐ کی تو واقف نہیں بیدلؔ — محدود تری عقل بھی کوتاہ نظر بھی
نادان سمجھتا ہے انھیں اپنی طرح، وہ — سر تا بقدم نور بھی ہیں اور بشر بھی

عبدالکریم ثمر:

محمد مصطفیٰؐ ہیں جان عالم — حرا ہے گنبد ایوان عالم
مدینہ مظہر شان نبوت — دیار سرورؐ ذیشان عالم

جعفرؔ بے شک نعتیں لکھو — قطعہ، قصیدہ اور غزل کی صورت میں
لیکن سچ پوچھو تو ہوگی نعت وہی — جو لکھو گے حسن عمل کی صورت میں

مسعود رضا خاکی:

جو خدا کی خواہشوں کا نقطۂ آغاز ہے — وہ بزرگی میں ہر اک مخلوق سے ممتاز ہے
مظہر اوصاف باری، منبع حسن ازل — صورت انساں میں آیا ہے مگر اک راز ہے
اوصاف ہیں یہ نعت رسالت مآب کے — اسرار کھلتے جاتے ہیں ام الکتاب کے
اس تذکرے کا فیض ہے خاکی جو آج بھی — رہتے ہیں ہم سے دور فرشتے عذاب کے

خالدؔ عرفان:

معراج محمدؐ نے کیا راز جو افشا — وہ راہ خلاؤں سے ہوا پوچھ رہی ہے
پھیلائے ہوئے گوشۂ دامان تجسس — سائنس محمدؐ کا پتا پوچھ رہی ہے

رسول پاکؐ کی سیرت سے روشنی پا کر
تمام چاند ستارے ہمارے جادہ ہیں
جہاز و راکٹ و اسکائی لیب و طیارے
براق سرورؐ عالم سے استفادہ ہیں
انسانیت کو ان سے ملا نسخۂ شفا
تریاق کے عجیب خزانے سخن میں تھے
کیمسٹری کی تجربہ گاہوں میں بھی نہیں
اجزائے کیمیا جو لعاب دہن میں تھے
انگشت کے نشان نمایاں ہیں چاند پر
دیکھے ہیں آدمی نے جو منظر، ثبوت ہیں
شق القمر سے ٹکڑے ہوئی سطح ماہتاب
جو آرہے ہیں چاند سے پتھر، ثبوت ہیں
ذہن دنیا کا ہوگیا روشن
شب معراج کے اجالے سے
علم جیومیٹری نے پائی سند
''قاب و قوسین'' کے حوالے سے
ہیں شاہ دو جہاںؐ کے خیالوں سے متفق
سائنس کے علوم میں جتنے اصول ہیں
مریخ، چاند، زہرہ، عطارد، خلا، دھنک
یہ سب مرے حضورؐ کے قدموں کی دھول ہیں

رازؔ کاشمیری:

انسان کو جینے کا شعور آپؐ نے بخشا
اللہ کا عرفان، حضورؐ آپؐ نے بخشا
ہر سمت جہالت کے اندھیرے تھے جہاں میں
انسان کو تہذیب کا نور آپؐ نے بخشا

رضاؔ امروہوی:

کیا ستائے گا مجھ کو زمانہ
سب سے اعلیٰ ہے میرا قرینہ
میرے لب پر ہے نام محمدؐ
اور نظر میں دیار مدینہ

ساحرؔ صدیقی

کوئی کہتا ہے کہ کعبے میں خدا رہتا ہے
کوئی کہتا ہے سر عرش علیٰ رہتا ہے
ہم فقیروں کا عقیدہ ہے کہ معبود عظیم
اپنے محبوب کے جلوؤں میں چھپا رہتا ہے

سید اکبر سلیم:

بھٹک رہے ہیں یہ خود فلسفے کے صحرا میں
نہ یہ سوال اسیران قیل قال سے پوچھ
ہے جس کا نام خدا، کون ہے وہ کیسا ہے؟
یہ پوچھنا ہے تو چل آمنہؓ کے لالؐ سے پوچھ

امین علی نقوی: (غیر منقوط)

محمدؐ لا مکاں کی رہ کا راہی
وہی ہے رائی روئے الٰہی

اسی کے سر مکارم کا ہے سہرا　ملی لولاک سے اس کی گواہی

قمرؔ یزدانی:

ترا جمال مرے فکر کا محرک ہے　جو میرے سامنے تو ہو تو نعت کہتا ہوں
خیال غیر سے دل ہی کا پاک ہونا کیا　نگاہ کا بھی وضو ہو تو نعت کہتا ہوں

گہرؔ اعظمی:

خواہش ہے کہ اک بار مدینے جا کر　اللہ کے محبوبؐ کا روضہ دیکھوں
میں اپنی گنہگار انہی آنکھوں سے　دنیا ہی میں جنت کا نظارہ دیکھوں

حافظ محمد مستقیمؔ:

دل میں اک لفظ ابھرتا ہے محمدؐ بن کر　ذہن کے سایے میں جب لوح و قلم آتے ہیں
کعبے والا ہی بتا سکتا ہے اس کو بخدا　منھ کے بل قدموں میں کس طرح صنم آتے ہیں

مسرورؔ بدایونی:

گفتگو کس نے کی ہے خالق سے　کون عرش بریں پہ پہنچا ہے
قاب قوسین شان ہے کس کی　کون دونوں جہاں میں ان سا ہے

تلوک چند محرومؔ:

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست و دشمن پر　مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے
انہی اوصاف کی خوشبو ابھی اطراف عالم میں　شمیم جانفزا لاتی ہے مکے اور مدینے سے

نسیمؔ بستوی:

میں نے مانا ہے شکن آلود زلف کائنات　زندگی پر چھا گئے ہیں روح فرسا حادثات
عزم و ہمت سے طلسم شب مٹانا سیکھیے　مسکراتی ہر سحر لائے گی پیغام حیات

نعیمؔ صدیقی:

یہ وہ مٹی ہے جس کا ذرہ ذرہ ایک دفتر ہے　یہ صدہا ہیں ورق جن پر منقش داستانیں ہیں
یہ وہ گلیاں ہیں جن میں دعوت حق چلتی پھرتی ہے　یہ وہ پتھر ہیں افسانہ سرا جن کی زبانیں ہیں

نفیسؔ فتح پوری:

ہر عہدۂ جلیل پہ فائق ہیں مصطفیٰؐ　لب لباب حسن خلائق ہیں مصطفیٰؐ

سجدہ اگر روا ہو کسی اور کو نفیسؔ کون و مکاں کے سجدوں کے لائق ہیں مصطفیٰؐ
بے عمل دعویٰ کیا جائے تو کچھ حاصل نہیں صرف منزل کا تصور ضامن منزل نہیں
تم غلام مصطفیٰؐ تو کیا، جو سچ پوچھو نفیسؔ! ان کی خاک پا کہے جانے کے بھی قابل نہیں

۵۔ مسمط:

''مسمط'' ایک عربی لفظ ہے جو لفظ ''تسمیط'' کا مفعول ہے۔ ''تسمیط'' کے لغوی معنی ہیں ''موتی پرونا'' یا بہ الفاظ دگر منتشر اور بکھرے ہوئے اجزا کو بہ ترتیب ایک جگہ جمع کر دینا۔'' اصطلاح شعر کے طور پر اس کا مفہوم ایک ایسی نظم سے ہے جو بہ لحاظ ہیئت مختلف بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بندوں میں مصرعوں کی تعداد مختلف ہو سکتی ہے لیکن پہلے ہی بند سے مصرعوں کی جو تعداد مقرر کر دی جاتی ہے وہ بعد کے تمام بندوں میں برقرار رکھی جاتی ہے۔ بند میں مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے مسمط کی قسمیں آٹھ ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں۔

مثلث: تین مصرعوں کا بند مربع: چار مصرعوں کا بند
مخمس: پانچ مصرعوں کا بند مسدس: چھ مصرعوں کا بند
مسبع: سات مصرعوں کا بند مثمن: آٹھ مصرعوں کا بند
متسع: نو مصرعوں کا بند معشر: دس مصرعوں کا بند

مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے چونکہ ہر بند کے لیے ایک علاحدہ اصطلاح رائج ہے، اس لیے وہ مخصوص بند یا اس بند کی مخصوص ہیئت عام گفتگو میں اس مخصوص نام ہی سے منسوب کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی نظم کی ترکیب میں ہر بند پانچ پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے تو کہا جائے گا یہ نظم ''مخمس'' ہے یا ''مخمس کی ہیئت'' میں ہے اسے کوئی مسمط نہیں کہتا۔ پھر مسمط ہے کیا؟

مسمط دراصل متذکرہ بالا ان آٹھ شکلوں کے لیے ایک مجموعی نام ہے جس سے مراد یہ ہے کہ منتشر اور بکھرے ہوئے خیالات کو سلسلہ وار اور ایک خاص ترتیب سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح جیسے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہو۔ گویا مسمط ایک مخصوص وضع ایک مخصوص ہیئتی نظام کا نام ہے۔ خواہ اس ہیئت کی ترکیب تین تین مصرعوں سے ہوئی ہو خواہ چھ مصرعوں سے۔ مصرعوں کی تعداد کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ اس سب کی وضع یا ان کی ترتیب کا

انحصار جس اصول پر مبنی ہے، اس اصول کا اصطلاحی نام مسمط ہے اور یہ مخصوص ہیئت بند میں مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے الگ الگ ناموں سے جانی جاتی ہے۔

عربی و فارسی شاعری میں اور جس کی پیروی اردو کی کلاسیکی شاعری میں بھی کی گئی ہے۔ مسمط کا ہیئتی نظام یہ ہے کہ نظم کے پہلے بند کے تمام مصرعے، خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو، ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ بعد کے تمام بندوں کے مصرعے، آخری مصرعے کے سوا علاحدہ علاحدہ قافیوں میں باندھے جاتے ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ فرض کیجیے ایک نظم کے مختلف بند پانچ پانچ مصرعوں پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہ نظم ''مخمس'' میں ہے تو اس کی تشکیل میں قافیوں کی ترتیب فی مصرع یوں ہوگی۔

الف الف الف الف الف/ ب ب ب ب الف/ ج ج ج ج الف/ د د د د الف

مصرعوں کی اس وضع سے جس میں پہلے بند کے سارے مصرعے ہم قافیہ ہیں بعد کے بندوں کے مصرعے مختلف قافیوں میں ہیں اور ان کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ پوری نظم ایک رشتے میں منسلک ہو جاتی ہے۔ اس سے نظم میں معنوی ربط اور آہنگ کی فضا پیدا کی جاتی ہے ہر بند کے آخری مصرعے کا پہلے بند کے قافیائی نظام پر لوٹ آنا اس بات کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ نظم میں خیال وفکر کی جو روشروع سے پیدا کی گئی تھی وہ پوری نظم میں جاری و ساری ہے اور شروع سے آخر تک خیال مربوط ہے۔ اس بنا پر کہ آخری مصرع نظم کے اس آہنگ کا اعادہ کرتا ہے، جو شروع میں اختیار کیا گیا ہے۔ اصطلاحاً ٹیپ کا مصرع کہلاتا ہے۔

مسمط میں تمام بندوں کے آخری مصرعوں کا پہلے بند کا ہم قافیہ ہونا ایک قدیم روایت ہے۔ جسے یقیناً بعد میں بھی برتا گیا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ شعری ہیئتوں میں خاصے متنوع تجربے کیے گئے جن کی وجہ سے مسمط کا مذکورہ بالا قافیائی نظام اپنی اصل پر قائم نہ رہ سکا۔ اور اسے بندوں میں مصرعوں کی قافیائی ترتیب کو طرح طرح الٹا پلٹا گیا۔ اس نوع کے تجربوں کی متعدد صورتیں سامنے آتی ہیں جن کی بنا پر ہمارے یہاں شعری ہیئتیں بے حد متنوع اور ہمہ گیر ہوگئی ہیں۔ بندوں میں مصرعوں کے قافیائی نظام میں الٹ پھیر کا یہ سلسلہ دیسی بھی ہے اور بدیسی اثرات کا رہین منت بھی، یعنی مسمط کی آٹھویں ہیئتوں میں مصرعوں کے قافیوں کی ترتیب میں خود ہمارے شاعروں نے بھی ہمارے مغربی اثرات سے قبل نئی نئی

صورتیں پیدا کرنی شروع کر دی تھیں جس کا اس کے سوا کوئی جواز نہیں کہ وہ اپنے اظہار کو موثر بنانے کے لیے بندھے ٹکے اصولوں اور محدود طریقہ ہائے اظہار سے مطمئن نہیں تھے۔ اس کے بعد جب انگریزی شعراء ادب کے اثرات کی وجہ سے بعض مغربی ہیئتوں سے ہمارے شاعر واقف ہوئے تو اس سے ہماری شعری ہیئتوں کی کائنات بہت وسیع اور متنوع ہوگئی اس کی دو صورتیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ مغرب کی وہ شعری ہیئتیں جو ہمارے لیے بالکل نئی اور اجنبی تھیں جن سے ملتی جلتی ہمارے یہاں کوئی شکل موجود نہیں تھی قبول کر لی گئی۔ یوں ہمارے شعری ہیئتوں میں ایک خوشگوار اضافہ ہوا۔ نظم معریٰ اور آزاد نظم اس کی خاص مثالیں ہیں، دوسری صورت یہ ہوئی کہ مغرب کی ان ہیئتوں سے جن سے ملتی جلتی ہیئتیں پہلے ہی سے موجود تھیں خوب فائدہ اٹھایا گیا اور ہماری مروجہ ہیئتوں میں ان مغربی ہیئتوں کی وضع پر خاصے متنوع تجربے کر کے نئی نئی صورتیں پیدا کی گئیں۔ اس کی خاص مثال انگریزی اسٹینزا ہے۔

ا۔ **مثلث**:

یہ مسمط کی پہلی ہیئت یا قسم ہے۔ جس میں ہر بند صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مخصوص مسمطی ہیئت کے مطابق مثلث کے پہلے بند میں تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں بعد میں آنے والے ہر بند کے اولین دو مصرعے کسی اور قافیے میں ہوتے ہیں اور تیسرا مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اس اصول کے تحت مثلث کی ہیئتی وضع اس طرح ہوتی ہے۔

الف الف الف/ ب ب الف/ ج ج الف/ د د الف/ ہ ہ الف

مسمط کی اس ہیئتی وضع میں یوں بھی ہوتا ہے کہ پہلے بند کا تیسرا مصرع ہر بند میں بطور ترجیع لایا جاتا ہے یعنی وہ ہر بند کا تیسرا مصرع بن جاتا ہے۔ مسمطی ہیئت پر مشتمل ایسے مثلث کو ہم ''ترجیع بند مثلث'' کا نام دے سکتے ہیں، تیسرا مصرع بہر طور ''ٹیپ کا مصرع، یا ''مصرع ترجیع'' کہلاتا ہے۔

مثلث کی ایک شکل ایسی ہے۔ جس میں بند اول سمیت ہر بند کے پہلے دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور پہلے بند سمیت ہر بند کا تیسرا مصرع کسی اور قافیے میں، تمام بندوں کے تیسرے مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں، مثلث کی پہلی یعنی اصل مسمطی ہیئت سے بالکل مشابہ ہے

صرف اتنا فرق ہے کہ ہیئت اول میں پہلے بند کے تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور اس میں پہلے بند کے دو مصرعے ہم قافیہ اور تیسرا کسی اور قافیے میں ہوتا ہے۔اس کی وضع یوں ہے۔

الف الف ب/ ج ج ب / د د ب / ہ ہ ب

اسی وضع میں یہ اہتمام بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہر بند کا تیسرا مصرع ایک ہی ہو۔اسے بھی ''ترجیع بند مثلث' کہہ سکتے ہیں اس میں بھی تیسرا مصرع ''ٹیپ کا مصرع'' یا ''مصرعۂ ترجیع'' کہلائے گا۔

مسمط کی بعض شکلوں (بالخصوص مسدس) میں خاص ترکیب بند کی وضع کو بھی اختیار کیا گیا ہے، لہٰذا ایسی شکل مثلث ممکن ہے، اصولاً یہ وضع اس طرح ہوگی۔

الف الف ب/ ج ج د/ ہ ہ د/ ز ز ح / الف الف الف/ ب ب ب/ ج ج ج / د د د

مثلث کی ایک دلچسپ شکل یوں بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ مسمط کی عام وضع کے مطابق پہلے بند کے تینوں مصرع تو ہم قافیہ ہوتے ہیں، لیکن بعد کے تمام بندوں میں صرف پہلا مصرع الگ قافیہ میں ہوتا ہے۔آخری دو مصرعے پہلے ہی بند کے قافیوں کی پیروی کرتے ہیں۔اس کی وضع اس طرح ہے۔

الف الف الف / ب الف الف / ج الف الف / د الف الف

اس ہیئت میں نعت کہنے والے مشاہیر شعرا کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) آسیؔ لکھنوی (۲) ارشد علی ارشادؔ (۳) ارمانؔ اکبر آبادی
(۴) اقبالؔ عظیم (۵) امینؔ علی نقوی (۶) امانت علی چشتیؔ نظامی
(۷) باسط بسوانی (۸) بے چینؔ راجپوری (۹) تسکینؔ قریشی
(۱۰) جمیلؔ نقوی (۱۱) حافظ لدھیانوی (۱۲) خسرویؔ
(۱۳) حفیظؔ تائب (۱۴) سکندرؔ لکھنوی (۱۵) شمسؔ پٹنوی
(۱۶) سعادت حسن آسؔ (۱۷) عاصیؔ کرنالی (۱۸) فداؔ خالدی
(۱۹) فرحتؔ شاہجہانپوری (۲۰) فیاضؔ کاوشؔ (۲۱) قتیلؔ شفائی
(۲۲) کاملؔ صدیقی (۲۳) منور بدایونی (۲۴) منیرؔ کمال
(۲۵) مسرور کیفیؔ (۲۶) مظفرؔ وارثی (۲۷) محمد عبد الصبور منشورؔ

(۲۸) وحیدہ نسیم

۲۔ **مربع**:

مثلث کے مقابلے میں مربع کی زیادہ شکلیں نظر آتی ہیں، چار مصرعوں کی اس ہیئت میں قافیوں کی ترتیب طرح طرح سے رکھی گئی ہے، مسمط مخصوص ہیئت کے مطابق اس کی پہلی شکل تو وہی ہے، جو دیگر مسمطی اقسام میں ہوتی ہے، یعنی مربع وہ ہے جس کا پہلا بند ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہو اور بعد میں آنے والے تمام بندوں کے اولین تین مصرعے کی اور قافیے میں ہوں لیکن ہر بند کا چوتھا مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہو یعنی اس وضع سے۔

الف الف الف الف / ب ب ب الف/ ج ج ج الف/ د د د الف مثلاً

لو آؤ راز پنہاں کو رسوائے حکایت کرتا ہوں
دامان زبان خامشی کو لبریز شکایت کرتا ہوں
گھبرا کے ہجوم غم سے آج افشائے حقیقت کرتا ہوں
اظہار کی جرأت کرتا ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں
فکر آباد دنیا میں مری، اک مسجودِ افکار ہو تم
شعرستان ہستی میں مری، اک معبود اشعار ہو تم
اور میرے پرستش زار دل میں اک بت شیریں کار ہو تم
میں جس کی عبادت کرتا ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں

اس مسمطی ہیئت میں قافیہ ''الف'' مصرعہ ترجیع'' بھی ہوسکتا ہے، یعنی پہلے بند کا چوتھا مصرع، بعد کے تمام بندوں میں چوتھے مصرعے کے طور پر دہرایا جاتا ہے۔ مثلاً

اسماعیل میرٹھی:

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ — بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں کے مل کر ترانہ — کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ
نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن — چمک اپنی دکھلائیں گے اب بھلے دن
رکے گا نہ عالم ترقی کیے بن — کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

مربع کی ایک شکل یوں ہے کہ پہلے بند کے چاروں مصرعے قاعدہ مذکور کے مطابق ہم

قافیہ ہوتے ہیں لیکن بعد کے تمام بندوں کے اولین دو مصرعے کسی الگ قافیے میں اور آخری دو مصرعے پہلے بند کے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اس ترتیب کے مطابق یہ وضع بنتی ہے۔

الف الف الف الف / ب ب الف لف / ج ج الف الف / د د الف الف

روش روش، چمن چمن، بڑھے چلو بڑھے چلو — جبل جبل، دمن دمن، بڑھے چلو بڑھے چلو
بکش بکش، بزن بزن، بڑھے چلے بڑھے چلو — مجاہدین صف شکن، بڑھے چلو بڑھے چلو
زمین رشک آسمان تمھاری انجمن سے ہے — رگ جہاں میں خوں رواں تمھارے بانکپن سے ہے
رہے تمھارا بانکپن، بڑھے چلو بڑھے چلو — مجاہدین صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو

۳۔ مخمس:

مثلث اور مربّع کی بہ نسبت مسمط کی اس ہیئت میں، جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے قافیوں کی ترتیب کی کہیں زیادہ حیران کن مثالیں پائی جاتی ہیں، اس کی بھی خاص مسمّطی ہیئت تو وہی ہے جو دیگر اقسام مسمط کی ہے، یعنی نظم کے پہلے بند میں پانچوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور بعد والے تمام بندوں کے اولین چار مصرعے کسی علاحدہ قافیہ میں ہم قافیہ ہوں اور ان کا پانچواں مصرع بند اول کے قافیے کی پیروی کرتا ہو اس وضع پر

الف الف الف الف الف / ب ب ب ب الف / ج ج ج ج الف

مخمس کے اس قافیائی نظام میں ہر بند کا پانچواں مصرع بطور ''مصرعۂ ترجیع بھی لایا جاتا ہے یعنی پہلے بند کا پانچواں مصرع ہر بند کا پانچواں مصرع بن جاتا ہے، قافیوں کی مذکورہ بالا ترتیب میں تمام بندوں کا پانچواں مصرع ''مصرع ترجیع'' ہوسکتا ہے۔

مخمس کی اس شکل میں کہ پہلے بند سمیت ہر بند کے تین مصرعے علاحدہ علاحدہ قافیوں میں ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے (یعنی چوتھا اور پانچواں مصرع) پہلے بند کے چوتھے اور پانچویں مصرعے کے مطابق ہوتے ہیں اس وضع پر

الف الف ب ب / ج ج ب ب / د د ب ب

اس کے مطابق پہلے بند کا مصرع پنجم ''مصرعۂ ترجیع'' کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مخمس میں مصرعوں کی یہ ترتیب اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ ہر بند کا پانچواں مصرع ''غیر ترجیعی'' ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر بند کے مصرع چہارم اور پنجم دونوں بطور ترجیع آئیں۔

مخمس کی ایک شکل یہ ہے کہ حسب قاعدہ پہلے بند کے پانچویں مصرعے ہم قافیہ ہیں لیکن بعد کے بند میں اولین تین مصرعے غیر ترجیع قافیے میں لائے جاتے ہیں اور مصرع چہارم اور پنجم کو پہلے بند کا ہم قافیہ رکھا جاتا ہے۔ یہ وضع یوں ہے۔

الف الف الف الف الف / ب ب ب الف الف

ج ج ج الف الف / د د د الف الف

مذکورہ بالا ترتیب کی شکل ہی میں یہ بھی کیا جاتا ہے کہ تمام بندوں میں چہارم وپنجم کو بطور ترجیع لایا جاتا ہے یعنی پہلے بند کے چوتھے اور پانچویں مصرعے ہر بند کے چوتھے اور پانچویں مصرعے ہوتے ہیں۔

اگر ان مخصوص شکلوں میں ہر بند کے چوتھے مصرعے کو ''غیر ترجیعی'' اور پانچویں مصرعے کو ''ترجیعی'' باندھا جائے تو اس کے پہلے بند کے سوا باقی تمام بندوں کی شکل وہ ہوگی جس کی مثال ماقبل میں پیش کی جا چکی ہے۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ وہاں پہلے بند میں بھی وہی صورت ہے جو یہاں پہلے بند کے سوا ہر بند میں ہے اس وضع میں پہلا بند پانچوں ہم قافیہ مصرعوں پر مبنی ہے۔ جو بعد میں آنے والے بندوں کے مصرعۂ چہارم وپنجم کے لیے قافیائی نظام وضع فراہم کرتا ہے۔

مخمس کی ایک شکل اس طور پر ہے کہ پہلے بند سمیت ہر بند کے پہلے تین مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں جب کہ دو مصرعے (چوتھے اور پانچویں) کسی اور قافیے میں یہ طرز خاص ترکیب بند کی ہے لہٰذا ایسے مخمس کو ہم ''ترکیب بند مخمس'' کہہ سکتے ہیں۔ اس کی وضع یہ ہے۔

الف الف الف ب ب / ج ج ج د د / ہ ہ ہ د د / ز ز ز ح ح

مثلث اور مربع کی طرح مخمس میں بھی قافیوں کی وہ ترکیب ممکن ہے جس کے تحت نظم کے ہر بند میں پانچوں مصرعے الگ الگ اور قافیوں میں ہم قافیہ ہو سکتے ہیں اس وضع پر۔

الف الف الف الف الف / ب ب ب ب ب / ج ج ج ج ج / د د د د د

انگریزی اسٹینزا کے اثر کے مخمس میں کچھ ایسے تجربے بھی ہوئے جن کا تعلق بند کے دوسرے اور تیسرے مصرعوں میں قافیوں کی تبدیلی سے ہے اور۔۔۔ یوں اس ہیئت میں خاصی متنوع شکلیں اختیار کی گئی ہیں، اس طرح کی ایک شکل یہ ہے کہ پہلے، دوسرے،

چوتھے ہم قافیہ ہوتے ہیں، تیسرا مصرع بے قافیہ اور پانچواں مصرع پہلے بند کے پانچویں مصرعے کا ہم قافیہ ہو جاتا ہے۔ اس وضع پر ہر بند کی یہ شکل بنتی ہے۔

الف الف ب الف ج / د د ہ د ج

مخمس میں مصرعوں کی ایک اور ترتیب کے مطابق پہلا اور پانچواں مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے جب کہ مصرعۂ دوم، سوم اور چہارم کا قافیہ الگ ہوتا ہے اور وہ آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں، ہر بند میں یہی کیفیت رہتی ہے، یہ وضع یوں ہے۔

الف ب ب ب الف / ج د د د ج

مخمس کی ایک ترتیب اس طرح ہے کہ ہر بند کے صرف مصرعۂ چہارم اور پنجم ہی ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے مصرعے ایک دوسرے سے کوئی قافیائی علاقہ نہیں رکھتے۔ ایسے ہی مخمس کو ''مخمس معریٰ، ترکیب بند'' کہا جاتا ہے، اس کی وضع یوں ہے۔

الف ب ج د د / ہ و ز ح ح

ولی کشن پرشادؔ، طوفانؔ اور شارقؔ ایرانی کے نعتیہ مخمس کافی توانا ہیں، مرزا علی بیگ نازنیںؔ نے قدسیؔ کی مشہور غزل پر ایک نعتیہ مخمس ریختی میں کہی ہے۔ جو زبان اور بیان کی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

اس ہیئت میں نعت کہنے والے مشاہیر شعرا کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) آتش رومانی (۲) ابرار کرتپوری (۳) اثر صہبائی (۴) اخترؔ لکھنوی
(۵) ارشاد ماہری (۶) ارمانؔ اکبر آبادی (۷) اکبرؔ الہ آبادی (۸) انجم یوسفی
(۹) انشاء اللہ خاں انشاء (۱۰) انور فیروز پوری (۱۱) احمد یار خاں دولتانہ
(۱۲) احمد رضا خاں بریلوی (۱۳) اقبالؔ سہیل (۱۴) بدرسا گری (۱۵) بے چینؔ راجپوری
(۱۶) بیدلؔ فاروقی (۱۷) بیکل تساہی (۱۸) پربھودیال عاشقؔ (۱۹) تسلیمؔ سامنوی
(۲۰) تنہا جودھپوری (۲۱) جمیلؔ عظیم آبادی (۲۲) چرن سرن ناز مانکپوری
(۲۳) حافظ لدھیانوی (۲۴) حسنؔ احسانی (۲۵) حیرتؔ الہ آبادی (۲۶) حکیم احمد شجاع
(۲۷) حافظ محمد افضل فقیرؔ (۲۸) حافظ مظہر الدین (۲۹) خادمؔ مہائمی (۳۰) خورشید ایلچپوری
(۳۱) دردؔ کاکوروی (۳۲) درگا سہائے سرور (۳۳) راغبؔ مراد آبادی (۳۴) رساؔ فارانی

(۳۵)رشید کامل (۳۶)رہبر چشتی (۳۷)ریاض سہروردی (۳۸)رام سروپ شیدا
(۳۹)راجہ رشید محمود (۴۰)رانا بھگوان داس (۴۱)ساحر صدیقی (۴۲)سکندر لکھنوی
(۴۳)سیماب اکبرآبادی (۴۴)سید محمد اشرفی کچھوچھوی (۴۵)سید فدا بخاری
(۴۶)شمس لکھنوی (۴۷)صدرالدین صدر (۴۸)صدق جائسی (۴۹) ضیاء القادری
(۵۰)ضیاء الحسن ضیاء (۵۱)طیب قریشی (۵۲)ظفر علی خاں (۵۳)عابد نظامی
(۵۴)عبدالکریم ثمر (۵۵)عبدالغنی جوہر (۵۶)عبدالعزیز خالد (۵۷)یعقوب ساجد
(۵۸)عزیز حاصل پوری (۵۹)عزیز وارثی (۶۰)قمر میرٹھی (۶۱) کیفی سرحدی
(۶۲)منور بدایونی (۶۳)محمد احمد ادیب (۶۴)مفتی غلام سرور لاہوری
(۶۵)ندیم مرادآبادی (۶۶)نثار بارہ بنکوی (۶۷)نظیر اکبرآبادی
(۶۸)نظیر لدھیانوی (۶۹)نذیر احمد علوی (۷۰)ہلال جعفری

۴۔ مسدس:

مسمط کی تمام ہیئتوں میں مسدس کی ہیئت سب سے زیادہ مستعمل و مروج اور مقبول رہی ہے۔ کربلائی اور شخصی مرثیے بیش تر اسی ہیئت میں لکھے گئے ہیں، دیگر چھوٹی بڑی نظموں کے لیے بھی یہ ہیئت بہت کثرت سے برتی گئی ہے۔ لیکن مسمط کی اصل وضع سے کچھ فرق کے ساتھ ایسی صورت میں یعنی جس کے تحت ہر بند کے اولین چار مصرعے کسی ایک قافیے ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے اپنا الگ قافیہ رکھتے ہیں۔ یعنی اس طرح

الف الف الف الف ب ب / ج ج ج ج د د / ہ ہ ہ ہ و و

مسدس کی یہ وضع اقسام شعر کی کلاسیکی کتابوں میں مسمط کی ہیئتی نظام سے خارج تصور کی گئی ہے، اس لیے کہ یہ مسمط کی اصل ہیئت کے نظام قافیہ کی خلاف ورزی کرتی ہے، یعنی اس میں ہر بند کا چھٹا مصرع پہلے بند کے قافیوں کا ہم قافیہ نہیں ہوتا۔ مسمط کی مختلف شکلیں چونکہ عربی و فارسی سے آئی ہیں اور وہاں مسدس کی یہ شکل موجود نہیں ہے، اس لیے ہمارے علمائے ادب نے اسے مسمط کے دائرے سے باہر کر دیا۔ حامد اللہ افسری کے بقول:

> ''مسدس نے جو صورت اردو میں اختیار کرلی ہے وہ نہ فارسی میں ہے نہ عربی میں اور نہ کسی زبان میں اصناف سخن کے اعتبار

سے یہ صورت نہ ترکیب بند کی ہے اور نہ مسمط کی یوں سمجھنا
چاہیے کہ اردو شعرا نے اپنے لیے ایک نئی راہ پیدا کر لی ہے اور پھر
اس کو اس قدر ترقی دی ہے کہ اردو میں جس قدر اصناف رائج ہیں
ان میں سے کسی میں مضامین عالیہ کا اتنا وافر ذخیرہ موجود نہیں
ہے جتنا مسدس میں ہے۔''

مسدس کی اس شکل میں ہر بند کے آخری دو مصرعے چونکہ ہم قافیہ ہو کر ایک بیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ترکیب بند کی مانند ٹیپ کے شعر (یا مصرعوں) کا کام دیتے ہیں، اس لیے بعض علمائے سخن نے اسے ''ترکیب بند مسدس'' کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اگرچہ اس کے اولین چار مصرعے ترکیب بند کی طرح غزلیہ ہیئت پر مبنی نہیں ہوتے، صرف آخری دو مصرعے ترکیب بند کے مانند ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے ترکیب بند تو نہیں کہا جا سکتا ہاں آسانی کی خاطر اور اس کی شناخت کے لیے اسے ہم ''ترکیب بند نما مسدس'' کہہ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مسدس ترکیب بند کی دوسری شکل یہ ہے کہ ہر بند میں ٹیپ کے مصرعے یعنی پانچویں یا چھٹے پہلے بند کے پانچویں اور چھٹے مصرعوں کے ہم قافیہ رکھے جائیں، اس طرح

الف الف الف الف ب ب / ج ج ج ج ب ب / د د د د ب ب

مذکورہ بالا ہیئت میں اگر اس قدر ترمیم کر دی جائے کہ پہلا بند چھ کے چھ ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہو اور بعد میں آنے والے ہر بند کے اولین چار مصرعے کسی اور قافیے میں لائے جائیں اور آخری دو مصرعے پہلے بند کے ہم قافیہ ہوں تو ایسا مسدس مسمط کی اصل ہیئت کی ایک شکل ہوگا۔

حالی نے اسلام کے مد و جزر کو واضح کرنے کے لیے یہی ہیئت پسند کی ہے، انھوں نے نعتیہ اشعار اسی مسدس کے ضمن میں کہے ہیں۔ مکھن لال، طوفان، حمید لکھنوی اور ضیاء القادری کے نعتیہ مسدس کافی جاندار ہیں اور اردو کی نعتیہ شاعری میں نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس ہیئت میں نعت لکھنے والے مشاہیر شعرا کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔آسیؔ ضیائی رام پوری ۲۔آل رضاؔ لکھنوی ۳۔اکبرالٰہ آبادی
۴۔اکبر حیدری ۵۔ادیب رائے پوری ۶۔افسر عباس زیدی
۷۔افضل منہاس ۸۔الطاف احسانی ۹۔امجدؔ حیدرآبادی
۱۰۔امیرؔ مینائی ۱۱۔انور جمال ۱۲۔انصارالٰہ آبادی
۱۳۔اوجؔ گیاوی ۱۴۔الطاف حسین حالیؔ ۱۵۔احسان دانش
۱۶۔قبال راہی ۱۷۔اشرفؔ عطا ۱۸۔امین الدین قیصرؔ
۱۹۔بے چینؔ راجپوری ۲۰۔بشن سنگھ بیکلؔ ۲۱۔پیارے لال رونقؔ
۲۲۔تاشؔ دہلوی ۲۳۔جوش ملیح آبادی ۲۴۔جگن ناتھ کمالؔ
۲۵۔حسرتؔ لکھنوی ۲۶۔حسن رضا بریلوی ۲۷۔حمیدہؔ بیگم
۲۸۔حیدر دہلوی ۲۹۔حیدرؔ گرویزی ۳۰۔علامہ محمد اقبالؔ
۳۱۔عبدالمجید صدیقی ۳۲۔عابدؔ صدیقی ۳۳۔عرشؔ عثمانی
۳۴۔عشرتؔ گرداسپوری ۳۵۔میر انیسؔ ۳۶۔مسعود رضا خاکیؔ
۳۷۔محمد احمد شادؔ ۳۸۔مضطرؔ لدھیانوی ۳۹۔فریدالدین یکتاؔ
۴۰۔فداؔ خالدی ۴۱۔فیاض کاوش ۴۲۔قیصری کانپوری
۴۳۔قاضی عبدالنبی کوکبؔ ۴۴۔گوہر ملسیانی ۴۵۔لیثؔ قریشی
۴۶۔خالد عرفانؔ ۴۷۔خاور بلگرامی ۴۸۔خاور رضوی
۴۹۔ خیر لکھنوی ۵۰۔خسرویؔ ۵۱۔خواجہ دلؔ محمد
۵۲۔ریاض حسین چودھری ۵۳۔رحمان کیانی ۵۴۔راسخؔ عرفانی
۵۵۔سید محمد جعفری ۵۶۔سیف زلفی ۵۷۔ساغرؔ مشہدی
۵۸۔سعادت نظیرؔ ۵۹۔سیمابؔ اکبرآبادی ۶۰۔شاہ عظیم آبادی
۶۱۔شائق دہلوی ۶۲۔شمس بینوی ۶۳۔شمیم جالندھری
۶۴۔شمیم ہمت نگری ۶۵۔شیخ ننکانوی ۶۶۔شریف شیوہؔ
۶۷۔ظہور الحق سکوتؔ ۶۸۔ضیاء القادری ۶۹۔ظہیر احمد ظہیرؔ
۷۰۔ماہرؔ الحمیدی ۷۱۔ماہر القادری ۷۲۔محسنؔ کاکوروی

۷۳۔محشر بدایونی ۷۴۔محشر رسول نگری ۷۵۔مخفی بدایونی
۷۶۔مظفر وارثی ۷۷۔ممتاز گنگوہی ۷۸۔منظر غازی پوری
۷۹۔میر تقی میر ۸۰۔مہدی نظمی ۸۱۔نور بدایونی
۸۲۔بشیشور پرشاد منور ۸۳۔نادم عصری ۸۴۔حنیف نازش قادری
۸۵۔نثار لکھنوی ۸۶۔نسیم امروہوی ۸۷۔نور بدایونی
۸۸۔ولا حیدرآبادی ۸۹۔ہلال جعفری

۵۔ **مسبع**:

مسمطی ہیئت کی یہ وہ شکل ہے جس میں نظم کا ہر بند سات مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے، مثلث، مربع، مخمس، اور مسدس کے مقابلے میں مسبع کی ہیئت اردو شاعری میں بہت کم استعمال میں لائی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس میں ترتیب قوافی کے وہ نوع بہ نوع اور نت نئے تجربے نہیں ہوئے جو اس سے قبل بیان کردہ چار ہیئتوں میں دکھلائے گئے۔ حد یہ ہے کہ اس کی اصل مسمطی ہیئت بھی زیادہ مروج نہیں رہی، اس کی مثالیں بھی شاذ ہی ہیں۔

اصل مسمطی ہیئت کے مطابق، دیگر ہیئتوں کے مانند مسبع کے بندوں میں بھی قافیوں کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ پہلے بند کے ساتوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور بعد میں آنے والے ہر بند کے ابتدائی چھ مصرعے کسی اور قافیے میں لائے جائیں لیکن ساتواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ رکھا جائے اس طرح

الف الف الف الف الف الف الف
ب ب ب ب ب ب الف
ج ج ج ج ج ج الف

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسمط کی یہ ہفت مصراعی ہیئت اردو میں بہت کم برتی گئی ہے، اس لیے اس کی مثالیں بھی شاذ ہی ہیں، اس کی مثال مخمس کی اصل مسمطی ہیئت پر دو مصرعوں کا اضافہ کے قیاس کی جاسکتی ہے۔

۶۔ **مثمّن**:

مثمن میں ہر بند آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں بھی مصرعوں کی قافیائی ترتیب

حسب معمول وہی ہوتی ہے جو دیگر ہیئتوں میں مشتمل رہی ہے، یعنی پہلے بند کے آٹھوں مصرعے کسی ایک قافیے میں لائے جاتے ہیں، بعد میں آنے والے ہر بند کے پہلے سات کسی دوسرے قافیے میں ہوتے ہیں اور آٹھواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے اس کی وضع یہ ہوئی۔

الف الف الف الف الف الف الف الف

ب ب ب ب ب ب ب الف

ج ج ج ج ج ج ج الف

مثمن کی دوسری شکل میں حسب معمول پہلا بند آٹھوں ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد آنے والے ہر بند کے شروع کے چھ مصرعے کسی اور قافیے میں اور باقی دو مصرعے پہلے بند کے ہم قافیہ ہوتے ہیں اس کی وضع یہ ہوتی ہے۔

الف الف الف الف الف الف الف الف

ب ب ب ب ب ب الف الف

ج ج ج ج ج ج الف الف

اس میں قافیہ ''الف'' کے مصرعے علاحدہ علاحدہ بھی ہو سکتے ہیں اور ترجیع بند کی صورت میں ہر بند میں دہرائے بھی جا سکتے ہیں۔

مثمن کی تیسری شکل معروف وہ ہے جسے ہم ''ترکیب بند مثمن'' کا نام دے سکتے ہیں اور جس میں بند اول سمیت ہر بند کے ابتدائی چھ مصرعے ایک قافیہ میں ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے کسی اور قافیے میں ہونے کی وجہ سے ایک بیت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یہ وضع یوں ہے۔

الف الف الف الف الف الف ب ب

ج ج ج ج ج ج د د

ہ ہ ہ ہ ہ ہ د د

۷۔ **متسع:**

عربی میں ''تسعہ'' کے معنی ہیں ''نو'' چنانچہ یہ وہ ہیئت ہے جس میں نظم کا ہر بند نو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور مسمطی ہیئت کے قاعدے کے مطابق پہلے بند کے نو کے نو

مصرعے ایک ہی قافیہ میں ہوتے ہیں بعد میں آنے والے ہر بند کے ابتدائی آٹھ مصرعے کسی اور قافیے میں لائے جاتے ہیں۔لیکن نواں مصرعہ بند اول ہی کا ہم قافیہ رکھا جاتا ہے۔ اس وضع پر

الف الف الف الف الف الف الف الف الف

ب ب ب ب ب ب ب ب الف

ج ج ج ج ج ج ج ج الف

اس وضع کے نو نو مصرعوں کے بندوں پر مشتمل نظمیں اردو میں کمیاب ہیں جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ متسع کی ہیئت بھی مسبع کی مانند اردو شاعروں نے بہت کم استعمال کی ہے۔ ویسے اس میں بھی ان متنوع صورتوں کی بہرحال گنجائش تو تھی ہی جو مخمس یا مسدس میں آتی ہیں۔ انگریزی اسٹنزا کے اثر سے کہیں کہیں، بعض نظموں میں نو مصرعوں کے بند نظر آجاتے ہیں، جن میں قافیائی ترتیب کا تھوڑا بہت تنوع ہے اور انھیں مسدس وغیرہ کی وضع پر خیال کیا جاسکتا ہے۔

متسع میں ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بند اول سے محض آٹھ مصرعے ہم قافیہ رکھے جائیں اور ہر بند کا نواں مصرع ان سے کوئی قافیائی علاقہ نہ رکھے، لیکن اگر نواں مصرع، مصرع ترجیع بنالیا جائے تو اس صورت میں وہ پہلے بند کے نویں مصرعے کا ہم قافیہ ہوجائے گا۔

الف الف الف الف الف الف الف الف ب

ج ج ج ج ج ج ج ج ب

۸۔ **معشر**:

عربی میں ''عشرہ'' ''دس'' کو کہتے ہیں۔لہٰذا معشر اصطلاحی معنوں میں نظم کی وہ ہیئت ہے جس کے ہر بند میں دس مصرعے ہوں حسب قاعدہ معشر کے پہلے بند کے دسوں مصرعے ایک ہی قافیے میں ہوتے ہیں بعد کے بندوں میں شروع کے نو مصرعے کسی اور قافیے میں لائے جاتے ہیں اور دسواں مصرع پہلے بند کے قافیائی نظام سے مطابقت رکھتا ہے اصل صورت سے۔

الف الف الف الف الف الف الف الف الف الف

ب ب ب ب ب ب ب ب ب الف

ج ج ج ج ج ج ج ج ج الف

اگر اس میں مصرع قافیہ الف ہر بند میں دہرایا جائے تو ایسے معشر کی صورت ترجیع بند کی ہو جاتی ہے۔ اردو میں مسبع، مثمن اور متسع کی مانند معشر کی بھی یہ ترتیب قوافی برائے نام ہی مستعمل رہی ہے۔

اس کی ایک دوسری صورت نسبتاً پہلی کے مقابلہ میں زیادہ استعمال کی گئی اس میں قافیوں کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ بند اول کے دسوں مصرعے ایک ہی قافیے میں ہوتے ہیں لیکن بعد میں آنے والے بندوں میں شروع کے آٹھ مصرعے کسی اور قافیے میں ہم قافیہ لائے جاتے ہیں اور آخری دو مصرعے پہلے بند کے ہم قافیہ باندھے جاتے ہیں، اس وضع سے۔

الف الف الف الف الف الف الف الف الف الف

ب ب ب ب ب ب ب ب الف الف

اس ترتیب کی دو شکلیں ہیں۔ اول یہ کہ ہر بند کے ''الف قافیے'' والے مصرع علاحدہ علاحدہ ہوں، دوم یہ کہ ہر بند کے آخری دو مصرعے وہی رکھے جائیں جو پہلے بند کے آخری دو مصرعے ہیں، ایسا معشر ہیئتاً ''ترجیع بند معشر'' کہا جا سکتا ہے۔

مسمط کی دیگر ہیئتوں کی طرح معشر میں ترکیب بند کی صورت ہوتی ہے یعنی پہلے بند سمیت ہر بند کے ابتدائی آٹھ مصرعے ایک قافیہ کے اور باقی دو مصرعے کسی اور قافیے میں بطور بیت لائے جا سکتے ہیں۔

مسمط کی مختلف مروجہ قسموں کی ہیئتی ساخت کی وضاحت کے لیے ذیل میں چند نعتیہ نمونے حوالۂ قرطاس کیے جاتے ہیں۔

نعتیہ مثلث.....آسی لکھنوی:

وہی ہیں طاہر ، وہی مطہرّ وہی ہیں شافع ، وہی پیمبرؐ
وہ سب سے افضل وہ سب سے بالا، وہ سب کے رہبر، وہ سب سے برتر

تحیت ان پر ، درود ان پر، صلوٰۃ ان پر، سلام ان پر
شفیق سب کے، ادیب سب کے ، انیس سب کے، خلیل سب کے
رفیق سب کے، حبیب سب کے ، رئیس سب کے، کفیل سب کے
تحیت ان پر ، درود ان پر ، صلوٰۃ ان پر ، سلام ان پر
ملا نہ اب یہ ملے گا درجہ، ہوا ہے ایسا، نہ کوئی ہوگا
اسی سے ظاہر ہے ان کا رتبہ کہ خود ثنا گو ہے حق تعالیٰ
تحیت ان پر ، درود ان پر ، صلوٰۃ ان پر ، سلام ان پر

ابرارؔ کرتپوری:

نرمل نرمل اور کومل ہے، دلکش پرتو شانِ غزل ہے
روحِ تغزل فکر و عمل ہے، آپؐ کی ہستی باعث ایماں
نور فشاں عالم در عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مہکا ہو گلزار مدینہ، رشک بہاراں ہو ہر لمحہ
کاش میں پاؤں آپؐ کا صدقہ، پیش نظر ہو مصحف تاباں
لطفِ بصارت پر ہو پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال عظیمؔ:

زندگی ہے مبتلائے تیرگی پھر عطا ہو اس کو نور آگہی
جوہر آئینۂ علم و یقیں
زہر کی تلخی ہے اب حالات میں دم گھٹا جاتا ہے اس ظلمات میں
المدد اے سبز گنبد کے مکیں

جمیلؔ نقوی:

جو مظہر ذات کبریا ہیں جو آفرینش کی ابتدا ہیں
جمالِ فطرت کا آئینہ ہیں
وہ پرتو کُل صفات باری نمونۂ خلق و انکساری
وہ جن کے در کا ہوں میں بھکاری

خدائے واحد کا نور ہیں جو شعور و روحِ شعور ہیں جو
جمالِ حق کا ظہور ہیں جو

فدا خالدی:

نور حق الیقیں رشک ماہ مبیں
شاہ دنیا و دیںؐ
فخر کون و مکاں حاصل دو جہاں
رہبر بر زماںؐ
شمع حق کی ضیا دل بر کبریا
خاتم الانبیاءؐ
اے شفیع امم ؐ اک نگاہ کرم
دور ہوں سب الم
چھا گئی تیرگی تنگ ہیں امتی
چاہیے روشنی
ہیں فدا آپؐ پر آپؐ ہیں راہبر
اور جائیں کدھر

محمد عبدالصبور بیگ منشور:

انؐ کے ثنا خواں یوسف کنعاں ان کے طالب موسیٰؑ ، عمراں
ان کے مبشر عیسیؑ، مریم
صبح ازل ہے انؐ سے معطر شام ابد ہے انؐ سے منور
مالکِ جنت نیر اعظم
جسم ہے انؐ کا نور کا پیکر انؐ کا پسینہ بھی ہے معطر
زلف کا ہے کچھ اور ہی عالم
کس نے دیکھا جلوۂ جاناں کس نے پایا قرب یزداں
انؐ کے سوا ہے کون وہ محرم

اب ایک مکمل مثلث، نعتیہ نظم ملاحظہ فرمائیں۔

متینؔ ''لطیف آبگینہ'':

میں تڑپ رہا سراپا مرا تپ رہا ہے سینہ میری نبض ڈوبتی ہے مجھے آتا ہے پسینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

میرے دل کے آئینے میں ہے مرقعۂ مدینہ میرے خاتم النبیؐ کا میرے دل میں ہے نگینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

وہی میرے دل کی آرزو ہے وہی میری جستجو ہے مرے ناخدا تو لے چل اسی رخ مرا سفینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

مجھے کوئی غم نہیں ہے مرے سامنے ہے خضرا وہی سبز سبز گنبد جو ہے جنتوں کا زینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

وہیں حسن یوسفی ہے وہیں خلق بھی خلیلی وہیں طور کی پہاڑی وہیں نوحؑ کا سفینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

وہیں حسن کا مرقع، وہیں عشق کا سراپا وہیں خلق کا خزینہ وہیں علم کا دفینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

وہیں حسن دائمی ہے، وہیں عشق کا مداوا وہیں ہے سکونِ خاطر، وہیں عرش کا ہے زینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

وہی پیاری پیاری جالی میں لگا لوں بڑھ کے دل سے مرا دل ہے آبگینہ نہیں اس میں کوئی کینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

یہی میری آرزو ہے، یہی قلب کی تمنا وہیں جا کے نذر کردوں، یہ لطیف آبگینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

جو متینؔ روح نکلے، تو مدینہ سامنے ہو یہی دل کی ہے تمنا، یہی جان کا قرینہ
مجھے لے چلو مدینہ، مجھے لے چلو مدینہ

ارشاد ماہری:

رحم و کرم کی فطرت، جود و سخا کی خصلت قدرت نے کی ودیعت عفوِ خطا کی عادت

خالق کے منکروں کو بخشی یقیں کی دولت   از راہ خلق و رحمت، کی عاصیوں سے الفت

دائم سلام ان پر، پیہم صلوٰۃ ان پر

صورت جمیل ان کی، نظریں کریم ان کی   کتنی حسیں صفت ہے، خلق عظیم ان کی

اللہ کی مشیت خود ہے، ندیم ان کی   کوثر ہے ان کا حصہ، جنت نعیم ان کی

دائم سلام ان پر، پیہم صلوٰۃ ان پر

قرآن کی سیاست تنظیم آپؐ کی ہے   معراج آدمیت، تعلیم آپؐ کی ہے

مد نظر خدا کو، تعظیم آپؐ کی ہے   بندوں پہ حق کے واجب، تکریم آپؐ کی ہے

دائم سلام ان پر، پیہم صلوٰۃ ان پر

محمد احمد ادیبؔ:

یوسف صفت آئینہ رو   رحمت سراپا نرم خو

ہر آنکھ ان کی جستجو   ہر سانس ان کی آرزو

صلوٰ علیہ، سلمو

خیر البشر ، کیف الوریٰ   ان کی نظر، کنز حیا

ان کے کرم کا سلسلہ   کوچہ بہ کوچہ کوبکو

صلوٰ علیہ، سلمو

وہ ہیں حبیب کبریا   قرآن خود ان کی ثنا

میں ہوں ادیبؔ بے نوا   ان سے ہے میری آبرو

صلوٰ علیہ، سلمو

انجم یوسفی:

چہرے کو ان کے چاند کہوں یہ بھی ہے غلط
خورشید نیم روز لکھوں یہ بھی ہے غلط
میں اور پھر خموش رہوں یہ بھی ہے غلط
یکتا تھا بے مثال تھا چہرہ حضورؐ کا
بس اتنا جان لیجیے منبع تھا نور کا

راغبؔ مرادآبادی

محمدؐ ہیں زائندہ کائنات محمدؐ ہیں بینندۂ شش جہات
محمدؐ شناسندۂ حسنِ ذات محمدؐ کا بعدِ خدا ہے مقام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

محمدؐ نویدِ مسیحؑ و خلیل محمد سفیر خدائے خلیل
محمدؐ وجود خدا کی دلیل محمدؐ ہیں محبوبِ رب الانام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

ریاضؔ سہروردی:

حق تعالیٰ کے محبوب ہیں مصطفیٰ اس لیے کوئی ثانی نہیں آپؐ کا
ہے وجود انؐ کا آئینہ کبریا انؐ کی تعظیم کرنا سکھائے خدا
انؐ کی توقیر و غیرت پہ لاکھوں سلام

ارمانؔ اکبرآبادی:

مشام جانِ مضطر کو سنگھا نکہت محمدؐ کی یہ حسرت ہے کہ یارب کر عطا حسرت محمدؐ کی
جو نعمت بخشنا چاہے تو دے چاہت محمدؐ کی جو دل بخشے تو دل میں بخش دے الفت محمدؐ کی
جو آنکھیں دے تو دکھلا دے خدا صورت محمدؐ کی

خدا انؐ کا محبّ ٹھہرا، وہ محبوبؐ خدا ٹھہرے ہمیں بھی ان سے نسبت ہے ہمارے وہ ہیں ہم ان کے
ہمارا ہمنوا ہو کر ذرا رضواں بتا تو دے مسلمانوں کو کوئی خلد میں روکے تو کیوں روکے
کہ یہ جنت محمدؐ کی تو وہ امت محمدؐ کی

گناہوں میں کٹی ہے عمر بھر، میں نے کیا کیا ہے؟ محمدؐ کی شفاعت کے سوا یاں آسرا کیا ہے؟
خدا سے پوچھ لو میرے لیے حکم خدا کیا ہے؟ فرشتو، پوچھتے کیا ہو میرے پلے دھرا کیا ہے؟
بس اک کلمہ محمدؐ کا بس اک الفت محمدؐ کی

کوئی انوار لاہوتی کو پیہم دیکھنا چاہے کمالِ حسنِ انسانی کا عالم دیکھنا چاہے
جو برق طور کے جلوؤں کو برہم دیکھنا چاہے خدا کی رحمتوں کو جو مجسم دیکھنا چاہے
تو آجائے دکھا دیں گے اسے صورت محمدؐ کی

سرِ عرشِ علیٰ نعلین خانہ بن گیا جس کا زمانے میں حریمِ ناز کعبہ بن گیا جس کا
جمالِ وادیِ ایمن نمونہ بن گیا جس کا بنا کر آپ ہی اللہ شیدا بن گیا جس کا
گر ایسی تھی کوئی صورت تو تھی صورت محمدؐ کی

نعتیہ مسدس......آسیؔ ضیائی رام پوری:

اک چارہ گر ہی کیا کہ وہی رہنما بھی ہے داعی بھی ہے، دلیل بھی ہے، منتہا بھی ہے
فرقان بھی، نظیر بھی، نور ہدیٰ بھی ہے شارع بھی، حکمراں بھی، امام القضا بھی ہے
مخدوم بھی، متاع بھی، سالار بھی ہے وہ
ہر زندگی کے واسطے معیار بھی ہے وہ

سیرت گر و مزکّی و حکمت نشاں وہی استاذ کل معلم پیرو جواں وہی
مرشد وہی، مراد وہی، آستاں وہی مونس وہی، انیس وہی، مہرباں وہی
کردار کا منارۂ برحق وہی تو ہے
جن و بشر کا قائد مطلق وہی تو ہے

اکبرؔ الہ آبادی:

غلط سمجھا گیا دعویٰ بتوں کی فاعلیت کا یقین پیدا ہوا حکم خدا کی کاملیت کا
بڑھا نور بصر، گذرا زمانہ جاہلیت کا بجا ڈنکا زمانے میں، بشر کی قابلیت کا
اشارہ عقل کی جانب کلام حق میں واضح ہے
یہی قرآں درِ گنجینۂ فطرت کا فاتح ہے

قلوب ان کی نظر کے رعب ہوش افزا سے ہلتے تھے چمن ان کے سخن کے فیض بے ہمتا کے کھلتے تھے
ہجوم خلق تھا راہ طلب میں شانے چھلتے تھے بشر کی کیا حقیقت فرشتے جھک کے ملتے تھے
چمن تھا دم بخود باد مخالف چل نہ سکتی تھی
خدا کی بات تھی ٹالے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

ادیبؔ رائے پوری:

پہلے نبیؐ کے عشق کی دولت خدا سے لی دولت ملی تو فکر کی جرأت خدا سے لی
جرأت ملی تو حسنِ عقیدت خدا سے لی طرزِ بیاں کے واسطے ندرت خدا سے لی

جرأت ملی ، خیال ملا اور قلم ملا
یہ سب ملے، تو نعت پہ اذن رقم ملا

علامہ اقبالؔ:

دشت میں، دامنِ کوہسار میں، میدان میں ہے　　بحر میں، موج کے آغوش میں طوفان میں ہے
چینؔ کے شہر، مراکشؔ کے بیابان میں ہے　　اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

میر انیسؔ:

جز ذاتِ خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احسان　　اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پر سبھی مہمان
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالم امکان　　تھا خلق دو عالم سے وہی مقصد یزدان
باطن میں بھی فیض اس کا ہے، ظاہر بھی وہی ہے
اول بھی وہی سب سے، آخر بھی وہی ہے

جوشؔ ملیح آبادی:

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی، وہ رسولؐ　　گلہّ بانو کو عطا کی جس نے شاہی، وہ رسولؐ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی ، وہ رسولؐ　　جس کی اک اک سانس قانون الٰہی وہ رسولؐ
جس نے قلبِ تیرگی میں نور پیدا کردیا
جس کی جاں بخشی نے، مردوں کو مسیحا کردیا

واہ کیا کہنا ترا ، اے آخری پیغامبر　　حشر تک تابع رہے گی ، تیرے جلووٗں کی سحر
تو نے ثابت کردیا، اے ہادیٔ نوعِ بشر!　　مرد یوں مہریں لگاتے ہیں، جبینِ وقت پر
کروٹیں دنیا کی ، تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو، بجھا سکتی نہیں

احسان دانشؔ:

بخشا وہ تو نے اپنے غلاموں کو افتخار　　حسرت سے دیکھتے ہیں گداؤں کو شہر یار
تیری گلی سے مانگنے آتی ہے گل بہار　　تاروں کو اپنا عکس سمجھتا ہے ریگزار

تلخی کو حق کی، شہد بنایا زبان سے
رشتہ زمیں کا جوڑ دیا آسمان سے

قصرؔی کانپوری:

نام ان کا زباں پر دمِ تحریر جو آئے — خوشبو کبھی قرطاس کے دامن سے نہ جائے
الفاظ پہ پڑنے لگیں ادراک کے سائے — تحریر میں اک حسن خدا داد سمائے
اک نور اتر آئے خیالوں کی جبیں پر
سر فرش زمیں پر ہو نظر عرش بریں پر

محسنؔ کاکوروی:

جسم محبوبؐ خدا، نور کا اک پتلا ہے — سایۂ حق وہ شہِ منزلتِ طٰہٰ ہے
اس کی قامت کو بھلا سایہ مناسب کیا ہے — سچ ہے محبوب جو لاثانی ہے، وہ یکتا ہے
لاکھ عاشق ہوں مگر لطف وہ محبوب نہیں
ظلِ حق ہو تو ہو پر ظلِ نبیؐ خوب نہیں

مرقومہ بالا سطور میں متعدد مشاہیر شعرائے نعت کی نظموں سے مسدس کے ایک ایک دو بند نقل کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی ایک مکمل نعتیہ نظم نقل کی جارہی ہے۔ جس میں مسدس کی شکل میں ۱۶ بند مشمول ہیں۔

نعت شہ قاب قوسین ﷺ

ساقی مجھے شراب ہدایت کا جام دے — لبریز نورِ صدق و امانت کا جام دے
چھلکا ہوا فروغِ طہارت کا جام دے — رحمت سے اپنی بادۂ رحمت کا جام دے
مجھ سے گناہ گار پہ رحمت کا در کھلے
وے وہ شراب جس سے شفاعت کا در کھلے

رب ہے مرا کریم تو پھر خوف کیا مجھے — جو میرا مدعا ہے وہ مل جائے گا مجھے
توفیق شکر بھی ہو الٰہی عطا مجھے — میں کیا تھا تو نے کردیا کیا اے خدا مجھے
شیدا ہے دل رسولِ بشیر و نذیر کا
فانوس میں ہے نور سراجِ منیر کا

بیتاب کس لیے ہے مرا دل نہ پوچھیے کتنی بلند ہے میری منزل نہ پوچھیے
کیوں ہر نفس ہے خنجر قاتل نہ پوچھیے کن مشکلوں میں ہے مری مشکل نہ پوچھیے
درکار کیوں ہے مجھ کو ورق آفتاب کا
ہوں مدح خواں حضور رسالت مآبؐ کا

وہ رہنمائے خلق ، رسالت کا تاجدار صناع بے مثال کا بے مثل شاہکار
سردار انبیاء ، شہِ دیں ، فخر روزگار ہستی سے جس کی ،گلشن کونین پرُ بہار
ان کے لیے زمین بنی آسماں بنے
وہ ہیں کہ وجہِ خلقتِ ہر دو جہاں بنے

صادق، امین سید کونین ، مصطفیٰ محرم حریم قدس کا محبوبؐ کبریا
سردار امتوں کا ، دو عالم کا پیشوا باطل شکن ، رسول ، زمن ، فخر انبیاء
ہر وصف، ہر کمال میں اکمل یہی تو ہیں
صانع کی اپنے صنعت اول یہی تو ہیں

اپنے خدا کے بعد یہی ہیں قدیم بھی عصمت کے تاجدار، سخی بھی، کریم بھی
رحمت بھی ہیں، یہ مالکِ باغِ نعیم بھی خیر البشر بھی، صاحبِ خلق عظیم بھی
قوسین کے مقام پہ تنہا یہی تو ہیں
سایہ بھی جن سے دور، وہ یکتا یہی تو ہیں

کچلے ہوؤں کو جس نے اٹھایا، وہی ہیں یہی جس نے کیا یتیموں پہ سایہ وہ ہیں یہی
اونچا کیا غلاموں کا پایہ ، وہ ہیں یہی سب فرق نسل و رنگ مٹایا، وہ ہیں یہی
ایمان کا نقش ایسا دلوں پر بٹھا دیا
انسان کے خمیر کو صادق بنا دیا

اسلام سے حیات کا کامل کیا نظام دنیا کو ان سے امن و اماں کا ملا پیام
جمہور کے فلاح کا اللہ رے اہتمام آقا پہ فرض ہو کے رہی خدمت غلام
انساں کے بختِ خفتہ کو بیدار کردیا
یوں ارتقا کی راہ کو ہموار کردیا

قصر بلند طاقتِ باطل کا ڈھا دیا سر نخوتِ متاعِ جہاں کا جھکا دیا
علم و عمل کا دہر میں ڈنکا بجا دیا دنیا کو حق کی راہ پہ سیدھا چلا دیا
سیلاب یوں پرستش باطل کا رک گیا
خالق کے سامنے سرِ مخلوق جھک گیا

دنیا کو صاف صاف دکھائی رہِ نجات ہر گام استوار، تو دلکش ہر ایک بات
سیرت کے آئینہ سے عیاں جلوۂ صفات سب کچھ خدا کے واسطے، ہو موت یا حیات
حق تو یہ ہے کہ فیضِ رسالت پناہ سے
انسان کو ربط ہوگیا ذات الٰہ سے

ہے عرش سے بلند کہیں شان مصطفیؐ ہے خالقِ جلیل ثنا خوانِ مصطفیؐ
ہے مہر عکس چہرۂ تابانِ مصطفیؐ عرفان رب سے کم نہیں عرفانِ مصطفیؐ
کیوں غرق بحر فکر دلِ دردمند ہے
معراج ان کی عقل رسا سے بلند ہے

آئی نوید ادھر سے چلے یہ ادھر سے تیز جبریلؑ ہم رکاب تو یہ ہم سفر سے تیز
جانے میں مستجاب دعائے سحر سے تیز رفتار برق و نور و خیال و نظر سے تیز
مجبور تھک کے حضرت روح الامیں ہوئے
نعلین انؐ کے زینت عرش بریں ہوئے

ہو کا سماں ہے منظر اعلیٰ قریب ہے اب منزل دنیٰ فتدلیٰ قریب ہے
قوسین کا مقامِ مزکّی قریب ہے حق کے جلال و نور کا پردہ قریب ہے
سرحد ہے لامکاں کی یہاں اور کچھ نہیں
ہیں مصطفیؐ جہاں پہ وہاں اور کچھ نہیں

ہے حق کا رعب و جاہ و حشم اور کچھ نہیں خالق ہے یا رسول امم اور کچھ نہیں
جس اوج پر ہیں ان کے قدم اور کچھ نہیں جز لا شریک اوج قدم اور کچھ نہیں
قوسین اب ہے پایہ رسولؐ امم کے پاس
حادث پہنچ گیا ہے حدود قدم کے پاس

طٰہٰ بھی ہیں مزمل و محمود بھی ہیں یہ　　یٰسین بھی ہیں طاہر و مسعود بھی ہیں یہ
رحمت بھی، صاحبِ کرم و جود بھی ہیں یہ　　روشن دلیل ہستیِ معبود بھی ہیں یہ
ہیں شہر علم، صدق بھی ہے اور صفائی بھی
اللہ بھی انھیں کا انھیں کی خدائی بھی
علم و یقیں کے درس ملے ان کی بات سے　　در خیر کے کھلے ہیں انھیں کی حیات سے
عرفان خدا کا ہوتا ہے ان کے صفات سے　　انسان کا شرف ہے محمدؐ کی ذات سے
جلوؤں کے پھول کھل گئے ان کے ظہور سے
دنیا چمک رہی ہے محمدؐ کے نور سے

و۔ دوھا:

اس کا ہندی شاعری سے تعلق ہے، اور یہ ہندی شاعری کا ایک مقبول و معروف چھند ہے۔اس کی اصل ''اُپ بھرنش'' میں ملتی ہے۔لوک گیتوں میں اسے بہت فروغ حاصل ہوا، اردو میں بھی قدیم زمانے سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ ''دوہا'' دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اس بنا پر یہ ہماری غزل کے ''مطلع'' کا ہم صورت ہوتا ہے۔دوہے کے دونوں مصرعے دو حصوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ پہلا حصہ تیرہ (۱۳) ماتراؤں کا ہوتا ہے اور سم کہلاتا ہے، دوسرا حصہ جو گیارہ (۱۱) ماتراؤں پر مشتمل ہوتا ہے اسے وشم لکھتے ہیں۔

بطور نمونہ جمیل عظیم آبادی کے منقولہ ذیل نعتیہ دوہے ملاحظہ فرمائیں:

پاک محمدؐ نام ہے ان کا اللہ کے ہیں میت
ان کے رستے جو چل نکلا اس کی ہوگی جیت
انؐ کے جیسا کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں ودوان
سب نبیوںؑ میں اتّم وہ ہیں، اتّم ہے استھان
شہر مدینہ جنت میری ، قبلہ میرا کعبہ
جگمگ جس سے نین کٹورے جھلمل جس سے ماتھا

میرے نبیؐ کے گن مت پوچھو انؐ کی انوکھی بات
ان کی کہک سے پتھر بولے، بولے ڈالی پات
میرے نبیؐ کے جگمگ درپن، جگمگ انؐ کی ساکھ
انؐ کے آگے مدھم سورج ابھرے سورج لاکھ
دونوں جگ کا کون ہے داتا ہم سب تھے انجان
میرے نبیؐ نے کروائی اللہ کی پہچان
طیبہ کے دن رات برابر چاروں اور اجیارا
جن کے سندرتا پر لوٹے سورج چاند ستارا

(ج) پاکستانی نعت گوئی میں ہیئتی تجربے

پاکستان میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کے اسالیب وہیئات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔عصر حاضر میں ترجیع بند وترکیب بند، مخمس، رباعی، تضمین ور دوسری ہیئتوں کا استعمال غزل کی بہ نسبت بہت کم رہا، غزل میں حروف تہجی کے اعتبار سے دیوان مرتب کرنے کے بجائے جدید شعری مجموعوں کی طرح نعتیہ مجموعے مرتب ہوئے نعت میں کینٹو (Canto) کی طرز پر طویل منظومات کہنے کا رواج بھی ہوا۔ ذیل میں ان نعتیہ مجموعوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو ایک ہی نعت پر مشتمل ہیں۔

۱۔　غزل وقصیدہ کی ہیئت میں:　منحمنا　عبدالعزیز خالدؔ
　　فارقلیط　عبدالعزیز خالدؔ
۲۔　مسدس:　فخرکونین　محشرؔ رسول نگری
　　دارین　احسان دانشؔ
　　رحل نظر　مہدی نظمیؔ
۳۔　آزاد نظم:　عبدہ　عبدالعزیز خالدؔ
۴۔　مثنوی:　حضرت محمد منظوم　ضمیر علی دل طالب نگری
　　بقعۂ نور　شمیمؔ یزدانی
۵۔　مختلف ہیئتوں میں:　سلسلۃ الجرس　عمیقؔ حنفی

اس میں پابند معرّا اور آزاد نظم کی ہیئت کا استعمال ہوا ہے مذکورہ بالا طویل نعتیہ منظومات عصر حاضر کی نعت گوئی کا وقیع سرمایہ ہیں۔ ان طویل نعتوں میں نعت کا موضوعاتی افق بہت پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ذات و صفات محمدیؐ کے علاوہ عمرانیات، سماجیات، سیاسیات و اقتصادیات، تصوف و اخلاقیات سے لے کر تہذیب و ثقافت اور ذاتی ماحولیاتی و مشاہدات تک مختلف اور متنوع مضامین و موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ پاکستان میں طویل منظومات کے علاوہ ترجیع بند، ترکیب بند، نظم معرا، آزاد نظم و رنثری نظم کی ہیئتوں میں بھی نعت کے نمونے ملتے ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں انھیں ہیئات کے نمونے رقم کیے جا رہے ہیں۔ جن ہیئتوں کا تعارف ماقبل میں نہیں پیش کیا گیا۔ ان کی بابت چند سطور بھی حوالۂ قرطاس کی جا رہی ہیں۔

الف: ترجیع بند:

تعریف ماقبل میں رقم کی جا چکی ہے صرف نمونہ ملاحظہ ہو۔

وحیدہ نسیمؔ:

لائی مجھے مدینہ میری شکستہ پائی
اس بخت نا رِسا کی اللہ رے رسائی
حاضر ہوں دست بستہ
لے کر دل شکستہ

منھ میں زباں نہیں ہے لب پر فغاں نہیں ہے
کیا حالِ دل سناؤں تابِ بیاں نہیں ہے
حاضر ہوں دست بستہ
لے کر دل شکستہ

دل صورت گلِ تر روضے پہ ہے نچھاور
جاگا مرا مقدر کہتا ہے دل تڑپ کر
حاضر ہوں دست بستہ
لے کر دل شکستہ

تم سب سے محترم ہو تم صاحب حشم ہو

تم شافع امم ہو مجھ پر بھی کچھ کرم ہو

حاضر ہوں دست بستہ

لے کر دل شکستہ

میں ایک نعت کہوں (نعیم صدیقی)

ترے مقام کی عظمت بھلا کے بیٹھے ہیں

ترے پیام کی شمعیں بجھا کے بیٹھے ہیں

ترے نظام کا خاکہ اڑا کے بیٹھے ہیں

ضمیر شرم سے پر، داغ قلب ہے محزوں

میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

عقیدتیں تیرے ساتھ اور کافری بھی پسند

قبول نکتۂ توحید، بت گری بھی پسند

ترے عدو کی گلی میں گدا گری بھی پسند

نہ کارساز خرد ہے، نہ حشر خیز جنوں

میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہاں کہاں سے مجھے رفعت خیال ملے؟

کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے؟

کہاں سے ''قال'' کو گم گشتۂ ''رنگ حال'' ملے؟

حضورؐ ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں

میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

ب۔ ترکیب بند:

تعارف ماقبل میں کرایا جا چکا ہے صرف نمونہ ملاحظہ ہو۔

ظہور نظر

کائنات بیکراں میں، وقت کے ظلمات میں

ہر زمین و آسماں، ہر بحر موجودات میں

صدق کے جتنے سفینے بھی خدا کے پاس تھے
علم کے جتنے دفینے بھی خدا کے پاس تھے
عقل کے جتنے قرینے بھی خدا کے پاس تھے
نور کے جتنے نگینے بھی خدا کے پاس تھے
دین کے جتنے آبگینے بھی خدا کے پاس تھے
الغرض جتنے خزینے بھی خدا کے پاس تھے
سب کے سب نذر محمد مصطفیؐ اس نے کیے
دو جہانوں کی اکائی کے لیے
نوع انسان کی بھلائی کے لیے
جہل و باطل سے رہائی کے لیے
تا ابد اپنی خدائی کے لیے
جتنے بھی آغاز تھے انجام تھے
جتنے بھی انعام تھے اکرام تھے
جتنے بھی فرمان تھے احکام تھے
جتنے بھی پیغام تھے الہام تھے
سب رسولؐ پاک پر برسوں ہوئے وارد ہوئے
اس کو جو کہنا تھا ، سب کچھ مصطفیؐ سے کہہ دیا
اور جو دینا تھا، سب کچھ مصطفیؐ کو دے دیا
بند خود اس نے کیا جب اپنے پیغاموں کا باب
کس کے سر آئے نبوت کس کے گھر اترے کتاب

☆☆☆☆☆

حنیفؔ اسعدی

وہ مجسم شعور و دانائی
وہ بہار جہان کا زیبائی

اے کہ جس کا ہر اک تمنائی
اے خوشا وہ رسولؐ بطحائی
جس کے دم سے ہے عالم آرائی

کون ایسا ہوا ہے مرحلہ داں
شان معراج کس طرح ہو بیاں
مہر و مہ ان کی منزلوں کے نشان
مہر و مہ ان کی منزلوں کا
گرد پا انؐ کی بزم کاہکشان
رہگزر ان کی چرخ مینائی

کس کا احسان ہے دونوں عالم پر
کون لایا ہے مبتدا کی خبر
کون پہنچا ورائے حدِ نظر
شبِ اسریٰ تھا کون گرم سفر
کس نے رفتار وقت ٹھہرائی

کون بھولے گا ایسے احساں کو
کس نے دی تن پہ برتری جاں کو
کم کیا کس نے بارِ عصیاں کو
''کس نے بخشے ضعیف انسان کو
زورِ حق، علم کی توانائی''

وقت کے ساتھ بڑھ رہا تھا مرض
جسم و جاں کے لیے بلا تھا مرض
یہ کسے ہے خبر کہ کیا مرض
کون تھا جس نے کی مسیحائی''

ظلمتوں میں گھرا ہوا انساں
دھونڈھتا پھر رہا تھا جائے اماں

لیکن اس وقت روشنی تھی کہاں
''ظلمتِ کفر تھی محیط جاں
آپ ؐ آئے تو روشنی آئی''

مرحمت سب پہ ہی خدا کی ہے
لیکن ان پر تو انتہا کی ہے
سب کو اک اک صفت عطا کی ہے
جملہ اوصاف انبیاء کی ہے
ذات اوصاف انبیاء کی ہے
ذات سرکارؐ ہی میں یکجائی''

دل میں آئے کہ لب پہ نام آئے
پئے توصیف ذوالکرم آئے
لفظ اب جو بھی زیرِ دام آئے
مدحِ خیر البشر میں کام آئے
میرے ہر سعیٔ خامہ فرسائی''

انؐ کا مدحت سرا کہو مجھ کو
اب کہو صرف نعت گو مجھ کو
میں پڑھے جاؤں سب سنو مجھ کو
''کیوں نہ قسمت پہ ناز ہو مجھ کو
شاہ بطحا کا ہو تولائی''

یہ دعا تھی حنیفؔ کی راغبؔ
آپ سے خوش رہیں نبیؐ راغبؔ
آپ کی بات بن گئی راغبؔ
''وہ کہیں اپنا امتی راغبؔ
اللہ اللہ عزت افزائی''

ج۔ نظم معریٰ:

اردو میں یہ ہیئت انگریزی سے آئی ہے۔ انگریزی میں اس ہیئت کا نام ''بلینک ورس'' ہے۔ اردو میں اسے شروع میں ''نظم غیر مقفیٰ'' کہا گیا لیکن بعد میں اس کے لیے ''نظم معریٰ'' کی اصطلاح رائج ہوئی اور یہی بالاتفاق قبول بھی کی گئی اس لیے کہ یہ اصطلاح ''بلینک ورس'' کا ٹھیک لغوی ترجمہ ہے۔

انگریزی میں بلینک ورس کی ہیئت کے لیے بے قافیہ آئمبک پنٹا میٹر بحر مخصوص ہے مگر اردو میں اس بحر کو پیدا کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس میں جو ایک عروضی آزادی تھی (یعنی قافیوں کا نہ ہونا) اسے اردو والوں نے قبول کرلیا اور پابندی سے (یعنی ایک بحر کا مخصوص ہونا) انحراف کیا۔

چنانچہ اردو میں کسی بحر کی تخصیص کے بغیر ''نظم معریٰ'' سے وہ شعری ہیئت مراد ہے جس میں مصرعوں کے ارکان کی تعداد ہمارے اپنے عروضی نظام کے مطابق برابر ہوتی ہے مگر قافیہ نہیں ہوتا۔ اس سے زیادہ اردو میں نظم معریٰ کا کوئی اور تصور نہیں قافیہ نہ ہونے کے سبب موٹے طور سے دیکھا جائے تو نظم معریٰ کی ہیئت میں کہے گئے دو مصرعے، ہماری غزل کے کسی ایک شعر (مطلع نہیں) کے مشابہ فرض کیے جاسکتے ہیں۔ اردو میں نظم معریٰ کی ہیئت کے لیے یہ مثال دیکھیے جو تین تین مصرعوں کے بند پر مشتمل ہے اور اسے ہم معریٰ مثلث کہہ سکتے ہیں۔

مہکتی ہوئی رات (جاں نثار اخترؔ)

یہ ترے پیار کی خوشبو سے مہکتی ہوئی رات
اپنے سینے میں چھپائے ترے دل کی دھڑکن
آج پھر تری ادا سے مرے پاس آئی ہے

☆☆☆☆☆

کتنے لمحے کہ غم زیست کے طوفانوں میں
زندگانی کی جلائے ہوئے باغی مشعل
تو مرا عزم جواں بن کے مرے ساتھ رہی

نظم معریٰ کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ محض ایک ہیئت ہے،

صنف نہیں۔کوئی بھی نظم اس ہیئت میں شروع سے آخر تک بے قافیہ لکھی جاسکتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نظم کے اندر چند بے قافیہ مصرعے یا ٹکڑے یا بند لائے جاسکتے ہیں۔

ایسے مصرعے۔ٹکڑے یا یا بند بہ لحاظ ہیئت نظم معریٰ کہلائیں گے۔ پوری نظم نہیں اگر اس میں چند با قافیہ مصرعے یا بند وغیرہ ہوں۔

انگریزی شعروادب کے ابتدائی اثرات کے زمانے میں اردو شاعروں نے یہ ہیئت بہت جوش وخروش کے ساتھ اپنائی تھی۔لیکن بعد میں آہستہ آہستہ اس کی جگہ آزاد نظم کی ہیئت نے لے لی۔اور جو آج اردو نظم کے لیے ایک خاص الخاص ہیئت کے طور پر برتی جارہی ہے۔

نعتیہ نظم معریٰ کی ہیئت کو دلنشیں کرنے کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناہید قاسمی کی ایک نعت کا اقتباس ذیل میں نقل کردیا جائے۔

تلخ وہموں کے سخت پہرے ہیں
سوچ لے جائے ایسے جنگل میں
غم کی بیگار جس میں دل بھگتے
کچھ نہ سوچے بسیط سائے میں
منزلیں چھوٹ جائیں رستے میں

☆☆☆☆☆

آپ سے ہے محبتوں کو ثبات ایسے میں آپ ہی کا روشن ہاتھ
میری انگلی کو تھام لیتا ہے کتنی شفقت سے میرے کانوں میں
کوئی میرا بھی نام لیتا ہے کرنیں رم جھم برسنے لگتی ہیں
منزلیں راستوں سے جھانکتی ہیں حوصلے مور بن کے ناچتے ہیں

د۔ آزاد نظم:

آزاد نظم از خود کوئی نظم نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں یہ محض ایک شعری ہیئت ہے اور نظم کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ چنانچہ بہ حیثیت صنف ''نظم'' اور بحیثیت ہیئت ''آزاد نظم'' کا فرق ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

مغرب سے آئی ہوئی یہ شعری ہیئت اردو میں اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ آج اس کے

بغیر نظم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے ہماری جدید شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ اسی ہیئت میں ہے اور دن پہ دن اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ فرانس کی ایک شعری ہیئت ہے لیکن اردو میں انگریزی کے توسط سے داخل ہوئی ہے۔

آزاد نظم کی ہیئت کے لیے فرانسیسی میں ''ورس لبر'' کی اصطلاح رائج ہے۔ انگریزی میں اسے ''اسے فری ورس'' کہا جاتا ہے، ہم نے انگریزی نام کا لفظی ترجمہ کر کے اردو میں اس کا نام ''آزاد نظم'' رکھا۔

فرانسیسی اور انگریزی شاعری میں یہ شعری ہیئت عروض اور قافیے کی پابندی سے آزاد ہے لیکن ہمارے یہاں یہ ہیئت آزاد نہیں جتنی کہ سمجھی جاتی ہے۔ نظم معریٰ کی طرح اردو شاعروں نے اس کا بھی ایک وصف اختیار کیا قافیے کو تو نظم معریٰ کے اثر سے ترک کر ہی دیا گیا تھا۔ اس لیے آزاد نظم کو ترک قافیہ کے ساتھ قبول کرنا کوئی خاص بات نہیں۔ اس کا جو خاص وصف اردو شاعروں نے قبول کیا وہ ہے مختلف مصرعوں کے ارکان میں کمی وبیشی کر دینا ہمارے ہاں اس ہیئت میں صرف یہی ایک آزادی برتی گئی کہ ہمارے شاعر بے قافیہ مصرعوں میں ارکان کی کمی وبیشی سے انھیں چھوٹا اور بڑا کر دیتے ہیں۔ اس کے سوا اس ہیئت میں اور کوئی آزادی نہیں روا رکھی گئی کیونکہ ہماری آزاد نظم عروض کی پابندی سے انحراف نہیں کرتی۔ اردو کی آزاد نظمیں پوری طرح کسی نہ کسی بحر اور اس کے مخصوص وزن میں ہوتی ہیں۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ اختیار کردہ وزن کے ارکان کسی مصرعے میں زیادہ ہوتے ہیں جس سے کہ وہ مصرعہ طویل ہو جاتا ہے اور کسی مصرعے میں کم جس سے وہ مخصوص مصرع مختصر ہو جاتا ہے۔ بحر اور اس کے وزن میں سر مو کوئی فرق نہیں آتا۔ بہ الفاظ دیگر اردو میں وزن و بحر سے آزاد نظم کو آزاد نہیں کیا گیا۔ اس میں ارکان کی کمی وبیشی کی بھی لچک پیدا کی گئی۔ اس طور پر دیکھا جائے تو اردو میں آزاد نظم صحیح معنوں میں آزاد ہے ہی نہیں۔ (عروضی آزادی اب نثری نظموں میں برتی جا رہی ہے)

اتنا ضرور ہے کہ آزاد نظم میں مصرعوں کی ساخت اور ان کے ارکان بحر، جذبے، یا خیال کے تابع ہوتے ہیں جذبے کی نوعیت، کیفیت اور مخصوص ذہنی رو کے اعتبار سے جو مصرع طوالت اختیار کرے گا اس میں ارکان بحر کی تعداد زیادہ ہوگی اور جو مصرع لمحاتی ذہنی اثرات کے مطابق چھوٹا ہوگا، اس میں ارکان بحر کم ہوں گے۔ یہاں تک کہ بعض مصرعے

محض ایک رکنی ہونے کی وجہ سے ایک لفظ میں بھی بیان ہوسکتے ہیں۔ان معنوں میں آزاد نظم کے بعض مصرعے ''مستزاد فقروں'' سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔

نظم معریٰ کی آزاد نظم کی ہیئت بھی قافیوں سے عاری ہوتی ہے، لیکن ایسی بھی مثالیں ہیں جہاں مصرعوں کے اندر یا آخر میں قافیے کبھی کبھی در آتے ہیں اور ایک وصف اضافی کا کام کرتے ہیں۔

نعتیہ آزاد نظم کہنے والے کچھ شعراء کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ آثم مرزا	۲۔ آفاق احمد	۳۔ اثرؔ ٹانڈوی
۴۔ احسان اکبر	۵۔ اخترؔ حسین جعفری	۶۔ اصغرؔ حسین عابدؔ
۷۔ اعجاز فاروقی	۸۔ اقبال صلاح الدین	۹۔ الطاف قریشی
۱۰۔ امجدؔ اسلام امجدؔ	۱۱۔ انجم نیازی	۱۲۔ اکرم ناصر
۱۳۔ اظہرؔ نفیس	۱۴۔ افسر ساجد	۱۵۔ پیرا کرم
۱۶۔ تحسین فراقی	۱۷۔ جلیل صدیقی	۱۸۔ جمیل نقوی
۱۹۔ جعفر بلوچ	۲۰۔ جیلانی کامران	۲۱۔ حامد یزدانی
۲۲۔ حبیب صدیقی	۲۳۔ حفیظ تائب	۲۴۔ حشمت یوسفی
۲۵۔ حفیظ صدیقی	۲۶۔ حسن عباس	۲۷۔ حسن اکبر کمال
۲۸۔ حنیف نازش	۲۹۔ حافظ چشتی	۳۰۔ خالد کفایت
۳۱۔ خالد علیم	۳۲۔ ذوالفقار احمد تابشؔ	۳۳۔ رشید قیصرانی
۳۴۔ رضی ترمذی	۳۵۔ رضوان صدیقی	۳۶۔ رعنا ناہید رعنا
۳۷۔ ریاض احمد	۳۸۔ ریاض حسین چودھری	۳۹۔ رؤف ظفر
۴۰۔ راز کاشمیری	۴۱۔ زہیر کنجاہی	۴۲۔ سعید وارثی
۴۳۔ سلیم شہزاد	۴۴۔ سیف اللہ خالد	۴۵۔ سید قمر ہاشمی
۴۶۔ سلیم رومانی	۴۷۔ صلاح الدین	۴۸۔ ضمیر اظہر
۴۹۔ طاہر حنفی	۵۰۔ ظہور نظر	۵۱۔ ظفر احمد پوری
۵۲۔ علی اکبر عباس	۵۳۔ عارف عبدالمتین	۵۴۔ عابد صدیقی

۵۵۔ عبدالعزیز خالدؔ ۵۶۔ فیاض تحسینؔ ۵۷۔ فرحتؔ عباس گیلانی
۵۸۔ گفتا خیالیؔ ۵۹۔ مسعود ہاشمیؔ ۶۰۔ محمد فیروزشاہ
۶۱۔ محمود شامؔ ۶۲۔ مرزا غلام رسول اظہر ۶۳۔ محمد نوازؔ
۶۴۔ ناہید قاسمیؔ ۶۵۔ وحید تابشؔ

نعتیہ آزاد نظم:

طلب گار (آثم مرزا)

حضور آپؐ آئے ٹھٹھرے ہوئے میلے افکار کو
تو ہم وحشیوں، سر پھروں کو علم وعرفان کے خوش رنگ پھولوں کی
ملی خلعت عظمت ابن آدم مہکار سے رہبری مل گئی
حضور آپؐ آئے حضور آپؐ آئے
تو ہم بیکسوں، بے نواؤں کو تو ابر کرم کھل کے برسا
بخشی گئی سر بلندی خزانے اتارے گئے آسمانوں سے کالی
حضور آپ آئے زمیں پر
ہم مفلسوں اور گداؤں کی ٹھوکر حضور آپ آئے
میں تھی بادشاہی تو انسان کو ایسا منشور حاصل ہوا
حضور آپؐ آئے ضوفشانی سے جس کی
تو بھٹکی ہوئی آدمیت کی تاریک کٹی بیڑیاں تیرگی کے فسوں کی
راہوں نے جھکے کج کلاہوں کے سر
پہنا لبادہ نئی روشنی کا اپنے خالق کے آگے
حضور آپ آئے حضور آج پھر مٹ رہی ہے
تو اوہام کے معبدوں میں اندھیروں کی یلغار سے
الجھتی، بکھرتی، لرزتی ہوئی سوچ کو آدمیت کے چہرے کی اجلی کرن
فلسفے کی اندھیری گپھاؤں میں ناؤ منجدھار میں ہے
طلب گار ہیں ایک نظر کرم کے

روضۂ اقدس کے حضور (محمد ابن الحسنی)

آپ کے پاؤں کی خاک سے لپٹی رہیں
آنکھیں مری
یادیں مری
مجھ پہ اس رنگ میں صدیاں بیتیں
وقت کا سیل ٹھہر جائے یہیں
بابِ رحمت کے قریں
آپؐ کے روضۂ اقدس کے حضور
انقلاباتِ شب و روز سے دور
آپؐ کے در سے نہیں لوٹ کے جانا مجھ کو
مرحبا منزلِ مقصود پہ آنا مجھ کو
حسن ایمان و عمل آئے یقیں روشن ہو
مجھ گنہگار کے سجدوں سے زمیں روشن ہو
ذرے ذرے سے کھلیں
قلب و نظر کی گرہیں
نور پر نور کی موجوں میں لپکیں
اشکِ بے تاب سے ہم
ہدیۂ شکر کے موتی رولیں
آپؐ کے روضۂ اقدس کے حضور
کل حجابات سے دور

''دلیل سحر'' (آثر ترمذی)

وہ روحِ زماں ہیں
وہ زیبِ مکاں ہیں
وہ چارہ گرِ بے کساں، رحمتِ بے کراں، ہادیٔ دو جہاں ہیں

دلوں کا سکوں، آرزوئے زمیں، حسرت آسماں ہیں
وفا کا بھرم ہیں
شفیع الامم ہیں
سراپا کرم، باعثِ کیف وکم، جان بیت الحرم ہیں
وہ سب سے حسیں ہیں
دلوں میں مکیں ہیں
کلام مبیں، کعبۂ عاشقیں، لذت انگبیں ہیں
محبت کی جو ہیں
صداقت کی خو ہیں
مساوات کی جستجو، عدل کی گفتگو، نغمہ اللہ ہو ہیں
وہ حسن نظر ہیں
دعا میں اثر ہیں
متاع ہنر ہیں
خدا کی خبر ہیں
دلیل سحر ہیں
فصل حقوق بشر ہیں
وہ بحر عطا ہیں
ول لطف صبا ہیں
خرد کی بقا، آشتی کی صدا، مظہر حسن خلاق ارض وسما ہیں
حبیب خدا خاتم انبیاء ہیں

''تاریخ کے عہد آفریں'' (مرزا غلام رسول اظہر)

اے داستان دلبراں — ائے سجدہ گاۂ قدسیاں
ائے وجہ تکوین جہاں — ائے رحمۃ للعالمیں شان زمیں گردوں نشیں
معجز بیاں، غنچہ دہن — ائے خوش زباں شیریں سخن

اے مصوّر تعلیم و فن | اے قبلۂ روح الامیں تو حامل حرف متیں
نقش قدم، منزل نشاں | افلاک کی گرد کارواں
زیر نظر ہفت آسماں | اول قدم عرش بریں، قوسین سے منزل قریں
لطف عمیم کبریا | سر حکیم دوسرا
در یتیم آمنہؓ | اے رونق رخسار دیں، یعنی حیادار یقیں
تو بحر بر کا تاجور | خیر الوریٰ خیر البشرؐ
عیسیٰ نفس، موسیٰ نظر | آدمؑ صفت، قامت حسیں، یونسؑ رخ و یوسفؑ جبیں
لاتقنطو کی آبرو | اسرا ''او'' کی جستجو
او، حرف تو ہے ہو بہو | شاہد ترا قولِ حسن، لا ریب ہم کو ہے یقیں
جام مئے احمدؐ پلا | آب جوئے کوثر پلا
اے ساقی اطہرؐ پلا | تسنیم سے پرسا تگیں، لذت میں رشک انگبیں
اخلاق میں کردار میں | اوصاف میں اطوار میں
رفتار میں گفتار میں | رستہ ترا حبل المتیں، از اولیں تا آخریں
مرقوم ہے تورات میں | انجیل کے صفحات میں
قرآن کی آیات میں | تاریخ کے عہد آفریں، احمدؐ امام المرسلیں
میں تشنۂ دل، تشنہ نظر | تفتہ بدن، تفتہ جگر
اور سر برہنہ دربدر | چشم تمنا آب گیں، اک جلوۂ سمیں جبیں
اے مالکِ ملکِ عطا | اے منبع جود و سخا
اظہر پریشاں بے نوا | للہ وقت واپسیں، لطفِ نگاہِ دلنشیں

نعیمؔ صدیقی:

''حضورؐ میرے حضورؐ''

میں وہ کہ آپؐ کے سرچشمۂ محبت سے
مقام شرم کہ اب تک رہا ہوں دور ہی دور
میں تشنگی کا شکار

کئی سراب تھے جن کی طرف لپکتا رہا
یونہی بھٹکتا رہا
میرے ضمیر میں رستے ہوئے کئی ناسور
ہوس کے دیر کا میں اک مہاجر بیکس
بہت سی صدیوں کا صحرا کیا ہے میں نے عبور
لہولہان قدم، تن کا انگ انگ ہے چور
مجھے بدست کرم بڑھ کے تھام لیجیے حضورؐ
میں واں سے آیا ہوں ہر گام ٹھوکریں کھا کر
جہاں پہ چاروں طرف
پڑے ہیں عظمتِ انساں کے نقش چکنا چور
محبتوں کے چھلاوے مروّتوں کے فریب
ہر آدمی ہے حقیقت میں آدمی سے نفور
شکارِ ظلم تمدن ہیں مرد و زن کے ہجوم
نیا جہاں، نئے مزدور ہیں، نئے فغفور
کسی کے ہاتھ میں مال و منال کے ترکش
ہے تیغ جاہ سے خوں ریز، کوئی مست غرور
فراعنہ کی خدائی کا طنطنہ قائم
نہ واں کوئی یدِ بیضا، نہ کوئی شعلۂ طور
مجھے بدست کرم بڑھ کے تھام لیجیے حضورؐ!

''خوشبو'' (امجد اسلام امجدؔ)

اداسی کے سفر میں جب ہوا رک رک کے چلتی ہے
سوادِ ہجر میں ہر آرزو چپ چاپ جلتی ہے
کسی نادیدہ غم کا کہر میں لپٹا ہوا سایہ
زمیں تا آسماں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے

گزرتا وقت بھی ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے
تو ایسے میں تری خوشبو
محمد مصطفیٰ صلی علیٰ کے نام کی خوشبو
دلِ وحشت زدہ کے ہاتھ پر یوں ہاتھ رکھتی ہے
تھکن کا کوہِ غم بٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
سفر کا راستہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے

''نورِ اولیں'' (حفیظ تائب)

بقولِ جابرؓ کہا یہ پیغمبرِ خدا نے
کہ نور میرا ہی سب سے پہلے
خدائے قدّوس نے بنایا
نہ جانے کب تک وہ نورِ اول رہا ہمکتا
جہانِ بالا میں
اپنے خلاق کی رضا سے
کوئی بھی شے اس گھڑی نہیں تھی
نہ لوحِ محفوظ تھی نہ کرسی
نہ عرش تھا اور نہ بحر و بر تھے
نہ تھی بہشت بریں نہ دوزخ
نہ تھے فرشتے نہ جن و آدمؑ
وہ نورِ رحمت ظہور سے پہلے ضوفشاں تھا
سلام اس نورِ اولیں پر

''ثنا اس نامِ اقدس کی'' (حسن عباس رضاؔ)

لغاتِ دہر کے ایک اک ورق سے
بولتے ہر لفظ کو
قرطاسِ سادہ پر اگر رکھ دوں

میانِ ارض
بہتے پانیوں،
شفاف چشموں
قلزموں میں اپنے ایقاں کی
چمکتی روشنائی بھی اگر گھولوں
لچکتے نرم پودوں
اور فلک چھوتے درختوں کی
مہکتی ٹہنیوں سے
ایک قلم مانگوں
تو پھر بھی ہادیٔ حقؐ
ترا نام مبارک
اسم اعظم
میرے جیسے کم سخن
بے نام شاعر سے کبھی لکھا نہ جائے گا
ثنا اس نامِ اقدس کی
اگر چاہوں
تو پھر بھی، حیطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہوں

''نعت لکھنے کی تمنا'' (رعنا ناہید رعنا)

نعت لکھنے کا ارادہ ہے
مگر کیا لکھوں
رنگ دامانیٔ معنی کا ہے الفاظ پہ داغ
فکر محدود ہے
اوصاف محمدؐ کی کوئی حد ہی نہیں
ناتواں عقل کی پرواز بھی ایک دائرہ میں

مختصر اتنی
تجسّس کا بھی دم گھٹتا ہے
سر بسجدہ ہے نظر
اس کی طرف کیا دیکھیے
استعاروں کے لیے سمتِ سفر ہے مسدود
دل تشبیہہ دھڑکتا ہے
کہ بے مثل ہے وہ
مرے آئینہ حیرت میں بھی وہ عکس نہیں
جس کو میں نعت کا عنوان ہی کہنے کی جسارت کرلوں
نعت کے واسطے
بس نطقِ خدا ہے درکار اے خدا!
ذہن عطا کر مجھ کو
اور توفیق کہ جس سے مجھ کو
نعت لکھنے کا سلیقہ آجائے
میری بخشش کا ذریعہ بن جائے

''امکان نعت'' (اکرم ناصرؔ)

مجھے اک شعر لکھنا ہے
کہ جس میں لفظ جتنے ہوں
کسی پر بھی نہ اترے ہوں
مجھے اک شعر لکھنا ہے
کہ جس میں بات ایسی ہو
کسی نے بھی نہ سوچی ہو
جسے پڑھ کر فرشتے جھوم اٹھیں
اور حضرت جبرئیلؑ یہ تصدیق فرمادیں

کہ اب لفظ محمدؐ اپنی پوری شان سے تعریف میں آیا
مجھے اک شعر لکھنا ہے
یہی خواہش مری شعری وراثت ہے
مجھے اک شعر لکھنا ہے
یہی خواہش مجھے اب آنے والی نسل کو تفویض کرنا ہے
کہ اس خواہش سے بڑھ کر نعت ممکن ہی نہیں لکھنا

''کہ حق نما'' (اطہر نفیسؔ)

سلام اس پر
جو ظلمتوں میں منارۂ روشنی ہوا ہے
جو ایسا سورج ہے جس کی کرنیں
ازل ابد کے تمام گوشوں میں نور بن کے سما چکی ہیں
ہر اک ذرہ کو ماہِ تاباں بنا چکی ہیں
سلام اس پر
جو حرفِ حق ہے
وہ حرف حق جو سماعتوں اور خدائے برتر کے درمیاں
ایک واسطہ ہے
جو خاک مردہ میں جان ڈالے وہ کیمیا ہے
سلام اس پر
جو خیر اعلیٰ ہے......اور سب کو
بلندیوں پر بلا رہا ہے
بلا رہا ہے کہ رفعتوں کا سفیر ہے وہ
بشیر ہے وہ نذیر ہے وہ
سلام اس پر
جو بے نواؤں کا آسرا ہے

جو سارے عالم کی ابتدا ہے
جو زمانوں کی انتہا ہے
سلام اس پر
جو راہ حق پر بلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے ملا رہا ہے کہ حق نما ہے

ہ۔ نثری نظم:

نثری نظم وہ نظم ہے، جو عروضی قیود و بند سے آزاد ہو۔ وہ اپنے آہنگ اور ایک خاص قسم کی موزونیت کے باعث ہی نظم کے دائرے میں شامل ہے۔

نمونہ ملاحظہ ہو:

ابھی ابھی میں نے اپنی گھڑی موت سے ملائی ہے
یارسولؐ اللہ!
مجھے میری موت سے پہلے مرے جسم کی گندی مٹی کو پاک کر دیجیے، بارے معاف کر دیجیے
صرف چند سال زندہ رہنے کی لالچ کے اوپر میری روح کو کسی مضبوط رسی سے باندھ دیجیے
اور پھر مرے جسم کے نموں کو اس تلوار سے کاٹ دیجیے، جو اللہ نے آپ کو سونپی ہے
یارسول اللہ!
جس نے اپنی گھڑی، موت کی گھڑی سے ملا کے آسمان کی طرف دیکھا کہ زمین کے وقت گزر جانے کی دعا مانگوں مگر عرصہ ہوا میں اپنی نسل کے لوگوں کے ہجوم میں وہ دعا بھول چکا ہوں
یارسولؐ اللہ!
میری بھول کو چھوڑ کر صرف میری اس ایک نیت کو اٹھا لیجیے جو آپؐ کو شافع محشر جان کر آنسوؤں کی زبان میں روئی ہے
کیونکہ انتظار ابد کا دل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ میرے بچے مت رو مت رو
اگر پیدا ہونے والے بچے کے کان میں اذان دینے کی رسم نہ ہوتی تو میرے پیدا ہونے کا مطلب کون بتاتا؟
یارسولؐ اللہ مجھے آپؐ کا مبارک نام کون بتاتا؟ اقتباس

دیگر ایشائی اور مغربی شعری ہیئات:

راقم (ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری) نے نعتیہ شاعری کا ارتقاء (عربی وفارسی خصوصی مطالعہ کے ساتھ) میں لکھا ہے کہ ''نعت کا شمار شاعری کی موضوعاتی تقسیم کے تحت ہوتا ہے، اسی لیے اس میں بیکراں وسعت ہے، مثنوی، قصیدہ، غزل، مرثیہ وغیرہ میں مضمون اور موضوع کے ساتھ ساتھ ہیئت اور ساخت کا بھی تعین ہے لیکن نعت کا تعلق موضوعاتی شاعری سے ہے جس میں ہیئت کی کوئی شرط نہیں ہے۔''

ڈاکٹر موصوف کا قول حق بہ جانب ہے اسی لیے عالمی شاعری کی کوئی صنفِ سخن تنوع اور رنگارنگی میں نعت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے نعت جہاں عرب، فارس، و ہند میں رائج اصناف سخن میں ملتی ہے وہیں ایشیا کے دیگر ممالک نیز مغربی ممالک میں مروجہ اصناف شعروشاعری میں بھی ملتی ہے۔ ذیل میں ایشیا اور مغرب کی مروجہ اصناف شاعری ازقبیل سانٹ، ہائیکو اور ترائیلے میں نعت کی بابت گفتگو کی جائے گی۔

الف: سانٹ:

ہر صنف ادب کے تخلیقی عمل کا ایک مخصوص زاویہ ہے۔ صنفِ ادب محض اتفاق نہیں۔ تخلیقی تقاضے کی تکمیل کا نام ہے۔ اسی لیے ہر دور کے تخلیقی فنکار اظہار کے لیے نئے وسیلے ڈھونڈتے آئے ہیں۔ سانٹ بھی انھیں وسائل اظہار میں سے ایک ہے۔ جسے اردو شاعروں نے مغرب سے مستعار لیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری میں سانٹ کی روایت کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ سانٹ کا بحثیت صنف سخن مختصر جائزہ لیا جائے۔

سانٹ اطالوی لفظ سانیتو (SONETTO) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مختصر آواز یا راگ۔ اصطلاح میں سانٹ ایک مخصوص مزاج، مخصوص لب ولہجہ، مخصوص انداز کی چودہ مصرعوں کی ایک نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص جذبے، احساس یا خیال کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ مختصر تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ سانٹ غنائی شاعری کی چودہ مصرعوں پر مشتمل ایک ایسی صنف سخن ہے جس کی ایک مخصوص بحر ہوتی ہے جب کہ مصرعوں میں قوافی کی ترتیب مقررہ اصولوں کے ماتحت ایک خاص انداز میں ہوتی ہے اور جس میں صرف ایک خیال، جذبے یا احساس کی ترجمانی ہوتی ہے، یہ خیال یا جذبہ اکثر نقطۂ عروج تک پہنچ جاتا

ہے، وحدت خیال اور شدت احساس، سانٹ کے لازمی عنصر ہیں۔

سانٹ کے اقسام اس کی ہیئت اور تکنیک کے اعتبار سے متعین ہوتے ہیں۔ اس طرح سانٹ کی تین مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اطالوی یا پزار کی سانٹ ۲۔ انگریزی یا شکسپئر کی سانٹ

۳۔ اسپنسری سانٹ

اطالوی یا پزار کی سانٹ:

مواد اور ہیئت کے اعتبار سے یہ سانٹ ایک مخصوص تکنیک کا حامل ہوتا ہے۔ سانٹ کے چودہ مصرعے دو بندوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ پہلا بند جس میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں OCTAVE (مثمن) کہلاتا ہے جو خود چار چار مصرعوں کے دو بندوں میں مقسم ہوتا ہے۔ OCTAVE میں دو قافیے استعمال ہوتے ہیں، فرض کیجیے ایک قافیہ ''ا'' اور دوسرا ''ب'' ہے ان دو قوافی کی ترتیب اس طرح ہوگی۔ ''ا ب ب ا'' یعنی پہلا مصرعہ چوتھے پانچویں اور آٹھویں مصرعے کا ہم قافیہ ہوگا اور دوسرا مصرعہ تیسرے، چھٹے اور ساتویں مصرعے کا ہم قافیہ ہوگا۔

سانٹ کا دوسرا بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے SESTET (مسدس) کہلاتا ہے۔ یہ بھی تین مصرعوں کے دو بندوں TERCETS (مثلث) میں تقسیم ہوتا ہے SESTET میں OCTAVE کے قافیوں سے مختلف دو یا تین قافیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ OCTAVE کے برعکس SESTET کی ترتیب قوافی میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن کبھی تین سے زیادہ قافیے نظم نہیں کیے گئے عموماً ترتیب قوافی اس طرح ہوتی ہے۔

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
الف ب ب الف/	الف ب ب الف	ج د ج	د ج د

A B

قافیے استعمال ہونے کی صورت میں سانٹ کا نواں مصرع گیارہویں اور تیرہویں مصرعے کا ہم قافیہ ہوگا اور دسواں مصرعہ بارہویں اور چودھویں مصرعے کا ہم قافیہ ہوگا۔ کبھی کبھی آخری دو مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں جیسے وایٹ کے سانٹ میں۔

انگریزی یا شکسپیئری سانٹ:

سانٹ کی یہ فارم دو حصوں کے بجائے چار حصوں میں منقسم ہوتی ہے۔اس میں تین کواٹرنیس QUATRAINS (مربع) استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہر مربع میں علاحدہ علاحدہ دو دو قافیے اس طرح نظم کیے جاتے ہیں کہ پہلا مصرع تیسرے مصرعے کا ہم قافیہ اور دوسرا مصرعہ چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ چوتھا حصہ آخری دو دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں قافیے پہلے تین بند بندوں کے قافیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔اس سانٹ کی ترتیب قوافی یہ ہے۔

اب اب	ج دج د	ہ دہ د	ز ز
۱	۲	۳	۴

اسپنسری سانٹ:

شیکسپیئر سے پہلے اسپنسر نے سانٹ کی ایک نئی شکل ایجاد کی تھی۔جس کا ہر بند دوسرے بند سے قوافی کی ایک مخصوص ترتیب کے ذریعے مربوط و متعلق ہوتا ہے۔اسپنسر کے ایجاد کردہ سانٹ میں شیکسپیئر سانٹ کی طرح تین مربع ہوتے ہیں۔ اسی کی طرح پہلے مربع کا پہلا مصرع تیسرے مصرعے کا اور دوسرا مصرع چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔لیکن ہر مربع کا آخری مصرع اپنے بعد والے مربع کے پہلے مصرعے کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔اسی طرح کا مربع کا قافیہ دوسرے مربع کا پہلا قافیہ بن جاتا ہے۔اور دوسرے مربع کا دوسرا قافیہ تیسرے مربع کا پہلا قافیہ بن جاتا ہے۔ البتہ آخری دو مصرعے شیکسپیئر کے سانٹ ہی کی طرح ہم قافیہ ہوتے ہیں اور یہ باقی تین بندوں سے بالکل علاحدہ ہوتے ہیں۔اس طرح اسپنسری سانٹ کی ترتیب قوافی حسب ذیل ہے۔

اب اب	ب ج ب ج	ج دج د	ہ ہ
۱	۲	۳	۴

اردو میں سانٹ کا ذخیرہ نہ ہونے کے برابر ہے بظاہر یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ انگریزی شاعری کی ایک زمانے میں مقبول ترین صنف اردو میں قبول عام کا درجہ حاصل نہ کر پائی خصوصاً ایسی صورت میں کہ یہ مختصر فن پارہ بہت سی ایسی خصوصیات کا حامل ہے جو

اردو شعر و سخن کے مزاج سے کافی مطابقت رکھتا ہے۔ اپنے ایجاز و اختصار، لب ولہجہ، انداز و آہنگ، مواد و موضوع، قوتِ قافیہ پیمائی وقدرت سخن گری کے ہی اعتبار سے یہ صنف اردو کی مقبول ترین صنف سخن غزل کی ہم مزاج ہے، فنی اور شعری اعتبار سے انگریزی شاعری کی کوئی صنف غزل سے اتنی قریب نہیں جتنا سانٹ ہے اوراس کی ان خصوصیات کے باوجود اردو شعرا کا اس صنف سخن کونظر انداز کرنا اوراس پر کوئی خاص توجہ نہ دینا حیرت انگیز ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود سانٹ اردو شاعری میں مقبول نہ سہی بحیثیت صنف سخن متعارف ہوا اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس صنف سخن کا دامن بھی مدحت مصطفیؐ کے جواہر سے خالی نہیں اردو نعتیہ سانٹ کا سب سے پہلا مجموعہ ''نور السماوات'' ہے جو علیم صبا نویدی کی تخلیقی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ یہ مجموعہ جنوری ۱۹۹۰ء میں ۱۲۶۔ میر النساء بیگم اسٹریٹ مونٹ روڈ مدراس نمبر۔۲ سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں اڑتیس سانٹ شامل ہیں۔ یہ تمام سانٹ نعت عنوان سے مختلف بحروں میں ہیں اور انھیں سانٹ کے مختلف فارموں میں لکھا گیا ہے مثلاً علیم صبا نویدی کا یہ سانٹ پٹرارکی سانٹ کے فارم میں ہے۔

ظلمتوں کی دھرتی پر رحمتوں کا ڈیرا ہے
عطر بیز جلوے ہیں، کہکشانی راہوں میں
نور کی شفق پھوٹی آسمانی باہوں میں
منظروں کے ہونٹوں نے مسکراہٹیں پائیں
بے زباں لمحوں نے گنگناہٹیں پائیں
موسموں میں جاگا ہے راگ زندگانی کا
خاتمہ ہوا گویا کفر کی کہانی کا
آئینہ نما شب ہے انوری سویرا ہے
بھید دونوں عالم کے ان پہ ہوگئے افشا
دین حق کی خوشبوئیں، ان کی ذات میں روشن
جلوہ ہائے نورانی کائنات میں روشن
ہر طرف ہے قرآنی آیتوں کا آئینہ

گویا اول و آخر شاہ دیں کا صدقہ ہے
نور آفریں منزل راہ، دیں کا صدقہ ہے

علیم کا ایک اور سانٹ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ سانٹ شیکسپیئری سانٹ کے فارم میں ہے۔

محمد مصطفیؐ آئے سواری نور کی آئی
بہاروں میں سراپا مستیوں کا بھاگ جاگا ہے
بلندی مسکرائی پستیوں کا بھاگ جاگا ہے
دلوں کی خانہ ویرانی پہ رحمت کی گھٹا چھائی

☆☆☆☆☆

مقدس آیتوں کی روشنی جب دور تک پھیلی
فضاؤں میں مبارک خوشبوؤں کے سلسلے جاگے
مناظر نور آور ہوگئے اور راستے جاگے
شہ کون و مکاں کی چاندنی جب دور تک پھیلی
منور ہوگئی انسانیت بھی دین احمدؐ سے
چھٹی تاریکیوں کی ڈگمگاتی دھند شہروں سے
سوادِ بے حیائی بجھ گیا معصوم چہروں سے
نکل آیا زمانہ بھی برائی کی سیہ زد سے
محمدؐ مصطفیٰ کا نور عکس نوریزداں ہے
وہ دو عالم کا سرورؐ شانِ امت شان قرآں ہے

کاملؔ القادری کا نام پاکستانی ادب میں نمایاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے تنقید و تحقیق میں ایک خاص مقام حاصل کیا ان کا ایک سانٹ ''ماہ نو'' کراچی کے شمارہ مئی ۱۹۷۱ء میں ''مرے حبیبؐ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ بنیادی طور پر اس سانٹ کی ہیئت پڑارکی سانٹ کی ہے۔ لیکن یہ سانٹ پڑارکی سانٹ کے تمام شرائط پر پورا نہیں اترتا۔

مرے حبیب! حبیب خدا! سراج منیر!
تو ہی بشارت عیسیٰؑ، تو ہی دعائے خلیلؑ

تو ہی ہے مادر اطہر کے خواب کی تعبیر
تیرے ظہور سے عالم کا ذرہ ذرہ بنا
حریفِ کوکب و اختر، مثال ماہ تمام
مرے حبیب، حبیب خدا، درود و سلام
تو ہی ہے نور و ضیاء کا قدیم تر منبع
تمام حسن و لطافت کی دلنشیں تصویر
ترے وجود سے بدلا نظام جور و ستم
غلام لائقِ صد عز و احترام ہوئے
ترے کرم سے نگوں سر، بلند بام ہوئے
ترے ظہور سے لہرایا امن کا پرچم
مرے حبیب، حبیب خدا، جلیل و کریم
ازل سے کس کی طلب میں ہوں مثلِ موج نسیم

ممتاز ماہر تعلیم، محقق، شاعر اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر نعیم نقوی مرحوم، کا ایک سانٹ ''پیام سرمدی'' ملاحظہ فرمائیں۔ جسے شیکسپیئری سانٹ کی فارم میں لکھا گیا ہے۔

سنگ زاروں کو دیا اس نے پیام دل کشا
سبز رت میں جس نے بدلا زرد موسم کا چلن
طاقِ جاں میں ہے جو اس کی یاد کا روشن دیا
سر کشیدہ تیرگی میں آ گیا جینے کا فن
جس کی آوازوں کے جگنو انجمن در انجمن
جس نے بخشی بانجھ لمحوں کو نمو کے آب و تاب
جس کے چہرہ کے سبھی موسم لیے ہیں بانکپن
اسوۂ پاکیزہ جس کا شارحِ ام الکتاب
روح کے آنگن میں ہے جلوہ نما وہ آفتاب
مطلع ہستی پہ جو دیتا ہے رحمت کی اذاں

وہ حبیب کبریا نبیوں میں ہے جو انتخاب
جس کے دم سے آئی دنیا میں بہار جاوداں
جس کے فیض عام سے ہے زندگانی کا ثبات
اک پیام سرمدی ہے جس کی تابندہ حیات

ہمارے عہد کے نعتیہ افق پر چند نام بہت نمایاں نظر آتے ہیں ان میں ایک نام حفیظ تائبؔ کا بھی ہے۔ حفیظ تائبؔ نہ صرف نعت گوئی بلکہ فروغ نعت کے لیے گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے مجموعۂ کلام ''وسلموتسلیما'' میں ایک نعتیہ سانٹ ''صاحبِ خیرِ کثیر'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ سانٹ شکسپیئری سانٹ کے فارم میں لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

جتنی دامن زیست میں دولتیں ہیں
جتنی جودتیں ہیں، جتنی ندرتیں ہیں
حسن و خیر کی جتنی بھی صورتیں ہیں
ان کے خلق عظیم کی وسعتیں ہیں
ساز ہست کے جتنے آہنگ ٹھہرے
استقبال کے دیکھے سامان جتنے
اوج فکر کے پائے ارکاں جتنے
ان کے اسوہ پاک کے رنگ ٹھہرے
ان کے حصے میں خیر کثیر آئی
اعتبار وجود ہے نام ان کا
عہد ساز پیام و نظام ان کا
ان کے ساتھ کتاب منیر آئی
دولھا کون حیاتِ برات کا
ضامن، حشر میں کون نجات کا

صبیحؔ رحمانی کا ایک سانٹ ملاحظہ فرمائیں۔ جس کا عنوان ''اسم محمدؐ'' ہے اور یہ سانٹ

شکسپیئری فارم میں ہے۔

باعثِ کون و مکاں زینت قرآن یہ نام
ابر رحمت ہے جو کونین پہ چھا جاتا ہے
دردمندوں کے لیے درد کا درماں یہ نام
لوحِ جاں پر بھی یہی نقش نظر آتا ہے
اک یہ نام تو ہے وجہِ سکوں وجہِ قرار
اک یہی نام کہ جلتے ہوئے موسم میں اماں
ہے اسی نام کی تسبیح فرشتوں کا شعار
فخر کرتی ہے اسی نام پہ نسلِ انساں
ہے یہی نام تو میری شب یلدا کی سحر
جسم و جاں میں جو چراغاں ہے اسی نام کا ہے
بس اسی نام کی خوشبو ہے میرے ہونٹوں پر
بس یہی نام دو عالم میں بڑے کام کا ہے
عطر آسودہ فضا اور فضاؤں میں درود
خوشبوئے اسم محمدؐ کی حدیں لا محدود

ب۔ ھائیکو:

ہائیکومشرقی صنف شاعری ہے جاپان میں ہائیکو کی ابتدا سولھویں صدی عیسوی میں ہوئی لیکن جاپان میں ہائیکو بہت قدیم ہوتے ہوئے بھی جدید ہے۔صنفی اعتبار سے جاپان میں یہ نظم تین مصرعوں اور سترہ صوتی اوقاف (سلبیل) پانچ ،سات، پانچ کے وقفی تناسب میں لکھی جاتی ہے، جاپانی زبان میں ہائیکو اپنے لغوی موضوعات کے اعتبار سے ''کھیل کی نظم'' کے معنوں میں استعمال ہوتی رہی ہے جو جاپانی تہذیب کی آئینہ دار ہے۔جاپان میں ہائیکو HAIKU کے لغوی معنی ''کھیل کی نظم'' GAME - VERSE کے ہیں لیکن اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے ہائیکو وہ شعر پارہ ہے جس میں منظر نگاری، محاکات، پیکر نگاری، درد وداغ، ہجر وصل، شعور کی رو، اوراحساسات وجذبات کو آسان طریقہ سے بیان

کیا جائے۔ اردو میں ہائیکو کا آغاز یوں تو ۱۹۳۶ء میں نورالحسنی برلاس کی فرمائش پر دہلی کے ایک قدیم رسالہ ''ساقی'' کے جاپان نمبر سے ہو گیا تھا۔ لیکن ساقی کے مشمولات سے پتہ چلتا ہے کہ جاپانی ہائیکو اردو میں براہ راست نہ آ کر مغربی ادب خصوصا انگریزی کے ذریعہ اردو میں برتی گئی یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں اردو ہائیکو، ہائیکو'' آزاد ہائیکو'' کی حیثیت سے منظر عام پر آئی چنانچہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۷۰ء تک اردو کے بیشتر ہائیکوز میں سیلز کا التزام نہیں کے برابر رہا لیکن ۱۹۸۰ء کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے بیشتر شعرا نے جاپانی ادب و جاپانی شاعری کے اصول وضوابط، فنی التزام اور جاپانی زبان کی ساخت، شاعری کی ہیئت و ماہیئت کو پرکھ کر اردو میں ہائیکوز تخلیق کیے۔ چنانچہ علیم صبا نویدی کے ہائیکو کے مجموعے، ترسیلے، شعاع مشرق، تشدید، اس کی روشن مثالیں ہیں۔ مضامین کے تعلق سے ناوک حمزہ پوری، ڈاکٹر رحمت یوسف زئی، انور مینائی، سلیم انصاری وغیرہ نے ہائیکو کی تفہیم میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ پروفیسر عنوان چشتی، پروفیسر کلیم الدین احمد مرحوم، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر انصاراللہ نظر، پروفیسر کرامت علی کرامت، نادم بلخی، شارق جمال، طیب انصاری، ڈاکٹر اختر بستوی، سلیم شہزاد، ڈاکٹر سید حامد حسین، ڈاکٹر راہی قریشی، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر ناز قادری، ڈاکٹر مظفر شہ میری، دائم باڑی، بلراج کومل، سید اختر الاسلام، محمد امین (پاکستان) علیم صبا نویدی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، کرشن موہن، مظفر حنفی، پروفیسر ستیہ بھوشن شرما، قمر جمیل (پاکستان) پروفیسر وزیر آغا جیسے قد آور ناقدین و محققین نے ہائیکو کے حق میں گرانقدر آرا تحریر کیں، جس سے ہائیکو تخلیق کاروں کی حوصلہ افزائی ہونے کے ساتھ ساتھ خصوصاً مشرقی ادب (اردو، ہندی، جنوبی ہند کی علاقائی زبانیں وغیرہ) میں ہائیکو کے معیار اور وقار میں اضافہ ہوا۔

ہائیکو جاپانی تہذیب کی آئینہ دار ہے، دوسری جنگ عظیم کے بعد مقبوضہ جاپانی علاقوں میں امریکی شعرا نے اس صنف کو انگریزی ہائیکوز کے ذریعہ متعارف کرایا۔ ہائیکو عالمی ادب میں مختصر ترین نظم کا نام ہے۔ جاپان کے نوعمر بچے اپنے کھیلوں میں کچھ ایسے کلمات منھ سے گنگناتے ہیں کہ وہ ہائیکو ہیئت لیے ہوتے ہیں چنانچہ جاپان میں غلط العوام میں ہائیکو کو (HAIKAI) (ہائی کائی) یا ہوکو (HOKU) بھی کہا جاتا ہے۔ ہائیکو کے اوزان سے

متعلق چند آرا ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

ڈاکٹر گیان چند جین:

''اردو عروض صوت رکن کی تعداد پر نہیں بلکہ اس کے طول پر مبنی ہے اور صوت رکن کا تعین خاصا مشکل ہے اس لیے ہائیکو میں صوت رکن کی تعداد کو قطعاً نظر انداز کر دینا ہی انسب ہے۔''

شمس الرحمٰن فاروقی:

''اردو میں اصل ہائیکو یا ہاکو لکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کے جو شرائط ہیں (اصل جاپان میں) وہ اردو میں پوری نہیں ہوسکتیں۔''

شارق جمال:

''جاپانی شاعری میں بحروں کی ترتیب دینے کا کام آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ خلیل ابن احمد نے عربی عروض کی ترتیب کا کام نویں صدی عیسویں میں کیا۔ ظاہر ہوا کہ جاپانیوں نے چند بحروں کی تالیف کو شاعروں کے لیے مخصوص کیا۔ خلیل ابن احمد نے فن سے صدہا اوزان کا ایک شجرہ شاعری کے لیے مرتب کیا۔ شاید اسی لیے اردو کے اکثر شعرا نے ہائیکو کو ردیف قوافی سے سجایا ہے۔ جو اردو کے شعری مزاج کے عین مطابق ہے''۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی:

''اگر سترہ سلیبل کی پابندی اس خیال سے کی جائے کہ یہ ہائیکو کا لازمی جزو ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ کسی ایسی بحر کا تعین کیا جائے جو اصل ہائیکو کے آہنگ کے قریب ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے تو دونوں پابندیوں کو توڑ دینا چاہیے۔''

بشر نواز:

''دنیا کی دوسری زبان میں ہائیکو کی وہ عروضی پابندیاں نہیں ملتیں جو جاپانی میں ہیں۔ یہ صنف اس وقت اور مقبول ہوسکتی ہے

جب اسے اردو کے مزاج اور موسیقی سے ہم آہنگ کر لیا جائے۔‘‘

سلیم انصاری:

’’میری ناقص رائے میں ہائیکو کے تینوں مصرعے مساوی الوزن رکھ کر پہلے اور تیسرے مصرعے میں ردیف وقوافی کی قید کے ساتھ اتفاق رائے سے تسلیم کر لیا جائے یا پھر اردو کے ادبی، تہذیبی مزاج کے پیش نظر کوئی دوسرا فارم وضع کر لیا جائے جو زیادہ سے زیادہ تخلیق کاروں کے لیے قابلِ قبول ہو۔‘‘

ناوک حمزہ پوری:

’’قافیہ کی قید بے جا کے تعلق سے عرض ہے کہ اصل جاپانی ہائیکو قافیہ کی پابند نہیں ہوتی یہ اردو والوں کی اختراع ہے۔ بلا شبہ یہ قید بے جا بسا اوقات خیالات کے اظہار میں سد باب ہوتی ہے اردو ہائیکو کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ قافیے ان میں استعمال کیے جائیں۔‘‘

سلیم شہزاد (مالیگاؤں)

’’حقیقت تو یہ ہے کہ ترائیلے فرانسیسی میں، سانیٹ اطالوی (یا انگریزی) میں، دوہا ہندی میں، غزل فارسی (اردو) میں اور ہائیکو جاپانی ہی میں لکھ سکتے ہیں کیونکہ اصناف سخن کے فطری فن کا اظہار جسے دراصل اظہار کا فطری پن سمجھنا چاہیے۔ اصناف سے متعلق زبانوں پر ہوتا ہے یہ زبان کے معیار و مزاج کی آئینہ دار اور اپنی نمود اور ہیئت کی تشکیل میں مخصوص لسانی روایات کی پابند ہوتی ہے۔ اردو کے لیے جاپانی ہائیکوز اور انگریزی سانیٹ مشرق اور مغرب سے درآمدہ ہونے کے سبب سمتوں کے بُعد بلکہ تضاد کی حامل اصناف کے مقام پر نظر آتی ہے۔ اس کے باوجود ہماری تجربہ پسند طبیعتیں اجنبی زمینوں کے پودے اپنی زمینوں کے ایجاد کے درپے معلوم ہوتی ہیں۔‘‘

''ہائیکو دراصل پیکریئت پسند فنکار کی مرغوب صنف رہی ہے کیونکہ اس میں کم سے کم لفظوں میں خیال کا شعری پیکر نظم کر دیا جاتا ہے جو اختصار اور وسعت ابلاغ کے سبب قاری یا سامع پر فوری اثر انداز ہوتا ہے اور وجدان وشعور کو محسوسات و تجربات سے آشنا کرتا ہے، جو شعر خوانی کا اولین مقصد بھی ہے۔''

ڈاکٹر اختر بستوی مرحوم:

''جاپانی شاعری کی اس صنف (ہائیکو) سے اردو والے متعارف تو کم بیش نصف صدی قبل ہی (شاہد احمد دہلوی کے رسالے ''ساقی'' کے جاپان نمبر'' (مطبوعہ ۱۹۳۶ء کے ذریعے) ہو چکے تھے لیکن اب تک اردو ہائیکو نظمیں کہنے کے سلسلے میں کوئی خاص اور اہم پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ حالیہ کچھ برسوں میں نقادوں نے ہائیکو کا ذکر قدرے نمایاں طور پر کیا ہے اور بعض شعرا نے مختلف انداز کی ہائیکو نظمیں ضرور کہیں۔''

ڈاکٹر نازؔ قادری (مظفر پور بہار)

''ہائیکو جاپانی صنف سخن ہے اور یہ عالمی سطح پر شہرت ومقبولیت رکھتی ہے، دوسری جنگ عظیم کے بعد مقبوضہ جاپانی علاقوں میں موجود اہل امریکہ نے جاپانی تہذیب وادب میں گہری دلچسپی لی اور صنف شاعری کو روشناس خلق کرانے میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے، جاپان میں لفظ ہائیکو HAIKU کے معنی کھیل کی نظم GAME VERSE ہیں۔ جاپانی کبھی اسے HOKU اور کبھی HAIKAI بھی کہتے ہیں لیکن ان ناموں کا شمار وہاں غلط العوام میں ہے۔ ہائیکو جاپان کی دوسری (طویل) صنف شاعری TANKA کی طرح قدیم ہے لیکن ہائیکو جاپانی تہذیبی نفسیات کی بہترین آئینہ دار ہے، صنفی اعتبار سے تین مصرعوں اور

سترہ اوقاف SYLLABLES کی یہ نظم پانچ کے وقفی تناسب
میں لکھی جاتی ہے۔''

ڈاکٹر مظفر شہ میری وانم باڑی:

''ہائیکو ایک بہت ہی ہلکی پھلکی صنف سخن ہے۔ نرمی و ملائمت
اتنی کہ اس پر کلیوں کا بوجھ بھی گراں گزرتا ہے۔ یہ اور بات ہے
کہ دوسری زبانوں کے لوگ اس پر چٹانوں کو رکھ دیتے ہیں۔
منطقی دلائل، فلسفیانہ موشگافیوں اور شاعرانہ پینترا بازیوں کے
بوجھ تلے اسے کچل دیتے ہیں۔...... اردو کے علاوہ تامل زبان
میں ہائیکو کے کئی ایک مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔''

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس صنف سے ملتی جلتی ایک صنف اردو میں موجود ہے جس کا نام ہے رباعی، ہائیکو میں تین مصرعے ہوتے ہیں اور رباعی میں چار، رباعی کا آخری مصرع رباعی کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہائیکو کا تیسرا مصرع ہائیکو کا حاصل ہوتا ہے۔ تثلیثی فن پارہ اس اعتبار سے توجہ کا مستحق ہے کہ اس کی بنیاد رمزیت، ایمائیت اور ایجاز واختصار پر ہے، اور اس طرح یہ صنف جدید عصری شناختوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ کیونکہ آج کی مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی میں شاعر کو طویل ترین نظمیں لکھنے کی فرصت کم ملتی ہے ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں وہ سائنسی تیز رفتاری کا ایک ایسا دور ہے جس میں تمام اشیا چند روز بعد پرانی ہوکر اپنی جاذبیت کھو رہی ہیں۔ یہ صورت حال ہمیں زندگی کی ہر سطح پر دکھائی دے رہی ہے اور اسی عمل کا انعکاس ہمیں ادب میں بھی دکھائی دیتا ہے اور خصوصاً اردو شاعری میں جس نے اپنی کم عمری کے باوجود ہمیں کئی تجربات سے آشنا کروایا ہے۔ یہ تجربے بیان کے بھی ہیں، اسلوب واظہار کے بھی اور ہیئت کے بھی، ہیئت کے ضمن میں شعری تجربوں کے کئی نام گنوائے جاسکتے ہیں مثلاً آزاد نظم، نثری نظم، سانیٹ، ترائیلے، کنٹور اور پروز پوئم وغیرہ یہ اصناف شعر انگریزی اور فرانسیسی ادب کے ذریعے اردو ادب میں داخل ہوئیں اور ان کی کسی قدر پذیرائی بھی ہوئی لیکن وہ جتنی آب وتاب سے چمکی تھیں ان میں سے اکثر اتنی ہی تیزی سے گہنا گئیں۔ ان ہی غیر ملکی اصناف سخن کے ہمراہ پچھلے چند سالوں سے ایک اور صنف اردو

شاعری کی سرزمین پر اپنے قدم جما چکی ہے، لیکن یہ صنف شعر انگریزی یا فرانسیسی ادب کے برعکس جاپانی ادب کے ذریعہ اردو میں متعارف ہوئی ہے اس کا حلقہ دن بہ دن وسیع ہوتا رہا اور آج اس کے پڑھنے والے پوری اردو دنیا میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں دوسری اصناف سخن کی طرح ''ہائیکو'' بھی اردو کے سارے ادبی رسائل وجرائد میں جگہ پارہی ہے۔

اسی تجزیئے کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو شاعری اپنی کسی بھی مروجہ ہیئت میں جزوی یا کلی تبدیلی کا تجربہ برداشت کرسکتی ہے اور اردو میں ہائیکو کے نام سے ہونے والی شاعری بھی اسی ارتقائی عمل کی ایک کڑی ہے۔ اردو ہائیکو کی عمر زیادہ نہیں لیکن جس تیزی سے ہائیکو تخلیق کیے جارہے ہیں، اس سے بخوبی یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہماری تخلیقی قوت کتنی جاندار اور روحِ عصر سے کتنی ہم آہنگ ہے اس ضمن میں ہمارے نقادوں کی خدمت بھی قابلِ قدر ہیں جنھوں نے اپنے بے لاگ تبصروں اور تعمیری تنقید کے ذریعے ہائیکو کی ہیئت، جذبے اور عروضی پابندی کی نشاندہی کی ہے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ ہائیکو کی تخلیق کے ساتھ ساتھ تنقید نگاروں کی ایک بڑی تعداد سنجیدگی سے اس نوزائدہ صنف کو رطب و یابس سے محفوظ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

اب تک اردو ہائیکو کے سلسلے میں جو اہم تحریریں سامنے آئی ہیں ان میں ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر اے بی اشرف، پروفیسر سحرؔ انصاری، پروفیسر محمد امینؔ، جمیل ملک، ڈاکٹر بشیرؔ سیفی، امین راحتؔ چغتائی، علی فرشیؔ، رشد نثار خاورؔ اعجاز، قرۃ العین طاہرؔ، شارق جمالؔ ناگپوری، اور رفیق سندیلوی کے مضامین خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اردو کے ہائیکو کی شناخت اور اس کے خدوخال پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن ہمیں اس مضمون میں ہائیکو میں نعت نگاری کا جائزہ لینا ہے اس لیے ہم ہائیکو کی فنی شرائط اور خصوصیات پر صرف فرمانؔ فتح پوری کی رائے پیش کرکے بات آگے بڑھاتے ہیں۔ اس پیراگراف سے ہائیکو کی فنی شرائط سے بخوبی آگہی ممکن ہے۔

''جاپانی ہائیکو کا خاص وزن وآہنگ مقرر ہے۔ یہ وزن وآہنگ کم از کم سترہ ارکان پر مشتمل ہوتا ہے یعنی پہلا اور تیسرا مصرعہ صرف پانچ پانچ صوتی آہنگوں اور دوسرا مصرع سات آہنگوں سے بنتا ہے اور بحر متعارف سے اس کے اوزان کو اس صورت پر ظاہر کرسکتے ہیں۔

فعلن فعلن فع　　۵ بار
فعلن فعلن فعلن ف ۷ بار
فعلن فعلن فع　　۵ بار

ہائیکو میں صرف تین مصرعے ہوتے ہیں وہ بھی قافیوں سے آزاد پہلا اور تیسرا مصرع بہ اعتبار تعداد آہنگ یکساں اور مساوی دوسرا مصرع ان مصرعوں سے بقدر دو آہنگ بڑا ہوتا ہے۔

موضوع کے اعتبار سے ہائیکو کا تعلق عموماً مناظر فطرت اور موسموں کی خوشگواری اور رومانی طبیعتوں کی جمال پرستانہ امنگوں پر ہوتا ہے۔''
یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شروع میں ہائیکو کی ہیئت کو سختی سے اپنایا گیا لیکن اب شعرا ان پابندیوں پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وزیر آغا نے ہائیکو کے فن سے بے اعتنائی برتنے والے شعرا کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ہائیکو کے مزاج کو ملحوظ رکھا جائے چونکہ اردو میں پہلے سے ثلاثی (سہ حرفی) لکھنے کا عام رواج ہے۔ اس لیے اگر ہائیکو کے اصل مزاج کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ ہائیکو زود یا بدیر ثلاثی میں ضم ہو جائے گا۔''

(اردو ادب راولپنڈی، مطبوعہ اگست ۱۹۹۵ء)

جاپانی زبان میں شاعر ہائیکو روایت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ جب کہ اردو ہائیکو موسمی مزاج رکھتے ہوئے روایت کو توڑتا ہے اور کسی نہ کسی خصوصیت کا رجحان تشکیل دیتا ہے اس کے موضوعات زندگی کی چھوٹی بڑی تلخ و شیریں حقیقتوں کے گرد گھومتے ہیں۔ اس ضمن میں سرشارؔ صدیقی کے دو ہائیکو بھی قابل ذکر ہیں جو انھوں نے مختلف شخصیات کو موضوع بنا کر کہے ہیں۔ یہ خاکہ نگاری ہائیکو کو ایک نئی جہت سے آشنا کردے گی۔ پاکستان میں علمی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں قرآن، حدیث، تفسیر اور سیرت نبویؐ پر مرکوز رہا کرتی ہیں اور جہاں تک شعری سرگرمیوں کا تعلق ہے نعت گوئی مقبول سے مقبول ترین صنف ہوتی جارہی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنے تعارف کے پہلے ہی مرحلے پر ہائیکو شعرا نے اسے نعت کے

زمروں سے ہم کنار کرنے کی سعی کی ہے۔ چند ہائیکو نگاروں نے اپنے ہاں نعت کا باقاعدہ اہتمام کیا ان میں انجم اعظمی، علیم صبا نویدی، ڈاکٹر ریاض مجید، سرشار صدیقی، محمد اقبال، نجمی اکرم کلیم مظفرؔ وارثی، ریاض الدین رضیؔ اور سید قمرؔ ہاشمی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ شعرا نے اکا دکا نعتیہ ہائیکو کہے ہیں۔ ان ہائیکو نعتوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان شعرا نے ہائیکو کے ایمائی اظہار سے فائدہ اٹھا کر سرور کونینؐ کی مدح سرائی میں اپنی عقیدت مندی اور اخلاص کا اظہار ایک نئے انداز سے کیا ہے۔ ان ہائیکو نعتوں میں جس جامع اشاریت اور بلیغ رمزیت کا احساس موجود ہے وہ ہائیکو کی محاکاتی فضا کو مزید تقویت بخشتا ہے۔ آیئے اس گلستان نعت کی سیر کریں جسے ہمارے ہائیکو نگاروں نے اپنے خلوص کی خوشبو اور فکر کی روشنی سے آراستہ کیا ہے۔

سید علیم الدین المعروف علی صباؔ نویدی اردو کے علمی اور ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ان کا تعلق ہندوستان کے صوبے تامل ناڈو سے ہے لیکن ان کی شخصیت اور شاعری سے ہندو پاک کے تمام اہل علم خوب واقف ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن نعت گوئی سے انھیں خاص شغف ہے۔ ان کی کتابوں میں ''مراۃ النور'' (نعتیہ کلام مطبوعہ ۱۹۸۸ء) نورالسماوات'' (نعتیہ سانیٹ کا مجموعہ مطبوعہ ۱۹۹۰ء) اور نعتیہ کلام کے انتخاب کا مجموعہ ''ن'' مطبوعہ ۱۹۹۰ء اور ''شعاع مشرق'' (مطبوعہ مارچ ۱۹۸۷ء) میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں ان دونوں مجموعوں میں حمدیہ و نعتیہ ہائیکو نظمیں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

وہ نبوت کے تاج کے حق دار
آدمیت کی اولین تصویر
وہ ہی خیر الامم ، شہ ابرار

☆☆☆☆☆

آپ ہی آپ اول و آخر
آپؐ کا فیض روز محشر تک
آپؐ کا نور ساتوں عالم پر

☆☆☆☆☆

وہ اک جام توحید کا لب بہ لب
وہ اک میکدہ نوری آیات کا
نبوت کا دل، تاجدار عرب

☆☆☆☆☆

نورِ ارض و سما کامل
واقف راز جوہر کونین
شاہِ کون و مکاں، عرب کا دل

☆☆☆☆☆

وہ صرف آشنا گہر واقف
سرورِ کائنات ، شاہ دیں
جوہر، شیوۂ نظر واقف

☆☆☆☆☆

وہ انسانیت کا چمکتا نصیب
بدی کا تصور مٹاتا ہوا
خلوص و وفا ، نیکیوں کا نقیب

☆☆☆☆☆

وہ اک منبع علم و فن کا جلوس
ہے ارض و سما کی نگاہوں کا نور
سراپا تجلی، سراپا خلوص

☆☆☆☆☆

وہ خیر البشر وہ ہے خیر الامم
جمال شعور زمیں آسماں
وہ ہے سب دھڑ کے دلوں کا بھرم

☆☆☆☆☆

محمد اقبال نجمی اپنی سوچ اور جدید حیثیت کے حوالے سے اپنے عہد کے شعرا میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں ان کی نعتیہ تخلیقات میں ''آپ کی باتیں'' (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) اور ''نعتیہ ہائیکو'' (مطبوعہ ۱۹۹۰ء) شامل ہیں۔ محمد اقبال نجمی کو ''نعتیہ ہائیکو'' کتابی صورت میں پیش کرنے کی اولیت حاصل ہے۔ ان سے پہلے یا ان کے بعد مکمل ہائیکو پر مشتمل اردو میں کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوئی۔ ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحات کی اس کتاب میں (۸) آٹھ حمدیہ ہائیکو اور ایک سو چوراسی (۱۸۴) نعتیہ ہائیکو شامل ہیں۔ کچھ ہائیکو ملاحظہ فرمائیں:

ہو محمدؐ یا احمدؐ و حامدؐ
میری مشکل کے یہ ستارے ہیں
آپؐ کے نام کتنے پیارے ہیں

☆☆☆☆☆

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن
تیری جانب ہی دیکھتا پایا
آدمیت کو ارتقا کے لیے

☆☆☆☆☆

تیری چاہت کا معجزہ دیکھوں
سانس ٹوٹے تو میرے ہونٹوں پر
نام تیرا ہو جام تیرا ہو

☆☆☆☆☆

آدمیت کو ناز ہے تجھ پر
تیری ہستی ہے خیر کا پیکر
تجھ کو خیر الانام کہتے ہیں

☆☆☆☆☆

جدید دور میں مظفر وارثی نے نعت گوئی میں کئی نئے اسالیب کا اضافہ کیا ہے اور جدید زندگی کی مجموعی کیفیت سے اپنے اسالیب اور پیرایۂ اظہار میں ندرت پیدا کی ہے یہی وجہ

ہے کہ وہ اپنے عہد کے نعتیہ منظر نامے پر بالکل الگ اور نمایاں حیثیت کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ مظفؔروارثی کے کئی نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ان کے مجموعے ''کعبۂ عشق'' مطبوعہ ۱۹۸۹ء میں صفحہ ۱۶۹ اور ۱۷۰ پر چھ نعتیہ ہائیکو شامل ہیں کچھ ملاحظہ ہوں۔

طائرانِ تیرگی سب اڑ گئے
جس طرف سے بھی ہوا ان کا گذر
راستے منزل کی جانب مڑ گئے

☆☆☆☆☆

نور ہے اور نور سے آدم کی ہے
چھت پہ چڑھ کر دف بجاتی ساعتیں
آمد آمد نوشئہ عالم کی ہے

☆☆☆☆☆

کیا کہوں کیا ہے مظفؔر ان کی ذات
میں جو سمجھا ہوں تو سمجھا ہوں یہی
یہ جہاں ساحل، سمندر ان کی ذات

ڈاکٹر ریاض مجیؔد کی شخصیت فروغ نعت کے لیے مصروف عمل اشخاص میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ وہ بیک وقت ایک جدید لب ولہجے کے توانا شاعر، ایک معتبر نقاد اور نعت کے ایک عظیم محقق کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے ہیں ''اردو میں نعت گوئی'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ **حیّ علی الثنا** (مطبوعہ اپریل ۱۹۹۱ء) ان کی پنجابی نعتیہ ہائیکو پر مشتمل کتاب ہے۔ سہ ماہی ''ادبیات'' شمارہ ۲۵ جلد نمبر ۶ میں ڈاکٹر صاحب کے چند پنجابی نعتیہ ہائیکو کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ پنجابی کے ان کے ہائیکو کو ترجمے کے ذریعے اردو کا لباس انجم سلمیٰ نے پہنایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ہائیکو میں لکھوں میں تیری نعت
پہنچے پنجاب سے ثنا تیری
چڑھتے سورج کی سر زمیں اوپر

☆☆☆☆☆

جب بھی کاغذ پہ نام اس کا لکھوں
چاروں اطراف مرے مہک اٹھیں
نافہ کھل جائے نعت گوئی کا

☆☆☆☆☆

سبز گنبد کے سائے میں دنیا
امن اور عافیت میں رہتی ہے
یہاں سورج بھی چھاؤں دیتا ہے

☆☆☆☆☆

پروفیسر انجم اعظمی مرحوم ایک پختہ کار اور جدید حیثیت کے شاعر اور معتبر نقاد تھے۔ انھوں نے تنقید، پابند شاعری اور نظموں کے حوالے سے جو بھی لکھا اسے ادبی دنیا میں بڑی اہمیت دی گئی۔ انھوں نے کچھ نعتیہ ہائیکو بھی کہے لیکن افسوس وہ کہیں چھپ نہ سکے۔ ان کا نعتیہ ہائیکو ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کا دستِ مبارک اٹھا
شہر و صحرا میں بہت دور تک چرچا تھا
چاند دو ٹکڑے ہوا

(ماخوذ از چیری اور چنبیلی مطبوعہ، صفحہ نمبر ۱۱۸)

سرشار صدیقی کا نام جدید اردو شاعری میں ایک معتبر نام ہے۔ انھوں نے کم وبیش تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ''اساس'' (مطبوعہ ۱۹۹۰ء) ان کا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں پابند نعتیں اور آزاد نعتیہ نظمیں شامل ہیں۔ سرشارؔ صدیقی کے انفرادی لب ولہجہ اور توانا تازہ اسلوب نے انھیں عصر حاضر کے نعت گو شعرا میں ایک منفرد مقام کا حامل ٹھہرایا ہے۔ ''اساس'' کی اشاعت کے بعد انھوں نے کچھ نعتیہ ہائیکو کہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

یہ میرا ایمان
اک ناطق ہے اک مطلق
بھیجے دو قرآن

☆☆☆☆☆

اک رحمت کی نظر
دامن کا تو ذکر ہی کیا
بھر گیا میرا گھر

☆☆☆☆☆

سجدوں کا حاصل
نام ان کا جیسے ہی آئے
جھک جاتا ہے دل

☆☆☆☆☆

کاش ہو یوں انجام
دل میں ان کی یاد بسی ہو
لب پر ان کا نام

☆☆☆☆☆

اکرم کلیم معروف شاعر ہیں، ان کی ہائیکو نظموں کا ایک مجموعہ ''طاقچے'' کے نام سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا ہے اور اس مجموعے کا ذکر راجہ رشید محمود نے (جونعتیہ ادب کی ایک قد آور شخصیت ہیں اور جو ایک وسیع المطالعہ ناقد ہیں) اپنی کتاب ''پاکستان میں نعت'' (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) صفحہ نمبر ۶۳ پر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس مجموعے میں آٹھ حمدیہ ہائیکو شامل ہیں۔ اکرم کلیم کے نعتیہ ہائیکو ملاحظہ فرمائیں۔

عالم بے ثبات میں، میں بھی
تیری نسبت کے ساتھ زندہ ہوں
تجھ سے کٹتا تو مر گیا ہوتا

یا محمدؐ ترے فقیروں کی
شان و شوکت عجیب دیکھی ہے
ان کی ٹھوکر میں بادشاہی ہے

رضی الدین رضیؔ کے دو نعتیہ ہائیکو ماہنامہ شام وسحر کے نعت نمبر ۶ میں چھپے ہیں۔

چار سو ظلمتوں کی آندھی تھی
ہر طرف تیرگی کا پہرہ تھا
آپؐ آئے تو روشنی آئی

☆☆☆☆☆

ان کی تعریف میں کروں کیسے
نعت لکھوں تو کس طرح لکھوں
مجھ کو الفاظ بھی نہیں ملتے

رضی الدین رضیؔ ہی کے چار ہائیکو ''نعت کائنات'' میں شائع ہوئے ہیں جن میں سے مندرجہ بالا ایک ہائیکو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اس طرح لکھا گیا ہے۔

تیری تعریف ہم کریں کیسے
ہم تو ادنیٰ غلام ہیں تیرے
ہم کو الفاظ ہی نہیں ملتے

معروف شاعر اخترؔ ایک طویل عرصے سے قرطاس وقلم سے وابستہ ہیں، ان کا ایک نعتیہ ہائیکو ملاحظہ فرمائیں:

زیست کیسے شکست کھائے گی
موت مجھ کو سلام کرتی ہے
میں محمدؐ کا امتی ٹھہرا

سید قمر ہاشمی کے نعتیہ ہائیکو ملاحظہ فرمائیں۔

چھوٹ کر ہاتھ سے گری تلوار
جب یہودی نے عزمِ قتل کیا
خواب سے آپ ہوگئے بیدار

☆☆☆☆☆

دشمنوں کو بنا لیا اپنا

اور حلقہ بگوش پیاروں کو

یہ بھی اعجاز ہے رسالت کا

سلیم کوثر نوجوان شعرا میں بہت ممتاز ہیں۔ ان کی پہچان غزل ہے لیکن انھوں نے جو نعتیں کہی ہیں، وہ نعتیہ ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی نعتیہ ہائیکو ملاحظہ ہو:

اس کا نام لکھو

جس کے نام کی برکت ہی

زندہ رکھتی ہے

بزرگ شاعر مقبول نقش کی کتاب ''چشم خیال'' مطبوعہ ۱۹۹۴ء میں یہ ایک نعتیہ ہائیکو شامل ہے:

یہی وسیلہ ہے

صلی علیٰ محمدؐ

میرا وظیفہ ہے

عزیز احسن (سابقہ عزیز صابری) اپنے مرتب کردہ مجموعہ ''جواہر النعت'' مطبوعہ ۱۹۸۱ء کے حوالے سے دنیائے نعت میں خاصی شہرت پا چکے ہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق نعت گو کے علاوہ نعت کے ایک بالغ نظر قاری بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے نعتیہ ہائیکو میں (پانچ۔ سات۔ پانچ) کے اوزان کی پابندی کا بھی خیال رکھا ہے اور ہائیکو کے جاپانی مزاج کو بھی مدنظر رکھا ہے یعنی موسم اور اس کی گلکاریوں کے ذکر کے سات ہائیکو تخلیق کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

چاہت کی خوشبو

باغ رسالتؐ سے پھیلی

ہر جانب ہر سو

☆☆☆☆☆

موسم کے سب رنگ
آقاؐ ہی کے دم سے ہیں
زندگیوں کے ڈھنگ

☆☆☆☆☆

کلیاں مدحت کی
ڈالی ڈالی پھول بنیں
باغِ رسالتؐ کی

صبیحؔ رحمانی نے اپنے مجموعہ نعت ''جادۂ رحمت'' (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں ہائیکو میں نعت کہنے کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اس مجموعے میں دو حمدیہ ہائیکو اور دس نعتیہ ہائیکو شامل ہیں، ملاحظہ ہوں:

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اُگتے ہیں
سورج سینے میں

☆☆☆☆☆

سیرت کے انوار
سورج بن کر ابھرے ہیں
ان کے پیرو کار

☆☆☆☆☆

یاد پیغمبر
روز چراغاں کرتی ہے
میری پلکوں پر

☆☆☆☆☆

مہکی ہیں راہیں
پھیلی ہوئی ہیں طیبہ میں
خوشبو کی باہیں

☆☆☆☆☆

معراج سرکار
وقت نے رک کر دیکھی ہے
انساں کی رفتار

☆☆☆☆☆

روشن راتیں کر
انؐ کی یاد کے دیپ جلا
انؐ کی باتیں کر

☆☆☆☆☆

کچھ تشکیک نہیں
کس کے دامن میں انؐ کے
در کی بھیک نہیں

☆☆☆☆☆

ان کی عطا کے ہیں
میرے دامن میں جتنے
حرف ثنا کے ہیں

محمد یعقوب غزنوی:

کیسی غیر یقینی
تیرے ذکر سے پھوٹ رہی ہے خوشبو
بھینی بھینی

☆☆☆☆☆

دو جگ کے سلطان
تو نے کیسا درس دیا ہے
خلقت سب حیران

☆☆☆☆☆

صدیوں کے اندھیارے
تو نے آکر دور کیے ہیں
رب کے راج دلارے

☆☆☆☆☆

تیرا صبر انوکھا
پیٹ پہ پتھر اور مزدوری
تجھ کو ایسے دیکھا

گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے مجلّہ ''اوج'' کے نعت نمبر میں شامل ''نعت گو شعرا، سے قلمی مذاکرہ'' میں حسین سحر (ملتان) نے صفحہ نمبر ۳۷۲ پر، قمر حجازی (اوکاڑا) نے صفحہ ۲۹۶ پر خلش مظفر (حیدرآباد) نے صفحہ نمبر ۱۷۶ پر مندرج اپنے جوابات میں نعتیہ ہائیکو کہنے کا اعلان کیا ہے۔ افسوس کہ ان کے نعتیہ ہائیکو راقم الحروف کو نہ مل سکے۔ لیکن مندرجہ بالا ہائیکو نگاروں کے ان نعتیہ ہائیکو کا مطالعہ جدید نعت کے خدوخال کو اجاگر کرتا ہے اور ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ آج جب اردو شاعری کو اکیسویں صدی پر دستک دیے ہوئے دو عشرے گذرنے کو ہیں تو جدید نعت، تلاش ذات سے اپنے اپنے عصر کی پہچان تک کے مرحلے طے کرتے ہوئے ایک ایسی منزل تک آپہنچی ہے، جہاں ایک طرف تو دیار مدحتِ سرکار میں جذب و شوق، وارفتگی اور خودسپردگی کے ان گنت چراغ روشن ہیں اور دوسری طرف سوچ اور اظہار کی تمام تر رعنائیاں شہر علم کی چوکھٹ پر سجدہ ریز نظر آتی ہیں اور یہی سوچ اور اظہار کی معراج ہے۔

اس ہیئت میں نعت کہنے والے مشاہیر شعرا کے نام گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) اقبال نجمی (۲) کرم کلیم (۳) رضی الدین رضی
(۴) قمر ہاشمی (۵) مظفر وارثی

مختلف بولوں میں نعت

دادرہ، ٹھمری، شیام کلیاں اور ترانہ

تک دار اور باوزن فقرے جو سروں میں گائے جاتے ہیں ”گیت کہے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر قیصر جہاں نے کتابی گیت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے۔

”کتابی گیت سماج کی ترقی کے بعد وجود میں آئے ان کا سنگیت ان کے الفاظ میں مضمر ہے۔ یہ دراصل لوک گیت کی ترقی یافتہ شکل ہے۔نشاط والم کے پر جوش جذبات کی مخصوص کیفیت کو چند مناسب الفاظ میں ترنم کے سہارے بیان کرنے کو گیت کہا جاتا ہے۔“

ترانہ گیت کی ایک مخصوص قسم ہے، اردو شعرا نے گیت اور ترانہ دونوں میں کامیاب نعتیں کہی ہیں۔عصر حاضر میں بیکلؔ اتساہی کے نعتیہ گیتوں اور عمرؔ انصاری کے ترانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نعتیہ شاعری اردو شاعری کی جملہ اصناف سخن میں پورے آب و تاب اور مکمل فنی شعور کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔

اردو نعت کبھی کبھی موسیقی کے بولوں میں کہی گئی ہیں، میر اعظم علی شائقؔ، حمزہؔ اور حسرتؔ نے فنی اعتبار سے کئی اچھی نعتیہ ٹھمریاں لکھی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شائقؔ، حمزہؔ، حسرتؔ کی اس قبیل کی شاعری پر چند سطور حوالۂ قرطاس کر دی جائیں۔

اردو نعت گوئی کی تاریخ میں شائقؔ کا نام ان کی ٹھمریوں کی وجہ سے زندہ رہے گا۔ٹھمری ایک قسم کا چھوٹا گیت یا دوسرے لفظوں میں دو بولوں کا گیت ہے۔وہ عورت کے جذبۂ شیفتگی کا برملا اظہار ہے اور اس میں عورت سماج کے لیے ایک علامت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ گیت کا امتیازی عنصر یہ ہے کہ وہ ماں، زمین اور معاشرے کے بطن سے پیدا ہوئے رجحان کا

علم بردار ہے۔ وہ ایک ایسا جذبہ ہے جو جسم کے نغماتی زیر و بم میں وجد پیدا کرتا ہے۔
ڈاکٹر وزیر آغا کے لفظوں میں:

"گیت محبت میں مبتلا ایک عورت کے دل کی پکار تو ہے لیکن جیسا کہ ہر صنف شعر کا قاعدہ ہے، گیت میں بھی بعض اوقات تذکیر و تانیث سے بے اعتنائی کی روش ابھری ہے اور بعض اوقات اس نے مرد کی طرف سے اظہار محبت کی بھی صورت اختیار کی ہے لیکن اس سے گیت کا بنیادی مزاج ہرگز تبدیل نہیں ہوا کیونکہ مرد کی طرف سے کہے گئے گیت بھی نسوانیت کے لہجۂ محبت کے ارضی پہلو اور سراپا نگاری کے ایک واضح میلان کو سامنے لائے ہیں۔"

ٹھمری خالص ہندوستانی چیز ہے۔ شائق کی نعتیہ ٹھمریوں میں ہندوستانی فضا پوری طرح چھائی ہے اور عورت کے جذبات وصل اور جذبات فراق دونوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر دو ٹھمریاں ملاحظہ ہوں:

تہار جرن کی ہے آس رے ساجن

نینا لڑا کے دکھ میں پڑی ہوں ۔۔۔ پیت نہ آئی راس رے ساجن ۔۔۔ مجھ بے کس کو
برہ دیوانی کو دور نہ چھانڑو ۔۔۔ پاس بلا لو پاس رے ساجن ۔۔۔ مجھ بے کس کو
رنگ رچو ہے ہر جا میرا ۔۔۔ پھولن پھولن باس رے ساجن ۔۔۔ مجھ بے کس کو
میم کی پتلی مل کے احد سے ۔۔۔ چڑھ گئی ساتوں اکاس رے ساجن ۔۔۔ مجھ بے کس کو

شائق کے یہاں جہاں کہیں والہانہ شیفتگی، عشق کا روپ دھار لیتی ہیں وہاں ان کی نعتوں میں وہی درد وہی بے چینی اور وہی کرب محسوس ہوتا ہے جو ایک بے کس بے بس برہ کی آگ میں جلنے والی عورت محسوس کرتی ہے۔ اس سلسلے کی ایک ٹھمری ملاحظہ ہو:

پاپ کی نیا ڈوب رہی ہے ۔۔۔ تیرے کرم سے ترانا
ہند نگر میں تڑپوں کب تک ۔۔۔ اپنا نگر دکھا جانا
گھونگھٹ چھینو، جلوہ کینو ۔۔۔ روپ دکھاؤ سہانا
ہائے وہ شبھ دن آئے گا کس دن ۔۔۔ تہاری گلی ہو ٹھکانا

حمزہؔ نے شائقؔ سے متاثر ہو کر کئی اچھی ٹھمریاں کہی ہیں، جن میں مقامی فضا کا استیلا ہے اور اس کی ارضیت، دلکشی اور جاذبیت رکھتی ہے۔ ٹھمری میں بلا کی داخلیت ہوتی ہے۔ اس پر ''از دل خیزد بر دل ریزد'' والی بات مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ اس میں عورت واردات قلبی کو ہلکی پھلکی صاف، سادہ زبان میں بیان کرتی ہے۔ لیکن مردوں نے عورت کے جذبات کی عکاسی کر کے عورت کی نفسیات پر اپنے عبور کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔

مولانا عبدالقدیر حسرتؔ کی ٹھمریاں خاصی دلچسپی کی چیز ہیں، ان میں جس رقت، اضطراب اور بے بسی کا اظہار ہے وہ اردو ادب کی نعتیہ ٹھمریوں میں کم ملتا ہے۔ ان کی تین ٹھمریاں اہم ہیں۔

۱۔ ''مکے والے بالما''

۲۔ ''معراجی سیّاں''

۳۔ ''کالی کملی والے بھیّا'' یا ''مور نیا منجدھار''

''کالی کملی والے بھیا'' گلے میں پیت کا ہار ڈالے اس ناری کے دل کی پکار ہے جو بابل تیاگ کر پیتم کے دوار پر پڑی ہے۔ تمام بندھنوں کو چھوڑ کر پیتم تک پہنچنا بہ ظاہر تیاگ ہے لیکن تیاگ کا یہ عمل منفی انداز کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک نیا راستہ استوار کرنے کی خواہش ہے، جس میں عورت اپنے دیس کی دھرتی چھوڑتی اور پیتم کے دیس جاتی ہے، پیتم کے بغیر بھرے پرے بابل کے گھر میں کوئی نظر نہیں آتا اور سارا سنسار بیری دکھائی پڑنے لگتا ہے۔

''مکے والے بالما'' میں عورت کے اس وفور جذبات کی عکاسی کی گئی ہے کہ اس کا پیتم آجائے اور پھر نہ جائے یا اپنے ساتھ اس کو بھی اپنے دوار لے جائے۔

''معراجی سیّاں تم پر جیا قربان'' برہ کی آگ میں جلتی ہوئی ناری کے تپتے ہوئے دل کی پکار ہے جو پراکرتی کے جادو بھرے ماحول سے اٹھ کر پیتم کے دوار تک پہنچنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کو پیتم کے بغیر نہ نیند آتی ہے نہ چین۔ وہ تن من اور جان سب کچھ اپنے پیتم پر قربان کرنے کو تیار ہے۔ نمونۃً ایک بند ملاحظہ ہو:

معراجی سیّاں تم پر جیا قربان

آنکھوں کے تارے راج دلارے — تم میری جان معراجی سیّاں

نیند نہیں آوے چین نہیں آوے — تم بن ائے سلطان معراجی سیاں

تن من واروں جیارا واروں تم پر سب قربان معراجی سیّاں

حالی کے دور میں فتح پور ہسوا کے ایک شاعر مولوی عبدالرحیم المتخلص رحیم نے ٹھمری کے علاوہ بھجن اور دادرہ میں کئی نعتیں کہی ہیں جو ان کے مطبوعہ دیوان مولود شریف موسومہ انتخاب رحیمی عرف رحیم بانی میں شامل ہیں۔

آپ کا نام مولوی عبدالرحیم اور تخلص رحیم تھا۔ آپ کے والد کا نام شیخ مخدوم بخش ابن شیخ شاہ محمد اور استاد کا نام مولوی محمد برہان الدین ہسوی تھا۔ آپ قصبہ چیت عیسیٰ پور پرگنہ وضلع فتح پور ڈاکخانہ حسین گنج کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اردو فارسی، عربی اور بھاشا میں اچھی نعتیں کہی ہیں۔ آپ کی یہ نعتیں آپ کی تصنیف مولود شریف مطبوعہ چشمۂ ہند فتح پور سے ماہ شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں طبع ہوئی تھی۔ راقم السطور کے زیر نظر اس کتاب کا وہ نسخہ ہے جو کتب خانہ مدرسہ اسلامیہ فتح پور کی ملکیت ہے۔ اس نسخہ کے ٹائٹل کے صفحہ کے اوپری حاشیہ پر دائیں سے بائیں جانب مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے۔

''بخدمت مولوی رضی الدین

صفحہ ۵۳ میں مولوی برہان الدین صاحب دلدار نے ان کا حال لکھا ہے۔ کل کتاب ملاحظہ کر کے جہاں کوئی بات نظر میں آوے یاد فرمائیں۔ عبدالرحیم'' کذا

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہ نسخہ مولوی رضی الدین کی خدمت میں جو کہ مصنف کے استاد محمد برہان الدین کے پسر ارجمند تھے بغرض ملاحظہ عبارت مرقوم بالا لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط ثبت کر کے پیش کیا تھا۔ اس کتاب میں چونسٹھ صفحات ہیں۔ جس کے بعد تمت کے چار صفحات منسلک ہیں۔ یہ کتاب حمدِ خدا، نعتِ رسولؐ، وتصوف و رمز و عرفان تلقین مرشد اور طریقۂ ذکر و اشغال پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں نعتوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، شاعر کو مداح نبی ہونے پر فخر ہے۔ مولوی عبدالرحیم کی مولود شریف میں مختلف زبانوں کی نعتیں شامل ہیں۔ مصنف نے ان نعتوں کے عنوانات متعین کیے ہیں۔ انھوں نے عنوان کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ کس زبان میں ہے اور کس صنف شاعری سے متعلق ہے۔ نعتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سندیس مدینہ بزبان بھاشا یعنی پیغام تمنائے مولف جانبِ رسول اکبر

۲۔ قصیدۂ اردو تصوف محفلِ وحدانیت و نعتِ نبوی ﷺ
۳۔ قصیدہ در ترتیب محفل میلاد شریف سرور عالمؐ بزبان اردو
۴۔ قصیدہ در نعت بزبان اردو
۵۔ مخمس بھاکا بر غزل مولانا خسرو در نعت احمدی ﷺ
۶۔ قصیدہ اردو بسلام سرورؐ
۷۔ نظم فارسی در نعت رسولؐ از نسخہ رحیما مصنف و مولف کتاب ہٰذا
۸۔ دادرہ تمنائے جناب حضور رسولؐ دو جہاں بزبان بھاکا
۹۔ مثلث بزبان بھاشا در پیدائش نور کرامات ظہور سرور عالمؐ
۱۰۔ قصیدہ در میلاد شریف جناب رسول ﷺ اردو
۱۱۔ مبارک باد پیدائش سرورئؐ بزبان اردو
۱۲۔ سلام فارسی بہ میلاد رسولؐ مقبول
۱۳۔ مسدس بھاکھا وڈنڈوت میت نرنجن
۱۴۔ مخمس بزبان بھاکا کا بر غزل قدسی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ
۱۵۔ بھجن معجزات
۱۶۔ قصیدہ در نعت باین صفت کہ در شعر مضمون بچہار زبان نوشتہ یعنی بھاکا، اردو و فارسی و عربی
۱۷۔ قصیدہ اردو در شان حضور رسولؐ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
۱۸۔ سرگ پیاں ہرتہوادرس نرنجن مانہ یعنی معراج رسولؐ دو عالم
۱۹۔ دادرہ فارسی بہ اشتیاق طواف کعبہ
۲۰۔ برنک برن محمد بھجن بھاکا
۲۱۔ پوربی بزبان ہندی در شانِ نبویؐ
۲۲۔ ٹھمری در نعت بزبان بھاکا

نعت گوئی کے میدان میں مولوی عبدالرحیم کی شخصیت بہت قد آور ہے۔ ان میں اجتہادی قوت بہت زبردست تھی لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان کے کارنامے ابھی تک پردہ خفا میں ہیں۔ ان کی نعتیں مختلف بولیوں، مختلف ہیئتوں اور مختلف اصناف سخن میں ہیں۔

انھوں نے دادرہ، ٹھمری اور بھجن میں کافی جاندار نعتیں کہی ہیں۔ان کی یہ نعتیں بھاشا زبان میں ہیں، انھوں نے نعتیہ قصائد اور نعتیہ نظموں کے علاوہ نعتیہ مخمس، نعتیہ مسدس اور نعتیہ مثلث بھی لکھے ہیں، ان کی نعتیہ کاوشات میں سلام بھی ملتے ہیں، انھوں نے نعتِ نبوی میں وصفی پیرایۂ اظہار بھی اپنایا ہے۔ایک دونعتوں میں سوز دروں کا اظہار کیا ہے، ان کے نعتیہ سرمایہ میں دو تضمینیں بھی ملتی ہیں جن میں ایک خسرو کی غزل پر ہے اور دوسری قدسی کی مشہور غزل پر ہے۔''دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی''

ان کی جدت طراز روش نے طوافِ کعبہ کے اشتیاق میں فارسی میں دادرہ کہا ہے۔ان کی ندرت پسند طبیعت نے ایک طول طویل مفصل قصیدہ معراج پر لکھا ہے جس میں ''پیغام باری اور مبارکباد'' کے ضمنی عنوانات اردو میں اور بقیہ سبھی اشعار بھاشا میں ہیں۔رحیم کی افتاد طبع میں جدت وندرت بھری ہوئی تھی۔انھوں نے ایک نعتیہ کاوش میں یہ التزام کیا ہے کہ شعری کاوش کے ہر شعر میں نعت کے مضمون کو چار زبانوں میں یعنی بھاشا، اردو، فارسی اور عربی میں ادا کیا ہے، ان کو رسول اقدس ﷺ سے مخلصانہ عقیدت اور والہانہ شیفتگی تھی۔ انھوں نے ''حالت خاندانی مولوی عبدالرحیم صاحب مصنف رسالہ ہٰذا'' کے تحت مرقوم اشعار میں اپنی اس شیفتگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

منم مدح خواں رسول کریمؐ لقب نقشبندیہ عبدالرحیم
زفضل خدائے و رسول اللہ بعشق نبی کرد دل را دو نیم

رحیمؔ کو زیارت نبویؐ کا بے حد اشتیاق تھا۔ان کا پختہ عقیدہ ہے کہ نعت نبیؐ سے فضل خداوندی حاصل ہوتا ہے۔حزن والم سے نجات ملتی ہے۔

فضل حق ہوگا لکھو نعت محمدؐ کو رحیمؔ آج کل لوگ تجھے سب سے حزیں دیکھتے ہیں

رحیم کو زبان و بیان پر زبردست قدرت اور مذہب و تاریخ پر مکمل عبور حاصل ہے۔وہ صنائع بدائع اور تلمیحات کا استعمال بہت لطافت وندرت کے ساتھ کرتا ہے، ایجاز واختصار پر اس کو معجز قدرت حاصل ہے۔شیفتگی عقیدت اور خلوص ہر جگہ موجزن نظر آتا ہے۔

یونس کا من سے کشٹ ہریو بل اسماعیل کا بدل دیو
یوسف کی کوپ منہ ہاتھ دھریو تمہہ کہیو نوح کی ناو دریائے یون بھور

خدایا رحیم حزیں کو محمدؐ | کب اپنے بولائیں گے وہ آستاں پر
رحیم حزیں کو بلا لو محمدؐ | کہ مدت سے عاصی جدا ہو رہا ہے
خدایا تیری دربار میں دعائے رحیم | مدینہ مجھ کو دکھا سید زماں کے لیے
اپنی جگ مگ جوت سے لینن ہیر نکال | پیم ڈشت کی اپنی دس رتن کینہ کرتار

نبیؐ عرش معلیٰ لوح و کرسی اکدگر ہو کر

السلام ائے سرورِ سلطانِ دین | السلام ائے قیصر چرخ و زمین
السلام ائے مالکِ ملکِ شہود | السلام ائے والئ شہر وجود
السلام ائے مصدرِ انوار رب | السلام ائے مظہر اسرار رب

مبارک یہ فرزند ہو سب جہاں کو | سزا وار ہو مادرِ مہرباں کو
سزاوار حوّا کو اور سائرہ کو | دحضار میلاد خیل زناں کو
مبارک ہو خیر البشر بوالبشر کو | ملائک و غلماں و حور و جناں کو
بشرحِ زبوری ثنا جس کی دیکھی | مبارک ہو داؤد شیریں زباں کو
محمدؐ کے شائق تھے توریت پڑھ کر | ہو فرخندہ سوسائے عذب اللساں کو
(کذا عذاللساں)
خبر تھی جو انجیل میں ان کے دم کی | ہو فرخ پہ عیسائے روحِ رواں کو
جو بیتاب دیدار سے مطّلب ہے | مبارک پسر زادہ ہو دادا جاں کو

تم ہو ہر کے رام دلارے | اور الکھ کے پیتم پیارے
تمرے سنسار ہے سہارے | کس نہ یہ کشٹھ ہو ہمارے

یا نبیؐ سلام ، صلوٰۃ اللہ علیک
یا خفی سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

ہر سے داؤدؑ نے پایو ہے الاپ اور زبور | موسیٰؑ توریت دئی درس ہیوا وتم طور

دہرلے عیسیٰؑ یہی انجیل کہیں من سے بسور ذاتِ پاک تو کہ در ملک عرب کردہ ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

☆☆☆☆☆

سو گھر بنے لہری راج بالم صلی اللہ علیہ وسلم

اسم محمدؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جھلک سروپ نرنجن بانی خلق میں کون ہو اتم ثانی

خاتم اوج رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

موہت ہو تمہرے بھگوانا، دیکھ معاصی اہل زمانہ

کرد ظہور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مژدۂ وصل میں لایا ہوں سنانے کے لیے حق نے بھیجا ہے محمدؐ ترے لانے کے لیے

عرش پر دھوم ہے مقدم کی تمہاری پیہم آپ سے راز ہیں کچھ خاص بتانے کے لیے

راز اسرار بتانے کے نہیں قابل ہیں کیوں بولائے گئے ہیں اور کیا ہے جتانے کے لیے

عرش پر غل ہے کہ محبوب خدا آتے ہیں قدسیاں ہیں نگراں آپؐ کے آنے کے لیے

مجھ کو تائید سخن ہے جو در احمدؐ سے آتے مضموں ہیں مضامین جتانے کے لیے

ترک کرتا ہوں جو مضمون کہ ہیں اب پیشِ نظر لوگ سمجھیں گے کہا اس نے بڑھانے کے لیے

اس طرح شعرائے نعت نے نعتیہ مضامین اردو شاعری کی تقریباً سبھی ہیئتوں اور سبھی ساختوں میں نظم کیے ہیں۔ لیکن اردو کی نعتیہ شاعری میں جو مقبولیت مثنوی، قصیدہ، غزل، مسدس، اور نظم کی ہیئات کو ملی ہے وہ دیگر ہیئات سخن کو نہیں مل سکی۔

پانچواں باب

بحیثیت مجموعی ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ اور ہر دو ممالک میں اردو نعت کا مستقبل

ایک بار شبلی نے حالی سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں وسعت میں دریا ہوں اور حالی گہرائی میں کنواں''۔ شبلی کا یہ مقولہ ہندوستان اور پاکستان کی نعتیہ شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے اس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی نعتیہ شاعری کے مقابلے میں ہندوستان کی نعتیہ شاعری وسعت میں دریا اور گہرائی میں کنواں'' ہے۔ مقولہ محولہ بالا کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہمیں دونوں ملکوں کی نعتیہ فتوحات کا بغور مطالعہ کرنا ہوگا۔ چند شعبوں میں پاکستان کی نعتیہ پاکستان کی نعتیہ تخلیقات کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ تو ان کی مطبوعہ تصنیفات و تالیفات ہی سے بآسانی لگ جاتا ہے۔ ۱۹۹۲ء تک کی پاکستانی نعتیہ مطبوعات کی تعداد ۱۲۸۹ ہے۔ جن کو تخلیق کاروں کے اسمائے گرامی کے ساتھ حروف تہجی کے اعتبار سے شیدائے نعت جناب غوث میاں نے رسالہ اوج کے نعت نمبر (جلد دوم) میں جمع کیا ہے۔

پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ہوا تھا۔ وہاں کے باشندوں میں سے ہر گھرانہ کے ایک دو افراد سفید ڈالر کی دنیا میں ابتغائے معاش کے سلسلہ میں اقامت پذیر ہیں۔ اس طور پر وہاں انفرادی طور پر دولت کی فراوانی ہے، اسی لیے وہاں کے نعت گو شعرا اپنے اثاثہ نعت کے شائع کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے اور اس طرح وہاں معیاری اور غیر معیاری ہر قسم کا کلام زیورِ طبع سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جب کہ ہندوستانی شعرائے نعت کے مادّی

وسائل پاکستانی شعرائے نعت کے مادّی وسائل کے مقابلہ میں محدود ہیں اور وہ عموماً مالی پریشانیوں کے شکار ہیں، اسی لیے ہندوستان کے اکثر شعرائے نعت کا معیاری سرمایہ بھی تشنۂ طبع رہ جاتا ہے۔ پھر بھی ہندوستان کا نعتیہ سرمایہ پاکستان کے نعتیہ سرمایہ سے کافی زیادہ ہے۔

موضوعات کے تنوع کے ساتھ عصر حاضر میں نعت گوئی کے اسالیب وہیئات کے لحاظ سے دونوں ملکوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ زیر بحث ہر دو ممالک کا نعتیہ سرمایہ تقریباً تمام مروجہ اصناف وہیئات میں موجود ہے۔ دونوں ملکوں میں غزل، نعت گو شاعروں کی محبوب صنف رہی ہے، نئے شاعروں کی نعتیہ غزلوں میں محبتِ رسالتمآب ﷺ کے ایسے ایسے دلآویز تجربے پیش کیے گئے ہیں کہ نعت کے ساتھ غزل بھی باوقار اور پرکیف بن گئی ہے، عصر حاضر میں مجموعی طور پر پاکستانی رسائل اور اخبارات نے نعت کو کافی فروغ دیا ہے۔ پاکستان کے رسالہ ''سیر وسفر'' کو نعت نمبر کے اجرا کے سلسلہ میں اولیت کا شرف حاصل ہے، ''صریر خامہ'' کو اس اعتبار سے شرف اولیت حاصل ہے کہ اس نے ۱۹۷۷ء میں اردو نعت کے انتخاب کے ساتھ نعت کے فکر وفن پر چند تحقیقی وتنقیدی مضامین بھی شائع کیے ہیں۔ بطور تحدیث نعمت کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے راقم (ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری) کو اس امر میں شرف اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے ۷۶۔۱۹۷۷ء میں اپنے تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' کی ترتیب کے دوران اپنی پیش کردہ ''سناپسس'' میں ایک مستقل باب نعت کی تحقیق وتنقید کے لیے وقف کیا تھا، جس میں موصوف نے نبی ﷺ کی بے مثال اور اعلیٰ ناقدانہ اسلوب پر پہلی بار بھرپور روشنی ڈالی تھی، موصوف نے اپنے تحقیقی مقالہ کے اس حصے کو اپنی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء میں ایک جزو کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔ ان صفحات کی مجموعی تعداد ایک سو دس ہے، موصوف نے قرآن کریم کی آیت مقدسہ **"ماینبغی له" الخ** کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے شاعری کو آپ ﷺ کی عالی مرتبت شخصیت سے فروتر بتلایا ہے۔ آپ کا شاعری نہ کرنا بربنائے عجز نہ تھا۔ اس سلسلے میں راقم نے احادیث کے بہت سے ایسے ٹکڑے جمع کیے ہیں جو بلاقصد ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ شعر وشاعری کے شاہکار ہیں۔ احادیث وتواریخ کی استمداد سے

چند ایسے واقعات بھی ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' میں مشمول ہیں، جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے شعرا کے کلام میں فنی اصلاحات بھی کی ہیں، مثلاً سبعہ معلقہ کے شاعر زہیرؓ بن ابوسلمٰی کے لڑکے کعبؓ کے قصیدہ بردہ میں آپؐ نے فنی اصلاح کرتے ہوئے **مھند من سیوف الھند مسلول** کو بدل کر **مھند من سیوف اللّٰہ مسلول** کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مہند کے بعد **من سیوف الھند** حشو ہے۔ راقم نے اس نظریہ کو رد کیا ہے کہ نبی ﷺ کے امّی ہونے کے معنی ان پڑھ ہیں۔ راقم نے امّی کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ آپؐ تعلیم کے سلسلہ میں اسی طرح اللہ پاک کے علاوہ سب سے بے نیاز ہیں، جس طرح ماں کے پیٹ سے نکلا ہوا نومولود۔ ورنہ آپؐ کا مبلغ علم اللہ پاک کے بعد سب سے اعلیٰ ہے۔

پاکستان اس معنی میں ہندوستان پر تفوق رکھتا ہے کہ وہاں سے جتنے رسائل، نعت سے متعلق شائع ہوئے ہیں اس کا عشر عشیر بھی ہندوستان سے شائع نہیں ہوا اور خالص نعتیہ رسائل کا تو ہندوستان میں قریب قریب فقدان ہی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت رسول اکرمؐ کے موضوع پر چھپنے والے خصوصی شماروں کا ایک طویل سلسلہ ہے خصوصاً ربیع الاول کے مہینے میں مذہبی رسائل واخبارات کے خصوصی نمبروں کی اشاعت پاکستان میں ایک روایت کا درجہ اختیار کر چکی ہے، ان رسائل واخبارات میں حضور اکرمؐ کی سیرت و پیغام کے ساتھ بہت ساری نعتیں نیز فن نعت اور نعت گو شعرا کے بارے میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی رسائل و جرائد میں یہ بات دیکھنے کو نہیں ملتی۔ علاوہ بریں پاکستان میں دوسرے قومی وملی تہواروں اور تقریبات کے مواقع پر مجلّات و جرائد کے جو خاص نمبر اشاعت پذیر ہوتے ہیں اور ان میں جو نعتیہ ادب مشمول ہوتا ہے، اس کا جواب بھی ہندوستان میں نہیں ہے۔ پاکستان میں جمعرات اور جمعہ کو شائع ہونے والی ملی اشاعتوں کے ذریعہ ہر ہفتہ نعت کا خاصہ ذخیرہ تخلیق ہوتا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان ہر دو ممالک کے مذہبی جلسوں کا آغاز تلاوت کام پاک سے ہوتا ہے اور اس کے بعد لازمی طور پر نعتیہ کلام بھی پیش کیا جاتا ہے لیکن پاکستان میں ہر سرکاری تقریب میں جنرل ضیاء الحق نے تلاوت کلام پاک کے ساتھ نعت کو لازمی قرار دیا

تھا۔ پاکستان میں سرکاری سرپرستی کی وجہ سے نعت کو جو فروغ حاصل ہوا اس کی مثال کی تلاش ہندوستان میں بے سود ہے۔ پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی نے نعت کو کافی فروغ عطا کیا۔ ان اداروں کے خصوصی پروگراموں (ربیع الاول، معراج، لیلۃ القدر اور محرم و رمضان المبارک وغیرہ) کے علاوہ معمول کی نشریات میں پرانے اور نئے شاعروں کی نعتیں نشر ہوتی رہتی ہیں، وہ اس پر مستزاد ہیں۔ ریڈیو پاکستان سنٹرل پروڈکشنز کی نیشنل ساؤنڈ لائبریری میں محفوظ نعتوں اور قوالیوں کے کٹیلاگ کا مطالعہ کیا جائے تو نعت کے فروغ وارتقا کے سلسلہ میں ریڈیو کی خدمات کا ایک اندازہ ہو جائے گا۔ ''نعتیں اور قوالیاں کٹیلاگ کے اعتبار سے تعداد میں ۷۸۱ ہیں جنھیں ۲۶۰ شاعروں نے لکھا اور ۲۷۴ فن کاروں نے گایا ہے۔ ان نعتوں میں ۵۲۱ بغیر ساز کے اور ۲۴ ساز کے ساتھ گائی گئی ہیں۔ (یہ بیسویں صدی کی بات ہے۔)

پاکستان میں گراموفون کمپنیوں اور فلموں نے بھی نعت کی مقبولیت کے دائرے کو وسیع کیا۔ ماضی قریب میں کیسٹوں نے روایتِ نعت کو آگے بڑھایا۔ گراموفون اور کیسٹوں کے ذریعہ نعت خوانی اور نعتیہ قوالیوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، ان ذرائع ابلاغ سے جہاں پرانے شاعروں کی نعتیں از سر نو زندہ ہو رہی ہیں، وہیں نئے لکھنے والوں کی نعتیں بھی مشہور ہو رہی ہیں۔ یہ شہرت بھی دوسرے محرکات نعت کی طرح عصر جدید کی ایک اہم محرک ہے۔ جس نے نئے شاعروں کو نعت گوئی کی طرف راغب کیا ہے۔ ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے فروغ پانے والی نعتیہ شاعری یقیناً معیاری نہیں کہی جا سکتی، لیکن اس نے بلاشبہ نعت کے دامن کو غیر معمولی وسعت دی۔ اسی زمرے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے بیشتر ممتاز نعت گو اصلاً ہندوستانی ہیں۔

فروغ نعت میں نعتیہ مشاعروں کا ایک اہم حصہ ہے اور یقیناً اس باب میں بھی پاکستان کو ہندوستان پر برتری حاصل ہے۔

ہندوستانی نعتوں میں جو خلوص، وارفتگی، والہانہ پن اور جاں گداختگی ہے وہ عموماً پاکستانی نعتوں میں نہیں ہے۔ ہندوستان میں پاکستانی نعتوں کے مقابلے میں حضوریٔ قلب، سپردگیٔ جاں، حفظ مراتب اور دیدہ نمی بدرجہا زیادہ ہے۔ ہندوستانی نعتوں میں ''نہ ستائش کی تمنا نہ

صلہ کی پروا'' کا جذبہ کارفرما ہے، اس لیے ان میں جو اخلاص، جو طہارتِ جذبہ اور جو لطافتِ قلب، رواں دواں ہے وہ پاکستانی نعتوں میں نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جنرل ضیاءالحق نے اپنے زمانہ میں فروغ نعت کے لیے بہت کام کیا اور شعرائے نعت کو دراہم و دنانیر اور دنیاوی مال ومتاع سے بھی نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں نعت کے سلسلے میں جو ہماہمی جنرل ضیاءالحق کے زمانے میں تھی وہ وہاں نہ اس سے پہلے کبھی نظر آئی تھی اور نہ ان کے بعد دیکھنے کو ملتی ہے۔

نعت پر جتنا تحقیقی وتنقیدی کام ہندوستان میں ہوا اور ہو رہا ہے اتنا کام پاکستان میں نہیں ہوا اور نہ ہو رہا ہے۔ نعت پر اردو کا پہلا تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ہندوستان ہی میں لکھا گیا۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے نعت پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ناگپور یونیورسٹی سے ۱۹۵۵ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے معیاری ونمایاں تحقیقی مقالہ لکھنے والوں کی مختصر سی فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔　اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، ناگپور یونیورسٹی
۲۔　اردو شاعری میں نعت۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، لکھنؤ یونیورسٹی۔
۳۔　اردو شاعری میں نعت گوئی ایک تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی۔ رانچی یونیورسٹی
۴۔　اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، داکٹر شاہدہ پروین، کانپور یونیورسٹی
۵۔　اردو میں نعت گوئی کی روایت اور ارتقا۔ ڈاکٹر جوہر قدوسی، کشمیر یونیورسٹی
۶۔　بہار میں اردو نعت گوئی۔ ڈاکٹر محمد نسیم، میتھلا یونیورسٹی در بھنگا بہار
۷۔　عہد آصف جاہی میں اردو نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر اطہر النساء بیگم
۸۔　کرناٹک میں اردو نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر شاہدہ نسرین
۹۔　بہار میں اردو نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر فرحانہ شاہین۔ مگدھ یونیورسٹی، گیا
۱۰۔　بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گوشعرا۔ ڈاکٹر نگار سلطانہ۔ کانپور یونیورسٹی
۱۱۔　اردو کی نعتیہ شاعری کا صنفی وہیئتی مطالعہ۔ ڈاکٹر شکیلہ خاتون۔
۱۲۔　پاکستان اور ہندوستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ ڈاکٹر قریشہ بانو۔

واضح ہو کہ آخر الذکر تینوں مقالے راقم کی زیرنگرانی لکھے گئے ہیں اور چوتھے مقالے کی مقالہ نگار راقم کی شریک حیات ہیں جب کہ پاکستان میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے اب تک لکھے گئے اہم مقالوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اردو میں نعت گوئی۔ڈاکٹر ریاض مجید۔پنجاب یونیورسٹی
۲۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کے اثرات۔پروفیسر عاصیؔ کرنالی، ملتان یونیورسٹی
۳۔ اردو میں میلادنامے۔ڈاکٹر مظفر عالم جاوید۔ملتان یونیورسٹی (بیسویں صدی کے اختتام تک)
۴۔ اردو نعت ڈاکٹر ریاض الحق طاہر
۵۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ۔ڈاکٹر افضال احمد انور
۶۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایہ کا تحقیقی مطالعہ۔ڈاکٹر عزیز احسن
۷۔ پنجابی میں نعت۔ڈاکٹر آفتاب احمد
۸۔ عہد نبوی کی نعتیہ شاعری۔ڈاکٹر شاہ محمد تبریزی۔
۹۔ اردو نعت پاکستان میں۔ڈاکٹر شہزاد احمد۔
۱۰۔ نعتیہ شاعری میں ملی عناصر۔ڈاکٹر محمد طاہر قریشی

جہاں تک نعت کی تحقیقی وتنقیدی کتابوں کا تعلق ہے (جو پی ایچ ڈی کے مقالوں کے علاوہ ہیں) یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس شعبہ میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر تفوق حاصل ہے۔اس شعبہ میں جتنا سرمایہ ہندوستان سے شائع ہوا ہے، وہ پاکستان سے شائع ہونے والے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہے۔نعت پر معیاری اور مستند مضامین وکتب کے باب میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر اولیت حاصل ہے۔

اس طور پر یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ نعت کے باب میں کیفیت و کمّیت کے اعتبار سے ہندوستان پاکستان سے آگے ہے۔ ہندوستان میں اصلاً اور بالذات اردو میں حمد پر پی ایچ ڈی کے دو مقالے ضبطِ تحریر میں لائے گئے۔جن میں سے ایک کا عنوان ''اردو میں حمد نگاری کا آغاز و ارتقا'' ہے۔اس موضوع پر ڈاکٹر حسن طلعت نے کام کیا ہے جس کے نگراں ڈاکٹر میر محبوب حسین (حیدرآباد) ہیں۔اس مقالے پر موصوف کو ۲۰۰۴ء میں پی ایچ

ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی تھی جب کہ دوسرا مقالہ ''اردو میں حمد نگاری کی روایت'' کے موضوع پر ڈاکٹر محمد اظہار کا ہے جس کا نگراں راقم ہے، اس مقالے پر کانپور یونیورسٹی نے ڈاکٹر محمد اظہار کو پی ایچ ڈی کی ڈگری ۲۰۰۸ء میں تفویض کی تھی۔ جب کہ پاکستان میں اس قبیل کا صرف ایک مقالہ ڈاکٹر افضالہ شاہین نے زیر نگرانی ڈاکٹر آفتاب احمد ثاقب تحریر کیا تھا جس کا سن تکمیل ۲۰۱۴ء ہے جس پر موصوفہ کو بعد میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی تھی۔ اور اس طرح اس باب میں بھی ہند کو پاک پر تفوق و برتری اور تقدمِ زمانی حاصل ہے۔

ہندوستانی شعرا کے ناعت کو پاکستانی شعرا کے ناعت پر اس لیے بھی تفوق اور ترجیح حاصل ہے کہ اول الذکر شعرا، اپنے نعتیہ اشعار و ابیات میں نعت و منقبت کا ادغام کرتے ہیں جب کہ موخر الذکر شعرا ایسا نہیں کرتے۔

صحابی رسولؐ و سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر زہیر ابن ابی سلمیٰ کے پسر صالح حضرت کعبؓ نے اپنے نعتیہ قصیدہ ''بانت سعاد'' میں نبی ختمی مرتبتؐ کی شان ارفع و اعلیٰ میں ۵۸ اشعار عرض کیے تھے لیکن قصیدے کے اختتام پر نبی رحمتؐ کی اس خواہش کے احترام میں کہ کاش تم اس میں انصار کا ذکر خیر کرتے کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں، محترم شاعر نے منقبت انصار میں مزید گیارہ اشعار کا اضافہ کر کے قصیدہ مافی البحث کی تعداد ۶۹ کر دی۔ (تاریخ ابن ہشام) جلد۔۲، صفحہ ۶۱۸ و ۶۱۹۔

حضرت کعبؓ نے ان مستزاد اشعار میں اصل و نسل انصار اور ان کے خلقی و جبلی اوصاف و خصائص از قبیل شجاعت و سخاوت و ضیافت پر مکمل روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح یہ نعت ان نعتوں کی سرخیل ہے جن میں مضامین نعت و منقبت کا ادغام ہو، یہ رنگ مولانا ظفر علی خاں کے یہاں کافی چوکھا ہے۔ شعرائے ہند بالخصوص شعرائے لکھنؤ اپنی نعتوں میں نعت رسولؐ کے ساتھ مدح صحابہؓ کو شامل کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان کے نعت نگار شعرا اس قبیل کا کوئی انصرام و اہتمام نہیں کرتے۔ فارسی کے اولین شاعر نعت حکیم فردوسی نے بھی اپنی نعت معنون بہ ''ستائش پیمبر'' میں خلفائے خمسہ میں سے خلفائے اربعہ کی منقبت مدغم کی ہے۔ موصوف نے اس نعت کا عنوان ''در ستائش پیمبر و چار یارانش'' رکھا ہے کیونکہ خلیفہ پنجم حضرت امام حسن یار نہیں بلکہ آپ کے نبیرہ ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں حمد و نعت کا ادغام کیا ہے۔

ہندوستان کو اس باب میں بھی تفضّل کلّی حاصل ہے کہ اس کے ایک شہر فتح پور سے دس کوس کے فاصلے پر گنگا کنارے واقع ڈلمئو کے باشندے ملا داؤد اردو کے اولین تخلیق کار اور اردو کے سب سے پہلے نعت نگار ہیں۔ جن کی ۷۸۱ھ مطابق ۱۳۷۹ء کی تخلیق کردہ ''چنداین'' اردو کی اولین تخلیق ہے۔ اس کا بند نمبر چھ نعت پر مشتمل ہے۔ سطور مندرجہ بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پانچویں باب کی فصل رواں کے آغاز میں جو یہ فیصلہ رقم کیا گیا تھا کہ ''ہندوستان کی نعتیہ شاعری پاکستان کی نعتیہ شاعری کے مقابلے میں وسعت میں دریا اور گہرائی میں کنواں ہے، مبنی برحق وصداقت ہے۔

(د) اردو نعت گو شاعرات اور ان کے نعتیہ مجموعے و تذکرے

اردو نعت گوئی کی دنیا میں اس کے آغاز ہی سے نعت گو شعرا کے ساتھ ساتھ نعت گو شاعرات کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؓ، آپ کی دائی حضرت حلیمہؓ، آپ کی زوجہ معظّمہ حضرت خدیجہؓ، آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ، آپ کی ازواج مطہرات حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ، قبیلۂ بنی زہار کی خاتون محترمہ اور رات کو گشت لگاتے ہوئے حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت کو سماعت پذیر ایک روئی دھنکنے والی خاتون کے اشعار مبارکہ اور قبیلہ بنی نجار کی بچیوں کے وہ اشعار بھی جو انھوں نے ہجرت النبیؐ کے موقع پر دف بجا بجا کر گائے تھے اہم ہیں۔

راقم حضرت عائشہ صدیقہ کا ایک نعتیہ شعر نقل کر کے آگے بڑھتا ہے۔ آپؓ کا محولہ بالا شعر نقل ذیل ہے:

لواحی زلیخا لورائین جبینہ   لاثّرن قطع القلوب علیٰ قطع الید

حضرت زلیخا کو ملامت کرنے والی خواتین اگر نبی آخر الزماں کی پیشانی دیکھ لیتیں تو وہ ہاتھ کاٹنے پر دلوں کے کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔ عشق ومحبت میں ہاتھ نہیں دل کاٹے جاتے ہیں۔

یہ بات صدفی صد درست ہے کہ کئی اردو نعت گو شاعرات نے بہت اچھے نعتیہ اشعار کہے ہیں، لیکن صنف نازک کے ان اچھے اشعار کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس کے کئی

وجوہ واسباب ہیں، جن میں سے اہم وجہ، ان کی پردہ نشینی اور اپنے آپ کو پس پردہ رکھنے کا جذبہ ہے، اس کی ایک وجہ تذکرہ نگاروں کا طبقہ شاعرات کو درخور اعتنا نہ سمجھنے کا غلط رجحان اور شاعرات کا اپنے کلام کی عدم اشاعت اور ان کا اپنے کو مخفی رکھنے کا میلان بھی ہے۔

میر تقی میر نے جن کی خود کی صاحبزادی ایک اچھی شاعرہ تھیں، اپنے تذکرہ ''نکات الشعرا'' میں ان کا اور اردو شاعرات کا تذکرہ نہیں کیا۔ یہی حالت مولانا محمد حسین آزاد کے تذکرہ ''آب حیات'' کی بھی ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، عبدالغفور نسّاخ اور منشی عبدالکرم نے اپنے اپنے تذکروں میں، چند شاعرات کو بھی شامل کیا ہے۔ رائے درگا پرساد نے ''تذکرۃ النساء نادری'' میں مولانا آسی الدنی نے ''تذکرۃ الخواتین'' میں اور شمیم سخن نے ''گلشن ناز'' اور ''چمن انداز'' میں خواتین شاعرات کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے یہ تذکرے کافی مختصر اور سرسری ہیں۔

ان تذکروں سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں بہت سی ایسی خواتین ہیں جنھوں نے بہت سے شاعروں سے بہتر شاعری کی ہے، ان میں زاہدہ خاتون شیروانیہ اور اداؔ جعفری اہم ہیں۔

مجموعہ ہائے نعت گو شاعرات تاریخ ادب اردو کے نمایاں حصّے ہیں۔ نعت گو شاعرات میں اولیت کا شرف زینت بی بی کے ''گلبن نعت'' کو حاصل ہے، جو ۱۳۲۳ھ = ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ہے۔ دستیاب معلومات کی روشنی میں مفید عام پریس لاہور سے شائع ہونے والے اس مجموعۂ نعت کو نعت گو شاعرات کے باب میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ موصوفہ کا تخلص مجوبؔ ہے۔

زاہدہ خاتون شیروانیہ کا نعتیہ کلام کافی پختہ اور استوار ہے۔ یہ دیوان لفظی و معنوی اعتبار سے بھی قابل دید ہے۔ ادا جعفری متوفیہ ۱۳ مارچ ۲۰۱۵ء کا اردو نعتیہ کلام بھی قابل رشک ہے۔ مرحومہ کے نعتیہ کلام میں صنائع لفظیہ ومعنویہ کا استعمال بہت خوب ہے۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی بھی لائق ستائش ہے۔ خانوادۂ ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کی بعض نعت گو شاعرات نے کافی اچھی نعتیں کہی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی والدہ، محترمہ محمودہ خاتون کا مجموعہ نعت ''گلستانِ سخن محمودہ'' ۱۹۷۷ء سے قبل شائع ہو چکا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر موصوف نے راقم کو اس کا ایک نسخہ از راہِ کرم عنایت فرمایا تھا۔ جہاں تک اردو نعت گو شاعرات سے متعلق تذکروں کا تعلق ہے، تو اس باب میں اولیت کا شرف ڈاکٹر ابوسلمان

شاہجہاں پوری کے تذکرہ ''نعت گو شاعرات'' کو حاصل ہے۔اس تذکرہ میں ۱۱۲صفحات ہیں اوراس میں مشمولہ شاعرات کی تعداد پچاس ہے۔

اس کے بعد خالد علیم نے اپنی کتاب ''اردو شاعرات کی نعتیہ شاعری'' میں۵۲نعت گو شاعرات کا تذکرہ کیاہے۔اس تذکرہ میں نواب اخترؔ محل شرف النساء بیگم،ضرورتؔ،اور کیفیؔ کے علاوہ مندرجہ ذیل نعتیہ مجموعوں کا ذکر ملتا ہے۔

''صحیفۂ درخشاں'' از سردار بیگم اختر حیدرآبادی، ''موجِ تسنیم،'' از امۃ اللہ تسنیمؔ۔ ''ذکر وفکر''، ''صبر وشکر'' اور ''تسلیم و رضا'' از تہنیت النساء بیگم (دختر فصیح الدین صدیقی، خطاب نواب رفعت یار جنگ ثانی) زوجہ،مرحوم محی الدین قادری زور متولد ۶؍دسمبر ۱۹۰۵ءو متوفی ۲۳ ستمبر۱۹۶۲ء۔آپ والد کے اعتبار سے صدیقی اور والدہ کے اعتبار سے انصاریہ تھیں،آپ کی والدہ اسماء بیگم اور نانی سلیمہ بیگم تھیں۔آپ کے ماموں مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے۔سلیمہ بیگم جنت البقیع میں مدفون ہیں۔تہنیت النساء بیگم کی تاریخ پیدائش ۲۱؍مئی ۱۹۱۰ءاور تاریخ وفات ۸؍نومبر ۱۹۹۹ء ہے''نوائے حرم''از حمیدہ بیگم،''ہدیۂ طاہرہ''از طاہرہ بیگم، بانو طاہرہ سعید، ''حضوری چاہتی ہوں'' اور سرِّ طیبہ''از پروین جاوید، اہم اور قابل تعریف نعتیہ مجموعے ہیں۔پروین جاوید نے اپنی پہلی نعت ۱۹۷۲ء کے ایک مشاعرے میں پڑھی تھی،عہد حاضر کی نعت گو شاعرات میں ریحانہ تبسم فاضلی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

اسی سلسلے میں نعت لاہور کا خصوصی شمارہ ''خواتین کی نعت گوئی'' بھی لائق ذکر ہے، جس میں راجا رشید محمود نے ۱۲۹ شاعرات ،نعت کا تذکرہ کیاہے،اس میں نعت گو شاعرات کی اردو تذکروں میں عدم شمولیت یا قلت شمولیت پر اچھی بحث کی گئی ہے۔اسی سیاق وسباق میں نعت گو شاعرات کی نعت گوئی کا جائزہ بھی لیا گیاہے اور نعتیہ تذکروں اور نعتیہ انتخابات میں ان کو نظر انداز کیے جانے پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

متذکرہ بالا نعت گو شاعرات کی نعت گوئی کا جائزہ بھی لیا گیاہے اور نعتیہ تذکروں اور نعتیہ انتخابات میں ان کو نظر انداز کیے جانے پر مفصّل بحث کی گئی ہے۔

متذکرہ بالا نعت گو شاعرات کے علاوہ بشارت جبیں بشارت کا مجموعۂ نعت ''اسیر مصطفیٰ بن کر''،حمیرا راحت کا مجموعۂ کلام ''میرے آقا'' رخشاں ائے۔بی کا نعتیہ مجموعہ ''سخن

زارعقیدت''سہیلی راحت آرا کا''دیدار کعبہ''، صغریٰ فاطمہ نصیر کا''صدائے روح'' بھی لائق ذکر ہیں، جن میں اردو نعتیہ اور اردو منقبتیہ شاعری مشمول ہے۔شعر گوئی کا عمدہ ذوق رکھنے والی طلعت اشارت کے نعتیہ مجموعہ''سرمایہ'' کو بھی نعتیہ مجموعات کے مابین ایک اہم مقام حاصل ہے، مسعودہ خانم کے مجموعہ ہائے حمد و نعت''ابر رحمت''۱۹۹۱ء،''رحمت بیکراں'' ۱۹۹۳ء، اور''منبع رحمت''۱۹۹۹ء، کو بھی اس میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، رضیہ ناصر نے جن کا انتقال ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو کنیڈہ میں ہوا عربی، اردو اور پنجابی میں عمدہ نعتیں لکھی ہیں۔ ناصرہ رفیق کا نعتیہ مجموعہ''پھوٹی کرن حجاز میں'' اپنی معنویت کے لحاظ سے اہم ہے۔موصوفہ ایسی شاعرہ تھیں جنھوں نے خود کو حمد و نعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

نور جہاں بنت احمد عرب کا مجموعۂ نعت''تحفۂ نور'' اپنی لفظیات، خیالات، اور جذبات شعری کی ندرت کے اعتبار سے قابل آفریں ہے۔نورین طلعت عروبہ کا نعتیہ مجموعہ''حاضری'' اور''زہے مقدّر''نعت کی دنیا کو ایک نئی دین ہیں۔مسرت جہاں نوری، بیگم شفیق بریلوی کا حمد و نعت و منقبت کا مجموعہ معنوں بہ''ندائے نوری'' مضامین نعت کی ندرت اور مفاہیم نعت کے تنوع و رنگارنگی کی وجہ سے لائق مدحت ہے۔ریحانہ شفاعت نازؔ کا بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ محبت معنون بہ''نورِ محبت'' بھی لائق ذکر ہے۔موصوفہ کو مسجد نبوی میں نعتیں لکھنے کا شرف بھی حاصل ہے۔نوری مسرت جہاں، بیگم شفیق بریلوی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳٦ء میں افسانہ نگاری سے کیا تھا۔آپ کے افسانے دہلی کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔آپ نے نعت گوئی کا آغاز ۱۹۷۵ء میں کیا تھا۔آپ کا حمد و نعت و منقبت کا مجموعہ''ندائے نوری'' ہے۔آپ کو راہِ نعت کی دشوار گزاری کا اس حد تک احساس ہے کہ آپ نے نعت خوانی کو''جرأت بیکراں'' سے تعبیر کرتے ہوئے کہا ہے:

میں شاعر ہوں سرمائی ہے شعر میرا　　میں نذرِ شہَ مرسلاں کر رہی ہوں
تہی دست ہوں، میرا دامن ہے خالی　　مگر جرأت بیکراں کر رہی ہوں

آپ کا جذبۂ حبِّ رسول قابل آفریں ہے۔اس سلسلے میں آپ کا درج ذیل شعر ملاحظہ ہو:

بے خودی ایسی کہ ہے خواب میں بھی لب پہ درود
جذب ایسا کہ مدینہ نظر آجاتا ہے

آقائے دو عالم سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی پہلی نعت، وہ نعت ہے، جس کی تخلیق کار قبیلۂ انصار کی ضمنی شاخ بنی نجار کی وہ بچیاں ہیں جو ہجرت کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر محولہ بالا نعت پڑھ رہی تھیں، جس کے چار دستیاب اشعار درج ذیل ہیں:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا اللّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع
نحن جوارٍ من بنی لنجار — یا حبّذا محمد من جار

ترجمہ: پہاڑی کے موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں، چودھویں شب کا چاند طلوع ہو رہا ہے۔

جب تک دنیا میں اللہ کا نام لیوا باقی ہے، ہم پر شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

اے وہ شخصیت جس کو ہم میں مبعوث فرمایا گیا ہے، آپ واجب الاطاعت حکم لے کر تشریف لائے ہیں۔

ہم قبیلہ بنو نجار کی بچیاں ہیں، ہمارا نصیب قابل رشک ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں۔

واضح ہو کہ تاریخ نعت کے ہر دور میں طبقۂ رجال کے ساتھ طبقہ اناث بھی شانہ بشانہ نظر آتا ہے۔ عہدِ نبوی کے ایک سو کیاسی تخلیق کاران نعت کی فہرست میں بارہ کا تعلق طبقہ اناث سے ہے۔ بقیہ کا تعلق طبقۂ ذکور سے ہے۔ (**المجموعة النبهانيه فی المداح النبويه ، از شيخ يوسف بن اسماعيل النبهانی** ،جلد۔۲،ص۔۲۷۵،مطبوعہ، البیروت،۱۳۰۲ھ)

راقم کے لائق ذکر ہی خواہ محترمی رشید اختر خاں صاحب (دھنباد) کا مفید اور وقیع تذکرہ ''نعت گو شاعرات'' کتابت کے مراحل طے کر کے منتظر طباعت و اشاعت ہے۔ جس کی تخلیق و تزئین کافی دیدہ ریزی، مثالی بے دار مغزی، خاصی سحر خیزی اور ریاضت شاقہ سے کی گئی ہے، اس اہم کتاب میں تخمیناً ڈھائی سو اردو شاعرات کا ذکر خیر ہے۔ جن میں سے

ایک سو پچیس صاحب دیوان شاعراتِ نعت ہیں۔ بقیہ کا تعلق ان نعت گو شاعرات سے ہے جن کا تذکرہ اب تک کے کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔

پاکستان سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والی محقق نعت غوث میاں کی ۵۴۴ صفحات پر محتوی وقیع کتاب ہے، جس کا عنوان ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' ہے۔ یہ کتاب اس لیے لائق ذکر ہے کیونکہ اس میں ۲۱۹ لائق و فائق شاعرات نعت کا دل کش و مفید تذکرہ مع نمونہ کلام شامل ہے۔

راقم نے عربی نعت کے محوّلہ بالا چار اشعار تیمّناً نقل کیے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی گئی اولین نعت تبعّ یمنی کی نعت ہے، جو ولادت النبیؐ سے ایک ہزار سال پیشتر کہی گئی تھی، بعثت کے بعد کی پہلی نعت جناب ابو طالب کی نعت ہے۔ تبع یمنی قبائل اوس و خزرج کا جو بعد میں انصار کہلائے، مورث اعلیٰ ہے۔ اس تبع یمنی کی نعت کو عالمِ نعت کی اولین نعت ہونے کا اور تبع یمنی کو پہلے نعت گو ہونے کا فخر حاصل ہے۔

تبع کی محولہ بالا نعت کی شان ورود کی بابت محمد بن اسحاق نے بتلایا ہے کہ تبع اپنے پسر ارجمند کے انتقام کے لیے، جس کو اہل یثرب نے دغا اور بدعہدی سے مار ڈالا تھا، مدینہ واپس آیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ مدینہ کو تباہ و برباد کر کے ہی یمن واپس ہوگا۔ مدینہ کے علمائے توریت نے تبع کو اس کے اس ارادے سے باز رہنے کی نصیحت کی اور اسے بتلایا کہ یہ شہر حفاظتِ الٰہی میں محفوظ ہے، اسے کوئی برباد نہیں کرسکتا کیونکہ یہ نبی آخر الزماں کا دارالہجرت ہے، چنانچہ تبّع اپنے عزمِ فاسد سے باز رہا اور اپنے ہمراہ علماء کی ایک جماعت لے کر یمن روانہ ہوا۔ علمائے تورات کی چار سو افراد کی ایک جماعت نے یمن واپس لوٹنے سے انکار کیا اور انھوں نے نبی آخر الزماں کی صحبت سے مستفید ہونے کا اپنا عزم ظاہر کیا۔ تبّع نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مکان تعمیر کرایا اور چار سو علماء میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنوائے اور انھیں مال کثیر دے کر ان کی خدمت کے لیے باندیاں مقرر کیں اور ایک کتاب لکھ کر اپنے اسلام کی شہادت کا اعلان کیا۔ اس کتاب کے چار اشعار دستبرد زمانہ سے بچ پائے ہیں، جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

شهدت علی احمد انّه　　　　رسول من اللّٰه باری النّسم

فلو مدّ عمری الی عمرہ لکنت وزیراً لہ وابن عمّ

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نفس کو پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میری عمر آپ کی عمر کے وقت تک دراز ہوئی، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر اور آپ کا چچازاد بھائی بنوں گا، ''باری النّسم'' کی ترکیب بے عدیل ہے۔

تبّع یمنی نے اس کتاب کو سربمہر کر کے علمائے توریت کی اس جماعت کے سب سے بڑے عالم کو، جو مدینہ میں ٹھہر گئی تھی، اس فرمان کے ساتھ حوالہ کیا کہ اگر وہ نبی آخرالزماں کا زمانہ پائے، تو وہ خود ورنہ وہ اپنی اولاد کو اور وہ اپنی اولاد کو وصیت کرتے رہیں کہ جو بھی آپ کے زمانہ میمنت لزوم کو پائے وہ، یہ کتاب نبی آخرالزماں کے حوالہ کردے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت اسی مکان میں نزول فرمائیں جو اس نے آپ کے لیے تعمیر کرایا تھا، اور علمائے تورات میں سے ایک کو اس کا متولی مقرر کیا۔ چنانچہ جب نبی آخرالزماں مدینہ تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایوبؓ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا، (راحت القلوب صفحہ ۵۷ و ۵۸) واضح ہو کہ حضرت اابوایوبؓ اس عالم شاؤل کی اولاد میں سے ہیں، جو متولیٔ اوّل تھے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے تبّع کی وہ کتاب، جس میں محوّلہ بالا نعت مشمول تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کردی، جس کو سماعت فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبّع کو اخی کہہ کر مرحبا فرمایا۔ واضح ہو کہ ابوایوبؓ انصاری اس شاؤل سے اکیسویں پشت پر تھے، جن کو تبّع نے محولہ بالا وہ خط، جس میں دنیا کی پہلی نعت مشمول تھی، سربمہر کر کے حوالہ کیا تھا۔ (انصار ایک دستاویز از راقم صفحہ ۴۲ و ۴۳)

اس طرح نبی آخرالزماں کی بعثت سے ایک ہزار سال پیشتر کی یہ نعت دنیائے نعت کی پہلی نعت ہے اور چار سو علمائے توریت کی اولاد، جنھوں نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دامے درمے قدمے مدد کی سعادت حاصل کی تھی، انصار کہلائی۔

تبّع یمنی وہ پہلے شخص ہیں، جن کو خواب میں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں، چنانچہ انھوں نے اس خواب کے بموجب اولاً ٹاٹ کا بعدہ مَعافر کا اور اس کے بعد جب ان سے خواب میں اس سے بہتر غلاف کی بات کہی گئی تو ملاء اور وصائل کے غلاف چڑھائے اور انھوں نے قبیلۂ بنوجرہم کو، جن کے پاس بیت اللہ کا انتظام وانصرام تھا، سدا بیت

اللہ پر غلاف چڑھاتے رہنے، بیت اللہ کو پاک وصاف رکھنے اور بیت اللہ کے لیے دروازہ بنوا کر قفل وکلید کے انتظام کرتے رہنے کی تاکید کی۔ (سیرت ابن ہشام ج۔۱ص۔۴۸)

اس طرح تبّع یمنی اولین نعت گو ہونے کے علاوہ، کعبہ پر سب سے پہلے غلاف چڑھانے والے بھی ہیں۔ان کو اس پر بھی تقدم حاصل ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے بیت اللہ کی صفائی کا انتظام کیا اور قبیلۂ بنو جرہم کو سدا بیت اللہ کی صفائی کرتے رہنے اور بیت اللہ میں دروازہ لگا کر قفل وکلید کے انتظام کی تاکید کی۔ (تبّع یمنی کا نام بقول مسعودی ابن حسّان بن کللکرب (ابن اثیر ص۔۴۹۳و۴۹۴) اور بقول طبری تبان اسور ابو کرب تھا۔ (انصار ایک دستاویز، صفحہ ۴۰)

ہندوستان اور پاکستان میں نعت گوئی کا مستقبل

نبیؐ آخر الزماں نے فرمایا ہے کہ ''زمانے کو برا مت کہو، کیوں کہ خدا خود زمانہ ہے اور وقت ایک تسلسل ہے جس کی ابتدا کی کسی کو خبر ہے نہ انتہا معلوم ہے۔'' اس حدیث میں ایک استعارہ ہے۔جس میں ایک ایسی خدائی صفت بیان کی گئی ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں یعنی وقت۔ جب کوئی اور کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور جب کچھ نہ ہوگا تو خدا ہوگا۔ وہ قائم ہے اور حیّ و قیوم ہے۔اس کو کسی نے نہیں دیکھا اس کو صرف اس کی تخلیقات اور اس کے مظاہر سے پہچانا گیا ہے۔ کائنات کے بارے میں (ہماری زمین بھی جس کا حصہ ہے) سائنسی انکشافات نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہی ہماری عقل کو حیران کر دینے اور خدا پر ایمان لے آنے کے لیے کافی ہیں۔تاہم اتمام حجت کے لیے خدا نے نہ صرف پہلے بشر کو نبی بنایا بلکہ بنی آدم میں ہزاروں نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجے تاکہ وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست دکھائیں۔نبوت و رسالت کا اختتام نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر ہوا۔جن لوگوں نے آپ کی جامع الصفات شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جانا وہ آپ پر دل و جان سے ایمان لائے اور اس درجہ کا ایمان کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس ایمان سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ پہلے آپؐ کی سیرت اور آپ کے کردار کی تصدیق اسی معاشرہ کے لوگوں نے کی جس میں آپؐ نے اپنی عمر کے ابتدائی سال بسر کیے تھے۔ پھر خدا نے آپؐ کی

نبوت ورسالت کی گواہی کے لیے ایک عظیم الشان معجزہ آپؐ پر نازل کیا جو آج بھی ہمارے درمیان جوں کا توں موجود ہے اور جس کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں ''دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت کی شخصیت مقدسہ اور آپؐ کی سیرت وحیات کے براہین وشواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف قرآن ہی اس لیے کافی ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ قوم ومرز بوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوئے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات وحوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظر ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود، مقاصد، وجود اور اعلام عظمت وصداقت کے لیے اس کے وقائع میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور یہ سب کچھ از قبیل اشارات ورموزات نہیں جیسا کہ ارباب نکات ووقائع کا طریق استنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح وظاہر اور اگر رموز و اشارات وتلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ جو کچھ لکھا ہے، اپنے وسیع تر معنوں میں بالکل درست ہے۔ اس سے بہت پہلے یعنی تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی قرآن کو سیرت نبیؐ ہی قرار دیا تھا۔ ام المومنینؓ کے مختصر قول کی مولانا آزاد نے قدرے وضاحت کردی ہے۔ اگر ہم مزید تفصیل میں جائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ سیرت رسولؐ، حمد خدا ہی کا ایک حصہ ہے۔ تعریف اس خدا کی جس نے انھیں بنایا۔ رسالت توحید کی شہادت دیتی ہے اور اس کا پیغام اہل زمانہ تک پہنچاتی ہے۔ یہ زمانہ وقت کا کوئی مخصوص حصہ

نہیں بلکہ آپؐ کی بعثت سے پہلے سے لے کر قیامت کے بعد تک کے لیے۔ آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء و رسل نے آپؐ کی آمد کے لیے دعائیں مانگیں اور آپؐ کی آمد کی بشارتیں اپنی اپنی امتوں کو سنائیں۔ دعائے خلیلؑ سے لے کر نوید مسیحاؑ تک۔ آریہ قوم کی مقدس کتابوں نے بھی آپؐ کی آمد کی خبر دی ہے۔ قرآن نے پچھلی الہامی کتابوں کی تصدیق کی۔ محمد آپؐ کا نام رکھا گیا۔

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔'' (فتح۔۲۹)

''اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔'' (آل عمران۔۱۴۳)

''محمد باپ نہیں کسی کے تمھارے مردوں میں لیکن رسول ہیں اللہ کے اور مُہر (یعنی نبوت کو ختم کر دینے والے) سب نبیوں پر۔'' (احزاب۔۴۰)

''اور جو یقین لائے اور کیسے بھلے کام کیے اور مانا جو اترا محمدؐ پر اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے۔ ان سے اتاریں ان کی برائیاں اور سنواریں ان کا حال۔'' (محمد۔۲)

محمد، حمد سے مستثنیٰ ہے اور حمد کے معنی ہیں بہترین تعریف۔ حمد کا لفظ خدا کے لیے مخصوص ہے اور یہ لفظ اور کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن کی پہلی سورت الحمد شروع ہی حمد سے ہوتی ہے۔ **الحمد للّٰہ رب العالمین** ۔ محمدؐ کے معنی ہیں بہت ہی تعریف کے لائق۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد و لاشریک کے بعد بہت ہی تعریف کے لائق جس کی شخصیت ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت اپنی ایک نعت میں کہتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اپنے نام میں سے ایک حصہ آپؐ کو عطا فرمایا۔ عرش اعظم کا مالک محمود یعنی لائق حمد ہے اور یہ نبی، محمدؐ ہیں یعنی بہت تعریف کیا گیا۔''

اب یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ آپؐ کی نعت سب سے پہلے تو کلام الٰہی میں پائی جاتی ہے اور کلام الٰہی تمام زبانوں پر محیط ہے۔ سیرت رسولؐ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔ مدحتِ رسول کا کوئی رخ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے الوہی لہجہ میں وحی نہ کیا ہو۔ مدحت رسولؐ کسی انداز میں ہو اور سیرت رسولؐ کا کوئی پہلو ہو یہ سب کے سب نعت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے نعت کے موضوع کو نہایت خوبی سے یوں سمیٹا ہے۔

''بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرمؐ کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ اور گستاخِ رسولؐ کے جواب میں مسلمان شاعروں نے موثر طور پر حضور اکرمؐ کا دفاع کیا، نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربار رسالتؐ کے شاعروں نے کفار کے زد میں حضور اکرمؐ کے حسب نسب اور کردار وصفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انھیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؐ کی سیرت مبارکہ کی صفت و ثنا، جمال ظاہری، شجاعت، دیانت، امانت، صداقت، عدالت، باطنی حسن کی تعریف، حضور کے خلق و ہدایت کا بیان۔ آپؐ کے آباء واجداد اور اصحابؓ وآلؓ کی مدح، دوسرے پیغمبروں کے مقابلے میں آپؐ کی فضیلت کا بیان اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد اور اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ اسلام میں حضور اکرمؐ کی مساعیِ جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ بعد کی نعتیہ شاعری میں شاعر کے اپنے احساسات بھی نعت کے مضامین میں شامل ہونے لگے۔ اب نعتوں میں مدینے سے دوری کا احساس، ہوا کے ذریعہ روضہ رسولؐ تک پیغام رسانی، درپیش مصائب میں آپؐ سے فریاد اور دادرسی کی خواہش یعنی استغاثہ واستمداد کے مضامین بھی نعت میں داخل ہوگئے۔ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل بھی نعت میں قلم بند ہونے لگے اور یوں نعت کا دائرہ مدح سے پھیل کر مسلمانوں کو قومی وملی محسوسات پر محیط ہوگیا۔''

یہ سب وقت کا تسلسل ہی تھا جو ہے اور ہوگا۔ حقیقت میں شاعر کے اپنے محسوسات

شروع ہی سے نعت میں شامل رہے ہیں۔ حضرت ابو طالب کہتے ہیں ''تو نے مجھے دعوت دی۔ تیرا خیال ہے کہ تو میرا خیر خواہ ہے۔ تو نے سچ کہا اور پھر تو تو ایک امانت دار رہ چکا ہے۔ تو نے وہ دین پیش کیا جو یقیناً دنیا کے ادیان میں بہترین دین ہے۔ اگر ملامت کا خوف اور سبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کرنے میں تو یقیناً مجھے برملا فراخ دل پاتا'' یہ وہ نعت ہے جس سے بہتر نعت اسلام قبول نہ کرنے والوں میں سے آج تک کوئی نہیں کہہ سکا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ پر سلام بھیجتے ہیں ''مالک الملک، بادشاہ عالم، بندوں کا والی اور پروردگا، احمد مجتبیٰ پر سلام ورحمت بھیجے،'' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں ''کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا، ہر اس دین پر، جو اس سے پہلے تھا، حق سے پھرا ہوا، اور اللہ نے اہل مکہ کو محروم کر دیا حضورؐ سے جب ان لوگوں نے گمراہی کے خیالِ فاسد یعنی قتل پر کمر باندھی۔ پس رسولؐ اللہ کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا۔''

''حضرت عثمان غنیؓ وصال رسولؐ پر فرماتے ہیں'' تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک۔ اپنے سردار پر آنسو بہانا تو لازم آچکا ہے۔'' حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''انسانی بدن اور اس کے پہلو، جتنی شخصیتوں کو چھپائے ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے بہتر آپؐ ہیں اور آپؐ ان تمام مرنے والوں میں جن کو خاک نے چھپایا ہے، سب سے بہتر ہیں۔'' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ''اندھیری رات میں ان کی پیشانی نظر آتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جیسے روشن چراغ، احمد مجتبیٰؐ کے جیسا کون تھا اور کون ہوگا؟ حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سراپا عبرت بنا دینے والا۔'' حضرت فاطمہ زہراؓ فرماتی ہیں۔ ''جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمد مجتبیٰ سونگھ لی، تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی خوشبو نہ سونگھے۔'' سید الشہدا حضرت حمزہؓ فرماتے ہیں ''میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی۔ احمدؐ ہم میں برگزیدہ ہیں۔ جن کی اطاعت کی جاتی ہے۔ لہٰذا تم ان کے سامنے نا ملائم لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا۔'' حضرت عباسؓ فرماتے ہیں'' آپؐ جب پیدا ہوئے تو چمک اٹھی زمین اور روشن ہو گئے آفاق سماوی آپؐ کے نور سے۔''

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو نبی کریمؐ کے بہت قریب ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی نعتیں کہی ہیں۔ ان سب میں ذاتی احساس اور ذاتی مشاہدے کو اتنا ہی دخل ہے جتنا مضبوط

اور پختہ ان کا ایمان تھا۔ وہ سب کے سب جاں نثاران رسول تھے۔ وہ آپؐ پر صدق دل، صحت ذہن اور اصابت رائے کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ انھوں نے آپؐ کی محبت سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ لہٰذا ان کی نعتیں بھی سچی تھیں۔ ان کی فکر کتاب الٰہی اور سیرت رسولؐ کے سرچشموں ہی سے سیراب تھی۔

اردو میں نعت رسول ﷺ کئی اسالیب سخن میں اور کئی موضوعات کے تحت کہی گئی ہیں، مثلاً قصائد میں سودا، ناسخ، مومن بہادر شاہ ظفر، حالی امیر مینائی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، عزیز لکھنوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، محسن کاکوری وغیرہم، مثنوی میں ملا داؤد، ملا وجہی، نصرتی، مولانا اسماعیل شہید، سعادت یار خاں رنگین، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہم۔ مسدس اور مخمس میں نظیر اکبر آبادی، مولانا حالی، شاد عظیم آبادی، اکبر الہ آبادی، میر انیس، وغیرہم مختلف موضوعاتی نظموں کی صورت میں شبلی نعمانی، علامہ اقبال، علامہ تاجور نجیب آبادی، حفیظ جالندھری، وغیرہم۔ نظموں کی ہی مختلف ہیئتوں میں صفی لکھنوی، میر محبوب علی، امجد حیدر آبادی وغیرہم۔ یہ صرف چند نام ہیں ورنہ ایک کثیر تعداد ان شعرا کی ہے جنھوں نے مختلف اصناف سخن اور اسالیب سخن میں نعتیں کہی ہیں۔ عصر حاضر میں سب سے زیادہ نعتیں غزل کی فارم میں کہی گئی ہیں۔ آزاد نظم میں بھی اچھی اچھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ اس میدان میں غیر مسلم شعرا اور خواتین شاعرات کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

اردو میں نعت گوئی اردو شاعری کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی۔ لیکن یہ نعت گوئی حمد خدا کے ساتھ حصول برکت کے لیے تھی۔ باقاعدہ نعت نگاری کا سلسلہ دیر سے شروع ہوا۔ نعت گوئی کا آغاز شمالی ہند میں ملا داؤد کے ہاتھوں ۷۸۱ھ میں ہوا تھا۔ گیارہویں صدی ہجری میں پہلے برصغیر کے جنوبی حصہ میں اور اس کے بعد برصغیر کے شمالی حصہ میں نعتیہ مثنویاں، مولود نامے اور وفات نامے لکھے گئے۔ زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ہم اردو میں نعت نگاری کو زمانے کے لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلا آٹھویں صدی ہجری میں، دوسرا گیارہویں صدی ہجری سے پہلے۔ تیسرا گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی ہجری تک اور چوتھا تیرہویں صدی ہجری کے بعد سے حال تک۔ پہلے حصے میں نعت کے سلسلے میں خاصا کام ہوا۔ اردو زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ نعت کی زبان میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ لیکن عام طور پر نعت کے مضامین تقریباً وہی رہے۔ ذات وصفات رسولؐ، حیات رسولؐ، اخلاق

رسولؐ، مغازی، تمنائے زیارت، روضۂ رسولؐ، آرزوئے دیدار، عقیدت مندانہ وابستگی کا اظہار، نبوت ورسالت کی عظمتیں۔

دوصدیوں کی اس مدت میں اگرچہ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن انیسویں صدی عیسوی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے جو نمایاں تبدیلیاں نعت نگاری میں رونما ہونا شروع ہوئیں ان کو ہم عصر حاضر کی نعت نگاری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

عصر حاضر کی نعت نگاری نے وہ مضامین جو اس سے پہلے نعت کے موضوع تھے بیک قلم ترک کر دیے۔ ان کو بھی نظم کیا گیا لیکن جدید اسلوب میں، فی الحقیقت نعت نگاری میں قدیم کی کوئی حد فاصل نہیں ہے کہ یہ تو روشنی ہی روشنی ہے اور ایک ایسی عظیم الشان ہستی کی مدحت ہے جو کل بھی عظیم تھی، آج بھی عظیم ہے اور آنے والے وقتوں میں بھی عظیم رہے گی۔ اس نور الہدیٰ، اس شمس الضحیٰ، اس بدر الدجیٰ کے آگے سارے چراغ ماند ہیں۔ اس ہستی کو آپ خیر الانام کہیں، سید البشر کہیں، انسان کامل کہیں، محسن انسانیت کہیں، اس کا ذکر جمیل جس انداز سے بھی کریں اس سے ہمیشہ خوشبو ہی آئے گی۔ اس ذکر سے ہمیشہ انسانیت کو روشنی ہی ملے گی۔ البتہ جو تبدیلیاں نمایاں طور پر آئیں ان کو ہم مولانا حالؔی سے منسوب کر سکتے ہیں۔ واردات وکیفیات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن حالؔی نے نعت میں تہذیبی ومعاشرتی، قومی، سیاسی وتاریخی احوال وواقعات کو متعارف کرایا۔ حالؔی نے نعت نگاری کو ایک ایسا رخ دیا جس میں جدید حیثیت شریک ہوگئی اور بیداری کی ایک نئی زندگی بخش جاں نواز لہر رونما ہوئی۔ اردو شاعری کا ارتقا تہذیب کے دورِ زوال میں ہوا۔ عصر حاضر میں جب اردو شاعری کو تازہ رخی کا موڑ ملا تو نعت میں بھی ایک تازگی پیدا ہوئی۔ حالؔی کی مسدس مدوجزر اسلام جو عام طور پر مسدس حالؔی کے نام سے مشہور ہے۔ نعت کا ایک بہت خوبصورت ٹکڑا ہے جو اپنی جگہ مکمل نعت ہے۔ اس نعت کے مضامین نئے نہیں ہیں لیکن انداز بیان نے انھیں چمکا دیا ہے۔ سلاست زبان، سادگیٔ بیان، تاثیر اور روانی سب کچھ نیا نیا سا لگتا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے در گزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پر قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس ایک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اٹھا کر
سکھائی انھیں نوع انساں پہ شفقت کہا، ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں گر محبت شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں
جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی قرض اپنا رسالت
رہی حق پر باقی نہ بندوں کی حجت نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

چند بندوں کی یہ نعت اپنے اندر کیا نہیں رکھتی! وہ کون ہستی تھی جس کی بعثت ہوئی؟ اس نے کیا کردار پیش کیا؟ اس نے کیسا دین انسانیت کے سامنے رکھا؟ اس دین کی تکمیل کس

طرح ہوئی؟ اس دین کو جس جماعت نے قبول کیا وہ کیسے سرفراز ہوئی؟ اس نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ کیسا تھا؟ یہ سبھی باتیں ہمیں اس نعت سے معلوم ہوئی ہیں۔ اس نعت کے الفاظ ان کی ترتیب اور ان کی تحریر میں اگر ایک زیریں لہر، شاعر کی شیفتگی اور اس کے شعور کی رونہ ہوتی تو یہ نعت بھی تخلیق نہ ہوتی۔ بظاہر اس نعت میں وہ الفاظ نہیں جو عموماً اس ذات والا صفات سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن نظم کا ٹمپو اس وابستگی سے بطور خاص ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہ فنی ہنر مندی سے بڑھ کر کہیں آگے کی بات ہے۔ اس نظم کے آخری شعر سے مربوط لیکن زمانی فاصلے سے پیدا شدہ تبدیلیوں کی نشان دہی کرنے والی حالؔی کی دوسری مشہور نظم وہ نظم ہے جو مناجات حالؔی کے نام سے جانی جاتی ہے اور جو نعت نگاری میں تبدیلی کا دوسرا سنگِ میل ہے۔ تقریباً چالیس اشعار پر مشتمل اس نظم میں سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

اے خاصۂ خاصان رسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی ہے نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے
عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے ، مفلس سو گدا ہے
یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز
یہ مجلس اعیان وہ بزم شرفا ہے
چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے
جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت

شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے
کر حق سے دعا امت، مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے کھڑا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

اس نظم میں حالیؔ نے اپنے دل کا ہی نہیں ہر صاحب احساس کے دل کا قومی وملی درد بھر دیا ہے۔ یہ نظم پہلی والی نظم سے فارم میں بھی مختلف ہے اور مضمون میں بھی لیکن یہ دونوں نظمیں اپنے وقت کی نئی آواز ہیں اور پہلے لکھی گئی نعتوں سے مختلف۔ حالیؔ سے پہلے کا دور محسنؔ کاکوروی پر ختم ہوا اور حالیؔ سے جو شروع ہوا وہ نعت نگاری کا نیا دور ہے۔ اس کے نئے امکانات کی نشاندہی حفیظ تائبؔ نے یوں کی ہے:

۱۔ تذکار سیرت کے ذریعے اتباع خیر الانام کی ترغیب۔
۲۔ عشق رسولؐ کو سینوں میں بیدار کر کے مثبت قوت بنانا۔
۳۔ نعت میں حضور اکرمؐ کے شمائل باطنی اور تعلیمات سے انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کی طرف مبذول کرانا۔
۴۔ اسلامی اقدار کی تائید فروغ اور باطل نظریات کا رد۔
۵۔ حضورؐ اکرم کی مثال سیرت کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ۔
۶۔ خود شناسی، کائنات شناسی اور خدا شناسی کے جملہ منازل میں حضورؐ کی ابدی رہبری کو فکر اقبال کی روشنی میں اجاگر کرنا۔

میں حفیظ تائبؔ کے مندرجہ بالا نکات میں سے چھٹے اور آخری نکتے میں اتنی ترمیم کرنا پسند کروں گا کہ فکر اقبالؔ کے بجائے، یہاں کتاب وسنت کی روشنی کہا جانا چاہیے۔ کیونکہ فکر اقبال بھی اسی روشنی سے منور ہے۔ فکر اقبال بہت اہم ہے لیکن حرف آخر نہیں۔ اگر صلاحیتیں اور کارفرما ہیں تو کتاب وسنت کی روشنی میں مزید نئے گوشے انسانی بصیرت کے دائرے اور وسعتوں میں نظر آئیں گے۔

ڈاکٹر ریاض مجیدؔ لکھتے ہیں ''جدید اسلوب نعت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت وسوانح کو مستند

حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلم بند کیا گیا۔ نیز پیام رسالت و مقصودِ رسالت، تمدن و معاشرت پر آپؐ کے احسانات بنی نوع انسان کے لیے آپؐ کی تعلیمات پر مبنی ضابطۂ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جدید نعت گو شعرا کے ہاں محبت رسولؐ کی سرمستی اور آپؐ کی مدح و توصیف کے ساتھ ساتھ آپ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔''اس رنگ میں حالؔی کے بعد نعت گوئی کے اس نئے دور کے سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں: مولانا شبلؔی، علامہ اقبالؔ اور مولانا ظفر علی خاں۔ ان کے اپنے اپنے دلنشیں انداز ہیں۔ شبلؔی نے حیات طیبہ سے چند منتخب واقعات کو نظم کیا ہے اور دل آویز متاثر کن پیرائے میں۔ مولانا ظفر علی خاں کی یہ نعت تو آج بھی ذہنوں میں گونجتی ہے اور دلوں میں دھڑکتی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
ایک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے بازاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اور وہ مشہور نعت بھی لائق ذکر ہے جس کا مطلع ہے:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

اقبالؔ کی نظم ''ذوق وشوق'' میں سے چند نعتیہ اشعار۔ معنی آفریں ہی نہیں کیف آفریں بھی ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غایت و جستجو، عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تیز کر جلوۂ بے حجاب سے

حالیؔ نے جدید نعت کو جو رخ دیا ہے، اقبالؔ نے اس کے جمال کو نکھار کر جہاں آرا بنا دیا۔ حالیؔ سے اقبالؔ تک بھی اردو کے اچھے اچھے نامور شعرا نے نعتیں کہیں۔ اقبالؔ کے بعد بھی بیشتر شعرا نے نعتیں لکھیں۔ سیمابؔ، جوشؔ، جگرؔ، حسرتؔ، اصغرؔ، نظمؔ طباطبائی، جلیلؔ مانکپوری وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ برصغیر کی آزادی کے بعد تو بے شمار شعرا نے نعتیں کہیں۔ ایک ایک شاعر کے کئی کئی نعتیہ مجموعے شائع ہوئے۔ دونوں قسم کے مجموعوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ تخلیقی میدان میں وسعت آئی تو چند ریسرچ اسکالروں کی توجہ تحقیق کی طرف مبذول ہوئی اور انھوں نے مفید کام انجام دیے۔ ان کے مقالوں سے نہ صرف جدید نعت کا مزاج نمایاں ہوا بلکہ اچھی اور معیاری نعت کے لوازم اور مقتضیات کا تعین بھی ہوا۔ یہاں تک کہ نعت نگاری پر تنقید کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس سے نعت گو شعرا کی نہ صرف رہنمائی ہوئی بلکہ ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ان سے معنوی کوتاہیاں کیسی کیسی سرزد ہوئی ہیں۔ اور زبان و بیان کی غلطیاں کہاں کہاں رہ گئی ہیں۔ تنقید سے نہ صرف اصلاح کی صورت پیدا ہوئی بلکہ آئندہ کے لیے صحیح اور درست راہیں بھی ہموار ہوئیں۔

برطانوی تسلط سے آزاد ہو جانے کے بعد برصغیر کے اس حصے میں جو پاکستان کہلاتا ہے، نعت گوئی کو بہت فروغ ہوا۔ شروع شروع میں تو اس باب میں کوئی تخصیص نہ تھی کہ بقول میرؔ:

جلوہ نہیں ہے بزم میں حسن قبول کا
دیوان میں شعر گر نہیں نعت رسولؐ کا

یا پھر کار برآری کے لیے جیسا کہ غالبؔ نے کہا:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہؐ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثرؐ کے باب میں

یا پھر پہلے کی طرح کہیں کہیں غزل میں نعتیہ اشعار بھی آتے رہے جیسا کہ قلی قطب شاہ سے غالب تک ہوتا رہا، مثلاً غالب کا مطلع ہے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

لیکن رفتہ رفتہ پورے پورے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آنے لگے۔ حد نظر تک نعتوں کی ایک پاکیزہ فضا قائم ہوگئی۔ ایسے ماحول میں ان شعرا نے بھی نعت کہیں جن کی شہرت اسلام کو ایک فکری اور عملی عقیدے سے الگ رہنے والوں کی حیثیت سے تھی اور وہ مختلف تحریکوں سے وابستہ بھی تھے، وہ اسلام کو صرف ایک جامہ، روایتی اور رجعت پسند دین کی حیثیت سے زیادہ سمجھنے کو تیار نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام کے بارے میں نہ صرف ایک معذرت خواہانہ رویہ رکھتے تھے۔ تاہم وہ رسول کریمؐ کو دین کا ایک بڑا افرد جانتے تھے۔ بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی گئی۔ کچھ دیگر عوامل نے بھی اپنا اثر دکھایا۔ ایسے لوگوں میں سے بہت سے افراد جو فکری طور پر بھی مسلمان ہوگئے، اچھی نعت کہنے میں کامیاب ہوئے اور یوں نعت نگاری کی بدولت ذہنی انقلاب سے مستفید ہوئے۔ ہندوستان کے قد آور نعت گو شعرا میں حالی شبلی کے بعد طباطبائی، اسماعیل میرٹھی، مولوی عبدالرحیم رحیما، مولانا احمد رضا خاں صاحب، سلیم پانی پتی، اختر شیرانی، ظفر علی خاں، جگر مرادآبادی، عزیز لکھنوی، بہزاد لکھنوی، حسرت ، اصغر گونڈوی۔ اقبال سہیل، عزیز الحسن مجذوب، ضیاء القادری، ماہر القادری، وحید صدیقی، جوش ملیح آبادی، متین فتح پوری، علامہ قتیل دانا پوری، نازش پرتاپ گڑھی، قمر کانپوری، راجندر بہادر موج، رفیق سلونی، رؤف خیر، اسرار شائق، طاہر اجمیری، فیضی مظاہری کے اسمائے گرامی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان شعرا کے نعتیہ نمونے اور کلام پر اجمالی تبصرہ ماقبل کے ابواب میں گزر چکا ہے اس لیے یہاں ان کا اعادہ بے سود ہے۔

قیام پاکستان کے بعد برصغیر کے اس حصے سے اس حصے میں ہجرت کر کے آنے والے اہم اور بزرگ اساتذہ میں علامہ سیماؔب اکبرآبادی نے نعت نگاری میں خصوصیت حاصل کی۔ وہ علامہ اقباؔل کے بعد شعرا کی صف میں رہنے والوں میں سے تھے۔ ان کے شعری کارنامے ایک دو نہیں کئی ہیں۔ انھوں نے اردو نظم کو نیا آہنگ دیا اور مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ کیا۔ شعری مجالس میں خطبۂ صدارت پڑھنے کی طرح ڈالی، ان کی نظموں اور غزلوں کے مجموعے مربوط اور منظّم فکر کی صورت میں بڑی شاعری پیش کرتے ہیں۔ ان کی شاعری فکری انتشار اور بے راہ روی سے پاک ہے۔ ایسے شاعر کی نعتیہ شاعری کے بارے میں معروف نقاد ڈاکٹر فرماؔن فتح پوری لکھتے ہیں۔

''بیسویں صدی کے نصف اول میں اردو کے جن شعرا نے نام پایا اور جن کے انفرادی اسلوب نے مختلف اصناف سخن میں تازگی اور جدت کی نئی روح پھونک دی ان میں سیماؔب اکبرآبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ اپنے ہم عمر اور ہم عصر شعرا میں کئی حیثیتوں سے ممتاز تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے اور قدیم و جدید علوم کی آویزش سے زندگی اور ادب کے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ان کا ادراک بھی انھیں حاصل تھا۔ نظم، غزل، رباعی اور مسدس و مثنوی، ہر صنف میں انھوں نے ہر جگہ اپنی اجتہادی شان برقرار رکھی اور ہر ایک میں ایسا نقش بنا گئے کہ بیسویں صدی کے ادب پر محاکمہ کرتے وقت کوئی مورخ یا ناقد ان کی تخلیقات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ زندگی اور ادب دونوں کے بارے میں ان کا نقطہ نظر شروع سے آخر تک رجائی رہا، وہ ماضی، حال اور مستقبل کے رشتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ یہی وہ شعور تھا جس نے سیماؔب کو زندگی کے عصری میلانات سے بھی ہم کنار رکھا اور عظمت رفتہ سے بھی غافل نہ رہنے دیا''

ڈاکٹر فرمان فتح پوری مزید کہتے ہیں:

''ان کی نعتیہ شاعری مولانا حالی، مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبالؔ کی نعتیہ شاعری سے مماثل ہے۔ سیمابؔ نے نعت کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے اصل پیغام کی غایت، اثرات، کردار اور کردار کی خصوصیات، سیرت اور سیرت کے سماجی و معاشرتی موثرات اور انسان کی تمدنی زندگی میں ان کے افادات کو پیش نظر رکھا۔ سیمابؔ کی نعتیہ شاعری میں حضور اکرمؐ کی سیرت و کردار کو وقت کے تقاضوں اور زمانے کی ضرورتوں کے مطابق اس طرح ڈھالا گیا ہے کہ ایک طرف ان کی نعتیہ شاعری عصری میلانات کی آئینہ دار بن گئی ہے۔ دوسری طرف بڑے دلآویز پیرائے میں انھوں نے زندگی کو صفحۂ آشتی اور دل جوئی اور دلنوازی کا درس دیا ہے، نعتیہ شاعری سے انھوں نے تادیب نفس اور اصلاح معاشرہ کا وہی کام لینا چاہا جو نعت گوئی کا اصل مقصود تھا۔ سیمابؔ نے ایک عالم ایک دینی مفکر اور ایک بالغ نظر شاعر کی حیثیت سے نعت کو حضورؐ کے ظاہری اوصاف سے زیادہ باطنی عملی صفات و محاسن کا ترجمان بنایا۔ مختلف ہیئت میں مختصر اور طویل نظمیں کہیں ان کی معرفت نے ملت اسلامیہ کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ یہ ان کا ایسا امتیاز ہے جو اردو کی نعتیہ شاعری میں ان کے نام کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور نعت گوئی کا ایک نیا راستہ دکھاتا ہے۔''

سیمابؔ کی نعت کے عمومی مزاج اور فکری نہج کے بارے میں اپنی رائے دینے کے بعد ڈاکٹر فرمان فتح پوری ان کی نعت کے فنی پہلوؤں کا احاطہ یوں کرتے ہیں:

''سیمابؔ کا دوسرا وصف جو ان کی تمام نعتوں میں یکساں نظر آتا ہے وہ ان کا شاعرانہ اسلوب یا موضوع کے ساتھ ان کا فنی برتاؤ ہے، نعت گوئی کا موضوع بذات خود بڑا عظیم ہے اور اس عظمت کو نعت میں اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب کہ ان کی شایان

شان موثر اور دلکش اسلوب اختیار کیا جائے۔ مانا کہ شاعری میں
یہ بات بہت اہم ہے کہ کیا کہا گیا ہے، لیکن یہ بھی کم اہم نہیں کہ
بات کیسے کہی گئی۔ اس لیے سیمابؔ نے اپنی نعتوں کے لیے حد
درجہ دلآویز پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ انھوں نے نعت میں نئی نئی
ترکیبوں، تازہ تشبیہوں اور جان دار استعاروں سے وہی کام لیا
ہے جو ایک بڑا شاعر اپنی بڑی شاعری میں لیتا ہے۔ ان کی حمدیہ
اور نعتیہ شاعری میں وہی ایمائیت و رمزیت، وہی ایجاز و اختصار
ہے جسے کسی فن پارے کی ضمانت کہا جا سکتا ہے۔ تخیل اور فکر کی
وہی ندرتیں ہیں جو شاعری میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرتی ہیں،
غرض کہ سیمابؔ کی نعتیہ شاعری لفظ و معنی ہر اعتبار سے ایک منفرد
مقام رکھتی ہے۔ لفظی پیکر کے لحاظ سے اس کا رخ افقی یعنی نظم کی
جملہ ہیئتوں پر محیط ہے اور معنوی لحاظ سے عمودی ہے یعنی اس میں
عمق و بلندی بھی ہے اور تہہ داری بھی۔‘‘

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحریر کے ان اقتباسات سے نہ صرف علامہ سیمابؔ اکبر آبادی کی نعتیہ شاعری کی جملہ خصوصیات عصر حاضر کے حوالے سے سامنے آجاتی ہیں۔ بلکہ نعت نگاری کے سلسلے میں عملی نکات بھی ملتے ہیں۔ سیمابؔ اکبر آبادی نے اکہتر سال کی عمر پائی اور پاکستان ہجرت کے بعد ۳۱ر جنوری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں انتقال کر گئے۔ نعتوں کا صرف ایک مجموعہ ’’ساز حجاز‘‘ کے نام سے منصۂ شہود پر آیا ہے، جون ۱۹۸۲ء میں یعنی ان کے انتقال کے اکتیس سال بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ ہم ’’ساز حجاز‘‘ کو اس کی زمانی تخلیق کے لحاظ سے، فکری توانائی کی نسبت سے اور اس میں پائے جانے والے جذبہ صادق کی گیرائی کے تعلق سے قیام پاکستان کے بعد شائع ہونے والا اپنی طرز کا پہلا مثالی نعتیہ کلام کہہ سکتے ہیں، کتاب و سنت کی روح کے لحاظ سے اور پیروی کے فیض سے سیمابؔ کی نعتیں باطنی خصوصیات میں فکر و فن کی بلندی پر کلام اقبالؔ کی ہم درجہ معلوم ہوتی ہیں۔ ’’ساز حجاز‘‘ سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کوئی نغمہ ہو آجاتی ہے کانوں میں نوا اس کی
کہ ہے گونجی ہوئی ہر ساز ہست میں صدا اس کی
سلام اس پر صلوٰۃ اس پر درود کائنات اس پر
خدا کی ترجمانی جس نے کی انسان کے پیکر میں
زمینِ کوئے محمدؐ کی دلکشی دیکھو
کہ بادشاہ بھی کمبل بچھائے بیٹھے ہیں
نہ آئیں جا کے وہاں سے یہ تمنا ہے
مدینے جا کے نہ لائے خدا مدینے میں
میں تو کچھ بھی نہیں سیمابؔ مگر بات یہ ہے
بات میری مرے سرکارؐ بنا لیتے ہیں
میں اے سیماب طوطیٔ گلستان محمدؐ ہوں
ہے میرے ہر نفس سے نزہت خلد بریں پیدا

''کلیم نجم'' ان کی غزلیات کا اولین مجموعہ ہے۔اس کی ایک غزل کا مقطع ہے:

خراب فرد عمل ہو نہ جائے اے سیمابؔ
اسے جناب رسالت مآبؐ دیکھیں گے

وہ کون ہوگا جس پر یہ شعر سن کر رقت طاری نہ ہوجائے۔جس عدالتی اجلاس کا میر مجلس خدا خود ہوگا اور اس کا رسولؐ ''شمعِ محفل'' تو نامۂ اعمال کی ذراسی خرابی بھی صاف صاف دکھائی دے گی، نامۂ اعمال تو خدا کے سامنے پیش ہوگا اور وہی جزاوسزا کا مختار ہے۔ لیکن یہ کارروائی اس کا رسولؐ بھی تو دیکھ رہا ہوگا۔ایک امتی کے لیے شرمندگی کس درجہ ہوگی۔ کیا لطیف نکتہ ہے۔

ایک اور شاعر جو دو ہجرتوں سے گزر کر پاکستان آیا وہ اخترؔ لکھنوی ہیں۔

مشرقی پاکستان جب ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش بن گیا تو وہ کراچی آئے اس دوسری ہجرت کے اعزازی کرب وابتلا کو اپنی غزل کے مجموعے ''دیدۂ تر'' میں بھگو کر دامن حضور کے سائے میں پناہ گزیں ہوگئے۔ان کے پہلے نعتیہ مجموعے کا نام ''حضورؐ'' (۱۹۸۸) ہے

اور دوسرے نعتیہ مجموعے کا نام ''سرکارؐ'' (۱۹۹۵ء) ہے۔ اختر لکھنوی کی نعتوں میں پاکیزہ اور سکون بخش روشن فضا ملتی ہے۔ عقیدت بھرے جذبات ومحسوسات ایک خوشگوار انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ حسیت رحمت کی پھوار میں نورانی غسل کر کے ایک نیا جامۂ ادراک پہنے ہوئے نظر آتی ہے۔ جذبے کا خلوص، سوچ کی سچائی، ارادے پر یقین، عمل کی درستگی اور عقیدے پر ایمان ان کی نعت کو سرشاری کی ایک نئی جہت سے روشناس کراتے ہیں۔ اختر لکھنوی کی نعتیں جس کیفیت، جس جذبے اور جس فکر کا نتیجہ ہیں ان میں ہر لفظ اپنے معنی کے ساتھ ایک مضبوط اندرونی رشتہ رکھتا ہے، ان کی بے خودی میں خودی کا احساس اور ان کی والہانہ سرشاری میں فکر و آگہی کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ دھیما لہجہ، خوش کلامی اور تاثیر ان کے خاصہ ہیں، اگر وہ ''حضورؐ'' کی نعتوں میں عین الیقین کی منزل میں ہیں تو ''سرکارؐ'' کی نعتوں میں حق الیقین کے درجے پر فائز ہیں۔ وہ اپنے عہد کی نعتیہ محفل میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ تاثرات اور کیفیات میں ڈوبی ہوئی نعتیں ہیں۔ جس خوشبو سے یہ بزم مہک رہی ہے وہ بھی کچھ نئی نئی سی۔ نشاط روح، تسکین دل اور تازگی ایمان کا پورا سامان موجود ہے۔ ان کا انداز ہی مختلف اور ان کے تیور ہی دل ربا ہیں۔ ''حضورؐ'' میں سے چند اشعار:

جہاں سے جاتا ہے ہر راستہ خدا کی طرف
خوشا کہ دیکھ لیا وہ مقام ہم نے بھی

خدا سے مانگو وسیلے سے انؐ کے پھر دیکھو
دعا کو مل کے رہے گا اثر کا سرمایہ

میں جتنا فخر کروں کم ہے، میرے آقاؐ نے
مجھے بھی اپنے حساب و شمار میں رکھا

آشوب وقت کا ہے علاج آپؐ ہی کے پاس
سیلاب غم کی زد پہ دلوں کی فصیل ہے

سمندر رحمتوں کا فخر موجودات میں دیکھا
فراز آدمیت مصطفیؐ کی ذات میں دیکھا

وہ غار ثور، وہ غار حرا، وہ کوہِ احد
کہیں ارادے، کہیں دو صلے ملے ہم کو

درِ مصطفیؐ پہ جس دم، دم بے خودی میں پہنچے
تو لگا کہ جیسے ہم بھی حدِ زندگی میں پہنچے

''سرکارؐ'' میں سے چند اشعار:

ذکر سرکارؐ ہوا جب سے ترانہ دل کا
ہر زمانہ ہے دھنک رنگ زمانہ دل کا

کوئی پہر ہو، سحر ہو کہ شام، رات کہ دن
درِ حضورؐ سے رہتا ہے رابطہ دل کا

سرکارؐ کے در پر پہنچا تو سب پیچ گئے سب خم نکلے
رنگین بہاروں سے سج کر مرے اندر موسم نکلے

عمل تمام روشنی قدم تمام آئینہ　　وہ انؐ کی ذاتِ محترم مثال ہی مثال ہے
زندگی کو آقاؐ نے قرینے بخشے　　پار دریا کے اترنے کو سفینے بخشے
آقائے نامدار کی گلیوں میں کیا پھرا　　چہرہ بدل گیا مرے لیل و نہار کا

کیا بتائیں درِ سرکارؐ سے کیا لائے ہیں
زندگی لائے ہیں جینے کی ادا لائے ہیں

ایک اور شاعر جو جذبے کو ہنر میں شامل کر کے نعتیہ شاعری میں بلند مقام تک پہنچے، حنیفؔ اسعدی ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کے اوصاف انھیں کے ہم عصر شاعر حفیظ تائب یوں گنواتے ہیں۔ ''وفور عقیدت کے ساتھ شعور حقیقت، قدرت اظہار کے ساتھ ندرت افکار، طریق جذب وسرور کے ساتھ توفیق اتباع حضورؐ، عجز و نیاز مندی، سنبھلا سلجھا لہجہ اور دل کو مسحور کرتی ہوئی لے'' یہ خصوصیات حنیف اسعدی کے پورے نعتیہ کلام پر چھائی ہوئی ہیں۔ ادب واحترام کی کیفیت سے اس کی فضا معمور ہے۔ شاعر کے قلب وذہن پر جتنی کیفیات کا نزول اور ورود ہوا ہے وہ بہترین پیرائے میں صفحۂ قرطاس پر اتار دیا گیا ہے۔ یہ شاعر کا ہنر ہی نہیں ہے بلکہ اس ربط کی دین ہے جو شاعر کو اپنے ممدوح سے ہے۔ بقول سلیم احمد ''حنیفؔ احمد نے اپنے تخلیقی عمل اور اپنے عقیدے دونوں کو ملا کر اپنی شاعری اور شخصیت کا بنیادی حوالہ بنا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ گمان ان کے قلب میں جاگزیں اس اخلاص ومحبت کا ہے جو انھیں حضورؐ کی ذات سے وابستہ رکھتا ہے۔'' ان کے نعتیہ مجموعے کا نام ''ذکر خیر الانامؐ'' (۱۹۸۴ء) ہے۔ ''ذکر خیر الانام'' میں حیات وسیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں کا بیان ملتا ہے۔ غالباً وہ قبولیت کی گھڑی تھی جب حنیفؔ اسعدی نے دعا کی تھی۔

یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو ہم پر　　جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس وقلم پر
جن کی توصیف بہ شاہد ہے ترا اپنا کلام　　ان کی توصیف کا حق مجھ سے ادا ہو یارب

چنانچہ ''ذکر خیر الانامؐ'' کے اشعار درج ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیے جاسکتے ہیں:

بعثت سے پہلے، بعثت رسولؐ، ہجرت، فتح مکہ، سیرت، اوصاف، معراج اور عظمتیں، سراپائے بعثت رسولؐ، وصال کے بعد، غلامان رسول، فکر امت، ایمان اور اطاعت، اتحاد المسلمین۔

حنیفؔ اسعدی کی نعتیہ شاعری میں جو شیفتگی، پاکیزگی اور اطاعت ہے، وہ انھیں کا

حصہ ہے، ان کا اسلوب تر و تازہ ہے، سوز و گداز، جذب و مستی اور والہانہ پن جب شعور، ذات اور احساس ہوش مندی کے ہم سفر بن جاتے ہیں تو باطنی کیفیات یوں ظاہر ہوتی ہیں۔

اک شب دعائے نیم شبی کے جواب میں
مجھ کو مرے حضورؐ نظر آئے خواب میں

زہے نصیب کہ اکثر مجھے کھلی آنکھوں
دیارِ پاک شہِ محترم نظر آیا

ایک عجیب کیفیت قلب و نظر کے ساتھ ہے
ذکر حبیبؐ پاک کا دیدہ تر کے ساتھ ہے

دونوں ہاتھوں میں ہے اب آپؐ کا داماں آقاؐ
کوئی ہو، میں تو نہیں بے سروسامان آقا

سب کو بقدر ظرف ملا ہے شعور ذات
امی لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام

عین مدحت ہے محمدؐ کہنا
نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

وہ قدم اٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیر پا
یہ بلندیاں کوئی چھو سکا نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں

پروفیسر مرزا محمد منور لکھتے ہیں ''حضرت اسعدی ہر نقطہ بلکہ ہر ہر نکتہ ''مقامے دارد'' کے اسرار شناس ہیں۔ حنیف اسعدی کی نعتیں محبت، عقیدت اور وارفتگی کے کیف سے معمور ہونے کے باوصف دور از کار مبالغہ آمیزی سے معرا ہیں۔ بظاہر عالم جذب میں کہے ہوئے اشعار بھی در حقیقت اس صداقت پر مبنی ہیں جسے شعری صداقت نہیں بلکہ شعوری صداقت ہی کہنا پڑتا ہے۔''

ایک نام ایسا جس کی آواز نعتیہ شاعری میں ۱۹۸۴ء سے قبل پورے پاکستان کے طول و عرض میں گونجی ہے، وہ ہے مظفر وارثی کا نام۔ جولائی ۱۹۸۴ء میں ان کے پہلے نعتیہ مجموعہ ''باب حرم'' کی تیسری اشاعت اور دوسرے نعتیہ مجموعے ''نورِ ازل'' کی پہلی اشاعت ایک ساتھ ہوئی۔ ان کی بیشتر نعتیں نظم کی مختلف اسالیب میں ہیں۔ جہاں غزل کی ہیئت اختیار کی ہے، ان میں بھی نظموں کا سا تسلسل ہے۔ برسوں بلکہ آج بھی مظفر وارثی ''یا رحمت للعالمین'' والی نعت سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔ ان کی نعتوں میں ایک ایسا آہنگ اور ایک ایسی نغمگی ہے جو سماعت کو گرفتار کر لیتی ہے اور دل کی فضا کو سرشار کر دیتی ہے۔ پہلے نعتیہ مجموعے کی تمام نعتیں عنوانات کے تحت ہیں۔ تازہ کاری اور تازہ خیالی کی ایک عجیب کیفیت ان نعتوں میں پائی جاتی ہے۔ نئی نئی تشبیہات نئے نئے استعارے، نئے نئے اسالیب اور دل کو موہ لینے والا انداز۔ آپ مظفر وارثی کی اپنی زبان سے ان کی نعت نہ سن

سکیں اور ان کے مجموعے کاغذ پر چھپی ہوئی پڑھیں تو بھی ان کا لہجہ ان نعتوں میں بولتا ہوا محسوس ہوگا۔ وہ اپنے لفظوں میں اپنے مصرعوں میں اور اپنے شعروں میں یوں جذب ہو گئے ہیں کہ ان کی ذات کو ان کے فکر و خیال سے اور ان کے فکر و خیال کو ان کی نعتوں سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ''باب حرم'' میں حمد کا عنوان رکھا تو "**لم یلد ولم یولد**" حمد سے نعت کی طرف آئے ہیں تو پہلے اپنا تعارف یوں کراتے ہیں۔

آج کی اقدار ہوں، ماضی عظمت بھی تو ہوں
میں غزل گو ، شاعر بزمِ رسالتؐ بھی تو ہوں
نقطہ کہلاؤں گا کٹ جاؤں لکیروں سے اگر
جدتوں سے ہی ناتا روایت بھی تو ہوں
میں کہیں بھٹکوں، پہنچا انؐ کے دروازے پہ ہے
خواہش دنیا سہی جویائے رحمت بھی تو ہوں
ذہن سے لب تک دردوں کا اگر ہے سلسلہ
سر سے لے کر پاؤں تک شوق زیارت بھی تو ہوں
خاک پائے مصطفیؐ بھی ایک میرا نام ہے
جو زمیں سے آسماں کو ہے وہ نسبت بھی تو ہوں
ریزہ ریزہ ہے بظاہر شیشۂ ہستی مرا
دست، سرکار دو عالمؐ میں، سلامت بھی تو ہوں

نور ازل سے چند اشعار:

نہ دھنک ، نہ تارہ ، نہ پھول ہوں، قدم حضورؐ کی دھول ہوں
میں شہیدِ عشق رسولؐ ہوں، مری موت کو بھی بقا کہو
کس زباں سے میں تری ایک جھلک بھی مانگوں
طلبِ حسن تو ہے ، حسن طلب مل جائے

شرح تہذیب ایک ایک عمل — روح اخلاقیات آپؐ کی ذات
لوٹ جا عہد نبیؐ کی سمت رفتار جہاں — پھر مری پسماندگی کو ارتقا درکار ہے

یوں ترا اسم گرامی میرے لب پر آ گیا جیسے دریا تشنگی کے پاس چل کر آ گیا

عجب سرور صدا اس کا دھیان دیتا ہے بلالؓ کعبے میں گویا اذان دیتا ہے
جب بھی دنیا کی ہوائیں مجھے لینے آئیں اوڑھ کر چادر خوشبوئے محمدؐ نکلا

البتہ مظفؔر وارثی سے بعض اوقات روانیٔ طبع میں ایسے سہو بھی ہو جاتے ہیں جن پر نظر ثانی کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اللہ رحیم و کریم ہے اور اس کا رسولؐ رحمت ہی رحمت۔ اکا دکا ہی سہی لیکن فرد گذاشتوں سے گریز بھی لازم ہے۔ تا کہ ان کی نعتیہ شاعری کا چاند بے داغ چمکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نعتیہ نظمیں اپنے تاثر اور روانی میں نہایت پر زور ہیں ایک اور نام جو نعت گوئی کے افق پر ستارہ سحری کی مانند چمکا، حفیظ تائب کا ہے۔ ان کا دوسرا نعتیہ مجموعہ "**وسلو تسلیما**" ۱۹۹۰ء ہے اور پہلا "**صلو علیہ و آلہ**" (۱۹۷۸ء) احمد ندیم قاسمی نے لکھا ہے کہ حفیظ تائب نے نعت گوئی پر احسان کیا ہے۔ یہ قصور فہم ہے۔ صحیح یہ ہے نعت گوئی نے حفیظ تائب پر احسان کیا ہے۔ آج وہ اس شعبے میں جس مقام پر ہیں وہ نعت گوئی کی دین ہے۔ اس ایک بات کو چھوڑ کر احمد ندیم قاسمی نے حفیظ تائب کی نعت نگاری کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے سچ ہے، یعنی اظہار کی پختگی طرزِ اظہار کا تنوع، نئی نئی بحریں، طویل اور بھاری بھرکم ردیفین، نرم گفتاری، وجدانی کیفیت، ان سب کا ایک خوبصورت امتزاج حفیظ تائبؔ کی نعتوں میں پایا جاتا ہے۔ کردار کی پاکیزگی، صفائے باطن اور اخلاص کی تاثیرات بھی بقول حافظ محمد فقیر افضل ان میں جھلکتی ہیں۔ انھیں عوامل کے اثر سے حفیظ تائب کی نعتوں میں اجالا ہے۔ حمد و نعت کو یوں مربوط کرتے ہیں گویا کہتے ہیں۔ **الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔**

اٹھا کے ہاتھ اسی کو پکارتا ہوں میں
مقام جس کا ہے میری رگِ حیات کے پاس
کیا یہ خاص کرم اس نے نوعِ انسان پر
بنا دیا جو حبیب اپنا غمگسار اناس

حبیب وہ، جو بنا کائنات کا نوشاہ
رسولؐ وہ، جو ہوا اس کی شان کا عکاس
حبیب وہ، جو محمدؐ بھی ہے تو احمدؐ بھی
سکھا گیا جو خدائی کو حمد و شکر و سپاس
کتاب اس پر اتاری تو وہ کتاب مبیں
جو نور رشد و ہدایت ہے قاطع و سواس
اسی نے مدح رسالت مآبؐ کی خاطر
دیا گزار لب و لہجہ کو زباں کو مٹھاس
رسولؐ اور نبیؐ بھیج کر اس نے تائبؔ
دیا درس دنیا کو توقیر دیں کا
ترے محبوب کی توصیف میں لب کھولتا ہوں میں
بہاراں آشنا یارب مرے سوچوں کا صحرا کر

حمد الٰہی ثنائے رسولؐ اور دعائے خیر مستجاب ہوئی اور حفیظ تائبؔ کو نعت رسول ﷺ کی بنیاد پر بلند بامی بخشی گئی۔ ان کا جذبہ نعت گوئی جوان رکھا گیا اور ان کے لفظ اجلے کر دیے گئے۔ انھوں نے پنجابی شاعری کی مشہور صنف سہ حرفی میں ایک تبدیلی کے ساتھ ایک زمزمہ درود اردو میں لکھا۔ حفیظ تائبؔ کی نعت میں شیفتگی کے ساتھ نظم وضبط بھی ہے۔ خاص عنوانات اور موضوعات کے ساتھ ایک لے بھی ہے، نور وظہور کے اظہار میں کلام الٰہی اور سیرت رسول ﷺ کی جھلکیاں ہیں۔ نیاز و گداز میں جذب وشوق کی موجیں ہیں۔ قرب وحضور میں گنبدِ خضرا سے جان ودل پر اترتی ہوئی ضیائیں ہیں اور آخر میں یہ یقین ہے۔

کیا ہے نعت میں دیوان تائبؔ مری بخشش کا ساماں ہوگیا ہے

جیسے غالبؔ نے نعت میں یہ شعر کہہ کر اپنی بخشش کا سامان کر لیا تھا۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

لیکن تائبؔ اسی پہ بس نہیں کرتے۔ وہ جاذب قریشی کے الفاظ میں: ''عربی اور فارسی کی لفظیات کے درمیان اردو کے لفظوں کو ایسی عاجزی سے لکھتے ہیں کہ نعت کا داخلی وخارجی

وجود اجالے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔'' چنانچہ وہ ایسی دعا مانگتے ہیں جس میں نعت نگاری کی جان سمٹ آتی ہے۔ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے سے یہ دعا:

یارب! ثنا میں کعبؓ کی دلکش ادا ملے — فتنوں کی دو پہر میں سکوں کی ردا ملے
حسانؓ کا شکوہ بیاں مجھ کو ہو عطا — تائید جبرئیل بوقت ثنا ملے
بوصیریؒ عظیم کا ہوں میں بھی مقتدی — بیماریٔ الم سے مجھے بھی شفا ملے
جامیؒ کا جذب، لب پر قدسیؔ نصیب ہو — سعدیؒ کا صدقہ شعر کو اذن بقا ملے
دل بستگی ملے مجھے لطفؔ و امیرؔ کی — کافیؔ کے علم وعشق سے رشتہ مرا ملے
آئے قضا شہیدیؔ خوش بخت کی طرح — دوری میں بھی حضوریٔ احمد رضاؔ ملے
مجھ کو عطا ہو زورِ بیانِ ظفرؔ علی — محسن کی ندرتوں سے مرا سلسلہ ملے
حالیؔ کے درد سے ہو مرا فکر استوار — ادراک خاص حضرت اقبالؔ کا ملے
جو مدحتِ نبیؐ میں رہا با مراد و شاد — اس کاروانِ شوق سے تائبؔ بھی جا ملے

ڈاکٹر وحید قریشی نے اسی لیے کہا ہے کہ ''تائب نے جو کچھ کہا ہے اسے تخلیقی سطح پر محسوس بھی کیا گیا ہے۔'' چنانچہ اس کاروانِ شوق میں حفیظ تائبؔ اپنے امتیاز کے ساتھ شریک ہیں۔خود شاعر کے اپنے الفاظ ہیں۔

لب کھلے جب نبیؐ کی مدحت میں
پھول کھلنے لگے طبیعت میں

پاکستان کی اولین دارالحکومت اور مسٹر جناح کی آخری آرام گاہ والے شہر کراچی اور پاکستان کے دل شہر لاہور کے درمیان ایک تاریخی شہر ملتان واقع ہے۔ یہاں عاصی کرنالی رہتے ہیں۔ان کا تادم تحریر آخری نعتیہ مجموعہ ''حرف شیریں'' (۱۹۹۳ء) ہمدست ہے۔اس کا انتساب یوں ہے:

غزوہ احد کے حوالے سے سیرت النبی ﷺ کا ایک اقتباس:

انصاری میں سے ایک خاتون عفیفہؓ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔اس

نے پاس آ کر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی "**کل مصیبت بعدك جلل**" آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

محبت و ایثار اور صبر و شکر کی اس عظیم پیکر انصاری خاتون کے نام۔ سبحان اللہ کیا ایمان افروز انتساب ہے! عاصی کرنالی جیسے خوش خیال و خوش بیان نے دعا کی:

کبریا! اپنے رسولوں کی محبت بھیج دے   اب نہیں ہوگا رسولان، محبت کا ظہور

لیکن اس سے پہلے کہ وہاں سے زبان بے صدا کو لفظ اور خامۂ بے نقش و رنگ کو کوئی عبارت ملتی اپنے آپ سے کہنے لگے۔

اے ثناء گوئے سیدؐ الکونین   خود کو اس منزلت کے قابل کر

خود کو رکھ عشق کی کسوٹی پر   چہرہ آئینے کے مقابل کر

نعت کو کارِ بے خودی نہ سمجھ   دل کو علم و خبر کا حامل کر

جان اس راہ کے نشیب و فراز   جوش کو ہوش کا مماثل کر

تیغ براں ہے تیز تر ہے یہ راہ   یک نفس بھی نہ خود کو غافل کر

نعت کی حرمتیں نگاہ میں رکھ   نعت کیا ہے؟ شعور حاصل کر

دل میں ہو عشق، لب پہ نغمہ مدح   طوفِ گل صورت عنادل کر

چل پڑا ہے تو خامۂ فن کو   صد سلامت روی پہ مائل کر

ذات کو انؐ کی حُب میں گم کر دے   اپنے پورے وجود کو دل کر

ہے ادب آفریں حضورؐ کی ذات   اپنی دانش کو انؐ کا سائل کر

دل کی سچائیوں کو شعر میں ڈھال   صدق سے مدحتِ فضائل کر

اپنے حرف و بیاں کی رگ رگ میں   اپنا خون جگر بھی داخل کر

حسن فن بھی جمال معنی بھی   لائق پیش کش بنیں مل کر

ہر کلی کو گل بہار بنا   ہر ستارے کو ماہ ثناء کامل کر

مدحِ سیرت جو کی تو خود کو بھی — پیروی اسوہ ہائے کامل کر
یعنی جب نعت کر چکے تخلیق — نعت کو اپنے دل پہ نازل کر

اس پیاری نظم میں عاصی کرنالی نے بہت خوبصورت اور دلنشیں شعری انداز میں آدابِ نعت گوئی بتا دیے ہیں ایک اور دوسری نظم میں اسی انداز میں یہ بھی بتایا ہے کہ نعت کیا ہے؟ ذکر کی محفل جمانا، دل میں دید کی طلب رکھنا، اس عہد پر آزار میں زخم کھا کر مسکرا دینا، نفرتوں کی گرد کو دھو دینا اور بغض کے شعلوں کو بجھا دینا، چاہتوں کے پھول برسانا، عدل کے موتی لٹانا، راہ کے کانٹے ہٹا دینا، چہرہ در چہرہ لوگوں کو آئینہ دکھانا، مسند پر بیٹھ کر خود کو خدا سمجھنے والے کو آخری صف میں لے جانا، بریدی، شیطنت، فتنہ اور تخریب کو قبر میں گہرا دبا دینا، صداقت، شرف اور حرمت کردار کو وقت کا سکہ بنا دینا، خیر کے راستوں کو شر کے پتھروں سے صاف کر کے پھر سے اس کے چشمے رواں کر دینا، الغرض مدح جمال مصطفیؐ کرتے ہوئے جلوۂ سیرت دکھا دینا بھی نعت ہے۔ ’’حرف شیریں‘‘ سے چند اشعار۔

زندانِ غم میں تیری شعاع خیال نے — دیوار میں شگاف کیا در بنا دیا
کن پتھروں کو تو نے کیا آئینہ مثال — کن آئینوں کو صاحب جوہر بنا دیا

یہی بہشت سماعت، یہی بہشت کلام — حدیث دوست ترا سلسلہ دراز رہے
در فیض سے جب تعلق ہوا — ملا کس قدر، کس قدر، کس قدر

ہم رہتے ہیں طیبہ میں کہیں بھی ہو سکونت — سورج کے علاقت میں کہیں بھی ہو سکونت
وہ نظر رکھتی ہے عاصی مجھے زیر تعلیم — ان کی شفقت کے سوا کون ہے محسن میرا

’’حرف شیریں‘‘ سے پہلے بھی عاصی کرنالی مدحت میں نعتوں کے گلاب کھلا چکے ہیں، نظم و نثر کی کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ ملتان سے کراچی کی واپسی سے پہلے ہمیں ایک بار پھر لاہور جانا ہے۔ راجہ رشید محمود، علامہ شرف الدین، ابوعبداللہ محمد بوصیریؒ کے نام معنون کر کے **"ورفعنا لك ذكرك"** کے نام سے ایک مجموعہ ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ جو دوسری بار ۱۹۸۱ء اور تیسری بار ۱۹۹۳ء میں چھپا۔ میدان سخن نعت کے اس نو وارد کے لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا۔ ’’شاعری نے ادبی اور فنی تقاضوں اور نعت کی جملہ پابندیوں کو حسن و خوبی کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ بعض اوقات الفاظ کی نشست ایسی ہوتی ہے کہ معنی ذہن میں

خود بخود جگمگا اٹھتے ہیں مناسب اور موزوں تلمیحات بھی دکھائی دیں گی۔''نعتوں کا یہ مجموعہ راجا رشید محمود کی اولین کاوش ہے اور ان کو بامراد کرتا ہے۔ وہ خوش ہیں اور ایک مجلّہ ''نعت'' کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ متذکرہ بالا مجموعے سے ان کے کلام کا انتخاب:

دن پہ بھی رات کا منظر تھا مسلط پہلے — روئے پرنور سے ہر صبح کے تیور چمکے
خدا بھی اور اقدس بھی ہوئے ہیں زباں مرے — کبھی آیا جو میرے لب پہ ''صلوا'' یا رسولؐ اللہ
روح بھی شاداب ہو ہی جائے گی — ذکر، آقاؐ میں زباں تر چاہیے
سرکارؐ کے قدموں میں آجائے کہو اس سے — جو شخص گرفتار آزار نظر آئے
سرکارؐ کے غلام کو کیا اس سے واسطہ — وہ شے، کشاکشِ غم دنیا کہیں جسے
رحم فرمایئے کہ دورِ جدید — ہے بہت پرفتن مرے آقاؐ
کرے جو ہم کو مقامِ رسولؐ سے آگاہ — اس آدمی کی محبت خدا نصیب کرے

راجا رشید محمود کے جذبۂ عقیدت میں تیزی اور حرکت ہے۔ وہ جوش ارادت میں زیادہ آگے جانا چاہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر روئے سخن حضورؐ کی طرف رکھتے ہیں اور اپنی عرض پیش کرتے ہیں۔ کبھی تُو، کبھی تم اور کبھی آپؐ سے خطاب کرتے ہیں شاید وارفتگی کا یہی انداز شاعر کو اس کا مقام دے گیا ہو۔ کچھ باتیں مداح اور ممدوح کے درمیان کی بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اب توؐ اور تمؐ سے خطاب کرنا ترک کر چکے ہیں۔ راجا رشید محمود کا انداز نعت نگاری سادہ لیکن پرتاثیر ہے۔

ہم نے کراچی کی بات سیمابؔ اکبرآبادی سے شروع کی تھی اس شہر میں ایک سنجیدہ مزاج لیکن جواں فکر شاعر قمرؔ وارثی بھی موجود ہیں۔ غزل کہتے تھے اب نعت کہتے ہیں اور منقبت بھی، پہلا نعتیہ مجموعہ ''شمس الضحیٰ'' (۱۹۸۶ء) اور دوسرا ''کہف الوریٰ'' (۱۹۹۵ء) ہے۔ قمرؔ وارثی نے دل کی معرفت آئینہ الفاظ تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس آئینے میں سرورِ عالمؐ کی سیرت کا عکس دیکھ کر نعت نگاری میں قابلِ رشک مقام حاصل کرلیا۔ حسن عقیدت، محبت فکر، جذبہ محبت، صداقت احساس، اظہار صداقت اور سلامتی ایمان سے اس کی نعتیں بھیگی ہوئی ہیں۔ یہ نعتیہ شاعری اردو ادب کے اس شعبہ میں ایک اضافہ ہے بزرگ نعت گو شعرا اور مستند نقادوں سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ یہ قمرؔ وارثی کے لیے ایک اعزاز ہے جو دربار رسول ﷺ سے انھیں عطا ہوا ہے۔ ''شمس الضحیٰ'' سے ''کہف الوریٰ'' تک کا سفر ارتقا اور بلندی کا سفر ہے۔ حب رسول ﷺ،

یادِ رسول، اتباع رسول ﷺ سے فکری و عملی نسبت، منزلت، مآبی، حاضری کی کیفیات، شہر نبی ﷺ سے جذباتی وابستگی۔ ان سب عوامل نے مل کر قمر وارثی کی فکر کو جذبہ دل سے ہم آہنگ کر دیا ہے، انھوں نے رنگارنگ احساس کی نزاکت سے مل کر اپنے خوبصورت اظہار کے لیے تازہ اسلوب اور نئی طرز کی راہیں تراشی ہیں، قمر وارثی نعتوں میں غزل کی فارم استعمال کرتے ہیں لیکن موضوعات کے تنوع اور بیان کی وسعت کی بنا پر اس میں نظم کا رنگ بھر دیتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں حسن زبان کے ساتھ رعنائی بیان بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہے، ردیف وقوافی کا استعمال طبع رسا کی اپج طرز بیان کے انوکھے پن کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کی نعتیہ محفل میں گم کر دینے والی جو کیفیت ہے اس میں بہت کچھ پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی عمر کے لحاظ سے جلد ہی وہ پختگی حاصل کر لی جو کہنہ سال مشاق شعرا کے یہاں بھی کم پائی جاتی ہے۔ ''شمس الضحیٰ'' سے چند اشعار:

وابستہ رکھ حضورؐ سے دامن حیات کا　　اے دل یہی ہے ایک ذریعہ نجات کا
کاش مل جائے جبیں کو خاک پائے مصطفیٰؐ　　میرے چہرے کو بھی حاصل چہرگی ہو جائے گی
عجیب غم ہے غمِ مصطفیٰؐ کہ ہم جیسے　　ہزار غم ہو مگر دل کو شاد رکھتے ہیں
نصیب جب سے ہوئی یارِ مصطفیٰؐ کی سحر　　نہ صحن دل نے قمر پھر شب الم دیکھی
ملا سرمایۂ عشقِ نبیؐ کیا　　مقدر کا سکندر ہو گیا ہوں
زباں و دل پہ جو مدحت حضورؐ کی آئی　　تو حرف حرف سے خوشبو گلاب سی آئی
اس اعتقاد پہ ہم اعتماد رکھتے ہیں　　حضورؐ اپنے غلاموں کو یاد رکھتے ہیں

''کہف الوریٰ'' سے انتخاب:

جو لب تلاوت ام الکتاب کرتے ہیں　　بیاں صفات رسالت مآبؐ کرتے ہیں
وہ منزل ہے در محبوب رب العالمین جس میں　　محبت شرط ہوتی ہے، عمل دستور ہوتا ہے
منزل مقصد ہستی کو سند رکھتا ہے　　نقش پائے شہ والاؐ سے نظر کا رشتہ

منکشف یہ راز آنکھوں نے کی برسائے پھول
مہرباں ہیں کس قدر یاد شہ والاؐ کے پھول

گرد راہ کوچۂ آقا ہوئے تو پا گئے　　روشنی تقسیم کرنے کے ہنر میں اور چراغ

جب سے دیکھا ہے فضائے کوچہ طیبہ کا رنگ   گفتگو کرتا ہے مجھ سے عالم بالا کا رنگ

جس قدر جیش بنام مصطفیٰؐ دیتے رہے   ہم لبوں کو لہجہ باد صبا دیتے رہے

روشن کیے چراغ وہ زندگی قمرؔ   لے کر حروف مدحت خیر البشر سے کام

کراچی سے ایک اور تازہ نوجوان، توانا، مضبوط، اور پر یقین نعت کی آواز ابھری ہے۔ پہلے اس نے عصر حاضر کے ایک منظّم اور بظاہر مضبوط نظام سے انکار کی للکار آزاد نظم میں سنائی۔

کوئی مطلب ہی نہیں
مارکس کے فلسفۂ جہد شکم سے ہم کو
کیا غرض ہم کو کہ لینن نے دیا کیا پیغام
ہم فرائڈ کے پجاری ہیں نہ ہیگل کے غلام

اس کے بعد وہ اسی لہجے میں ایک پر زور اقرار پر اصرار کرتا ہے۔

ہم تو یہ جانتے ہیں امن و سکوں کی خاطر
صرف درکار ہے دنیا کو محمدؐ کا نظام

اس کے ساتھ ہی وہ بہ آواز بلند کہتا ہے:

کسی وہم نے صدا دی، کوئی آپؐ کا مماثل ؟
تو یقیں پکار اٹھا، کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
میرے دامن طلب کو ہے انھیں کے در سے نسبت
کہیں اور سے یہ رشتا، کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

اس پکار میں جو طلب ہے اس طلب میں جو خلوص ہے اس خلوص میں جو سچائی ہے وہ اس نوجوان شاعر کے یہاں افراط سے ملتی ہے۔

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا   ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

یہ آواز صبیح رحمانی کی ہے اور ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے ''جادۂ رحمت'' (۱۹۹۳ء) میں ریکارڈ ہے۔ یہ ایک خوبصورت نعتیہ تخلیق ہے۔ اس میں صبیح رحمانی حضور نبویؐ میں جالیوں کے سامنے نہایت ادب و احترام کے ساتھ نظریں جھکائے ایک جذب کے عالم میں دست بستہ کھڑے ہیں۔

بصیرت کے گلابوں نے مہک کر ان کی آنکھ کے سب خواب روشن کر دیے ہیں۔ یہاں تک کہ شاخ نظر پر رویت کا گلاب بھی کھلا ہوا ہے، ان کی نعتوں میں روشن فکری کا اجالا ہے، کہتے ہیں۔

نور سرکار دو عالمؐ کو پکارا میں نے
جب اندھیروں کے قدم وادیٔ جاں تک پہنچے

نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیات مصطفیٰؐ کو سوچنا، اول سے آخر تک

زباں کو تاب گویائی نہیں رہتی مدینے میں
صدا دیتی ہے لیکن چشم تر آہستہ آہستہ

حرا کے سوچتے لمحوں کو زندہ ساعتیں لکھ کر
صفا کی گفتگو کو آبشارِ آگہی لکھوں

ہو دل کا نور، نگاہوں کا نور، عالم نور
ہر یک نور کو نسبت مہ عربؐ سے ہے

آپؐ کے فلسفے کے بعد حضورؐ
فلسفے ہیں فضول سب کے سب

صد شکر اے صبیحؔ کہ توصیف مصطفیٰؐ
عنواں مرے ادب کا، مری شاعری کا ہے

صبیحؔ نے غزل کی فارم کے علاوہ آزاد نظم اور ہائیکو کی فارم بھی نعت کے لیے استعمال کی ہے۔ تین خوبصورت ہائیکو دیکھیے:

۱۔ لکھیے انؐ کا نام
اجلے موسم اتریں گے
دل پر صبح وشام

۲۔ یادِ پیغمبرؐ
اور چراغاں کرتی ہے
میری پلکوں پر

۳۔ صرف مدینے میں
اور کہاں پر اگتے ہیں
سورج سینے میں

جادۂ رحمت پر رواں ہونے سے پہلے صبیحؔ رحمانی ''ماہ طیبہ'' (۱۹۹۰ء) کی پوری چاندنی میں نہا چکے تھے۔ اس شعلے کی بدولت جو ایک پاکیزہ روشنی اور حرارت دے رہا تھا۔ وہ اہل فکر ونظر کے حلقوں میں نہ صرف متعارف ہو گئے بلکہ پسند بھی کیے جانے لگے۔ ان کی

ابتدائی نعتیہ شاعری کی اٹھان سے ہی دیکھنے والوں نے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات دیکھ لیے تھے۔''ماہِ طیبہ'' سے چند اشعار:

روحِ اسلام کا مفہوم ادا ہو جائے ملے اخلاق سے انسان جو انسان کے ساتھ

حق نے کونین پر کیا لازم آپؐ کا احترام صاحب جی

آپؐ کے نام سے مقبول ہے کاوش میری ورنہ میں کیا؟ مرے اشعار میں کیا رکھا ہے

ہم کو بھی صبیحؔ اس درِ رحمت نے نوازا جس در پہ ہوئے صاحب دستار بہت سے

عصر حاضر میں نعت نگاری کی یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ بے شمار اچھی اچھی معیاری نعتیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ بہت سا نعتیہ کلام اپنے اندر بڑا وزن اور جاذبیت رکھتا ہے۔ حالؔی کی شاعری سے پہلے کا رنگ بھی اپنی دلکشی رکھتا ہے۔ البتہ حالؔی کے رنگ سے کئی دھنک رنگ ظاہر ہوئے، جنھوں نے نعت نگاری کے افق کو وسیع کیا۔ نگاہوں کو نئے منظر دیے۔ وقت کے تسلسل کی طرح قدیم رنگ جدید رنگ میں ضم ہو گیا۔ زبان کا ارتقائی عمل بھی اس تبدیلی میں شریک ہے۔ بات کہنے کا جدید انداز بھی اس میں شامل ہے اور نئی لفظیات نے بھی اپنا جامہ اختیار کیا ہے، نئے معانی بھی الفاظ میں در آئے ہیں، نئے علوم سے شناسائی اور سائنس کے انکشافات نے بھی نئے امکانات دیے ہیں۔ نئے طرز احساس نے بھی اپنے گل کھلائے ہیں، نئے اسالیب زیر استعمال آئے ہیں۔ بنیادی بات یہ بھی ہے کہ جس نعت کے پس منظر میں ان عوامل کے ساتھ قرآن و حدیث کے لیے بے کنار علوم کا مطالعہ موجود ہے اس نے نعت نگاری کے حالیہ منظر کو ایسا دلکش اور اتنا جاذب توجہ بنا دیا ہے کہ جس طرف دیکھو نئے نئے کرشمے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، قدیم رنگ مولانا احمد رضا خاں اور دیگر شعرا کی نعتوں کا عالم کیف و سرور اور ذوق و شوق وفور آج بھی دلوں کو متاثر کرتے ہیں تو جدید شعرا کی نعتیں بھی اپنا گہرا اثر رکھتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ نعت نگاری اپنے پھیلاؤ میں ایک سمندر سے کم نہیں۔ کہیں قدیم و جدید کے سمندر آپس میں مل جاتے ہیں اور کہیں اپنی واضح حد بندی کے ساتھ دیکھنے والوں کو حیران کر دیتے ہیں۔ کہیں سمندر میں جدید نعت کی لہریں رواں ہیں اور کہیں جدید سمندر میں قدیم نعت کے مزاج کی رو بہتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بوقلمونی اور یہ رنگا رنگی ان مختلف کیفیات کی عطا ہیں جو نعت

گو پر طاری رہتی ہیں اور جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں ۔محبتوں ،عقیدتوں اور ارادتوں کی خوشبوئیں کسی مخصوص فضا کی حدود کی پابند نہیں ہوتیں ۔ چنانچہ غیر مسلم شعراء بھی اس وقت بے اختیار مدحتِ رسولؐ پر مجبور ہو گئے جب ان کی فکر نے حبِ رسولؐ کو کسی درجے میں بھی محسوس کیا اور ان کے انسانی شعور نے اس سرزمین کی وہاں تک سیر کرائی جہاں تک وہ ان کو لے جا سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ انسانی عظمت کی بات ہے۔ ورنہ تو بقول امام ابوحنیفہ اے کملی والے آپؐ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء عاجز رہ گئے ہیں۔ آپؐ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔

ادیب رائے پوری کہتے ہیں:

تری مدح و ثنا کا سلسلہ اے سیدِ عالمؐ خدا جانے کہاں سے ہے خدا جانے کہاں تک ہے

حالیؔ سے بھی پہلے غالبؔ نے فارسی میں کہا تھا:

آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب شان حق آشکار زشان محمدؐ است
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

بہت سے شاعروں نے سورہ فتح کی آخری آیت کے بمصداق مدحتِ رسولؐ کے ساتھ اصحاب رسولؐ کی مدحت بھی بیان کی ہے اور مولانا ظفر علی خان کے جذبے کو اپنایا ہے۔ آپؐ کے گھر والوں کی خدمت میں بھی اپنا نذرانہ نیاز پیش کیا۔ خان شاہدؔ اکبرآبادی نے تو یہ منقبتیں نہایت پر تاثیر انداز میں صنف تاریخ گوئی سے متعلق اپنی تصنیف ''جلوۂ خورشیدِ حرم'' میں پیش کر کے ایک بالکل ہی نئی طرح ڈالی ہے۔

عصر حاضر کی نعتوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع ہے۔ اس میں برابر اضافہ ہوتا ہی چلا جا رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اگر چند منتخب لیکن مشہور و معروف نعت گو شعراء کے کلام کو تنقید کی نظر دیکھا جائے تو اس میں زبان و بیان کی بے احتیاطیوں کے ساتھ معنوی بے اعتدالیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس سے کلیۃً شاید ہی کوئی بچا ہوا ہو۔ بہرصورت خود بھی تنقیدی نظر سے کام لینا چاہئے اور دوسروں کی نشان دہی پر اپنی اصلاح کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے۔ بصورت دیگر کاوشیں رائیگاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسی صورت حال سے خدا ہر نعت گو کو محفوظ رکھے۔ (مختلف کتابوں سے ماخوذ)

عصر حاضر میں نعت نگاری کے سلسلے میں جو تحقیقی کام اب تک ہوا خاصا وسیع ہے لیکن اس میدان میں ابھی گنجائش موجود ہے۔ تحقیق کے علاوہ تنقیدی سلسلے کا آغاز بھی ہو چکا ہے اور نئے نئے گوشے سامنے آرہے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے اپنی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء میں پہلے باب کا عنوان رکھا ہے ''نعت تحقیق وتنقید'' اور اس ضمن میں تحقیق کی جانب ذہن کو مبذول کیا ہے اور نعتیہ تنقید کا باقاعدہ سنگ بنیاد رکھا۔ نعت نگاری کا میدان ہر لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ بہت سے موضوعات ہیں اور ہر موضوع ایک الگ مقالہ چاہتا ہے۔ کام کرنے والے کام کررہے ہیں اور اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ مختلف جرائد ورسائل بھی بقدر استطاعت حصہ لے رہے ہیں۔ اور بہت مفید مواد پیش کررہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے شعرا میں سے چند کے دو دو شعر پیش کردیے جائیں جن سے عصری نعت کے مزاج کی مزید تصدیق ہوجائے گی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور عطائے پروردگار کا نہ حساب ہے نہ شمار۔ اس لیے بعض لوگ قدیم وجدید میں تفریق روا نہیں رکھتے۔ بقول علامہ اقبالؔ:

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم و جدید

لیکن کچھ لوگ قصہ قدیم وجدید میں دلیل کم نظری کے طور پر نہیں عصری مزاج کے حوالے سے گفتگو کے پہلو نکال ہی لیتے ہیں اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔ تغیرات زمانہ کے اثرات ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ تو عصری نعت کا ایک مزاج دیکھیے:

احسان دانشؔ:

اے زہے تقدیر یہ نکلا محمدؐ کا مقام — کوئی انسان و خدا کے درمیان درکار تھا
قافلے کو منزل انسانیت کے واسطے — نسل انساں سے امیر کارواں درکار تھا

احمد ندیمؔ قاسمی:

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا — میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

ادیب رائے پوری:
خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفیٰؐ نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں، خدا نہ کرے
درِ رسولؐ پہ ایسا کبھی نہیں دیکھا
کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے

ارتضیٰ عزمی:
نعت پڑھتا ہے کوئی دل سے تو جبریل امیںؑ
اس کی آواز میں آواز ملا دیتے ہیں
وہ کون سا گوشہ ہے حیات بشری کا
احسان نہیں جس پہ رسولِ کریمؐ کا

اعجاز رحمانی:
ڈوبتا جائے حیرتوں میں قلم
جس قدر تیرے واقعات لکھوں
تو نے بخشا ہے خیر و شر کا شعور
دن کو پھر کس طرح میں رات لکھوں

اقبال عظیم:
اثاثہ بوریا اور کالی کملی
مگر رتبہ شہِ ارض و سما ہے
دیا مٹی کا حجرے کا مقدر
مگر حجرہ نشیں بدر الدجیٰؐ ہے

انور شعور:
سروں کی بھیڑ میں انسان ڈھونڈنے والو
جمالیات کے ایوان ڈھونڈنے والو
نگاہ کھول کے دیکھو جمال سامنے ہے
محمدؐ عربی کی مثال سامنے ہے

بسمل آغائی:
ان کے در سے تو سب کچھ ملے گا مگر
اپنا کردار بھی دیکھنا چاہیے
اپنی قسمت پہ نہ کیوں ناز کرے وہ امت
جس کو قرآن ملا، تم ملے، اسلام ملا

تابش دہلوی:
محمدؐ دین بھی میرا، محمدؐ میری دنیا بھی
عقیدت کا یہی مسلک، ضرورت کا یہی رشتہ
تمام روحِ لطافت سے ہم کنار آیا
مدینے جا کے میں گردِ وجود اُتار آیا

جاذب قریشی:
زخموں کی قبا ہو کہ گلابوں کی ردا ہو
وہ رنگ ملے صل علیٰ جس پہ لکھا ہو

بجھ جاؤں اگر پیرہن عشق کو بدلوں جل جاؤں اگر ذہن تجھے بھول گیا ہو

حفیظ ہوشیار پوری:

ظہورِ نورِ ازل کو نیا بہانہ ملا حرم کی تیرہ شبی کو چراغ خانہ ملا
تری نظر سے ملی روشنی نگاہوں کو دلوں کو سوز تب و تاب جاودانہ ملا

خان شاؔہد اکبرآبادی:

خاکِ درِ سرکارؐ کو آنکھوں سے لگاؤ ہر زاویہ ہر رخ سے نظر آئے مدینہ
جس شان سے اترا مرے سرکارؐ پہ قرآں ویسے ہی مرے دل میں اتر آئے مدینہ

رئیؔس امروہوی:

عہد نو کی ضد کہ روح ارتقا نافذ کرو قلب کہتا ہے کہ عشق باضابطہ نافذ کرو
عقل کہتی ہے فقط سود ربا نافذ کرو عشق کہتا ہے نظام مصطفیٰؐ نافذ کرو

سلیم کوؔثر:

اس کی شاخوں پہ آکر زمانوں کے موسم بسیرا کریں
اک شجر جس کے دامن کا سایا بہت اور گھنیرا بہت
ہے یقیں راستوں پر سفر کرنے والے مسافر، سنو!
بے سہاروں کا ہے اک سہارا بہت، کملی والا بہت

سرور بارہ بنکوی:

اللہ اللہ میری قسمت ، ایسا رتبہ، اور میں!
جاگتی آنکھوں سے دیکھوں خواب طیبہ اور میں!
میں جہاں پر ہوں، وہاں محسوس کرتا ہوں سرور
جیسے پیچھے رہ گئے ہوں میری اور دنیا اور میں!

صادؔق دہلوی:

علم ہو کہ دانش، عقل ہو کہ حکمت ہو روشنی جہاں دیکھی ، نور مصطفیٰؐ پایا
جب کبھی قدم رکھ راہ منزل حق میں نقش پائے احمدؐ کو ہم نے رہنما پایا

عنایت علی خاں:

میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا
یہ مری عقیدت بے نصیب، یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعوئ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

ماؔہر القادری:

رسولؐ مجتبیٰ کہیے، محمدؐ مصطفیٰؐ کہیے — خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے
شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیاءؐ کہیے — محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب خدا کہیے

محشؔر بدایونی:

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت — ساری اچھائیاں ایک انسان میں!
ہم نبیؐ کی محبت سے باہر کہاں؟ — یہ محبت تو شامل ہے ایمان میں!

محشؔر رسول نگری:

انسانیت ملے گی یہیں یہیں کائنات میں — تکمیل پا چکی ہے محمدؐ کی ذات میں
یہاں قدر ہوتی ہے اخلاص دل کی — یہاں آپ جھکتا ہے سر اللہ اللہ

نصیؔر گوئی:

کھلا یہ راز طلب گار جادہ حق پر — کہ روشنی کا پتہ روشنی سے ملتا ہے
ہے اس کے ذہن میں تلقین مصطفیٰؐ اب بھی — جو آشنا کی طرح اجنبی سے ملتا ہے

وحیدہ نسیؔم:

حامدؐ ہے تیرا وصف محمدؐ ہے تیرا نام — رتبہ ترا بلند ہے اعلیٰ ترا مقام
کٹ جائے ساری عمر ترے ذکر پاک میں — مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں

اس مقالہ کے مندرجات اور بالخصوص اس باب کی معروضات کی بنیاد پر یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ نعت ایک ایسی صنف سخن ہے، جس کا ستارہ ہر دور میں روشن اور تابناک رہا ہے اور ہر آن اور ہر زمان میں کامیابی نے اس کے قدم چومے ہیں۔ یہ صنف جیسے جیسے ترقی کی منزلیں طے کرتی گئی ویسے ویسے اس کے موضوعات کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا اور اس فن میں نئی نئی تکنیک پیدا ہوتی گئیں۔ یہ وہ محبوب صنف سخن ہے جسے شعرا

نے قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے اپنی شاعری میں ایک اہم مقام عطا کیا۔ منبع نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رتبہ اور آپؐ کی وہ شان وشوکت ہے کہ صرف مسلم شعرا ہی آپؐ کے مداح نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم شعرا بھی آپؐ کی توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور انھوں نے بھی کافی بلند پایہ نعتیں لکھی ہیں، جو ہر اعتبار سے لائق تحسین وآفرین ہیں۔ انھیں رسول پاک ﷺ کی عظمت کا صحیح علم تھا۔ چنانچہ انھوں نے بھی کافی حزم واحتیاط اور ادب واحترام کے ساتھ بارگاہ نبویؐ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کی نعتوں میں اس قدر خلوص ومحبت کے جذبات کارفرما ہیں کہ ایک غیر مسلم اور مسلم کی نعتوں میں فرق وامتیاز قائم کر پانا کافی دشوار ہے۔ اس میدان میں خواتین شعرائے نعت نے بھی کافی اچھے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ غرض کہ صنف نعت کو ہر دور میں شہرت ومقبولیت حاصل ہوتی گئی۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نعت کا مستقبل کافی روشن اور شاندار ہے۔ ماضی اور حال کے آئینہ میں ہمیں اس کے روشن اور تابناک مستقبل کی ایک صاف وشفاف تصویر دکھائی دیتی ہے، موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں نعت گوئی کے اسالیب اور ہیئات میں بھی اضافے ہوئے، قصیدہ ومثنوی کی بجائے غزل اس عہد کی نمائندہ ومقبول ہیئت ہے۔ اس عصر میں ترجیع بند وترکیب بند، رباعی، تضمین اور دیگر ہیئات کا استعمال غزل کی بہ نسبت بہت کم رہا۔ غزل میں حروف تہجی کے اعتبار سے دواوین نعت مرتب کرنے کے بجائے جدید شعری مجموعوں کی طرح نعتیہ مجموعے مرتب ہوئے۔ نعت میں کینٹو (Cento) کی طرز پر طویل منظومات کا رواج ہوا۔ بہت سے ایسے نعتیہ مجموعے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے جو ایک ہی نعت پر مشتمل ہیں۔ بطور نمونہ درج ذیل مجموعے ملاحظہ فرمائیں:

غزل وقصیدہ کی ہیئت میں	منحمنا (عبدالعزیز خالدؔ) فارقلیط (عبدالعزیز خالدؔ)
مسدس	فخر کونین (محشرؔ رسول نگری) دارین (احسان دانشؔ)
آزاد نظم	اہل نظر (مہدی نظمیؔ) عبدہ (عبدالعزیز خالدؔ)
مثنوی	حضرت محمدؐ منظوم (ضمیر علی دل طالب نگری)
	بقعۂ انوار (شمیم یزدانی)

مختلف ہیئتوں میں صلصلۃ الجرس (عمیقؔ حنفی) ہے اس میں پابند معرا اور آزاد نظم کی ہیئت کا استعمال ہوا ہے۔

عصر حاضر کی نعتوں میں ذات وصفات محمدیؐ کے علاوہ سیاسیات، واقتصادیات، تصوف اور اخلاقیات سے لے کر تہذیب وثقافت اور ذاتی ماحول ومشاہدات نگاری کے نمونے ملتے ہیں، جن کی مثالیں اس مقالہ میں ماقبل میں نقل کی جا چکی ہیں۔

عصر حاضر میں رسائل و اخبارات:

عصر حاضر میں رسائل واخبارات نے بھی نعت کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ''سیر و سفر'' کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے نعت نمبر نکالا، نعت کے موضوع پر دوسرا خاص نمبر ''صریر خامہ'' سیر وسفر کے کئی سال بعد ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا موخر الذکر نمبر (صریر خامہ) میں انتخاب کے ساتھ نعت کے فکر وفن پر چند تحقیقی وتنقیدی مضامین بھی شامل ہیں، جب کہ اول الذکر یعنی سیر وسفر کا دائرہ نعتیہ کلام کے انتخاب تک محدود ہے۔ نعت کے موضوع، فن اور ارتقائی جائزہ پر تیسری اہم دستاویز ماہنامہ شام وسحر، لاہور کا نعت نمبر (مطبوعہ فروری ۸۱ء) ہے۔ ان کے علاوہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ کے ادبی جریدہ ہمک، کا رحمۃ للعالمین نمبر، مطبوعہ ۱۹۸۰ء) بھی نعتیہ ادب کے بارے میں اہم معلومات اور انتخاب نعت رکھتا ہے، حال ہی میں محفل لاہور کے خیر البشر نمبر (مطبوعہ مارچ ۸۱ء) میں بھی کچھ نعتیہ مواد شائع ہوا ہے۔ کراچی سے شائع ہونے والا مجلّہ نعت رنگ، گل سر سبد مجلّات ہیں۔

ان رسائل کے علاوہ سیرت رسول اکرمؐ کے موضوع پر چھپنے والے خصوصی شماروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ خصوصاً ربیع الاول کے مہینے میں مذہبی رسائل اور اخبارات کے خاص نمبروں کی اشاعت ایک روایت کا درجہ اختیار کر چکی ہے، ان رسائل واخبارات میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت و پیغام کے تذکار کے ساتھ نعتیں، فن نعت اور نعت گوشاعروں کے بارے میں بھی مضامین شائع ہوے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے قومی وملی تہواروں اور تقریبات کے مواقع پر اخبارات ورسائل کے جو خاص شمارے شائع ہوتے رہتے ہیں ان میں نعتیہ ادب کے نمونے ایک لازمی جز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کو چھپنے والی ملی اشاعتوں کے ذریعہ ہر ہفتہ نعت کا خاصا ذخیرہ تخلیق وشائع ہوتا رہتا ہے۔

عصر حاضر میں ریڈیو اور ٹی وی نے بھی نعت کے فروغ وارتقا میں قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں، ان اداروں کے خصوصی پروگراموں (ربیع الاول، معراج، لیلۃ القدر اور محرم ورمضان المبارک وغیرہ) کے علاوہ معمول کی نشریات میں بھی پرانے اور نئے شاعروں کی نعتیں نشر ہوتی رہتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان سنٹرل پرودکشنز کی نیشنل ساؤنڈ لائبریری میں محفوظ نعتوں اور قوالیوں کے کیٹلاگ کا مطالعہ کیا جائے تو نعت کے فروغ ومقبولیت کے سلسلے میں ریڈیو کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ نعتیں اور قوالیاں، کٹیلاگ میں ۸۱۷ نعتوں اور قوالیوں کی تعداد ملتی ہے، جنھیں ۲۶۵ شاعروں نے لکھا ہے اور ۲۷۴ فن کاروں نے گایا، ان کا کل دورانیہ ۴۷۴۰ منٹ (تقریباً) ہے۔ اردو، عربی، فارسی، نیز مختلف علاقائی زبانوں میں گائے جانے والی ان نعتوں میں ۵۲۱ نعتیں بغیر ساز کے اور ۲۴ سازوں کے ساتھ گائی گئی ہیں۔ اس نعتیہ سرمایہ میں ۵۴۷ نعتیں اور ۱۳۴ قوالیاں شامل ہیں۔

گراموفون کمپنیوں اور فلموں نے بھی نعت کی مقبولیت کے دائرہ کو وسیع کیا۔ ماضی قریب میں کیسٹوں نے اس روایت نعت میں کافی اضافہ کیا، فلم، ریڈیو، ٹی وی، گراموفون اور کیسٹوں کے ذریعہ نعت خوانی اور نعتیہ قوالیوں کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ''ذرائع ابلاغ عامہ اور نعت کی تشہیر ومقبولیت کا موضوع ایک جداگانہ مقالے کا مستحق ہے۔ گراموفون ریکارڈ اور کیسٹوں کے وسیلے سے جہاں پرانے شعرا کی نعتیں از سر نو زندہ ہو رہی ہیں، وہاں نئے لکھنے والوں کی نعتیں بھی مشہور ہو رہی ہیں۔ یہ شہرت بھی دوسرے محرکات نعت کی طرح عصر جدید کا ایک اہم جذبہ ہے، جس نے نئے شاعروں کو نعت گوئی کی طرف راغب کیا ہے۔ ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے فروغ پانے والی نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ غیر معیاری سہی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے نعت کے دائرے کو وسعت دی اور اسے مقبول عام بنایا۔ ذرائع ابلاغ عامہ نے نعت کو گھر گھر پہنچا دیا تو نعت خوانی اور نعت گوئی کے مواقع بڑھے۔ مختلف تقریبات محافل، اعراس اور مجالس میلاد نیز نعتیہ نشستوں اور مشاعروں میں نعت گوئی کو فروغ ملا۔ بقول اقبال عظیم:

> ''غیر معمولی مقبولیت کے سبب نعتیہ مشاعروں نے اب ایک ثقافتی و دینی تحریک کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اگر ہم چاہیں تو

یہ چلتی پھرتی درسگاہیں ہیں، تبلیغ دین، تہذیب واخلاق وتعمیر کردار
کا موثر ترین ذریعہ ثابت ہوسکتی ہیں جوایک بگڑے ہوئے اسلامی
معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔''

اردو نعت کا عصر حاضر دراصل نعت کے روشن مستقبل کا باب آغاز ہے۔عصر حاضر تک آتے آتے اردو نعت کو اصناف سخن میں جو مرتبہ ومقام حاصل ہوا ہے وہ اس کے کبھی ختم نہ ہونے والے امکانات کا ثبوت ہے۔آج اردو نعت کے معیار اور اس کی فکری وفنی عظمت اور مضامین وموضوعات کی وسعت دیکھ کر یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں نعت رسول ﷺ کا جو اثاثہ موجود ہے وہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ہے۔عربی وفارسی میں بلاشبہ نعت کے اعلیٰ نمونے تخلیق ہوئے مگر جہاں تک سرمایہ نعت کا تعلق ہے عربی وفارسی کی نعتیہ شاعری کو یکجا بھی کرلیا جائے تو اس کی مقدار اردو نعت کے برابر نہیں ہوتی۔یہ فخر صرف اردو زبان کو حاصل ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے نعتیہ مجموعوں، انتخابوں، گلدستوں اور میلاد ناموں کی تعداد ہزاروں تک جاچکی ہے۔

عصر حاضر میں امین راحت چغتائی، اجمل نیازی اور صلاح الدین پرویز جیسے شاعروں نے نظم کی صورت میں کامیاب موثر اور دلآویز نعتیں کہی ہیں۔جب کہ حنیف اسعدی، کرم حیدری، راز کاشمیری، سردسہارن پوری، عزیز حاصل پوری، اصغر حسین خان، نظر لدھیانوی، یزادانی جالندھری، ذوقی مظفر نگری، علیم ناصری، سید عاصم گیلانی، امین نقوی، سرور کیفی، صہبا اختر، قمر یزدانی، گوہر ملسیانی، راشد بزمی، افسر عباس زیدی، تاباں عابدی، رحمان گیانی، ولی الحق انصاری ولی، طاہر فتح پور، قمر سنبھلی، علیم صبانویدی، راہی پرتاپ گڑھی، والی آسی، تسنیم فاروقی، بشیر فاروقی، فیضی مظاہری، نادم لکھنوی، عطا عابدی، نجم مظفر نگری، ہیرا نند سوز، سعید عارفی، خالد احمد، منیر قصوری، راجہ رشید محمود، ریاض حیدر چودھری، انجم نیازی، جعفر بلوچ، انور جمال، عبرت بہرائچی، ساغر لکھیم پوری اور دوسرے بہت سے شاعروں نے رسول اکرم ﷺ سے عشق اور والہانہ شیفتگی کا اظہار غزل کی صورت میں کیا ہے۔

غزل بلاشبہ اردو کی مقبول اور دل آویز صنف ہے، مگر نعت بھی شاعروں کا محبوب ترین موضوع ہے غزل کی ہیئت میں نعت کے موضوع کا بیان ہو تو کیف ودلآویزی دوچند ہوجاتی

ہے آج کی نعت جس کا بڑا حصہ غزل ہی کی ہیئت میں لکھا جا رہا ہے۔ اردو کی تمام اصناف سخن کا ماحصل ہے۔ اس میں موضوع کی عظمت و رفعت کے ساتھ ہر صنف شعر کی خوبیاں ایک نفاست اور قرینے سے در آئی ہیں، تذکار رسولؐ میں اردو شاعر جو صوری اور معنوی حسن پیدا کر رہے ہیں اس سے دوسری اصناف سخن محروم ہیں۔ آج نعت کی وسعت و تنوع، عظمت و رفعت، ندرت و جدت اور مقدار، معیار اردو زبان و ادب کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ بلا شبہ آج اردو نعت '**و رفعنا لك ذكرك**' کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے رہی ہے۔

پاکستان، ہندوستان ہی کا ایک ٹکڑا ہے، جو چند بنیادوں پر اپنے اصل سے کٹ گیا ہے، تاریخی تمدنی، ثقافتی اور جغرافیائی اعتبار سے دونوں میں بے حد مماثلت ہے۔ اردو اور اسلام مذہب بھی اسی، اتحاد کی ایک کڑی ہے اسی لیے دونوں ملکوں میں نعت کا ارتقاء اسلام اور اردو کی بقا کے ساتھ منسلک ہے۔ دونوں ملکوں کی نعتوں کے ارتقائی سفر میں بھی کافی یگانگی ہے۔

راقم الحروف ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے نعت کی اہمیت و افادیت اور اس کے مستقبل پر روشنی ڈالتے ہوئے درست لکھا ہے:

> ''بانی اسلام نے فرمایا تھا" **من كذب على متعمدا فليتبوّ مقعده فى النار**" (جس نے دیدہ و دانستہ مجھ پر بہتان تراشی کی اور میری طرف وہ بات منسوب کی جس کو میں نے نہیں کیا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) اس لیے نعتیہ شاعری کے ہر دور میں اس مقدس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں دو ایک ایسے شاعر ضرور مل جاتے ہیں جو اپنی شعری کاوشات کے ذریعہ شاعری میں غیر فطری عناصر کے خدوخال کو روکتے اور اصلیت، واقعیت اور حقیقت پسندی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ نعتیہ اثاثہ نے اردو ادب کو وہ تلمیحات عطا کی ہیں جو اسے کسی دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوسکتی تھیں۔ نعت میں میانہ روی اور اعتدال ضروری ہے۔ اس میں افراط و تفریط دونوں ہی خطرناک ہیں۔ افراط سے عبد عبودیت کی حدود سے متجاوز ہو کر الوہیت میں داخل ہو جاتا ہے

> اور تفریط سے بانیٔ اسلام کی تنقیص لازم آتی ہے۔اسی لیے ''باخدا دیوانہ باش وبامحمد ہوشیار'' والی بات کہی گئی ہے۔اچھے نعت گوشعرا نے ہمیشہ ہوشمند ذہن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی نعتیں لکھی ہیں۔ اس طور پرنعت نے اردوشاعری کو میانہ روی، اعتدال پسندی اور ہوشمندی کے بیش بہا جواہر سے مالامال کیا۔ اردو نعت نے شاعروں کودل ودماغ سے کام کرنا سکھایا۔نعت میں ذہن وقلب دونوں کی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ تنہا ذہن شعریت کے لیے سم قاتل اور تنہا قلب اعتدال کے لیے مہلک ہے۔''

نعت ایک ایسا پودا ہے،جس کا خاصّا سرسبزی وشادابی ہے۔ یہ درست ہے کہ علمیت کی کمی اور مذہب سے کماحقہ ناواقفیت نے نعتیہ قصائد میں کساد بازاری پیدا کردی،لیکن نعت، غزل، نظم، گیت، ترانہ، نظم معرا، سانٹ، ہائیکو، ترائیلے وغیرہ کی ساختوں میں اپنے کوڈھال کراس طرح جلوہ گر ہوئی کہ اس کی بازار میں آج بھی ہماہمی نظر آتی ہے اور مستقبل میں بھی اس کا وجود زبان وادب اور مسلم قوم کی بقا کے ساتھ منسلک نظر آتا ہے۔ زبان وادب نے صدہا کروٹیں لیں لیکن ہر کروٹ میں نعت رعنائی، شادابی اور تروتازگی کے ساتھ درخشاں و تاباں نظر آتی رہی ہے۔نعت میں مطابقت پذیرائی کی بہترین صلاحیت ہے وہ اپنے کو ہر ہیئت ہر سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ وہ مسائل حیات سے زبردست وابستگی رکھتی ہے اور زندگی کی تاریک سے تاریک موڑ پر مشعل راہ بن کر رہنمائی کرتی ہے۔اسی لیے ہندوپاک ہر دوممالک میں اس کا مستقبل کافی روشن اور درخشاں ہے۔

کتابیات

کتابیات کے ذیل میں صرف ان مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و رسائل کو درج کیا جائے گا جن کو اس مقالہ میں بطور تائیدی یا تردیدی سرمایہ کے استعمال کیا گیا ہے۔ استشہادی کلیات، دواوین، شعری مجموعات و رسائل کی تعداد چونکہ ہزاروں میں ہے، اس لیے ان کو کتابیات میں شامل نہیں کیا گیا۔ استشہادی کتب و رسائل و جرائد میں دو چار ایسی کتابیں و رسائل و جرائد ضرور مشمول ہیں، جو اپنے مقدموں اور پیش لفظوں کی بنا پر اہم ہیں اور نعت کے حوالے سے مفید اور کارآمد مواد کی حامل ہیں۔

کتابیات

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ابن ماجہ — ابوعبداللہ محمد یزید ابن ماجہ القزوینی

۳۔ ابوداؤد — سلیمان بن الاشعث ابوداؤد سجستانی

۴۔ اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن — جان پورٹ

۵۔ التعلیق المجد علیٰ موطا امام محمد — ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی

۶۔ اذان بتکدہ — محمد الدین فوق

۷۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر — پروفیسر عاصی کرنالی

۸۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ — راجہ رشید محمود

۹۔ اردو نعت پاکستان میں — راجہ رشید محمود

۱۰۔ اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا عالم تذکرہ — بہر زماں ﷺ۔ نور احمد میرٹھی

۱۱۔ اردو کے صاحب کتاب نعت گو — راجہ رشید محمود

۱۲۔ اردو شاعری میں نعت (قلمی) — ڈاکٹر اسماعیل آزادؔ فتح پوری

۱۳۔ اردو شاعری میں دوہے کی روایت — ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی

۱۴۔ اردو شاعری میں نعت (جلد اول) — ڈاکٹر اسماعیل آزادؔ فتح پوری

۱۵۔ اردو شاعری میں نعت (جلد دوم) — ڈاکٹر اسماعیل آزادؔ فتح پوری

۱۶۔ اردو شاعری میں نعت گوئی — ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

کتاب	مصنف
۱۷۔ اردو کی غزل کی نشو ونما	ڈاکٹر رفیق حسین
۱۸۔ اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام	مولوی عبدالحق
۱۹۔ اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ
۲۰۔ اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سید دلدار حسین فرمانؔ فتح پوری
۲۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ (قلمی) تحقیقی مقالہ	ڈاکٹر شاہدہ پروین
۲۲۔ اردو کے ارتقاء میں ہندو شعرا کا حصہ	گنپت سہائے سریواستوا
۲۳۔ اردو گیت	ڈاکٹر قیصر جہاں
۲۴۔ اردو میں نظم معرا اور آزاد نظم	ڈاکٹر حنیف کیفی
۲۵۔ اردو مثنوی کا ارتقاء	ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی
۲۶۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں (جلد اول)	ڈاکٹر گیان چند جین
۲۷۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں (جلد دوم)	ڈاکٹر گیان چند جین
۲۸۔ اردو میں قصیدہ نگاری	ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ
۲۹۔ اردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمود الٰہی
۳۰۔ اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء	الطاف فاطمہ
۳۱۔ اردو میں نعت گوئی	ڈاکٹر ریاض مجید
۳۲۔ اردو میں میلاد نامے	ڈاکٹر مظفر عالم جاوید
۳۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ
۳۴۔ اردو نعت کا شرعی محاسبہ	شمس بدایونی
۳۵۔ اردو نعت: تاریخ وارتقاء	سید افضال حسین نقوی فضل فتح پوری
۳۶۔ اردو نعت کا صنفی وہیئتی مطالعہ	ڈاکٹر شکیلہ خاتون (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ)
۳۷۔ ارمغان حرم	شاہ معین الدین احمد ندوی
۳۸۔ ارمغان نعت	شفیق بریلوی

۳۹۔ الروض الانف ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ الہیلی

۴۰۔ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب ابوعمر یوسف بن عبداللہ

۴۱۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ علامہ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی

۴۲۔ اصناف ادب اردو ڈاکٹر قمر رئیس

۴۳۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں شمیم احمد

۴۴۔ افکار سلیم وحیدالدین سلیم

۴۵۔ القاموس مولانا مجدالدین محمد الفیر وزآبادی

۴۶۔ اقبال کامل مولانا عبدالسلام ندوی

۴۷۔ الکلام المبین مفتی عنایت احمد

۴۸۔ المجموعۃ النبھانیہ فی المدائح النبویہ شیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی

۴۹۔ المدائح النبویہ فی الادب العربی ڈاکٹر ذکی مبارک

۵۰۔ المسلم ابوالحسین مسلم حجاج بن مسلم القشیر ی النیشا پوری

۵۱۔ المنجد الاب لویس الیسوعی

۵۲۔ الوفا علامہ جوزی

۵۳۔ اودیسی ہومر

۵۴۔ آہنگ حجاز عرش ملسیانی

۵۵۔ بارہ ماسہ مفتی الٰہی بخش

۵۶۔ بارہ ماسہ مولانا عبداللہ انصاری

۵۷۔ برصغیر میں عربی نعت ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

۵۸۔ بہار کی اردو نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ فرحانہ شاہین

۵۹۔ بخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ابن مغیرہ الحبشی البخاری

۶۰۔ بزم طرب حصہ اول مرتبہ کنور اندر سکسینہ

۶۱۔ بہترین تذکرہ مخزونہ کتب خانہ شاغل جے پوری

۶۲۔ بیسوی صدی میں اردو کے غیر مسلم

نعت گو شعرا (قلمی تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر نگار سلطانہ
۶۳۔ پاکستان کے نعت گو شعرا	سید محمد قاسم
۶۴۔ پنجابی نعت	ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی
۶۵۔ تاریخ اسلام (کامل)	مولانا عبدالقیوم ندوی
۶۶۔ تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ
۶۷۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول)	ڈاکٹر جمیل جالبی
۶۸۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم (حصہ اول)	ڈاکٹر جمیل جالبی
۶۹۔ تاریخ ادب اردو (حصہ دوم)	ڈاکٹر جمیل جالبی
۷۰۔ تاریخ داستان اردو	علامہ حامد حسن قادری
۷۱۔ تاریخ قصائد اردو	مولوی جلال الدین احمد جعفری
۷۲۔ تاریخ مثنویات اردو	مولوی جلال الدین احمد جعفری
۷۳۔تاریخ میلاد	حکیم عبدالشکور مرزاپوری
۷۴۔تاریخ نظم ونثر	آغا محمد باقر
۷۴۔ تاریخ نعت	سید اسماعیل رضا ذبیحؔ زید پوری
۷۵۔ تالیف مختلف الحدیث	علامہ ابن قتیبہ
۷۶۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا	سعادت خان ناصرؔ
۷۷۔تذکرہ شاعرات پاکستان	شفیق بریلوی
۷۸۔ تذکرہ معاصرین جلد اول	
۷۹۔ تذکرہ معاصرین جلد دوم	
۸۰۔ تذکرہ معاصرین جلد سوم	
۸۱۔ تذکرہ ماہ وسال	مالک رام
۸۲۔ تذکرہ نعت گویان اردو جلد اول	پروفیسر سید یونس شاہ گیلانی
۸۳۔تذکرہ نعت گویان اردو جلد دوم	پروفیسر سید یونس شاہ گیلانی
۸۴۔تذکرہ نعت گوشاعرات	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری

۸۵۔ تلمیحات — محمود نیازی
۸۶۔ تلمیحات و مصطلحات — ساحر لکھنوی
۸۷۔ تمدن ہند — ڈاکٹر گستاوی ہان مرتبہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی
۸۸۔ جدید اردو شاعری — ڈاکٹر عبدالقادر سروری
۸۹۔ جلالین — جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی
۹۰۔ جواہر اعجاز فی فضائل النبی المختار — علامہ نبہانی
۹۱۔ چند ہم عصر — ڈاکٹر عبدالحق
۹۲۔ حسرت موہانی شخصیت اور کارنامے (قلمی)
(زندانی ادب کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) — ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
۹۳۔ حسن محمد — سید محمد امین علی شاہ نقوی
۹۴۔ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح جنتری — سید اسماعیل رضا ذبیح زیدی
۹۵۔ حی علی الثناء — ڈاکٹر ریاض مجید
۹۶۔ خصائل الکبریٰ (جلد اول) — علامہ جلال الدین سیوطی
۹۷۔ خم خانہ جاوید (جلد چہارم) — لالہ سری رام
۹۸۔ خم خانہ جاوید (جلد پنجم) — لالہ سری رام
۹۹۔ خیر البشر کے حضور میں — ممتاز حسن
۱۰۰۔ دورۃ الاخبار — قاسم
۱۰۱۔ دریائے لطافت — انشاء اللہ خاں انشا
۱۰۲۔ دکن میں اردو — نصیر الدین ہاشمی
۱۰۳۔ دکنی کلچر — پروفیسر ہارون خاں شیروانی
۱۰۴۔ دلی کا دبستان شاعری — ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی
۱۰۵۔ راجستھان میں اردو ادب کے لیے
غیر مسلم حضرات کی خدمات — ڈاکٹر ابو الفیض عثمانی
۱۰۶۔ روح اقبال — ڈاکٹر یوسف حسین خاں

کتاب	مصنف
۱۰۷۔ ریحان معراج	قاسم
۱۰۸۔ زادالمعاد جلد دوم	علامی ابن قیم
۱۰۹۔ سرور جہان آبادی حیات اور شاعری	ڈاکٹر حکم چند نیر
۱۱۰۔ سعادت یار خاں رنگین	ڈاکٹر صابر علی
۱۱۱۔ سندھی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی
۱۱۲۔ سیرت النبی کامل (جلد اول)	ابن ہشام
۱۱۳۔ سیرت النبیؐ کامل (جلد دوم)	ابن ہشام
۱۱۴۔ سیرت المصطفیؐ (جلد اول)	میر ابراہیم سیالکوٹی
۱۱۵۔ شرح وقایہ (جلد اول)	عبداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ عبادی انصاری
۱۱۶۔ شعرالہند (جلد دوم)	مولانا عبدالسلام ندوی
۱۱۷۔ شعرالعجم	علامہ شبلی نعمانی
۱۱۸۔ شمائل رسولؐ	یوسف بن اسماعیل النبھانی
۱۱۹۔ شمائل ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
۱۲۰۔ شواہدالنبوہ	نورالدین عبدالرحمٰن جامی
۱۲۱۔ شہر آشوب کا تحقیقی مطالعہ	ڈاکٹر نعیم احمد
۱۲۲۔ عربی ادب کی تاریخ	محمد عبدالاحد
۱۲۳۔ عربی میں نعتیہ کلام	ڈاکٹر عبداللہ ندوی
۱۲۴۔ عصر حاضر کے نعت گو	گوہر ملسیانی
۱۲۵۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو علی گڑھ	شعبۂ علی گڑھ یونیورسٹی
۱۲۶۔ علی المرتضیٰ	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
۱۲۷۔ عہد آصف جاہی میں اردو نعتیہ شاعری	ڈاکٹر اطہر النساء بیگم
۱۲۸۔ غیاث اللغات	محمد غیاث الدین
۱۲۹۔ غیر مسلم نعت گو شعرا اور شاعرات کا حصہ (بہر زمان بہر زبان صلی اللہ علیہ وسلم)	نور احمد میرٹھی

۱۳۰۔ فرہنگ آصفیہ	خاں صاحب مولوی سید احمد دہلوی
۱۳۱۔ فرہنگ عامرہ	عبداللہ خوشیگی
۱۳۲۔قصیدہ نگاران اتر پردیش	علی جواد زیدی
۱۳۳۔کاشف الحقائق (جلداول)	امداد امام اثر
۱۳۴۔کاشف الحقائق (جلددوم)	امداد امام اثر
۱۳۵۔کاوشیں	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
۱۳۶۔کتاب احوال النبیؐ (قلمی)	سید حیات
۱۳۷۔کتاب العمدہ	علامہ ابن رشیق
۱۳۸۔کتاب الاغانی	ابوالفرج اصفہانی
۱۳۹۔کتاب الصراح فی لغۃ الصراح	مولانا عبدالمجید
۱۴۰۔ کرناٹک میں اردو نعتیہ شاعری	شاہدہ نسرین
۱۴۱۔ کریم اللغات	مولانا کریم الدین
۱۴۲۔گل رعنا	حکیم عبدالحی
۱۴۳۔لغات کشوری	
۱۴۴۔لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
۱۴۵۔محمد رسول اللہؐ	سید محمد امین علی شاہ نقوی
۱۴۵۔محمد ہی محمدؐ	سید محمد امین علی شاہ نقوی
۱۴۶۔مختصر المعانی	علامہ سعدالدین تفتازانی
۱۴۷۔مدارج النعت	علی حسین ادیب رائے پوری
۱۴۸۔مدح رسولؐ	راغب مرادآبادی
۱۴۹۔مذہب اور شاعری	ڈاکٹر اعجاز حسین
۱۵۰۔مشکوٰۃ النعت	علی حسین ادیب رائے پوری
۱۵۱۔ معروضہ	الیاس برنی
۱۵۲۔مغازی الصادقہ	علامہ واقدی

۱۵۳۔مصباح اللغات — مولانا عبدالحفیظ بلیاوی
۱۵۴۔مقدمہ شعروشاعری — خواجہ الطاف حسین حالی
۱۵۵۔مومن شخصیت اورفن — ڈاکٹرظہیر احمد صدیقی
۱۵۶۔مواہب لدنیہ — حافظ قسطلانی
۱۵۷۔میراں جی شمس العشاق — محمد ہاشم علی
۱۵۸۔میلادنامہ — حسن نظامی
۱۵۹۔نثرخیاباں آفرینش — امیر مینائی
۱۶۰۔نسیم طیبہ — جنگ بہادرخاں تابش
۱۶۱۔ نشرالطیف فی فکرالنبی الحبیب — اشرف علی تھانوی
۱۶۲۔ نعت رسول اکرمؐ درشعرفارسی — سیدضیاالدین دھشیری
۱۶۳۔نعت کے چندشعرائے متقدمین — ڈاکٹرسیدشمیم گوہر
۱۶۴۔نعت کی شرعی حیثیت — شمس بدایونی
۱۶۵۔سندھی شاعری کاحصہ — رحیم بخش قمرلاکھو
۱۶۶۔ نعتیہ شاعری کاارتقاء — ڈاکٹرمحمداسماعیل آزادفتح پوری
(عربی وفارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ)
۱۶۷۔نعت کائنات — راجہ رشید محمود
۱۶۸۔نعتیہ ہائیکو — محمداقبال نجمی
۱۶۹۔ نغمات سماع — سیدنورالحسن مودودی صابری
۱۷۰۔نوراللغات (جلدسوم) — مولوی نورالحسن نیر
۱۷۱۔ نورالانوار — مولاناشیخ احمدالمعروف بہ ملاجیون
۱۷۲۔نورسخن — نوراحمدمیرٹھی
۱۷۳۔نورالسماوات — علیم صبانویدی
۱۷۴۔واقعۂ معراج — خواجہ بندہ نوازگیسودراز
۱۷۵۔ہسٹری آف فلاسفی — ڈاکٹرتاراچند

۱۷۶۔ ہندو شعرا دربار رسولؐ میں	محمد محفوظ الرحمٰن
۱۷۷۔ ہندو شعرا کا نعتیہ کلام	فانیؔ مراد آبادی

جرائد و رسائل:

۱۷۸۔الرشید (لاہور	نعت نمبر ۱۹۹۲ء
۱۷۹۔اردو (کراچی)	جولائی ۱۹۶۸ء
۱۸۰۔الفرقان	ج ۴۳ شمارہ ۱
۱۸۱۔ اقرا (پاکستان)	نعت نمبر ۱۹۸۰ء
۱۸۲۔اقلیم (پاکستان)	مئی ۱۹۸۱ء
۱۸۳۔اوج (لاہور)	نعت نمبر ۱۹۹۳ء
۱۸۴۔الہلال	مولانا ابوالکلام آزادؔ
۱۸۵۔الہام	نعت نمبر دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۸۶۔آج کل (دہلی)	
۱۸۷۔ پرتی شیر شک	راشٹریہ ایکتا خاص نمبر ۱۵۔۱۶، دسمبر ۱۹۸۴ء
۱۸۸۔ پگڈنڈی	دسمبر ۱۹۶۴ء
۱۸۹۔تحریریں نعت نمبر	جنوری ۱۹۸۵ء
۱۹۰۔تحریریں نعت نمبر	جولائی اگست ۱۹۸۵ء
۱۹۱۔تحریریں نعت نمبر	اکتوبر ۱۹۸۸ء
۱۹۲۔تحریریں نعت نمبر	ستمبر ۱۹۹۱ء
۱۹۳۔حمد و نعت نعت نمبر	(کراچی)
۱۹۴۔سیرت طیبہ	۱۹۹۳ء
۱۹۵۔سیر و سفر نعت نمبر	اگست ۱۹۶۳ء
۱۹۶۔ شام و سحر (لاہور) نعت نمبر	جنوری فروری ۱۹۸۱ء
۱۹۷۔شام و سحر (لاہور نعت نمبر	جنوری فروری ۱۹۸۱ء
۱۹۸۔شام و سحر (لاہور) نعت نمبر	جنوری فروری ۱۹۸۵ء

۱۹۹۔شام وسحر (لاہور) نعت نمبر	جنوری فروری ۱۹۸۸ء
۲۰۰۔ شیرازہ	ستمبر ۱۹۷۶ء
۲۰۱۔صریرخامہ	نعت نمبر ۱۹۷۶ء
۲۰۲۔فروغ اردو (لکھنؤ)	محسن کاکوروی نمبر
۲۰۳۔لکھاری (پنجاب پاکستان)	فروری ۱۹۸۴ء
۲۰۴۔لکھاری (پنجاب پاکستان	اپریل ۱۹۸۵ء
۲۰۵۔لکھاری (پنجاب پاکستان)	اکتوبر نومبر ۱۹۸۶ء
۲۰۶۔شان ہند (دہلی)	
۲۰۷۔کتاب نما (دہلی)	جلد دوم
۲۰۸۔کتاب نما (دہلی)	جلد سوم
۲۰۹۔نعت نمبر از ایک تا ۲۸ نمبر	مدیر اولیٰ سید صبیح الدین رحمانی
۲۱۰۔دبستان نعت از نمبر ۱ تا نمبر ۳	مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی
۲۱۱۔پاکستانی زبانوں میں نعت	از سید صبیح رحمانی
روایت وارتقا	۲۰۱۷ء
۲۱۲۔ ملاداؤداورچندائن	از ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادفتح پوری
سن تخلیق ۷۸۱ھ=۸۰۔۱۳۷۹ء	مطبوعہ ۲۰۱۸ء
۲۱۳۔نعتیہ شاعری کے فروغ میں نعت رنگ	از حلیمہ سعدیہ منگلوری ۲۰۱۸ء
۲۱۴۔اردوشاعری میں نعت	ناشر نعت ریسرچ سنٹر کراچی مطبوعہ ۲۰۱۸ء
۲۱۵۔کراچی کا دبستان نعت	از منظر عارفی نعت ریسرچ سینٹر کراچی
۲۱۶۔نعت شناسی	از ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
۲۱۷۔نعت اورتنقید نعت	از ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
۲۱۸۔قوسین	از آفتاب کریم
۲۱۹۔اصولِ نعت گوئی	از حلیم حاذق ناشر نعت ریسرچ سینٹر

تمت بالخیر

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی مطبوعات و منتظرات

(کتب و رسائل) مع سنہ اشاعت

نمبر شمار	نام مطبوعات (کتب و رسائل)		سنہ اشاعت
۱۔	کاوشیں		۱۹۸۵ء
۲۔	اردو نعت اور غیر مسلم شعراء		۱۹۸۷ء
۳۔	نعتیہ شاعری کا ارتقاء (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ)		۱۹۸۸ء
۴۔	علی المرتضیٰؓ		۱۹۸۸ء
۵۔	مولانا حکیم سیّد ظہور الاسلام		۱۹۸۹ء
۶۔	اردو شاعری میں نعت جلد اوّل (ابتدا سے عہد محسن تک)		۱۹۹۲ء
۷۔	اردو شاعری میں نعت جلد دوم (حالؔی سے حال تک)		۱۹۹۲ء
۸۔	الانصار		۱۹۹۲ء
۹۔	بدیع و بیان		۱۹۹۲ء
۱۰۔	ندوۃ العلماء: محرک و بانی		۱۹۹۶ء
۱۱۔	آئینہ اغلاط		۱۹۹۶ء
۱۲۔	منتخبۂ سعدؔی و حافظؔ		۱۹۹۹ء
۱۳۔	ہندی ادب کی مختصر ترین تاریخ		۲۰۰۱ء
۱۴۔	الانصار مع اضافات جدیدہ		۲۰۰۲ء
۱۵۔	رموزِ بلاغت		۲۰۰۲ء
۱۶۔	مدرسہ اسلامیہ فتح پور (ابتدا سے ۲۰۰۸ء تک)	(اردو)	۲۰۰۸ء
۱۷۔	مدرسہ اسلامیہ فتح پور (ابتدا سے ۲۰۰۸ء تک)	(ہندی)	۲۰۰۸ء
۱۸۔	تراویح اور رکعاتِ تراویح		۲۰۰۸ء
۱۹۔	فاتحہ یا ایصال ثواب		۲۰۰۸ء
۲۰۔	ننّاوے		۲۰۰۸ء
۲۱۔	العقائد		۲۰۰۸ء

۲۲۔ اذانِ فجر و نماز فجر کا مسنون طریقہ ۲۰۰۹ء
۲۳۔ نماز کا مسنون طریقہ حنفی مسلک کے مطابق ۲۰۱۰ء
۲۴۔ تتمّہ ۲۰۱۰ء
۲۵۔ امام ابوحنیفہؒ: احوال وکوائف ۲۰۱۱ء
۲۶۔ امام ابوحنیفہؒ ایوم حنفی ودھی کی شاشوتا (ہندی) ۲۰۱۱ء
۲۷۔ امام حسنؓ (ایک انوکرنیہ ویکتو) (ہندی) ۲۰۱۱ء
۲۸۔ بات اپنی (ہندی) ۲۰۱۱ء
۲۹۔ قرآن پاک اور اعجاز قرآن ۲۰۱۲ء
۳۰۔ امام حسنؓ: ایک قابل تقلید عبقری شخصیت ۲۰۱۳ء
۳۱۔ سوغاتِ صنم خانہ ۲۰۱۳ء
۳۲۔ انتخاب فارسی مع اضافات جدیدہ ۲۰۱۴ء
۳۳۔ جادۂ ادب ۲۰۱۴ء
۳۴۔ صدائے حرم ۲۰۱۴ء
۳۵۔ رانی کیتکی کی کہانی اور اس کا تخلیق کار ۲۰۱۴ء
۳۶۔ مشہد حسینؓ ۲۰۱۵ء
۳۷۔ انصار: ایک دستاویز ۲۰۱۶ء
۳۸۔ مولانا حسرت موہانی اور فتح پور ۲۰۱۶ء
۳۹۔ تاریخ فتح پور ۲۰۱۷ء
۴۰۔ ملّا داؤد اور چنداین ۲۰۱۸ء
۴۱۔ ہندوپاک کی اردو نعتیہ شاعری تقسیم سے اب تک ۲۰۱۹ء

منتظرات:

۴۲۔ مہاجرینِ بدر و احد ؟
۴۳۔ اصحابِ بیعتِ رضوان ؟
۴۴۔ فتح مکّہ اور اس کے عواقب ؟
۴۵۔ اردو کے امّی شعراء کا فکری اثاثہ ؟